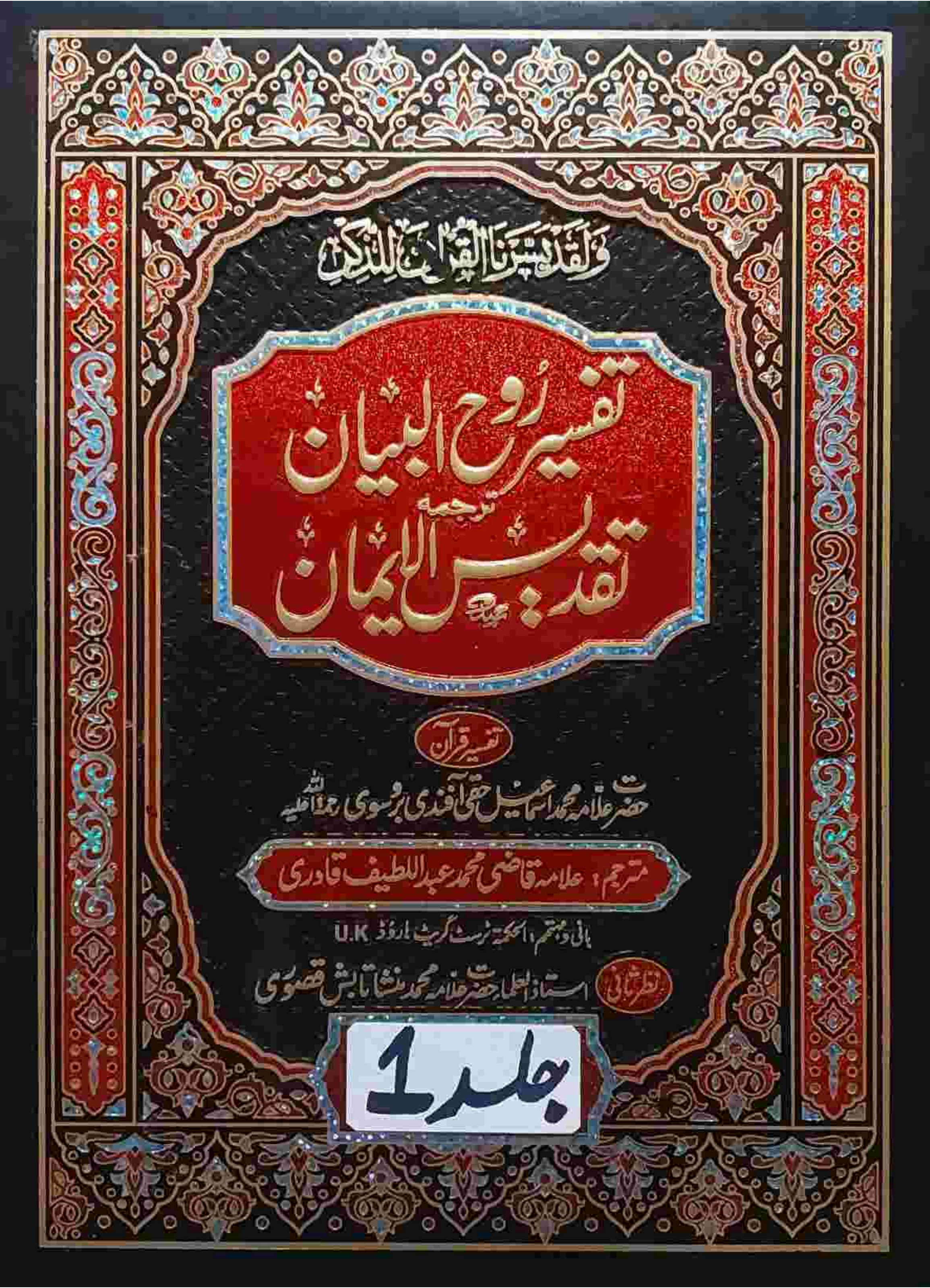

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد 1

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی ومہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 1 تا 3

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب	......☆......	تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان
تفسیر قرآن	......☆......	حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وتخریج	......☆......	علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
	......☆......	بانی و مہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K
نظر ثانی	......☆......	استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
پروف ریڈنگ	......☆......	علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری 0300-9506527
	......☆......	علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری
	......☆......	مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی
پروف ریڈنگ قرآن	......☆......	قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331
	......☆......	(رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)
کمپوزنگ	......☆......	حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622
اشاعت اول	......☆......	2021
مجلدات	......☆......	10

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



آغاز: تفسیر روح البیان

از قلم: علامہ محمد اسماعیل حقی بروسوی

الحمد لله الذی اظهر من نسخة حقائقة الذاتية الكمالية نقوش العوالم والاعلام واخرج من نون الجمع الفاقی انواع الحروف والكلمات والكلام انزل من مقام الجمع والتنزيه قرآنا عربيا غير ذی عوج وجعله معجزة باقية علی وجه كل زمان ساطعة البراهين والحجج والصلوة والسلام علی من هو فاتح باب الحضرة فی العلم والعين واليقين سيدنا محمد الذی كان نبيا وآدم بين الماء والطين وعلی آله واصحابه المتخلقين بخلق القرآن ومن تبعهم باحسان الی آخر الزمان۔

امابعد! بندہ اسماعیل حقی، ہم نام اسماعیل ذبیح علیہ السلام اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے رب کریم سے عفو وعطا کی التجا کر کے اپنے اوپر بیکراں لطف وکرم کے انعام والی بارش کی امید کرتا ہوں۔ اسے رسول اکرم ﷺ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجنے کی کریمی کا صدقہ۔ اللہ تعالیٰ اس میری سعی کو قبول فرمائے۔ اور میرے تمام دوستوں کو شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے۔ اور ہر آنے والا دن موت تک بہتر بنائے اور ہمیں روحانی ترقی نصیب فرمائے۔

علم تفسیر:

ایک ایسا فن ہے۔ کہ اس میدان میں قدم رکھنا ہر جوان کا کام نہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی طاقتور اور شیر بہادر ہو۔ نہ ہر امیر اس جھنڈے کو اٹھا سکتا ہے۔ اگر چہ یہ انتہائی واضح اور روشن بیان ہے۔ جس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ایک طرف اس کام کی بہت بڑی عظمت اور دوسری طرف ہماری فرصت کی کمی اور کوتاہیاں بے حساب۔ تسلیم کرتا ہوں کہ میں قلیل البضاعۃ اور قصیر الباعۃ ہوں۔ لیکن میرے پیر و مرشد استاد بہت بڑے عالم اور فہیم اپنے وقت کے سلطان، اپنے علم و عرفان کی وجہ سے مخلوق کیلئے اللہ تعالیٰ کی حجۃ، اسرار خلافت کے علی التحقیق وارث۔ گیارہویں صدی کے بالاتفاق مجدد حسبی نسبی سید نام نامی اسم گرامی سید عثمان۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمنام ہیں۔ ان کا حکم ارشاد ہوا کہ تم شہر بروسہ میں چلے جاؤ جو اولیاء اللہ کا مرکز ہے۔ (اللہ تعالیٰ اسے شر و فساد سے محفوظ رکھے) چنانچہ میں آپ کے حسب حکم ۱۰۶۰ھ میں وہاں پہنچا۔ اس سے پہلے میں روم کے ایک شہر میں مقیم تھا۔ اب بروسہ کی جامع مسجد کبیر جو نورانی عبادت گاہ کے نام سے مشہور تھی اس میں مقیم ہو گیا اور وہاں سوائے وعظ و نصیحت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میرے پاس چند کتب تھیں۔ اور چند تفاسیر کے متفرق اوراق تھے۔ میرا ارادہ ہوا۔ کہ میرے پاس جو چند اوراق ہیں میں ان میں کچھ اضافہ کروں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دی۔ تو اول فرصت میں انہیں تحریر میں لاؤں گا۔ تاکہ وہ میرے لئے آخرت میں ذخیرہ بنے۔ جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی شفاعت کی ابتداء کرنے والا نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اسے میرے لئے صالحات اعمال اور خالصات الآثار اور باقیات الصالحات سے بنائے۔ کیونکہ وہ کریم جب کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس کے اعمال لوگوں کی نظروں میں اچھے بنا دیتا ہے۔ اور اسے خیرات کا اہل بنا دیتا ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ علم تفسیر ایسا فن ہے کہ اس میدان میں پڑنا ہر کسی کا کام نہیں، خواہ کوئی کتنا بڑا شیر بہادر کیوں نہ ہو، نہ یہ جھنڈا ہر امیر اٹھا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کی زندگی اسی کی حصول میں گذری ہو اور یہ ایسا واضح اور روشن بیان ہے کہ جس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اب ایک طرف اس کی اتنی بڑی عظمت اور دوسری طرف ہماری ہمت اور فرصت کی کمی۔ اور بے شمار کوتاہیاں۔ اور ہم نے بہت بڑے بڑے علماء و فضلاء کو دیکھا۔ جن کی تقریر و تحریر کی دنیا میں دھاک ہے۔ وہ اس میدان میں بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ لیکن منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی قضاء و قدر کے تیر نے ایسی ضرب لگائی۔ کہ وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اس لئے کہ اجل انسان کو مقرر گھڑیوں سے آگے نہیں جانے دیتا۔ نہ ہی

زمانہ اپنی دست وبرد سے کسی کو معاف کرتا ہے۔

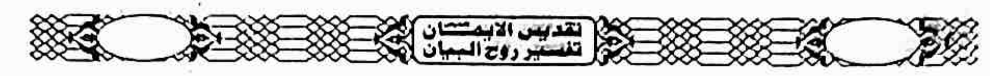
ویسے بھی دنیا کا عیش ہر کسی کو راس نہیں آتا اور نہ ہی اس نے کسی کو صاف پانی پینے دیا ہے۔ خواہ وہ آب حیات کا ساقی بن بیٹھے۔ بتاؤ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کوئی موت کے شکنجے سے بچا ہے اور وہ کون سی نعمت ہے، جسے موت نے اہل نعمت کیلئے منغض نہ کیا ہو۔

جب میں نے بھی اس تفسیر کو شروع کیا۔ تو میرے دل میں خیال گذرا۔ کہ مجھ سے افضل واعلیٰ حضرات اپنی تفسیروں کو مکمل نہ کر سکے۔ تو میں کیسے پورا کرلوں گا۔ تو اسی اثناء میں میں نے خواب دیکھا۔ جس سے پہلے تو مجھے انتہائی خوف محسوس ہوا۔ اور بہت گھبراہٹ نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ لیکن جوں ہی میں نے اس کی تعبیر میں غور وخوض کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ ان شاء اللہ مجھے اس کی اتنی مہلت ملے گی۔ کہ میں اس تفسیر روح البیان کو پایہ تکمیل تک پہنچادوں گا۔ اگر چہ اس خواب کی تعیین نہیں تھی۔ صرف مبہم طور پر یہ معلوم ہوا کہ ابھی زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔

ادھر میری عمر بھی چالیس برس سے آگے ہو رہی تھی اور اس بات کو سب جانتے ہیں کہ جب انسان چالیس سال سے آگے تجاوز کرتا ہے تو وہ بڑھاپے کی طرف قدم رکھ دیتا ہے اور اعضاء کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو پھر انسان اپنے آپ کو تھکا ہارا ہوا محسوس کرتا ہے، اس کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی نہ تھی۔ اس لئے اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر آنسو بہائے۔ اور ان کو اپنے لئے بہتر وسیلہ سمجھا۔ کہ وہ کریم میری اس عاجزی کو قبول فرما کر مجھے اس تفسیر روح البیان کو آخر تک لکھنے کی توفیق بخشے گا۔ اور اس کو لکھنے کے دوران تمام علائق وعوائق مجھ سے دور فرمائے گا۔ اور میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔ کہ یہ کام بہت بڑا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف وکرم سے تو کوئی بھی چیز بڑی نہیں۔

"فلك الحمد فی الاولی والآخرة علی عنایتك الكبری، والحمد الله رب العالمین"۔

اسی ذات پر بھروسہ کر کے میں نے اس عظیم کام کو شروع کر دیا۔



تفسیر روح البیان مخالفین کی نظر میں:

مولوی محمد صدیق حسن خان بھوپالی نے اپنی تصنیف، اکسیر فی اصول تفسیر ص ۸۲ پر لکھا ہے کہ تفسیر روح البیان علامہ اسماعیل حقی نے اپنے شیخ عارف کامل حضرت عثمان قدس سرہ کے حکم سے قسطنطنیہ میں لکھی، تو مولوی بھوپالی صاحب تفسیر روح البیان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هو فی ستة مجلدات وقد طبع فی هذا الزمان بمصر القاهرة یحتوی علی معارف وحقائق علی لسان التصوف"۔

(یعنی وہ تفسیر چھ جلدوں میں ہے، اس کے اندر حقائق ومعارف کو جمع کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس میں تصوف زیادہ بیان ہوا۔ اور فارسی میں اشعار بھی کثرت سے لائے گئے اور مصنف روح البیان نے نہ صرف مولانا روم کا تتبع کیا، بلکہ وہ بہت بڑا مولانا روم کا معتقد ہے اس لئے وہ اپنی تفسیر میں ان کے اشعار کثرت سے لایا۔ حالانکہ کوئی بھی ذی علم اور ذی شعور اس بات کو علم تفسیر کے خلاف نہیں جانے گا۔ اس الزام سے مخالف نے صرف اپنی بدمذہبی کا اظہار ہی کیا ہے۔ اس لئے کہ تفسیر روح البیان تو علم وعرفان سے بھرپور ہے۔ مثنوی کے مطالعہ سے بے ایمانوں کو ایمان اور اہل حق کو عرفان، کی دولت نصیب ہوئی۔ گویا تفسیر روح البیان اہل سنت کے مسلک اور احناف کے مذہب کے مطابق ہے اور تصوف تو اسلام کیلئے گویا عطر ہے اور یہ تفسیر برکات کی جامع ہے۔ اہل سنت کے مایہ ناز عالم دین مولانا فقیر محمد جہلمی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اسماعیل حقی آفندی رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل، فاضل مستند، مفسر، سراج العلماء، زبدۃ الفضلاء نے امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید اور اعانت کی ہے۔ لہٰذا خواص وعوام اہل سنت جو صحیح سنی مسلک اور حنفی مذہب اور طریقہ تصوف کے متلاشی ہیں اور سچے عاشق رسول ہیں۔ وہ روح البیان تفسیر کو حرز جان بنائیں۔ اس سے لاپرواہی نہ برتیں۔ (میں فیض احمد اویسی) اہل سنت کو یقین دلاتا ہوں کہ تفسیر روح البیان نہایت معتبر تفسیر ہے۔ اصول تفسیر کے عین مطابق ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی تفسیر کیلئے جن پندرہ علوم وفنون میں مہارت کی شرط لگائی۔ وہ تمام علوم اس تفسیر میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر خصوصاً اہل سنت پر صد افسوس کہ ہمارے سنی بھائی جلد ہی غلط پروپیگنڈہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر وہ اپنے بزرگوں کی تفسیر کے بجائے دوسروں کی تفاسیر کی تعریف شروع کر دیتے ہیں۔ کہ جی تفسیر ابن کثیر بہت اچھی تفسیر ہے۔ تفہیم القرآن بہت اچھی ہے حالانکہ وہ دونوں مسلک اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کی تحریروں سے خارجیت اور رافضیت واضح ہے یاد رکھو عقائد کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ تفسیر اگر ہے تو وہ یہی تفسیر روح البیان ہے۔

جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، تزکیہ وغیرہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ باقی تفسیروں میں کئی طرح کے نقائص پائے گئے ہیں۔ مگر اس تفسیر کو حقیقت کی نگاہ سے پڑھنے والا ضرور مانے گا۔ کہ جو اس تفسیر میں موتی پروئے گئے ہیں۔ وہ لطف اور کسی تفسیر میں نہیں ہے۔ تفسیر روح البیان کی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں حنفی مسلک کو خوب اجاگر کیا گیا ہے اور یہ تفسیر تفسیری اصولوں کے مطابق ہے، اور اس میں عقائد اہل سنت کو خوب واضح دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ عارف رومی، سعدی، ابن عربی اور نجم الدین کبریٰ رحمہم اللہ کے تصوف کو خوبصورت طریقے سے بیان کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفسیر روح البیان تفسیری قواعد وضوابط کے لحاظ سے بہت اعلیٰ تفسیر ہے۔

خصوصاً موجودہ زمانے کے مخالفین کے اہل سنت کے معمولات پر جتنے اعتراضات ہیں۔ ان تمام سوالات کے جوابات تفسیر روح البیان کے اندر موجود ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کو اس کے مطالعہ سے اندھیرے میں رکھا گیا۔ اور یہ کہہ کر بدنام کیا گیا کہ یہ کوئی بلند پایہ تفسیر نہیں ہے، مخالفین نے تو اپنی عادت کے موافق اس کی مخالفت کرنی ہی تھی لیکن افسوس یہ ہے کہ اہل سنت کے حضرات نے بھی مخالفین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس اعلیٰ تفسیر کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ جس سے عوام اہل سنت نے یہی سمجھا کہ واقعی شاید یہ تفسیر غیر معتبر ہے۔ (حالانکہ یہ تفسیر اگر ہر مسجد میں پڑھی جاتی تو کوئی بدعقیدہ نہ ہوتا)۔

روح البیان کی خصوصیات جو خود صاحب تفسیر نے بیان کیں:

۱۔ اس تفسیر میں طوالت کے بجائے اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے، صرف آیات کے اصل منشاء کو واضح کیا گیا ہے، البتہ متقدمین کی معتبر و مستند تفاسیر کا خلاصہ اس میں ضرور بیان کیا گیا تا کہ اسے مقبولیت حاصل ہو۔

۲۔ ہر آیت کے ضمن میں دل پذیر پند ونصائح بیان کی گئیں تا کہ دلوں کو جلاء اور روحوں کو سرور حاصل ہو۔
۳۔ موقع کے مطابق بزرگوں کے فارسی اشعار بھی لکھے گئے، تا کہ اہل دل لوگوں کو روحانی سکون حاصل ہو۔
۴۔ جن تفاسیر یا احادیث یا فقہ کے مسائل کا حوالہ دیا گیا، ان کی حتی المقدور اصل عبارت بھی لکھ دی گئی۔ البتہ بعض جگہ عبارت کو مختصر کر دیا گیا کسی خاص وجہ سے، تو اس کے مطالب میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا۔
۵۔ اپنا نظریہ یا اپنی رائے بہت کم کسی جگہ آنے دی، اگر کہیں ہے بھی تو وہ کسی شیخ کامل یا معتبر ولی کی بات کا خلاصہ ہوگا۔

علامہ فیض احمد اویسی فرماتے ہیں:

کسی کتاب کو زبان سے غیر معتبر یا ضعیف کہہ دینا، یہ مخالفین کا ہمیشہ طریقہ رہا ہے تا کہ لوگ اسے کچھ نہ سمجھیں، یہی حال روح البیان کے ساتھ مخالفین نے کیا اور اپنے بھی ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، اور اسے پڑھنا چھوڑ دیا۔ لیکن جب کوئی اس تفسیر کو پڑھتا ہے تو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم نے پڑھنے کے بعد محسوس کیا۔ کہ فن تفسیر میں اس تفسیر کو اصول وقواعد کے لحاظ بلکہ ہر لحاظ سے تمام تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کو سابقہ مستند و معتبر تفاسیر اور کتب احادیث اور فقہ کی کتب کے حوالہ جات سے مزین فرمایا ہے۔ اور جس طرح تصوف کو اس کتاب میں سمویا مخالفین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان مذکورہ وجوہات کی بناء پر یہ تفسیر بہت اعلیٰ ہے۔ بشرطیکہ اس تفسیر کو تعصب کی عینک اتار کر پڑھا جائے تو پھر حقیقت حال واضح ہوگی۔

صوفیانہ تفسیر کے فوائد:

۱۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عالمانہ کو بیان کرنے کے بعد صوفیانہ تفسیر بھی بیان فرمائی ہے، اصول تفسیر میں صوفیانہ تفسیر کو حق مانا گیا ہے، مخالفین کے اکابر نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ علامہ فیض احمد اویسی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اس تفسیر کا ترجمہ اس لئے کیا کہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ جن مسائل اور عقائد کو علماء اہل سنت خصوصاً مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے چودہویں صدی میں بیان کیا وہی عقائد و مسائل گیارہویں صدی میں بھی علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کئے۔ باقی فتووں کا کیا ہے، لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو

بدعتی کہا ہے، حضرت عثمان اور مولا علی رضی اللہ عنہما کو خارجیوں اور بلوائیوں نے مشرک وکافر تک کہا۔

۲۔ چونکہ یہ تفسیر عربی میں تھی اور قدیم طرز پر تھی لہذا اسے دور حاضرہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی اور اس میں عنوانات قائم کئے گئے اور مختصر حواشی بھی لکھے گئے۔

۳۔ عوام کی آسانی کیلئے ادیبانہ طریق کو چھوڑ کر سادہ اور آسان ترین اردو زبان میں ترجمہ کیا اور بفضلہٖ تعالٰی اس تفسیر کے متن کو ادا کیا۔ تاکہ عوام اس کو آسانی سے پڑھ سکیں، علماء اور ادباء سے گذارش ہے، کہ اس سے کیڑے نکالنے کے بجائے اصلاح فرمادیں۔

مترجم تفسیر ہذا قاضی محمد عبداللطیف عرض کرتا ہے:

میں نے ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ جب حرمین شریفین عمرہ کی سعادت حاصل کرنے مکہ شریف میں گیا۔ تو وہاں سے اور کتابوں کے علاوہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر روح البیان دونوں خریدیں۔ نیت یہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک تفسیر کو اول سے آخر تک عوام کے سامنے بیان کروں گا، چنانچہ وہاں سے واپس آکر میں نے روح البیان کو اول سے شروع کیا۔ انگلینڈ میں اس وقت ہیمل ہمسٹیڈ کی مسجد میں امام تھا۔ تقریباً ایک پارہ وہاں ختم ہوا کہ اتفاق سے مجھے نیوکاسل میں جانا پڑ گیا۔ وہاں کے لوگوں نے جب درس روح البیان سنا تو ان کو بہت پسند آیا۔ اس لئے کہ اس سے روح کو تازگی ملتی تھی، تو انہوں نے کہا، آپ اسے دوبارہ ابتداء سے شروع کریں تو میں نے پھر پہلے پارے سے شروع کردیا۔ پھر جہاں جہاں امامت رہی وہیں درس کو جاری رکھا۔ الغرض ۲۰۱۷ء اکتوبر میں گویا پچیس سال میں تفسیر کے آخر تک پہنچا۔

رمضان شریف میں درس کے بجائے مکمل قرآن پاک کا ترجمہ کئی سال تک ہوتا رہا یعنی ہر روز ایک پارہ باترجمہ ہوتا لیکن عوام کیلئے اتنا وقت نکالنا مشکل تھا پھر کئی سال تک روزانہ ظہر کے بعد دو یا تین رکوعات کا ترجمہ کردیا جاتا رہا، اس میں بھی لوگ اتنی دل جمعی سے نہیں بیٹھتے تھے تو اب چند سالوں سے درس فقہ وضو نماز کے مسائل بیان ہو رہے ہیں اسے لوگوں نے بہت پسند کیا ہے۔ گذشتہ سال ۲۰۱۹ء میں کرونا وائرس کی وجہ سے کچھ نہیں ہوسکا۔ رمضان شریف میں مسجد بند تھی۔

درس قرآن کی چھٹی صرف ان ایام میں ہوتی۔ جب مجھے پاکستان جانا ہوتا یا حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوتی تھی۔ تفسیر روح البیان کا ذوق اس قدر بڑھا کہ میں نے ۲۰۱۴ء سے اس کا ترجمہ لکھنا بھی شروع کر دیا لیکن میں نے اسے مختصر کر دیا تا کہ عوام بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور میں نے صرف اس کے وہ مشکل مسائل جو عوام کی سمجھ سے بالا تھے، مثلاً ترکیب صرفی نحوی یا تصوف کے وہ پیچیدہ اسرار و رموز جو عوام کی سمجھ سے باہر تھے انکو چھوڑ دیا اور بہت آسان الفاظ میں اردو ترجمہ کیا تا کہ پڑھنے والا جلد سمجھ جائے۔

میں نے تین سال میں ترجمہ کے ساتھ تفسیر مکمل کر دی اتفاق یہ ہوا کہ درساً اور تحریراً تفسیر روح البیان ایک ہی تارخ کو ختم ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آرزو ہے کہ کرم فرمائے اور یہ تفسیر جلد چھپ کر عوام کے پاس پہنچ جائے۔ مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے۔ کہ میری اردو اتنی اچھی نہیں ہے۔ بس میں نے اس تفسیر سے بہت لطف اٹھایا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اردو والے حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہوں۔ اور کسی جگہ کمزوری پائیں کہ اردو صحیح نہیں یا ترتیب صحیح نہیں تو وہ میری نالائقی کے سبب ہے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ اور میری اس کاوش کو اللہ رب العالمین اپنی جناب میں قبول و منظور فرمالے اور میرے لئے اور میرے مخلصین و محبین کیلئے ذریعہ نجات فرمائے۔ آمین

مترجم تفسیر روح البیان
محسن اہل سنت علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
خطیب جامع مسجد غوثیہ ایلزبری، انگلینڈ

نوٹ

تفسیر ہذا کی پروف ریڈنگ کیلئے
ہم نے مقدور بھر کوشش کی کہ کوئی غلطی باقی نہ رہے
باوجود بار بار پڑھنے کے اگر کوئی غلطی باقی رہ گئی ہو تو
قارئین سے گذارش ہے کہ
مطلع فرمادیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے۔



نشان منزل:

مترجم تفسیر روح البیان کے احوال وآثار

از مولانا محمد منشاء تابش قصوری

تفسیر روح البیان کے مترجم ومدون حضرت علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری مدظلہ نہایت مستعد عالم اور مستند فاضل ہیں۔ سینکڑوں علماء اور فضلاء کے استاد محترم ہیں۔ آپ اپنی دینی وملی خدمات کے باعث علماء کرام میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ موصوف نے علوم وفنون اسلامیہ، عربیہ کی تکمیل کے بعد محنت ومشقت کو اپنایا۔ عرصہ دراز تک وطن عزیز پاکستان کے مختلف مقام پر امامت وخطابت اور درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ پھر دیار غیر میں تبلیغ اسلام کا شوق دامن گیر ہوا تو انگلینڈ کو اپنا مستقر ٹھہرایا، جہاں پر سالہاں سال سے مذہب حق اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت میں کوشاں ہیں۔

تفسیر روح البیان قرآن فہمی کیلئے لکھی جانے والی تمام تفاسیر میں علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا علمی اور روحانی شاہکار ہے آپ نے تفسیر میں بے شمار جہتوں پر کام کیا۔ علوم وفنون کے وہ موتی بکھیرے جو قیامت تک طالبان علم وحکمت کو نور حق سے منور کرتے رہیں گے۔ بالخصوص تصوف پر آپ نے بہت سی آیات سے استدلال کیا اور تفسیر عالمانہ اور تفسیر صوفیانہ ایسے باب قائم فرمائے۔

تفسیر روح البیان پر اگرچہ اس سے قبل بھی اردو زبان میں کام ہوا مگر مولانا الموصوف نے خوبصورت انداز میں راھوار قلم کو چلایا اور تفسیر کو آسان اور سہل الفاظ میں بیان فرمادیا جس سے عام قاری کو بآسانی قرآن فہمی حاصل ہو سکے گی۔ تفسیر کے ترجمہ پر سیر حاصل گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے مترجم ومدون مدظلہ کے مختصر تعارف پر اکتفاء کرتا ہوں کیونکہ

مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

علامہ مولانا قاضی محمد عبداللطیف قادری مدظلہ بمقام بلاول ضلع راولپنڈی میں ۶ نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ بروز بدھ پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم کا آغاز گھر سے ہی ہوا چونکہ مذہبی گھرانہ تھا، آپ کا خاندان

نسلاً بعد نسل حفاظ، قراء اور علماء کئی پشتوں تک بیان کیا جاتا ہے۔

آپ کے دادا جان قاضی میاں خورشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا خاندانی شجرہ یوں بیان فرماتے تھے، بقول مترجم تفسیر روح البیان شجرہ یہ ہے:

قاضی محمد عبداللطیف بن قاضی محمد یوسف بن میاں خورشید بن میاں فضل دین بن میاں محمد عظیم بن میاں محمد اشرف بن محمد عارف بن رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا خاندانی شجرہ ''قطب شاہی اعوان'' سلسلہ نسب سے جاملتا ہے۔

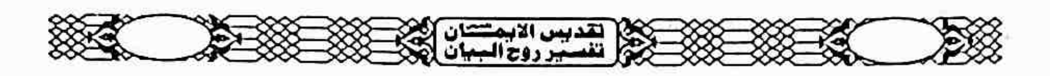
تعلیم کا آغاز:

سکول کی تعلیم چوتھی جماعت تک گاؤں ہی میں پڑھی، پھر اپنے ماموں کے ہاں ٹیکسلا چلے آئے جو کہ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا میں اسلامیات کے ٹیچر تھے وہاں مڈل پاس کیا اس کے بعد آپ کے ماموں جان بھوئی گاڑ ضلع اٹک میں کئی سو سال پرانی درس گاہ جہاں حضور اعلیٰ گولڑوی پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی زیر تعلیم رہے، میں شعبہ کتب کیلئے بطور مدرس متعین ہوئے۔ یاد رہے مولانا موصوف کے ماموں حافظ نذر الرحمن صاحب دیوبندی مکتبہ فکر سے متعلق ہیں ان کے پاس آپ نے ابتدائی چار سال درس نظامی کی کتب فارسی، صرف اور نحو کی ابتدائی کتب پڑھیں۔

۱۹۶۲ء میں قاضی صاحب مدظلہ کو اپنے دوسرے ماموں مولوی منظور حسین صاحب دیوبندی (مرحوم) مدرس مدرسہ حسینیہ امداد القرآن، جامع مسجد فاروقیہ فیصل آباد سے صرف ونحو اور فقہ کی متعدد کتب پڑھنے کا موقع حاصل ہوا۔ اس کے بعد ملہوالی تحصیل پنڈی گھیب ضلع اٹک جانا ہوا جہاں مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بیٹے مولوی عبدالقدوس صاحب کے پاس ایک سال تک علمی استفادہ کرتے ہوئے: قطبی، کافیہ، شرح جامی اور ہدایہ شریف وغیرہ کتب پڑھیں۔

۱۹۶۵ء میں مدرسہ عربیہ اشرف العلوم باغبانپورہ گوجرانوالہ میں دیوبندی علماء سے ابتدائی دورہ پڑھنے کا موقع ملا۔ اگلے سال واہ کینٹ کے قریب لوسر شرفو میں سید لال شاہ بخاری صاحب کے پاس چھوٹا دورہ کیا اسی سال کے آخر میں مولوی غلام اللہ خان دیوبندی سے تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں دورہ قرآن شریف میں شرکت ہوئی۔ (مذکورہ تمام اساتذہ کا تعلق علماء دیوبند سے تھا)۔

۱۹۶۷ء میں دورہ حدیث شریف کیلئے سوچ رہے تھے کہ حالات سے مجبور ہو کر گھر آئے اور والدین نے زندگی کے طویل ترین سفر سے واسطہ کر دیا یعنی قاضی صاحب کی شادی خانہ آبادی کر دی اور سلسلہ تعلیم منقطع ہو کر رہ گیا۔



امامت وخطابت:

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے پہلی بار آپ نے جھاورہ نزد دھمیال کیمپ جامع مسجد جھاورہ میں امامت کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے اور حوصلہ افزائی کیلئے ۳۰ روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ اسی اثناء میں قبلہ مفکر اسلام علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب جیلانی کے بارے علم ہوا کہ آپ کا ٹینچ بھاٹہ میں مدرسہ ہے تو آپ نے ان کے پاس آنا جانا شروع کیا اور اسباق کا سماع کیا ۱۹۷۰ میں امامت بھی آپ کے قریب اللہ والی مسجد مغل آباد میں مل گئی وہاں تقریباً ۳ سال گزارے اور حضرت قبلہ شاہ صاحب مدظلہ سے بھی فیضیاب ہوتے رہے اگر چہ وہاں باقاعدہ کوئی کورس نہیں تھا۔ لیکن ان کے پاس بیٹھنے والا بہت کچھ سیکھ کر اٹھتا تھا۔ اس سے آہستہ آہستہ دیوبندیت ختم ہوتی گئی اور مسلک حق اہل سنت و جماعت بریلوی غالب آتا گیا۔

حضرت قبلہ شاہ صاحب کے مشورے سے آپ نے ایک مرتبہ پھر تعلیمی سلسلہ جاری کرنے کیلئے دورہ حدیث شریف کے لئے جامع رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی میں داخلہ لیا اور ٹینچ بھاٹہ سے روزانہ درس حدیث کیلئے سبزی منڈی حاضر ہوتے اور ان دنوں حضرت شیخ الحدیث علامہ محب النبی رحمۃ اللہ علیہ مسند حدیث پر جلوہ فرما تھے مگر وائے ناکامئ قسمت ابھی آپ نے نصف نصف کتب حدیث پڑھی ہونگیں کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے اور دورہ شریف مکمل نہ کرا سکے۔

تاہم ۱۹۷۲ء سے جامع مسجد ایف سیون انوار چوک واہ کینٹ میں تین سال تک خطابت کی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ نیز بچوں کو درس قرآن سے نوازا، دسمبر ۱۹۷۴ء کو مرکزی جامع مدنی مسجد (ایچ ایم سی) ٹیکسلا چائنہ فیکٹری میں سرکاری طور پر خطیب کے منصب پر فائز ہوئے ۱۷ سال اس منصب کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا ساتھ ہی ساتھ سرگودہ بورڈ سے ۱۹۷۵ء میں فاضل عربی کا امتحان اچھی پوزیشن سے پاس کیا پھر ۱۹۸۳ء میں آپ نے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث شریف مکمل کیا اور یہیں پر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے پلیٹ فارم سے "الشہادۃ العالمیہ" (ایم اے عربی) کا امتحان پاس کیا۔ نیز علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے میٹرک اور ایف اے کے امتحانات بھی ٹاپ کئے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کو ۱۸ مئی ۱۹۹۰ء میں پہلی مرتبہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی مہربانی سے انگلینڈ کے وزٹ کا موقع ملا۔ قبلہ شاہ صاحب نے مناظر اسلام علامہ احمد نثار بیگ قادری رحمۃ اللہ علیہ بانی و مہتمم قادریہ جیلانیہ اسلامک سینٹر مانچیسٹر سے فرمایا کہ قاضی صاحب کو سپانسر بھیجیں۔ انہوں نے مولانا محمد اورنگزیب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سپانسر بھیجا اور اس طرح آپ وزٹ ویزے پر یو کے تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحب کے حکم پر آپ

نے ھیمل ھمپسٹڈ کی جامع مسجد قوت الاسلام میں امامت شروع کر دی۔ چار ماہ بعد پاکستان واپسی ہوئی۔ مارچ ۱۹۹۱ء میں ھیمل ھمپسٹڈ کے رفقاء نے آپ کو مستقل بلوالیا۔ مئی ۱۹۹۳ء تک وہاں قیام پذیر رہے۔ ۲۶ مئی ۱۹۹۳ء کو قسمت کا ستارہ بلندیوں پر چمکا حج و عمرہ کیلئے حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی گو ایک سال قبل بھی عمرہ شریف و زیارت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کیلئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ باریابی کا شرف پا چکے تھے۔ مگر اس بار کرم بالائے کرم یوں ہوا کہ آپ کو اپنے والد ماجد حضرت قاضی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں یہ شرف حاصل ہو رہا تھا۔

حج و زیارت کے بعد یو کے واپسی ہوئی تو آپ نے علامہ مولانا قاضی عبدالعزیز چشتی صاحب بانی و مہتمم جامعہ غوثیہ لوٹن کے مشورے سے نیو کاسل میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے۔ یہ سلسلہ ستمبر ۱۹۹۵ء تک بدستور جاری رہا۔ بعدہ ھیمل کے محبین نے آپ کو واپسی پر مجبور کیا آپ واپس ھیمل تشریف فرما ہو گئے، کچھ ماہ ہیمل میں رہ کر پھر آکسفورڈ کی مرکزی جامع مسجد میں دو سال خدمت دین فرمائی۔ اپریل ۱۹۹۸ء میں آپ نے مرکزی جامع مسجد غوثیہ ہیولاک سٹریٹ ایلزبری میں خدمات شروع فرمائیں جو تا حال جاری ہیں درمیان میں ایک سال کیلئے ناروے خدمت کیلئے جانا ہوا اور چھ ماہ تک جامع مسجد بامری میں مولانا حافظ محمد وزیر صاحب کے ساتھ بچوں کو تعلیم دی۔ حافظ صاحب انتہائی مخلص اور علماء کی خدمت کرنے والے ہیں اور آپ کے پاس یو کے میں بہت بڑی اسلامک کتب کی لائبریری ہے جس میں کئے مرتبہ کتب بینی کا موقع ملا۔

درس وتدریس:

درس وتدریس کے سلسلہ میں مدنی مسجد ایچ ایم سی ٹیکسلا میں امامت و خطابت کے دوران آپ نے ملازمین کیلئے ایک دو سالہ عالم عربی کورس مرتب کیا جس سے بہت فائدہ ہوا کثیر تعداد میں اہل علاقہ بالعموم اور فیکٹری ملازمین بالخصوص مستفید ہوئے بے شمار افراد نے بعد میں آپ کے ذریعے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا ان میں بہت سے تلامذہ اس وقت فوج میں خطیب ہیں نیز بکثرت سکولوں میں بطور عربی ٹیچر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ دو سالہ عالم کورس کا وقت شام کا تھا تا کہ ملازمین بآسانی چھٹی کے بعد اس میں شامل ہو سکیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ تک واہ کینٹ کے مشہور و معروف درسگاہ جامعہ رضویہ انوار العلوم واہ کینٹ (جس کے بانی و مہتمم حضرت علامہ پیر عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے) کی شعبہ کتب میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے جو آپ کی زندگی کا سب سے سنہری دور تھا کیونکہ دن رات دینی مشاغل میں گزارتے تھے۔ یو کے میں بھی ۱۹۹۰ تا حال درس وتدریس جاری رہی متعدد بچوں اور بچیوں نے ناظرہ، حفظ اور درس نظامی کتب کا فیض حاصل کیا۔

اندرون ملک اور بیرون ملک آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے جو اس وقت دینی خدمات انجام دے رہے ہیں پاکستان کے طول وعرض میں نامی گرامی علماء اور فضلاء کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے اس وقت انگلینڈ میں خدمات انجام دینے والے چند علماء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ علامہ پیر طیب الرحمن صاحب برمنگھم میں اپنا عظیم الشان سینٹر جامعہ قادریہ ٹرسٹ کے نام سے موسوم چلا رہے ہیں اور علماء و مشائخ میں اپنا بلند مقام رکھتے ہیں۔

۲۔ علامہ مولانا قاضی تجمل حسین اختر صاحب سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنمبرا میں اپنا عظیم الشان سینٹر قائم کئے ہوئے ہیں تدریس وخطابت فرما رہے ہیں۔

۳۔ علامہ مولانا محمد بشیر خان کیانی خطیب مرکزی جامع مسجد رضا ایکرنگٹن میں خطابت فرما رہے ہیں یوکے کی باضابطہ خوبصورت مساجد میں سے یہ بھی ایک خوبصورت جامع مسجد اور کمیونٹی سینٹر ہے۔

۴۔ مولانا حافظ غلام سرور صاحب کیتھلے میں خطیب ہیں۔

۵۔ مولانا حافظ محمد سجاد صاحب ساؤتھ ہمٹن میں خطابت فرما رہے ہیں کہ علاوہ ازیں حافظ محمد یعقوب سلطانی صاحب، مولانا محمد فیصل صاحب ایلزبری میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔(فجزاہم اللہ خیرا)

تصنیف وتالیف:

تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ نے بہت سے شاہکار قائم فرمائے، پاکستان رہتے ہوئے حالات حاضرہ کے مطابق متعدد رسائل تحریر فرما کر عوام اہل سنت وجماعت کے ایمان اور عقائد کو جلا بخشا جن میں ''میلاد النبی ﷺ'' اور ''گیارہویں شریف'' پر کئی بار دلائل وبراہین سے مزین رسائل مرتب کر کے فری تقسیم کروائے، قربانی کے مسائل پر ''الہدیۃ فی مسائل الاضحیۃ'' تقریباً ۷۰ صفحات پر مشتمل رسالہ لکھا جس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے انگلینڈ میں آپ نے پہلی کتاب کمالات اولیاء تحریر فرمائی جو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں بے شمار اولیاء کی کرامات لکھی گئی ہیں۔ دوسری کتاب ''برکات ذکر'' تحریر فرمائی۔ جس میں ذکر الٰہی پر ۴۰ آیات، ۴۰ احادیث، ۴۰ اقوال بزرگان دین، ۴۰ دنیوی فوائد، ۴۰ اخروی فوائد، ۴۰ اعتراضات کے جوابات، ۴۰ ذکر بالجہر پر احادیث اور ۴۰ کلمات ذکر بہت ہی مفید کتاب ہے پڑھنے کے لائق ہے۔ تیسری کتاب ''صلوٰۃ الاحناف من احادیث الصحاح'' حنفی نماز احادیث کی روشنی میں تحریر فرمائی جس میں نیت سے لیکر دعا تک غیر مقلدین کے ۶۰ اعتراضات کا جواب لکھا پھر ان پر سوالات کئے دس سال ہو گئے کسی نے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیا اور نہ انشاء اللہ دیں گے، یہ کتاب اہل علم حضرات کیلئے بیش بہا تحفہ ہے۔

پھر اللہ پاک نے خاص کرم سے نوازا اور اپنی لا ریب کتاب کا ترجمہ اور تفسیر روح البیان کا ترجمہ کرنے کی سعادت حضرت قاضی صاحب ممدوح مدظلہ کو عطاء فرمائی آپ نے ۲۰۱۴ء میں اسے زیور قلم سے آراستہ کرنا شروع کیا مسلسل کئی سال کی محنت اور کوشش سے تکمیل کے مراحل طے کروا کر طباعت کے مرحلے تک پہنچایا اللہ پاک آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور عوام الناس کیلئے قرآن فہمی کیلئے اسے شرف قبولیت عطاء فرمائے۔ آمین

سیاسی زندگی:

سیاسی زندگی پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کیلئے آپ بھی ہمیشہ اپنا کردار ادا فرماتے رہے آپ نے باقاعدہ کسی سیاسی پارٹی کی رکنیت حاصل نہیں کی، البتہ جمعیت علماء پاکستان کے ساتھ دلچسپی رہی جب بھی جمعیت کی طرف سے کوئی نمائندہ الیکشن میں کھڑا ہوا تو حتی المقدور بھرپور تعاون خود بھی کیا اور اپنے اثر ورسوخ سے عوام سے بھی تعاون کروایا اگر جمعیت کا نمائندہ نہ ہو تو مسلم لیگ کی طرف میلان زیادہ رکھتے رہے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ ایچ ایم سی چائنہ فیکٹری کی ملازمت کے دوران ۱۹۸۸ء کے بلدیاتی انتخاب میں حصہ لینے کا اتفاق ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس میں نمایاں کامیابی دی۔ میرے دوستوں نے اس میں ایسا کردار ادا کیا کہ اگر میں اس الیکشن کے جملہ اخراجات کا حساب لگاؤں تو ہزار روپیہ بھی نہیں بنتا چونکہ ساتھیوں نے نہ میرا خرچہ ہونے دیا نہ مجھے کسی جگہ ووٹ مانگنے کیلئے جانے دیا تمام کام خود ہی انجام دیتے رہے جن کا میں از حد مشکور رہوں اللہ کریم ان تمام ساتھیوں کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

مذہبی جماعتوں میں آپ جماعت اہل سنت کے ساتھ ۱۹۷۸ء سے وابستہ ہوئے باقاعدہ رکن بنے، تحصیل ٹیکسلا میں کافی کام کیا، پھر ضلع راولپنڈی کے ناظم اعلیٰ بنا دیئے گئے جبکہ صدر علامہ مولانا محمد یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور سرپرست علامہ حافظ شیر عالم مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا۔

ادارہ کے سلسلے میں اپنی عملی زندگی کے گوشوں سے نقاب اٹھاتے ہوئے حضرت قاضی صاحب نے مزید فرمایا کہ واہ کینٹ میں خطابت کے دوران میں نے ایک ادارہ جامعہ حنفیہ نظامیہ قائم کیا جس میں چند طلباء میرے پاس ابتدائی کتب پڑھتے رہے۔ اس کے بعد ایچ ایم سی چائنہ فیکٹری میں ملازمت کے دوران ایک ادارہ جامعہ مدنیہ قادریہ قائم فرمایا جس کی سنگ بنیاد حضرت پیر طریقت پیر سید نصیر الدین نصیر شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ جس میں مقامی طلباء ۳۰۰ سے زائد زیر تعلیم رہے، اور بیرونی طلبہ ۶۰، ۷۰ شعبہ حفظ و ناظرہ اور شعبہ کتب سے منسلک رہے اور شام کو دو سالہ عالم کورس میں بھی کثیر افراد شریک ہوتے رہے۔

یو کے قیام پذیر ہونے کے سلسلے میں آپ فرماتے ہیں کہ یوں تو پاکستان میں بھی گزر اوقات اچھی ہو رہی تھی مگر تین شوق ایسے تھے جنہوں نے مجھے یو کے قیام پر مجبور کر دیا جو اللہ پاک نے پورے کر دیئے:

نمبر ا: ''حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما کی حاضری'' الحمد للہ تقریبا ۸ مرتبہ حج بیت اللہ شریف کی اور ۸ ہی مرتبہ عمرہ شریف کی سعادت نصیب ہوئی، این سعادت بزور بازو نیست اور خدایا این کرم بار دگر کن والی بات ہے۔

مزید مقامات مقدسہ کی حاضریاں:

جارڈن کے مزارات:

۱۔ شعیب علیہ السلام کی قبر مبارک ۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے جس کنویں سے بکریوں کو پانی پلایا وہ کنواں۔

۳۔ روضہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ۴۔ روضہ مبارکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۵۔ روضہ حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن معاذ، ضرار بن حسنہ، حضرت شرجیل، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضری

بغداد میں:

حضرت غوث اعظم، امام اعظم، امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہم، نجف میں علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بغداد میں سری سقطی، جنید بغدادی، معروف کرخی، خواجہ شبلی، خواجہ سہروردی، امام غزالی، حسین نوری، بشر حافی رحمہم اللہ کے مزارات۔ مزید کربلا کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایوب علیہ السلام کا مزار اور چشمہ فرات کے کنارے پر حضرت سلمان فارسی، حذیفہ یمانی اور جابر رضی اللہ عنہم کے مزارات۔ ان کے قریب کسریٰ کے محلات وکھنڈرات۔ کربلا میں امام مسلم اور میثم صحابی کے مزارات کی زیارت۔۔۔۔ کربلا میں امام پاک امام حسین اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مزارات اور نجف اشرف کے قریب انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات خصوصاً ہود اور صالح علیہما السلام کے مزارات پر حاضری دی۔ ترکی کے بھی کئی مزارات پر حاضری خصوصاً صحابی رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

نمبر ۲: اللہ پاک کرم فرمائے اور مجھے قرآن مجید زبانی یاد کرنے کا موقع مل جائے تو اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم ہوا کہ مجھے بارہ پارے زبانی یاد ہو گئے اب نوافل میں تلاوت کرنے کا لطف ہی الگ ہے، یہ بھی رب تعالیٰ کا خاص کرم ہوا، دعا فرمائیں اللہ پاک بقیہ پارے بھی قبل از وصال یاد کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

نمبر ۳: پاکستان میں اپنا ذاتی ادارہ قائم کر سکوں، جس سلسلے میں آپ نے انگلینڈ جانے کے بعد راولپنڈی (پاکستان) غوث اعظم روڈ نزد دھمیال کیمپ پیر مہر علی شاہ ٹاؤن میں ۱۹۹۲ء میں ایک ادارہ قائم فرمایا، جس کا کل رقبہ

۱۳ کنال ہے جس میں ایک کنال رقبہ ٹاؤن پلیز ریٹائرڈ میجر سردار ملک صاحب (مرحوم) نے مسجد کیلئے دیا جبکہ بقایا رقبہ آپ نے ذاتی طور پر خریدا۔

آپ نے فرمایا ہم نے ادارے کا تاریخی نام ادارہ فیضان رسالت مہریہ قادریہ رکھا کیونکہ ''فیضان رسالت'' کے ابجد ۱۴۱۲ بنتے ہیں جب ادارہ کیلئے جگہ لی تو اس وقت سن ہجری ۱۴۱۲ تھا اسی طرح ''مہریہ قادریہ'' کے ابجد ۵۸۰ بنتے ہیں۔ تو چونکہ اس وقت سن عیسوی ''۱۹۹۲'' تھا لہذا ۱۴۱۲ + ۵۸۰ = ۱۹۹۲ قاعدہ حروف ابجد کے مطابق دونوں نسبتوں کو جمع کرنے سے ادارے کا مکمل تاریخی نام:

ظہور پذیر ہوا		مہریہ قادریہ		فیضان رسالت
۱۹۹۲	=	۵۸۰	+	۱۴۱۲

الحمد للہ العظیم اس وقت ۱۴۴۲ھ، ۲۰۲۱ء میں اللہ پاک کے فضل و کرم اور بوسیلہ مصطفیٰ کریم ﷺ ادارہ ھذا میں آپ کی کوششوں سے دو کنال رقبے پر عظیم الشان مسجد بمع بیسمنٹ اڑھائی کنال رقبے پر ۲۳ کمروں پر مشتمل بلاک انگلش میڈیم سکول اور درس نظامی طلبہ کیلئے اور ایک کنال رقبے پر مشتمل طالبات کیلئے جگہ تیار ہو چکی ہے جہاں اس وقت کثیر تعداد میں طلبہ و طالبات جدید و قدیم تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ ادارہ ہذا میں دورہ حدیث شریف تک درس نظامی تنظیم المدارس اہل سنت کے کورس کے مطابق کروایا جا رہا ہے، تجوید و قرات کے ساتھ حفظ، ناظرہ اور مڈل تک انگلش میڈیم سکول کی تعلیم جاری ہے۔

علاوہ ازیں حضرت قاضی صاحب نے پیر مہر علی شاہ ٹاؤن میں دو مساجد مزید بھی بنوائیں جہاں نماز پنجگانہ کے علاوہ جمعہ اور بچوں کے پڑھنے کا انتظام موجود ہے دو مساجد دیگر بھی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ۲۰۱۷ء آپ نے یوکے میں بلیک برن کے قریب ایک علاقہ گریٹ ہارورڈ میں ایک چرچ خرید کر ''الحکمۃ ٹرسٹ'' کے نام سے اسلامک سینٹر بھی قائم فرمایا ہے جہاں اس وقت نماز کے علاوہ جمعہ بچے اور بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے یوکے والے ادارے کی خدمات آپ کے چھوٹے بیٹے علامہ قاضی نوید الرحمن صاحب کر رہے ہیں جبکہ پاکستان میں آپ کے جاری کردہ تمام کاموں اور تمام تعلیمی سرگرمیوں کی دیکھ بھال آپ کے بڑے بیٹے میرے شاگرد رشید علامہ مفتی قاضی محمد سعید الرحمن صاحب کر رہے ہیں جو خود بھی بہترین عالم دین ہیں اور بہترین مدرس ہیں۔

آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیب الاعلیٰ ﷺ قاضی صاحب مدظلہ کے جملہ مقاصد روحانی و جسمانی پورے فرمائے، آپ کے اداروں، مساجد اور تحریری کاموں کو دوام عطاء فرمائے، قیامت تک مخلوق خدا سے فیوض و برکات حاصل کرے اور آپ کیلئے اور آپ کی فیملی کیلئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین

نائب شیخ سعدی علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری صاحب

سابق صدر شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ بانی و مہتمم فیض القرآن جامعہ قمر الاسلام مرید کے

تقریظ

مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب
سابق چیئر مین رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان وصدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان ومہتمم جامعہ نعیمیہ کراچی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین

حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی حنفی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کے مسلمہ اکابر میں سے ہیں، علمی وجاہت کے حامل ہیں، آپ کا رجحان تصوف کی طرف بھی ہے، اسی لئے آپ کے تفسیری نکات میں اس کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے، حتیٰ کہ اہل حدیث کے عالم شیخ محمد صدیق حسن خان بھوپالی نے تفسیر روح البیان کے تعارف میں لکھا: ''یہ صوفیانہ انداز میں علمی معارف وحقائق پر مشتمل ہے''۔ بعد میں دیگر اکابر اہلسنت نے بھی اس منہج کو اپنایا۔ حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اشرف التفاسیر المعروف بتفسیر النعیمی'' لکھی تو اس میں جابجا علمی تشریحات اور تحقیقات کے بعد تفسیر صوفیانہ کا عنوان قائم کر کے عمدہ نکات رقم فرمائے جو اصلاح نفس، تربیت وتزکیہ اور دروس کی مجالس میں اہل علم کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔

محترم علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری دامت برکاتہم اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم دین ہیں، ان کی دینی، دعوتی اور تبلیغی خدمات کا دائرہ پاکستان سے یورپ تک پھیلا ہوا ہے، انہوں نے پہلے تفسیر روح البیان کو سبقاً سبقاً اپنی مجالس درس میں بیان کیا اور پھر اس کے ترجمے کا بیڑا اٹھایا اور ماشاء اللہ کم عرصے میں اسے مکمل کیا اور اب یہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آرہی ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مترجم کی اس علمی اور فکری کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے، اپنے حبیب کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اسے اہل علم واہل فکر ونظر اور دین سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں قبول عام عطا فرمائے اور ان کے لیے اسے تا قیامت صدقہ جاریہ بنائے۔

ملتمس دُعا

مفتی منیب الرحمن



تقریظ

شیخ الحدیث علامہ پیر سید ضیاء الحق شاہ صاحب سلطانپوری

مہتمم جامعہ محمدیہ غوثیہ ضیاء العلوم صدر راولپنڈی

نحمد اللہ علی توفیقہ ونصلی ونسلم علی رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء

استاذ العلماء والفضلاء مفسر قرآن حضرت علامہ قاضی عبداللطیف قادری بہترین مدرس اور عظیم خطیب ہیں، آپ کتب کثیرہ کے مصنف تو تھے ہی اب آپ مفسر قرآن کے اعلیٰ نام سے رہتی دنیا تک یاد کئے جاتے رہیں گے: "ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے صحیح بخاری شریف میں حدیث مبارکہ ہے: "عن معاویۃ ابن ابی سفیان قال قال النبی ﷺ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھرانے میں بڑے بڑے علماء وحفاظ قرآن پیدا فرمائے آپ کے ماموں جان حافظ فضل حسین صاحب واہ کینٹ میں میرے پاس حفظ کلاس کے مدرس تھے نہایت ہی متقی پرہیز گار سوائے ممنوعہ ایام کے جن میں روزے رکھنا منع ہے آپ ہر روز روزہ رکھتے تھے اور روزانہ رات کو نوافل میں پورا قرآن پاک ختم فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے قاضی صاحب مدظلہ کا میرے پاس آنا جانا رہتا تھا ہم اکٹھے پروگراموں اور جلسوں میں شرکت کرتے رہے ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے گفتگو کا بڑا ملکہ عطاء کیا ہے بدعقیدہ لوگوں کو مسکت جواب عطا فرماتے۔ کاش کہ آپ پاکستان ہی میں رہتے لوگ آپ کے فیوض وبرکات سے فیض یاب ہوتے رہتے اور مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت سے اہلیان پاکستان مزید مستفید و مستفیض ہوئے، آپ انگلینڈ تشریف لے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں بھی دین حقہ کی اشاعت کیلئے منتخب فرمایا روزانہ مسجد میں درس قرآن اور فقہی مسائل میں عوام کی رہنمائی کرنا اپنی عادت بنالی اور خوب اسلامی کتب کا مطالعہ اور تفسیروں کے دقیق مسائل پر نظر وفکر رکھتے ہیں میں نے آپ کی اردو میں ترجمہ شدہ تفسیر روح البیان تالیف الامام العالم الفاضل مولانا الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض مقامات سے دیکھا ہے میرا ذاتی خیال ہے کہ عوام الناس کو اس تفسیر سے فائدہ پہنچے گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو لمبی عمر عطا فرمائے اور مزید اسلامی کتب جن کے ترجمہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے ان کا اردو میں ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی اولاد خصوصاً علامہ قاضی سعید الرحمن مدظلہ العالی آپ کا جانشین بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

پیر سید ضیاء الحق سلطانپوری خادم الحدیث: جامعہ محمدیہ غوثیہ ضیاء العلوم (رجسٹرڈ) صدر راولپنڈی



تقریظ

زبدۃ العلماء، عمدۃ الفضلاء، امام العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ

حافظ عبدالستار سعیدی مدظلہ العالی

الحمدللہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ المجتبی وعلی آلہ النجبی واصحابہ التقی اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرحمن بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

حضرت علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری صاحب ہمارے علاقے ضلع راولپنڈی کے عظیم فاضل اور بہترین دینی خدمات انجام دینے والے عالم باعمل ہیں، ان کی اندرون ملک خدمات بھی قابل قدر تھیں مگر یوکے جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنی دینی خدمات کو احسن طریقے سے جاری رکھا ہوا ہے۔ بے شمار کتب اس سے قبل بھی تحریر کر چکے ہیں، مگر اس وقت جو تفسیر روح البیان کا ترجمہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ آپ کا بہت بڑا علمی کام ہے، میں نے چند مقامات دیکھے بہت اچھے انداز سے آپ نے اپنا قلم چلایا ہے، ان شاء اللہ اس سے قرآن فہمی میں اہل حق کو بہت سی معلومات حاصل ہونگی اور علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان جاری ہوگا۔

میں اس عظیم خدمت دین پر حضرت قبلہ قاضی صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ پاک آپ کی اس دینی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ذریعہ نجات فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

امام العصر شیخ الحدیث والتفسیر حافظ عبدالستار سعیدی

شیخ الحدیث ام المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ لاہور

۲ فروری ۲۰۲۱ء



تقریظ

رئیس المناطقہ حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان رضوی صاحب
مہتمم دار العلوم انوار رضا، پیرودھائی راولپنڈی

الحمد للہ الذی انزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا، الصلوٰۃ والسلام علی من کان بشیرا ونذیرا، اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرحمن بسم اللہ الرحمن الرحیم انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون

عزیزان گرامی: خلقت کائنات کا مبدء اول حضور رحمۃ للعالمین ﷺ جبکہ عالم بشریت کی ابتداء جناب آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے۔ البتہ اولامخلوق کیلئے تکلم باللوازم جن میں اکل وشرب اور دیگر لوازمات ضروریہ کیلئے ان کے تقاضوں کے مطابق تکلم باللسان کی انواع ایجاد ہوئیں۔ تاآنکہ جب بات قبائل مختلفہ کی تقسیم اور ایجادات مختلفہ حتی کہ مخلوق کی کثرت اور مدنی الطبع فی الفطرت ہونے اور بات معاملات، احکامات، تعزیرات تک پھیلنے کی صورت کسی ایسی شخصیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو فیصلہ کرنے پر قادر ہو اور ساتھ ہی کتاب جو ان ضروریات پر فیصلہ کن کلام کرے جب کہ شق اول کے مصداق انبیاء کرام علیہم السلام ٹھہرے اور شق ثانی کا مصداق کلام الٰہی جو کتاب اور صحائف کی شکل میں من اللہ آئیں تیس یا اس سے زائد صحائف مختلف انبیاء کرام کو عطا ہوئے اور چار کتب تورات، زبور، انجیل کے آخری چوتھی کتاب قرآن مجید امام الانبیاء، خاتم النبیین، افضل الرسل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی چونکہ آپ آخری نبی ہیں اب کے بعد کسی نبی کی آمد اور تشریف آوری ممتنع ٹھہری تو قرآن مجید ان عظیم خوبیوں پر مشتمل ٹھہرا کہ قیامت تک آنے والی ساری مخلوق کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہو لہذا یہ کتاب مقدس کتاب عالمگیر، ابدالابدین الی یوم القیمۃ تمام ضرورتوں کا حل اس میں موجود ہونے کی وجہ سے عالمگیر کتاب قرار دیا گیا نتیجتاً پوری کائنات کی تمام ضرورتوں کا حل اس میں موجود ہونے سے یہ جامع الکتب السمادیہ ٹھہرا۔

سرکار ابد قرار کی زبان عربی، اہل عرب کی زبان عربی تو اب اس کی شرح وضاحت دنیا کی مختلف زبانوں میں ہونے لگی اسے تفسیر کہتے ہیں پہلی تفسیر قرآن مجید کی تفسیر ابن عباس قرار پائی اب تفاسیر سینکڑوں سے تجاوز کر کے ہزاروں کی تعداد میں بلکہ ممکن ہے اس سے کہیں زیادہ ہوں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے حتی کہ ہمارے ہاں تفاسیر عربی اور اردو میں ہیں۔ مفسرین کے اعتبار سے اسے یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مفسر کا مزاج نحوی ہوگا تو محسوس ہوگا کہ گرائمر ہی گرائمر۔ فقیہ مفسر کی تفسیر دیکھیں گے فقہ پر مشتمل محسوس ہوگا علم بلاغت کا حامل ہوا محسوس ہوگا بلاغت فلاسفر قلم اٹھائے تو فلسفیانہ موشگامیوں کا انبار تفسیر میں ملے گا اب ہماری ہاں پاکستان بشمول دیگر ممالک کتب تفاسیر میں تمام علوم وفنون کی رفعتیں بھی ملیں گی اور تصوف کی اکثر مبادایت میسر۔

بحمد اللہ اس میدان میں رفعت علوم کے تمام پہلو موجود ہیں، اس صدی میں کافی لوگوں نے اہل علم مسلمانوں کو جن لوگوں نے کاوش کر کے مسلمانوں کیلئے علمی، عملی گوہر پارے لکھے ان میں آج کے دور کی شخصیت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب کی بھی ہے جنہوں نے انتہائی محنت کر کے (تقدیس الایمان ترجمہ روح البیان) لکھی جس میں عمومی فائدمند ہونے کی اضافی صفت کو اس انداز میں بیان کیا جیسے تفسیر تبیان القرآن کا اختصار کر کے ان کے ایک عزیز نے ترجمۃ القرآن کے نام سے ایک جلد میں مہیا کر کے عام مسلمانوں کیلئے اسے عام کر دیا اس لئے کہ دیندار طبقہ کا ایک حصہ وقت کی قلت کی بنیاد پر اتنی تفصیلی کتب کے لئے وقت نہیں پاتا۔ دوسرا یہ کہ عام مسلمانوں میں تعلیم یافتہ یا زیادہ افراد معاشرہ (سامعین) اس امر کا متحمل نہیں کہ طویل مضامین محفوظ رکھ سکیں۔ بلکہ ارشاد گرامی مولائے کائنات کا کہ "کلم الناس علی قدر عقولھم بھی اسی امر کا داعی ہے اس لئے ہمارے معاشرے میں تفصیلات کے متلاشی حضرات کی تعداد دس، پندرہ فیصد ہے۔

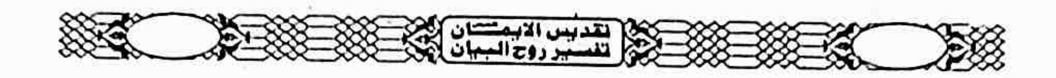
جبکہ اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کو یہ ایک اضافی خوبی عطاء کی ہے کہ مضمون کو اتنا سہل اور آسان کر کے اپنے سامعین تک پہنچاتے ہیں کہ اس مضمون کا احضار تک میسر آتا ہے جبکہ ہر آدمی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے اس لئے بھی کہ پاکستان میں ہونے کے دور میں دروس اس کثرت سے انہیں دینا ہوتے کہ درجنوں مقامات پر ان کے ارشادات سننے کے لئے لوگ ہجوم در ہجوم ہر درس میں موجود ہوتے۔

تدریسی دور میں مدارس میں جہاں جہاں آپ نے طلبہ کو علوم وفنون کی کتب پڑھائیں انہوں نے سبق از بریاد کر لئے۔ سہل البیان انداز کا نتیجہ یہ کہ آپ کے تلامذہ آج بھی ملک مختلف حصوں میں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو قبول اور مقبول عام فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

رئیس المناطقہ حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان رضوی
مہتمم دار العلوم انوار رضا، پیرودھائی راولپنڈی



تقریظ

از مفتی برطانیہ حضرت علامہ مولانا مفتی یار محمد قادری مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرحمن بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن یا ترجمۃ القرآن کا عنوان اختصار واجمال کا نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ شرح واطناب کا تقاضا کرتا ہے، اس مبارک عمل کو زیادہ سے زیادہ طول دینے کے بعد بھی دل کی تشنگی دور نہیں ہوتی اور زبان وقلم کی سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ یہ خدمت قرآن کے اظہار واعلان کا ذریعہ قرار پائے اور ہزاروں صفحوں کی کتابت واملاء کے بعد بھی وجدان وضمیر اس عجز ودرماندگی کا اعتراف کرے:

ع — کہ ماہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک تفہیم کلام الٰہی، دوسرا انبیاء علیہم السلام کی شخصیات جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ وتعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت ورہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا تا کہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشاء پورا کرنے کیلئے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم وملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا اور نہ ہی وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا۔ فہم کتاب کو نبی سے الگ کر دیجئے تو وہ ایک کشتی ہے ناخدا کے بغیر جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں منزل مقصود پہ کبھی نہیں پہنچ سکتے اور نبی کو فہم کتاب سے الگ کر دیجئے تو خدا کا راستہ پانے کی بجائے آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں ہی نتیجے پچھلی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ یہودیوں نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کو گم کیا اور صرف کتابوں کے تراجم لے کر بیٹھ گئے، انجام یہ ہوا کہ کتابیں ان کے لئے لفظی گورکھ دھندوں سے بڑھ کر کچھ نہ رہیں۔ حتی کہ آخرکار خود انہیں بھی وہ گم کر بیٹھے۔ عیسائیوں نے فہم کتاب کو نظر انداز کر کے صرف نبی کا دامن پکڑا اور اس کی شخصیت کے گرد گھومنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چیز انہیں نبی اللہ اور ابن اللہ بلکہ عین اللہ بنانے سے باز نہ رکھ سکی۔

پرانے ادوار کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمت اسلام میسر آنے کے وہی دو ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آرہے ہیں، ایک خدا کے کلام کا فہم وادراک جواب صرف تعلیم قرآن پاک کی صورت میں ہی مل سکتا ہے۔ دوسرا فہم قرآن جو اسوۂ نبوت کی روشنی میں اب صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہی میں محفوظ ہے۔ ہمیشہ کی طرح

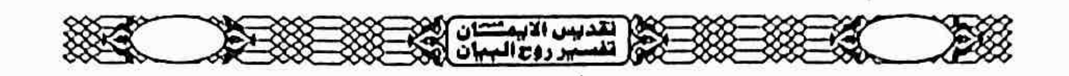
آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہوسکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ فہم قرآن کو محمد ﷺ سے اور محمد ﷺ کو فہم قرآن سے سمجھے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا اس نے اسلام کو سمجھ لیا ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور ہدایت سے بھی۔

پھر فہم قرآن اور محمد ﷺ دونوں چونکہ ایک مشن رکھتے ہیں ایک مقصد مدعا کو لئے ہوئے آئے ہیں اس لئے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد و مدعا کو سمجھنے کی پوری کوشش کریں۔ آپ لغت، روایات اور علمی تحقیق و کاوش کی مدد سے تفسیروں کے انبار لگا سکتے ہیں اور تاریخی تحقیق کا کمال دکھا کر رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین اور وسیع ترین معلومات کے ڈھیر لگا سکتے ہیں۔ مگر روح دین تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ عبارات اور واقعات سے نہیں بلکہ مقصد سے وابستہ ہے جس کے لئے قرآن اتارا گیا اور محمد عربی ﷺ کو اس کی علمبرداری کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اس مقصد کا تصور جتنا صحیح ہوگا اتنا ہی قرآن و تفسیر قرآن اور ترجمہ قرآن سیرت پاک کی روشنی میں ہوگا اور اس کی تفہیم صحیح ہوگی اور جتنا وہ ناقص ہوگا اتنا ہی ان تینوں کا فہم ناقص رہے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تفسیر القرآن اور ترجمۃ القرآن سیرت محمدی ﷺ کی روشنی میں دونوں ہی بحر ناپیدا کنار ہیں، کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، البتہ جس چیز کی کوشش کی جاسکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم و ادراک حاصل کرے اور ان کی مدد سے روح دین تک رسائی پائے۔ ان سطور سے میرا مقصد یہ ہے کہ حضرت علامہ مفسر قرآن، محقق دوران، فاضل اجل، مفتی عبداللطیف قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ایک طویل مدت اور محنت شاقہ اور برداشت کر کے قرآن پاک کے چشمہ صافی سے تقدیس الایمان ترجمہ تفسیر روح البیان کے سبب خلق خدا کو سیراب کرنے کی بے مثال کوشش کی ہے اور یہ کہ ترجمہ عین اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور تفسیر روح البیان کی روح کو واضح کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ میری درخواست یہ ہے کہ اس کو پڑھنے سے پہلے ہر ناظر اچھی طرح سمجھ لے کہ تقدیس الایمان ترجمہ تفسیر روح البیان کا مطالعہ اس کو کس مقصد کیلئے اور کس نقطہ نظر سے کرنا چاہئے۔

بعد ازاں مجھے امید ہے کہ تقدیس الایمان ترجمہ روح البیان دور جدید کا نادر شاہکار ہے اس سے بہتر طریقے سے فائدہ اٹھایا جاسکے گا، اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ موجودہ دور پر فتن و آشوب میں کوکب درخشاں ہیں آپ کی سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور آپ کو عمر خضری عطا فرمائیں۔

مفتی یار محمد خان قادری

جامعۃ الفرقان رولینڈ روڈ لوزلز برمنگھم یو کے



تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمان

سابق وائس پریزیڈنٹ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد و خطیب فیصل مسجد اسلام آباد

سجادہ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ بگھار شریف

الحمد للہ ذی المجد والعلی خالق الارض والسماء فالق الحب والنوی الصلوٰۃ والسلام علی من کان نبیا و آدم بین الطین والماء اما بعد

تفسیری ادب انتہائی باثروت ہے، کمیت اور کیفیت ہر دو اعتبار سے کوئی کمی نہیں۔ تفسیری ادب میں اتنے بڑے نام ہیں کہ ان کے علم اور عرفان کو زمانہ سلام کرتا ہے، ہر زمانے کے مفسرین نے اس زمانے کے پیش آمدہ مسائل کو اس وقت کی زبان میں پیش کرنے کی ساعی محمودہ کی ہے۔ اردو زبان میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے والے مختلف مکاتب فکر کے جید علمائے کرام ہیں اور بلاشبہ تفسیری ادب میں عربی زبان کے بعد اردو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس میں ترجمہ اور تفسیر کا لازوال ذخیرہ پایا جاتا ہے۔

زیر نظر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان تفسیر ہمارے خطہ پوٹھوہار کے نامور عالم اور محقق جناب علامہ قاضی محمد عبد اللطیف صاحب کی فکر و دانش کا نتیجہ ہے محترم قاضی صاحب کی تفسیر ان کے گہرے مطالعے اور حالات حاضرہ پر وسیع نظر کی غماز ہے، چونکہ مولانا برطانیہ میں ایک عرصے سے مقیم ہیں اس لئے انہوں نے بین السطور وہاں کے قارئین قرآن کے ذہنوں میں پائے جانے والے سوالات کے جوابات بھی نہایت شائستگی سے دیئے۔ بلاشبہ قاضی صاحب کی یہ تفسیر، تفسیری ادب میں گراں قدر اضافہ ہے جس کیلئے موصوف مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ جل مجدہ ہمیں زیادہ سے زیادہ قرآن سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمان

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ بگھار شریف



تقریظ

علامہ حافظ مفتی فضل احمد قادری

خطیب مرکزی جامع مسجد ڈربی برطانیہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سید المرسلین رحمۃ للعالمین علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین اما بعد

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نے اپنی مخلوق (جن وانس) کی ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم وبیش) انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور ساتھ ہی صحائف وکتب نازل فرمائیں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور ہمارے آقا ومولیٰ حضرت امام الانبیاء والمرسلین ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرمایا اب قیامت تک قرآن حکیم ہی جن وانس کے لیے کتاب ہدایت ہے **ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان مفھوم**: جولوگوں کی ہدایت اور رہنمائی اور فیصلے کی روشن باتوں پر مشتمل ھے قرآن الحکیم بے مثل اور معجز کتاب ہے قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تابعین وتبع تابعین ائمہ اسلام نے اپنے اپنے دور میں قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر لکھ کر امت مسلمہ کی راہنمائی فرمائی انہی میں سے ایک بڑا نام مفسر ومترجم محدث ولی کامل صوفی سراج العلماء زبدۃ الفضلا **شیخ اسماعیل حقی آفندی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ** ہیں جنہوں نے تفسیر روح البیان لکھی علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عالمانہ تفسیر کرتے پھر صوفیانہ تفسیر اور اولیاء وصلحاء کی حکایات تحریر فرماتے اور مناسب اشعار بھی لکھتے ہیں اسی مشہور ومعروف تفسیر کا ترجمہ وتشریح اہل سنت و جماعت برطانیہ کی جانی پہچانی شخصیت استاذ العلماء والفضلاء **حضرت علامہ مولانا قاضی عبد اللطیف قادری زِیْدَ مَجْدُہُ الْکَرِیم** نے نئے انداز سے تشریح فرمائی جب سے حضرت قاضی صاحب برطانیہ تشریف لائے تب سے فقیر کی خلوص پر مبنی دوستی قائم ہے حضرت قاضی صاحب انتہائی مخلص سادہ مزاج ملنسار طبیعت کے مالک ہیں برطانیہ کی سب سے پہلی جماعت اہلسنت کی

پہچان مرکزی جماعت اہلسنت یو کے کے آپ سابق صدر ہیں آپ کی صدارت میں عالمی تاجدار ختم نبوت سنی کانفرنس برمنگھم سنٹرل جامع مسجد بل گریو روڈ منعقد ہوئی جس میں مقامی علماء کرام و مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان سے بھی علمائے کرام و مشائخ عظام نے شرکت فرمائی الحمد اللہ اب بھی ہماری جماعتی سنگت قائم ھے حضرت قاضی صاحب محنتی مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی شوق رکھتے ہیں فقیر کے پاس آپ کی لکھی ہوئی کتاب صلوٰۃ الاحناف من احادیث الصحاح بھی ھے فقیر نے پڑھ کر محسوس کیا ہے اس میں نماز کے موضوع پر فقہ حنفی کے مطابق مسائل کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا آپ کی ایک کتاب الذکر بھی ھے لیکن قاضی صاحب نے روح البیان کا جو ترجمہ و تشریح لکھی ھے وہ اپنی مثال آپ ہے فقیر نے چند خصوصیات آپ کی تحریر میں محسوس کی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ ہر ایک آیت لکھ کر تحت الفظ آسان عام فہم ترجمہ کیا۔

۲۔ پھر اس کی تشریح بھی نہایت ہی آسان اور سادہ لفظوں میں فرمائی ہے۔

۳۔ جو باتیں مشکل تھیں عام لوگوں کی سمجھ سے بالا تھیں ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

۴۔ اشعار میں سے جو مفید عامہ تھے ان کا ترجمہ بھی آسان لفظوں میں کیا گیا ہے۔

۵ اس ترجمہ و تشریح کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تفسیر روح البیان میں علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث لکھی تھیں قاضی صاحب نے ان کی بڑی محنت اور تلاش کے بعد تخریج بھی کر دی ہے جبکہ پہلے مترجمین اس اہم کام سے قاصر رہے ہیں۔

قاضی صاحب زِیْدَ مَجْدہ الْکَرِیم نے اس کمی کو دور کر کے تفسیر روح البیان کو چار چاند لگا دیے ہیں فقیر کی دعا ھے کہ مذکورہ تفسیر سے خلق کثیر فیض یاب ہو اور قاضی صاحب کے لئے دنیا و آخرت میں سرخروئی کا باعث بنے۔

علامہ حافظ مفتی فضل احمد قادری

ڈربی برطانیہ بعد نماز عشاء

11-1-2021



تقریظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! بارگاہِ اسلاف حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبداللطیف قادری صاحب مہتمم جامع مسجد غوثیہ ایلز بری۔ یوکے نے بیسوں سال تفسیر روح البیان پہ کام کیا ہے، اور بڑی ہی محنت سے اس بابرکت تفسیر کا اُردو میں ترجمہ فرمایا ہے، جس کو چند مقامات سے دیکھنے کی مجھے بھی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ الحمدللہ بڑے انتظار کے بعد اب اس کو زیور طباعت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے ٹوٹے ہوئے یہ چند الفاظ بھی اس تفسیری کام کی زینت بن رہے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے اس کام کو مقبول عام بنائے اور علماء وعوام میں اس سے استفادہ کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

آمین بجاہ النبی الکریم الامین علم وعلیٰ الہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم۔ یاارحم الراحمین۔

دعاگو وطالب دُعا

غلام حسن قادری

مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



تقریظ

مفسرِ قرآن حضرت علامہ ابوحمزہ مفتی ظفر جبار چشتی دامت برکاتہم العالیہ
ناظم شیخ الحدیث جامعہ چشتیہ، لاہور، پاکستان

قرآن مجید کسی مخصوص تعلیم یافتہ طبقے کے لیے نازل نہیں کیا گیا بلکہ ہر شخص کے لیے پیغام ہدایت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ کہ ہم نے یاد کرنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ اس طرح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا کہ دین کے معاملات میں آسانی کو ملحوظ رکھو۔ مشکلات کا باعث نہ بنو۔ ان فرامین کی روشنی میں اہل دین پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات کو ایسے انداز میں پیش کریں کہ عام آدمی بھی قرآن پاک کی تعلیمات سے مستفیض ہو سکے۔

قرآن مجید محض کتاب ثواب نہیں بلکہ کتاب انقلاب ہے۔ کتاب حیات ہے۔ آج کا مسلمان حصولِ ثواب کے لیے اس کی تلاوت کرتا ہے مگر اپنی زندگی اور معاشرے کو قرآنی انقلاب سے ممکنار کرنے کے لیے اس کی تعلیمات سے آشنا نہیں ہوتا آج بہت ضروری ہے کہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میرا دِل چاہتا کہ میں رب سے باتیں کروں تو میں نماز پڑھتا ہوں اور جب میرا دِل چاہتا ہے کہ میرا رب مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پڑھتا ہوں۔

قرآن کے معانی اور مفاہیم سمجھنا اور پھر عوام الناس کو سمجھانا علماء حق کی ذمہ داری ہے۔ قرآن پاک کے مفاہیم کو سمجھنے کے لیے قرآن کی تفاسیر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تفسیر روح البیان بلاشبہ ایک مکمل اور جامع تفسیر ہے علامہ اسماعیل حقی بروسوی علیہ الرحمہ نے بڑی محنت سے قرآن کے رازوں سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اس میں تفسیر صوفیانہ کا جو انداز آپ نے اپنایا ہے وہ یقیناً آپ کا خاصہ ہے۔ صاحب تفسیر روح البیان نے بہت اچھے انداز میں قرآن کے معانی اور مفاہیم کو سمجھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

زیر نظر روح البیان کا اُردو ترجمہ تقدیس الایمان فاضل جلیل حضرت علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری صاحب



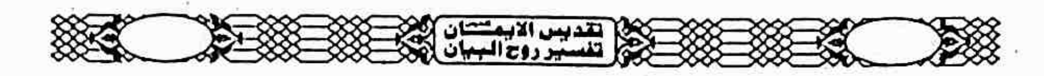
نے بڑی کاوش کی ہے یہ ترجمہ جہاں رب قدوس کی بندگی کا جذبہ عطا کرتا ہے وہاں تعلیم رسول اللہ ﷺ کے جذبے کو مسلمان کے رگ وریشے میں اتارتا ہے اور اللہ اور اس کا قرب پانے میں بھی مدد فراہم کرتا ہے اور قاری قرآن کو اس کے معنی کو سمجھنے اس کے احکام اور حکمتوں کے مطابق اپنی فکری اعتقادی اور عملی زندگی کو گزارنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقے علامہ قاضی عبداللطیف قادری صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کو دُنیا وآخرت میں اپنی شان کریمی کے لائق اجر عظیم عطا فرمائے۔اس دُعا میں ان کے ناشر جناب مشتاق احمد صاحب کو بہترین اجر عطا فرمائے جن کی توجہ سے یہ عظیم کام پایہ تکمیل تک پہنچا اور خراج پیش کرتا ہوں جناب محمد سلمان منیر کو جن کی شب وروز کی قوت سے مشتاق بک کارنر قرآن وحدیث تفسیر،فقہ کے میدان میں ہر روز اضافہ کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ دِن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے ۔آمین

ابوحمزہ مفتی ظفر جبار چشتی

۵ ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ۔۱۷ جون ۲۰۲۱ بروز جمعرات

ناظم اعلیٰ خادمِ الحدیث مرکزی جامعہ چشتیہ لاہور پاکستان



تقریظ

پوری کائنات اور تمام مخلوقات بابِ سوالات ہے جبکہ قرآن عظیم بابِ جوابات ہے، امریکہ کے ایک عیسائی دانشور WallaceMurPhey کی مشہور زمانہ کتاب What Islam did for us میں اس کا روایتی اور حقیقی اعتراف موجود ہے کہ اگر مسلمان قرآن کی روشنی میں مادی علوم کو ترقی نہ دیتے تو آج کی موجودہ سائنس کو کبھی بھی راہ ترقی میسر نہ آتی۔ البتہ بعد کی آرام پرستی نے مسلمان بادشاہوں کی خود اختراع ثقافت کے سبب سیاسی میدان سے رخصت لے لی۔ انصاف پسند اور حقیقت پسند امریکی صدر رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب Seize the Moment میں مسلمانوں کی علمی برتری اور انسانیت نوازی کو اعتراف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بہت پہلے ایک آسان کتاب "اسلام کے یورپ پر احسانات" پڑھنے کا موقع میسر آیا، ڈاکٹر برق نہایت مدبر و محقق نے بڑی جان ماری کے بعد یہ کتاب مرتب کی تھی۔ جس میں بتایا گیا کہ انسانیت نوازی اور انسانیت کے اسلامی رویوں نے دنیا کو سائنسی فلک سے آشنا کیا تھا اور ان کی تعلیمات میں عصبیت کی جہالت کا عنصر نہ تھا۔

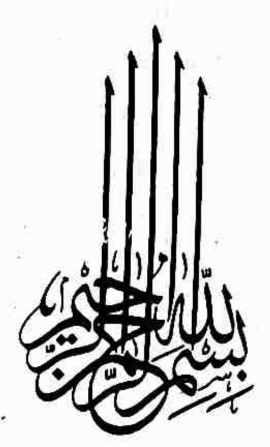
کلام باری تعالیٰ کے نزول کا کامل ترین اور راسخ ترین مقام تو قلب مصطفیٰ ہی قرار پایا کہ جہاں پر رب وحدہ لاشریک کی تجلیات پیہم اترتی ہیں اور وجود کائنات صغیر و کبیر کو راہ ہدایت کیلئے نور عطا کرتی ہے۔ قرآن کی صداقت کا معیار وضمانت حضور محمد مصطفیٰ کی ذات گرامی ہی ہوسکتی ہے۔ ذات رسول اقدس ہدایت الٰہی کا وہ مرکز ہیں جہاں پر قرآنی احکامات و تعلیمات کا کامل ترین خزانہ موجود ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم کو قرآن سکھایا اور کائنات کیلئے تعلیمات رسول ہی کو کافی وشافی قرار دیا حضور کی بارگاہ علم نواز ہی سے وابستہ ہوکر قرآن فہمی کیلئے شعور کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ اور یہ دروازے جس طرح حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر وا ہوئے وہ اپنی مثال آپ ہے قرآن فہمی کیلئے غیر عرب لوگوں کو اپنی زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دنیا بھر کی بے شمار زبانوں میں تفاسیر قرآن لکھی گئیں۔ عبداللہ اکیڈمی کی مذکورہ کاوش صوفیاء کی پسندیدہ تفسیر روح البیان کا اردو ترجمہ بنام تقدیس الایمان (از مترجم علامہ قاضی عبداللطیف قادری صاحب) کو جستہ جستہ مقامات سے ملاحظہ کیا تو عیاں ہوا کہ اردو زبان میں گو تراجم تفاسیر قرآن کا ایک ذخیرہ موجود ہے زمان ومکان اور زبان وبیان کے بدلتے ہوئے تقاضے نئے تراجم کی ضرورت برقرار رکھتے ہیں لیکن کچھ ادبی ذوق کے حامل لوگ ان تراجم کو بلند ادب کی اصناف سے روشناس کرانے کا سلسلہ مبارکہ جاری رکھے ہوئے ہیں، مترجم موصوف بھی انہیں میں سے ایک معلوم ہوتے ہیں، یقیناً استاذ العلماء حضرت علامہ منشاء تابش قصوری دامت فیوضہم کی نظر ثانی نے اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا اس تفسیر کو پڑھ کر قاری اپنے نشانِ منزل کا تعین کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش پر معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

خیر اندیش جسٹس (ر) نذیر احمد غازی

سابق جج لاہور ہائی کورٹ

فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد اوّل پارہ 1-3)

تفسیر پارہ سوم



پارہ 1 تا 3

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ اللہ کے شیطان سے جو مردود ہے

تعوذ کلام الہٰی کی ابتداء میں ایسے ہے۔ جیسے کسی بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت مانگنا۔ یعنی جب بندہ رب کی بارگاہ میں مناجات کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کیلئے ضروری ہے۔ کہ پہلے وہ زبان کو پاک کرے۔ جو فضول باتوں اور غیبت و بہتان سے پلید ہوگئی تھی۔ گویا اعوذ باللہ پڑھنے سے زبان پاک ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ جب قرآن پڑھنے لگو تو پہلے اعوذ باللہ پڑھ لو۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ جبریل علیہ السلام لوح محفوظ سے نکال کر لائے۔ اور سارے قرآن سے پہلے مجھے یہی کلمات بتائے۔ اور کہا کہ جب بھی قرآن پڑھنا چاہیں۔ تو پہلے یہی پڑھیں۔ اعوذ یعنی میں پناہ مانگتا ہوں۔ یا اے اللہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ یا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں۔ تو اپنی رحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ اپنا وعدہ پورا کر کے شیطان سے بچا کر اپنی پناہ میں لے لے۔

فائدہ: استعاذہ تین قسم ہے: (۱) صفاتیہ۔ (۲) افعالیہ۔ (۳) ذاتیہ۔ تعوذ مذکورہ ان تمام اقسام کو شامل ہے۔ عقلمند پر ضروری ہے۔ کہ اعوذ باللہ پڑھتے وقت ان تمام اقسام کو نیت میں رکھ کر پڑھے۔ کیونکہ مخلوق کی قدرت میں ان آفتوں کے دفع کرنے کی ہمت نہیں لہذا اللہ تعالیٰ سے ہی ہم پناہ مانگتے ہیں۔ کہ وہی ان آفتوں سے پناہ میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ جب ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت سے دور ہو جا۔ اسی وجہ سے اس کا نام شیطان (یعنی رحمت خداوندی سے دور کا) نام پڑ گیا۔ اس سے پہلے اسے عزازیل کہتے تھے۔ معلوم ہوا نیک آدمی کا نام بھی نیک اور برے کا نام بھی برا ہونا چاہئے۔

شیطان اور جن میں فرق:

اصل میں ان دونوں کی جنس ایک ہی ہے کہ وہ آگ سے بنے، شیطان کے بھی بچے ہوتے ہیں۔ اور وہ نفخ صور تک مرتے نہیں۔ اور جنوں وغیرہ کے بچے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے وقت پر مر جاتے ہیں۔ جنات کا انکار سوائے جاہلوں کے یا چند فلسفیوں کے اور کسی نے نہیں کیا۔

حکایت: علامہ زمخشری کی سوچ یہ تھی۔ کہ جن کوئی مخلوق نہیں۔ انہوں نے تفسیر لکھی اور کسی کو نہ بتائی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جن کے ذریعے منگوا کر پوری نقل کر لی۔ ایک دن علامہ زمخشری امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آئے۔

تو آپ نے علامہ زمخشری کی وہی تفسیر انہیں دکھائی۔ تو وہ تفسیر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ تفسیر لفظ بہ لفظ اس کی نقل ہے۔ جوانہوں نے لکھی کہنے لگے۔ اگر میں کہوں یہ میری نقل ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ میں نے ایسی جگہ چھپا رکھی ہے۔ کہ میرے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ اگر کہوں یہ وہی ہے۔ تو پھر یہ یہاں آئی کیسے۔ اگر کہوں کہ کسی اور نے لکھی ہے۔ تو عقل نہیں مانتا۔ کہ دو لکھنے والے ہوں اور الفاظ ومعانی وترتیب بعینہ ایک جیسی ہو۔

اصل بات یہ تھی کہ علامہ زمخشری چونکہ اس سے پہلے جنات کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ ان کو قائل کرنے کیلئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حربہ استعمال کیا۔ اور فرمایا کہ حضرت یہ آپ کی ہی لکھی ہوئی تفسیر کی نقل ہے وہ آپ والی تفسیر جنوں کے ذریعے منگوائی۔ اور نقل کر کے واپس وہاں پر ہی رکھوادی۔ یہ حیرت انگیز کرشمہ دیکھ کر وہ جنات کے وجود کے قائل ہو گئے۔ **فائدہ** : جنات مختلف شکلیں سانپ، بچھو، اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا، گدھا یا انسان کے روپ اختیار کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ان میں عقل فہم اور ادراک بھی ہوتا ہے۔ **فائدہ** : شیطان جنوں میں اگر ہیں۔ تو انسانوں میں بھی ہیں۔

رجیم: اس لئے اسے کہا جاتا ہے۔ کہ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے آسمانوں سے زمین کی طرف دھتکار دیا گیا۔ یا اس لئے۔ کہ اب جب بھی وہ آسمانوں کی طرف جاتا ہے۔ تو ستاروں سے چنگاریاں نکال کر اس کو مار کر زمین کی طرف بھگا دیا جاتا ہے۔ یہ شیطان کی بڑی مذموم صفت ہے۔ قرآن مجید میں شیطان کی جتنی مذموم صفات بیان ہوئیں۔ رجیم انکا مجموعہ ہے۔ **فائدہ**: تعوذ پڑھتے وقت حضور قلب یعنی دل کی حاضری کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ تا کہ قال حال کے مطابق ہو جائے۔

نکتہ: شیطان سے از حد نفرت کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ دوست کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھنا بھی دوست کے ساتھ محبت کی علامت سے ہے۔ (اور شیطان کے ساتھ دشمنی رکھنے کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔)

شیطان حضور ﷺ کی بارگاہ میں: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ شیطان حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا۔ کہ اے ملعون میری امت کو نماز باجماعت سے کیوں روکتا ہے۔ کہنے لگا۔ جب آپ کا امتی نماز باجماعت کے لئے نکلتا ہے۔ تو مجھے سخت تپ چڑھتا ہے۔ اس کی واپسی تک میں سخت جلن میں رہتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ کہ ان کو دعا سے کیوں روکتا ہے۔ تو کہا۔ کہ ان کی دعا کے وقت میں اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ کہ تلاوت قرآن سے کیوں روکتا ہے۔ کہنے لگا کہ ان کی تلاوت سے میں قلعی کی طرح پگھلتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ کہ ان کو جہاد سے کیوں روکتا ہے۔ کہنے لگا ان کے جہاد کیلئے جاتے وقت میرے قدموں میں گویا زنجیر پڑ جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے

احناف کا مقبول قول یہ ہے۔ کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں۔

مسئلہ: ہر اچھے کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنی چاہئے۔ **فائدہ**: بسم اللہ گویا قرآن مجید کی چابی ہے۔

شانِ نزول: کفار ہر کام کی ابتداء بتوں کے نام سے کیا کرتے تھے۔ بسم اللات وغیرہ کہہ کر کام شروع کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کیلئے بسم اللہ شریف نازل فرمائی۔ کہ مسلمان ہر کام کی ابتداء ان کلمات سے کریں۔ **نکتہ**: کائنات کے تمام علوم قرآن میں اور قرآنی تمام علوم بسم اللہ میں رکھ دیئے گئے۔

فائدہ: مختار قول یہی ہے۔ کہ اللہ اسم اعظم ہے۔

الرحمن: رحمت لغت میں دل کی نرمی کو کہتے ہیں۔ اور یہاں فضل واحسان مراد ہے۔ معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنی مخلوق پر بہت ہی مہربان ہے۔ رحمان مبالغے کا صیغہ ہے۔

الرحیم: رحم کرنے والا۔ کہ جس سے مانگا جائے۔ تو وہ عطا کرے۔ نہ مانگنے پر ناراض ہو۔ رحمت اس کی ذاتی صفت ہے۔

رحمت دو قسم ہے: ذاتی اور صفاتی۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص۔ آگے پھر اس کی اقسام بہت زیادہ ہیں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے۔ ایک حصہ اہل دنیا کو دیا اور ننانوے حصے آخرت (جنت) کیلئے محفوظ رکھے۔ (حوالہ مسلم شریف)

بسم اللہ کے فضائل:

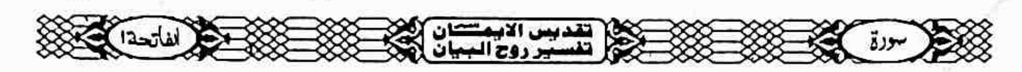
بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں۔ ایک ہزار اسماء کو صرف فرشتے جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا ایک ہزار صرف انبیاء کرام کے علم میں ہیں۔ اور کسی کے علم میں نہیں۔ باقی اپنی کتب میں رکھ دیئے۔ تین ہزار اسماء کا خلاصہ یہ تین نام ہیں۔ اللہ، رحمٰن، رحیم۔ جس نے ان کو پڑھا۔ گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے سارے نام لے لئے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ معراج کی رات میں نے جنت میں چار نہریں دیکھیں۔ (۱) پانی کی۔ (۲) دودھ کی۔ (۳) شراب کی۔ (۴) شہد کی۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ کہ ان نہروں کی ابتداء اور انتہاء کہاں ہے۔ جبریل امین نے کہا۔ کہ ابتداء کا تو پتہ نہیں لیکن ان کی انتہاء حوض کوثر ہے۔ (الدرر الحسان ودقائق

الاخبار) تو اللہ کے حکم سے فرشتہ حاضر ہوا۔ اور حضور ﷺ کو ایک قبہ کے پاس لے گیا۔ اور کہا۔ اندر چلیں فرمایا۔ اس پر تالہ ہے۔ تو اس نے کہا اس کی کنجی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ جب آپ نے بسم اللہ شریف پڑھی تو تالہ کھل گیا۔ اندر جا کر دیکھا۔ تو پانی کی نہر بسم اللہ کے میم سے دودھ کی نہر اللہ کی ہاء سے شراب طہور کی نہر رحمٰن کی میم سے اور شہد کی نہر رحیم کے میم سے نکل رہی ہے۔ گویا چاروں نہروں کا منبع بسم اللہ شریف ہے۔ پھر اللہ پاک نے فرمایا۔ اے محبوب جو تیرا امتی خالص نیت سے یہ بسم اللہ شریف پڑھے گا۔ اسے قیامت کے دن میں چاروں نہروں سے سیراب کرونگا۔

حدیث شریف: جس دعا کے شروع میں بسم اللہ ہو وہ دعا کبھی مردود نہیں ہوتی۔ (ربیع الابرار۔ زمخشری) اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کے اول بسم اللہ پڑھی جائے۔ اس میں برکت آ جاتی ہے۔

سورۂ فاتحہ:

اس سورۃ کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں۔ کہ فاتحہ کا معنی شروع کرنا ہے۔ چونکہ قرآن اور نماز کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ یا یہ وجہ ہے۔ کہ اس کے اول میں حمد ہے۔ اور ہر اچھے کام کی ابتداء حمد باری سے ہوتی ہے۔ یا اس لئے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ یا اس لئے کہ لوح محفوظ پر سب سے پہلے اسی کو لکھا گیا۔ اور بھی بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یہ سورۂ ابواب خزائن اور لطائف اسرار کی کنجی ہے۔ اس کی جلاء سے قرآن کے مطالب کھلتے ہیں۔ اس کی نورانیت سے انوار آیات کا اقتباس ہوتا ہے۔ اس سورۃ کو ام القرآن بھی کہتے ہیں۔ اور اس کو سبع مثانی بھی کہتے ہیں۔ یہ سورۃ دوبار نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ شریف میں دوبارہ مدینہ شریف میں۔ اس کے ناموں میں سورۂ صلوٰۃ، سورۂ شفاء، سورۂ شافیہ، سورہ الکافیہ، سورۃ الوافیہ، اساس القرآن، سورۂ الحمد، سورۃ الاول، سورۃ الشکر، سورۃ الدعاء بھی لکھا گیا ہے۔ اس لئے۔ کہ یہ سب چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس کو سورۃ الکنز بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔



ایاتھا ۷ سُورَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ	لِلّٰہِ	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①
تمام تعریفیں	اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں	جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کو

(آیت نمبرا) الحمد للہ میں الف لام جنسی ہوتو معنی ہے کہ ہر جنس حمد اللہ کے لئے ہے۔ یا لام عہدی ہے تو پھر معنی حمد کامل۔ حمد کامل وہ ہوتی ہے جو حمد خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ یا انبیاء واولیاء نے کی۔ یا یہ لام عموم استغراق کا ہے تو پھر معنی ہے جمیع محامد معبود برحق کے لئے خواہ فرشتوں سے ہو یا آدمیوں سے یا ان کے غیر سے جیسے اللہ نے فرمایا کہ مخلوق میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی تعریف نہ کرتی ہو۔ داؤد قیصری فرماتے ہیں حمد تین قسم ہے: (قولی۔ (۲) فعلی۔ (۳) حالی۔ قولی کا معنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا۔ حمد فعلی بدنی اعمال کو کہتے ہیں جہاں بدن کا ہر عضو گویا حمد بجالا رہا ہے چونکہ ہر عضو پر شکر لازم ہے تو اس کی ادائیگی نماز وغیرہ جیسے اعمال سے ہوتی ہے اور حمد حالی وہ ہے جو روح اور دل سے ادا کی جائے جسے ذکر وفکر کہا جاتا ہے۔ یا بندے کا حال بتا رہا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے۔

(ف) حمد ثناء شکر ومدح سب کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے للہ میں اپنی حمد وثناء بیان فرمائی اور رب العالمین میں شکر آ گیا اور الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین میں مدح کا ذکر آ گیا۔ رب العالمین کا کلمہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام محامد ذاتی اور صفاتی دنیوی اور اخروی کا وہی مستحق ہے۔ رب بمعنی پرورش کرنے والا یعنی عالمین کی غذا سے تربیت کرنے والا اور ان کے وجود کو قائم رکھنے کے تمام اسباب بنانے والا۔ انسان کی تربیت یہ ہے کہ اس کے ظاہر کو نعمتوں سے مالا مال کرنے والا اور اس کے باطن کو رحمت سے مزین کرنے والا۔ وہ بڑی شان والا ہے کہ اس نے ہڈیوں کو سننے کی چربی کو دیکھنے کی اور گوشت کو بولنے کی توفیق بخشی۔ انسانوں کی تربیت دانوں اور پھلوں جیسی غذا سے کرتا ہے۔ یعنی اے انسان رات کو تیرے سکون کے لئے بنایا اور اپنے فضل (روزی کمانے) کے لئے تجھے روشن دن جیسی نعمت عطا کی۔ اے مغرور انسان وہ بے پرواہ ذات تیری کیسی تربیت کر رہی ہے۔ مگر تو اس کی عبادت سے بھاگتا پھرتا ہے اگر تجھے موقع مل بھی جائے تو تیرا مطمع نظر کوئی اور ہی ہوتا ہے۔

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲﴾

جو بڑا مہربان رحم والا ہے

(بقیہ آیت نمبرا) دنیا کی مقدار: حضرت وہب فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار جہان ہیں یہ دنیا ان میں سے ایک ہے اوراس کی بھی آبادی ویرانی کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے جنگل میں ایک خیمہ ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہونگے ان میں سے ایک نجات والا باقی سب دوزخی ہونگے پوچھا گیا کہ نجات یافتہ کون لوگ ہیں تو فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے پیچھے چلنے والے ہیں یعنی جن کا اعتقاد اور قول وفعل میرے اور میرے صحابہ کی طرح ہوگا وہ جنتی ہیں۔ (اور یہ اشارہ ہے۔ اہل سنت وجماعت کی طرف)

الرحمن الرحیم: اس کلمے کو دھرانے میں کئی وجوہات ہیں۔

(۱) بسم اللہ میں "رحمن ورحیم" ذاتی کا ذکر تھا اور اب صفاتی کا بیان ہے۔

(۲) تاکہ واضح ہوجائے کہ تسمیہ سوۃ فاتحہ کا جز نہیں۔

(۳) تاکہ بار بار اللہ کا ذکر کیا جائے اور حضور ﷺ نے فرمایا جو جس سے محبت زیادہ کرتا ہے اس کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہے۔

رحمٰن ورحیم میں فرق: یہ ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے (کسی اور کو رحمٰن کہنا جائز نہیں) یا یہ کہ یہ وہ صفت ہے کہ جس کا صدور بندوں سے محال ہے اور رحیم کی صفت کا پایا جانا بندوں میں بھی ممکن ہے۔

نکتہ: رحمٰن اس لئے کہ وہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرماتا ہے اس میں شک نہ ہو کہ بڑی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ تو پھر چھوٹی نعمتیں مانگنا بے ادبی شمار ہوگا۔ جیسے کسی بڑے آدمی سے حقیری چیز مانگی جائے تو وہ کہے گا یہ حقیر چیز ہے کسی عام آدمی سے لے لے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے دونوں صفات بیان کر کے بتادیا کہ مجھ سے چھوٹی چیزیں بھی مانگ سکتے ہو بڑی سے بڑی بھی۔ کیونکہ میں رحمٰن بھی ہوں اور رحیم بھی لہذا مجھ سے ہر چیز طلب کر سکتے ہو۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿٤﴾

جزا کے دن کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۳) **مالک یوم الدین:** یعنی قیامت کے دن کا وہی مالک ہے۔ لغت کے ماہر امام قطرب سے پوچھا گیا کہ بعض مالک اور بعض ملک پڑھتے ہیں اس میں فرق کیا ہے تو فرمایا کہ مالک وہ جو دنیا کا مالک ہو اور ملک وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہو۔ سلطان قاہر جسے غلبہ کامل اور تصرف کلی حاصل ہو جب بروز قیامت بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوگا تو وہ علم الیقین سے عین الیقین بلکہ حق الیقین پائے گا اس وقت سمجھے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک حقیقی نہیں ہے۔

(آیت نمبر۴) **ایاک نعبد:** ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ایاک نعبد کا مطلب یہ ہے کہ تجھ ہی سے تمنا اور امید رکھتے ہیں۔ کسی غیر سے نہیں اور جمع متکلم کی ضمیر لانے میں بتایا کہ قاری کے ساتھ فرشتے اور تمام حاضرین ہیں یا تمام اہل توحید مراد ہیں۔ **نکتہ:** اسی وجہ سے نماز با جماعت کا حکم دیا گیا۔

عبادت کی تشریح: یہ ہے کہ نماز بغیر غفلت، روزہ بغیر غیبت، صدقہ بغیر منت (احسان جتانا) حج بغیر خصومت (کسی سے جھگڑا) اور صبر بغیر شکایت اور یقین بغیر شبہ اور ایصال (ملنا) بغیر قطعیت کے ہو۔

عبادات کی دس اقسام:

(۱) نماز، (۲) روزہ، (۳) حج، (۴) زکوٰۃ، (۵) تلاوت قرآن، (۶) ذکر دائمی، (۷) طلب صدق، (۸) حقوق مسلم، (۹) امر بالمعروف، (۱۰) اتباع سنت

وایاک نستعین: اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ یعنی عبادت کرنے یا جن جن چیزوں کی ہمیں طاقت نہیں یا شیطان کے مقابلے میں۔ یا دین و دنیا کی فائدہ پہنچانے والی چیزوں میں ہماری مدد فرما۔ **نکتہ:** اس آیت میں افتخار بھی اور افتقار بھی ہے۔ فخر اس لئے کہ "ایاک نعبد" پڑھتے وقت خیال آیا کہ میں ایک بہت بڑی ذات کا عبد اور عابد ہوں اب مجھے کسی اور کی کیا پرواہ اور فقر اس لئے کہ اقرار کر رہا ہوں کہ عبادت میں میری ہمت کا کمال نہیں بلکہ رب کریم کی توفیق میرے شامل حال ہے اور اس کی دی ہوئی طاقت سے میں اسے پوج رہا ہوں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝٦

چلا تو ہم کو سیدھے راستے پر۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا،

(آیت نمبر ۵) **اھدنا الصراط المستقیم**: ہمیں سیدھی راہ چلا۔ **ربط**: جب ہم نے کہا اے اللہ ہماری مدد فرما تو رب تعالیٰ نے پوچھا کس بات میں مدد چاہئے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھ۔ یاد رہے: ہدایت پر ثابت قدم رہنا تمام حاجات کا خلاصہ ہے۔ اور صراط مستقیم ملت اسلام (دین حق) سے استعارہ ہے۔

سوال: غیر مسلم یہ کہتے ہیں۔ کہ چودہ سو سال سے تم کہتے آ رہے ہو۔ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ اور تمہارے نبی بھی یہی کہتے رہے۔ تو کیا تم نے ابھی تک سیدھی راہ نہیں دیکھی۔

جواب: ہدایت پر رہ کر ہدایت کا سوال کرنے میں کئی حکمتیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد راہ راست کی معرفت ضروری ہے۔ (۲) اھدنا کا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ ہمیں وہ معرفت عطا فرما جس کی وجہ سے ہر شیٔ میں عین تیری ذات کے جلوے نظر آئیں۔ یا اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔

ھدایت کی اقسام: نمبر ۱: ہدایت عامہ جمیع حیوانات اس میں آ گئے یعنی ان کے حصول منافع اور نقصانات سے بچنے کے لئے کسی راہنما کی ضرورت ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا۔ "اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدی" ہر چیز کو بنا کر اسے راہ دکھائی۔ (۲) ہدایت خاصہ: اہل ایمان کو جنت کی راہ دکھائی اس لئے فرمایا "یھدیھم ربھم بایمانھم" اللہ نے انہیں ان کے ایمان پر راہنمائی کی۔ (۳) ہدایت اخص: اصل ہدایت یہی ہے کہ اللہ نے اپنی ذات کی طرف رہبری کی۔ جیسے فرمایا: "انی ذاھب الی ربی" میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

صراط مستقیم: وہ دین قیم ہے جس کی شہادت قرآن پاک میں درج ہے۔ **(ف)** گویا صراط مستقیم کی وہ سیدھی راہ ہے جو جنت تک پہنچاتی ہے: "واللہ یدعو الی دار السلام" اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے۔

صراط الذین انعمت علیھم: راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔ **(ف)** ابوالعباس فرماتے ہیں کہ انعام یافتہ لوگوں کے کئی درجات ہیں (۱) **عارفین**: جن پر معرفت کا انعام کیا گیا۔ (۲) **اولیاء اللہ** پر صدق وصفا اور یقین ورضا کا انعام کیا گیا۔ (۳) **ابرار** جن پر علم ورافت کا لطف وکرم ہوا۔ (۴) **مریدین** جن پر طاعت وخلافت کا لطف وکرم کیا گیا۔ (۵) **مومنین** جن کے لئے دین پر استقامت کا خصوصی فضل وکرم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نشان دہی یوں کی۔ انعام کیا اللہ نے نبیوں پر، صدیقوں پر، شہیدوں اور نیکوکاروں پر۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ (آمین)

سوائے ان لوگوں کے جن پر غضب ہوا اور نہ (ان کا) جو گمراہ ہوئے ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) **نکتہ**: جب بندے نے کہا ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ تو سیدھی راہ تو بڑی خطرناک تھی کہ شیطان نے کہا تھا کہ میں ضرور تیری سیدھی پر بیٹھ کر تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ لہذا رب تعالیٰ نے راہ آسان یوں کر دی کہ ان بندوں کو اس راہ پر چلایا جائے جو راہ پُر امن اور سلامتی والی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ پر چلا دیا جائے لہذا ان انبیاء و اولیاء کو قائدین بنا کر باقی لوگوں پر پیچھے چلا دیا۔ تاکہ گمراہ نہ ہوں۔

اور فرمایا۔ کہ اب ہم دیکھتے ہیں کون انہیں گمراہ کر سکتا ہے لہذا اب جو بھی ان پاک ہستیوں کے دامن سے وابسطہ ہو کر چلے گا وہ شیطان کے مکر و فریب سے اور اس کی عیاریوں سے مامون و محفوظ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

(آیت نمبر ۶) **غیر المغضوب علیھم و لا الضالین**: نہ راستہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا، جن پر غضب ہوا وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اور ضالین سے مراد وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی ناواقف اور جاھل ہیں جو منعم علیہم کے الٹ ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے، مغضوب سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد عیسائی ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آمین: سنت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ایک دفعہ ضرور آمین کہنی چاہیے۔ حدیث شریف حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے تلاوت فاتحہ کے بعد آمین بھی سکھائی۔ اور بتایا کہ یہ ایسے ہے کہ جیسے کتاب پر مہر ہوتی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرماتے ہیں کہ آمین رب العالمین کی مہر ہے۔

مسئلہ: حدیث میں ہے کہ دعا مانگنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دعا میں برابر کے شریک ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو تو تمہاری آمین کے ساتھ فرشتے آمین کہتے ہیں جس کی آمین فرشتوں کے موافق ہو گئی اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔ (بخاری و مسلم و امام احمد)

نکتہ: فرشتوں کی آمین سے موافقت اہل سنت و جماعت کی ہے۔ اس لئے۔ وہ بھی آہستہ آمین کہتے ہیں۔ اور اہل سنت بھی آہستہ آمین کہتے ہیں۔ **فائدہ**: حضرت وہب فرماتے ہیں۔ جب بندہ آمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے ایک فرشتے کو پیدا فرماتا ہے جو کہتا ہے۔ اے اللہ آمین کہنے والے کی بخشش فرما۔ آمین ایک دعا ہے۔ اس کا معنی ہے۔ اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما۔ نماز میں جب امام ولا الضالین کہے تو مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنی چاہیے یا بلند آواز سے۔ اس سلسلے میں میری تصنیف صلوٰۃ الاحناف پڑھ لیں۔ ان شاء اللہ وہاں تمام سوالوں کا جواب مل جائیگا۔

ایاتہا ۲۸۶ ② سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ⑰ رکوعاتہا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ①

(اس کی مراد اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے)

الٓمّٓ : کلام الٰہی میں سورۂ بقرہ تمام سورتوں سے بڑی سورۃ ہے۔اس کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی۔امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ الاتقان میں فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ قرآن مجید میں حروف متشابہ (جن کی تاویل کرنا بہت مشکل ہے) کو لانے کی وجہ یہ ہے تاکہ بڑے بڑے عقلاء وحکماء کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ قرآن کے ہر حرف کو نہیں سمجھ سکتے۔اس کے اصل مطلب کو اللہ جانتا ہے۔یا اس کا رسول اگرچہ قرآن آسان ہے لیکن اس میں وہ حصے بھی ہیں۔جنکا سمجھنا مشکل ہے۔(**ف**) مفسرین کرام نے حروف مقطعات کے بارے بہت کلام کیا ہے۔بعض نے تو ہتھیار رکھ کر کہا کہ ان کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔یہ مخفی راز ہے۔بس ہمیں اس پر ایمان لانا کافی ہے۔بعض حضرات نے کہا کہ الف سے مراد اللہ، لام سے مراد لطیف اور میم سے مراد مجید یعنی اللہ لطیف اور مجید ہے۔اور بعض علماء نے کہا ہے کہ الف سے مراد اللہ۔لام سے مراد جبریل اور میم سے مراد محمد ﷺ ہیں اصل بات یہ ہے کہ **الم** محبوب اور محبّ کے درمیان مخفی اسرار ہیں جن کا کسی اور کو علم نہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان علوم سے اپنے حبیب ﷺ کو اس وقت آگاہ فرمایا۔جس وقت کوئی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل پاس نہیں تھا۔لہٰذا ان کا نہ جبریل کو علم ہے نہ اور کسی کو۔اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے۔کہ ایک مرتبہ جبریل امین حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے۔

حکایت: جبریل امین نے الگ الگ کاف، ھا۔یا۔ع،ص کہا تو حضور ﷺ نے ہر حرف کے ساتھ فرمایا کہ میں جان گیا۔جبریل امین نے کہا ان کا مجھے علم نہیں۔آپ نے کیسے جان لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ یہ محبّ اور محبوب کے درمیان مخفی راز ہے)۔

مقطعات کا علم: حضرت عبدالرحمان بسطامی قدس سرہ اپنی کتاب بحر الوقوف میں فرماتے ہیں: وحی ربانی اور القاء صمدانی کے واسطہ سے انبیاء کرام اور بعض اولیاء کو حروف مقطعات کا علم بواسطہ کشف جلی وفیض خفی سے حاصل ہے۔

نکتہ: تفسیر نجمہ میں ہے: نماز میں تین حالتیں اہم ہیں: قیام، رکوع اور سجدہ۔الف سے قیام کی طرف لام سے رکوع اور میم سے سجدہ کی طرف اشارہ ہے۔



ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

وہ کتاب کہ نہیں کوئی شک اس میں ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے

(بقیہ آیت نمبر۱) **مسئلہ**: تلاوت میں محکم اور متشابہ آیات کا ثواب برابر ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اسے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ الف، لام، میم تین حرف ہیں اس سے تیس (۳۰) نیکیاں ملتی ہیں۔ لہذا (الم) کو ایک حرف نہ سمجھا جائے۔

(آیت نمبر۲) **ذالک الکتاب**: اس میں ذالک اشارہ بعید ہے یعنی وہ کتاب جو لوح محفوظ میں ہے جس کا وعدہ دیا گیا تھا۔ حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں ایک بہت بڑی کتاب نازل کرونگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کس پر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے پیارے حبیب خاتم النبیین ﷺ پر۔ انہوں نے پوچھا: اتنی بڑی کتاب وہ یاد کیسے کریں گے؟ تو فرمایا۔ میں ان کیلئے اس کو اتنی آسان کرونگا کہ ان کے بچے بھی یاد کرلیں گے۔ (تفسیر حدائق الروح)

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں، پچاس صحیفے شیث علیہ السلام پر، تیس ادریس علیہ السلام پر، بیس ابراہیم علیہ السلام پر، توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر اور زبور داؤد علیہ السلام پر۔ پھر ان تمام کتابوں کے علوم اور معانی میں نے محمد ﷺ کی کتاب (قرآن) میں جمع کردیئے۔ لہٰذا یہ وہی کتاب موعود ہے۔ جس میں اگلوں پچھلوں کے تمام علوم موجود ہیں۔ **لاریب فیه**: اس میں کوئی شک نہیں۔ نفس کے قلق اور اضطراب کو ریب کہتے ہیں۔ اور ریب شک سے اخص ہے یعنی ہر ریب شک ہے لیکن ہر شک ریب نہیں۔ **نکتہ**: یہ نفی کتاب سے ہے نہ کہ لوگوں سے یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کا گذر بھی نہیں اور نہ اس میں عیب کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر کوئی شک کرتا ہے۔ تو وہ اپنے دماغ کا علاج کرائے۔ **ھدی للمتقین**: یعنی قرآن ان لوگوں کو ہدایت کرتا ہے۔ جنہیں ہدایت کی طرف میلان ہے۔

نکتہ: ہدایت کو متقین کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نور حاصل کرنے والے اور اس کتاب سے نفع اٹھانے والے صرف متقی لوگ ہیں۔ اگرچہ قرآن سب لوگوں کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے لیکن فائدہ متقی لوگوں نے اٹھایا۔ کتاب تیسیر میں ہے کہ جو کسی شیء سے نفع حاصل کرنے والا ہو، اسے کہا جاتا ہے یہ تیرے لئے ہے جو لوگ اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے تو اس سے کتاب کے ھادی ہونے پر فرق نہیں پڑتا۔ جیسے سورج کے ہوتے ہوئے کسی کو نظر نہ آئے تو یہ سورج کی کمزوری نہیں یہ اندھے کی کمزوری ہے کسی کی ناک بند ہو تو کستوری کے مشک ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

فائدہ: شرع میں تقویٰ سے مراد ہے ہر اس بری چیز سے اجتناب کرنا جو آخرت میں نقصان دے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ ﴿۳﴾

وہ جو ایمان رکھتے ہیں بغیر دیکھے اور قائم کرتے ہیں نماز اور اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو وہ خرچ کرتے ہیں

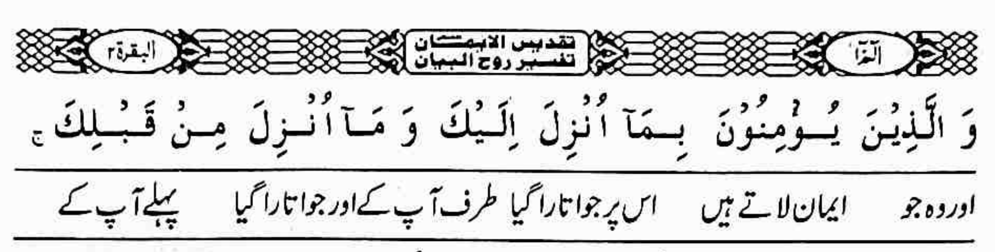
(آیت نمبر۳) **الذین یؤمنون:** ایمان امن سے ہے اور تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے۔ اور تصدیق کرنے والے کو مومن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مؤمن اس لحاظ سے ہے کہ وہ مسلمانوں کو عذاب سے امن دینے والا ہے اور بندہ مومن اس لحاظ سے ہے کہ وہ عذاب سے امن پانے والا ہے۔ کواشی فرماتے ہیں کہ شریعت میں ایمان تصدیق بالجنان اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ جس کے اعتقاد میں فرق ہے وہ منافق ہے جس کے اقرار میں نقص ہے وہ کافر ہے جس کے عمل میں خرابی ہے ہمارے نزدیک فاسق اور معتزلہ کے نزدیک کافر ہے۔

بالغیب: ساتھ غیب کے، عرف میں غیب وہ ہے جو حس اور عقل سے ایسا پوشیدہ ہو کہ ادراک میں بداہتاً (غور وفکر کے بغیر) نہ آ سکے۔ **حکایت:** حارث بن نظیر نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا ایمان اعلیٰ ہے کیونکہ تم نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم تمہارے ایمان کو افضل سمجھتے ہیں۔ کہ تم نے بغیر دیکھے ایمان لایا، اس لئے کہ افضل ایمان بن دیکھے کا ہے۔ (یہ انہوں نے کسر نفسی سے کہا۔ ورنہ صحابی کا مقابلہ غیر صحابی نہیں کرسکتا۔)

ویقیمون الصلوٰۃ: صلوٰۃ کے بہت سارے معانی ہیں: دعا بھی ہے، درود بھی وغیرہ وغیرہ جب اس سے مراد نماز ہو تو پھر تمام معانی نماز میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اقامت کا معنی مواظبت ہے یعنی کسی کام کو پورے جدو جہد سے کرنا، یا اقامت بمعنی تعدیل ارکان یعنی تمام فرائض وسنن کو صحیح طریقے سے ادا کرنا تا کہ اس میں کوئی نقص نہ آئے۔

نماز کی اہمیت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے گا۔ اسے اس ایک نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ۸۰ ہزار سال جہنم کی سزا دی جائے گی۔ **مسئلہ:** نماز کو تاخیر کرنا کہ وقت ختم ہو جائے گناہ کبیرہ ہے۔

ومما رزقناھم ینفقون: اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہاں انفاق سے نیک راہ میں خرچ کرنا مقصود ہے، خواہ وہ فرض ہو یا نفل۔ **شان خلفاء اربعہ:** اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہوا ہے: (۱) تقوی۔ (۲) ایمان بالغیب۔ (۳) اقامت صلوٰۃ۔ (۴) انفاق۔ گویا یہاں چاروں خلفاء کرام کے اوصاف بیان کئے گئے۔ متقین سے مراد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، **یؤمنون بالغیب** سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، **ویقیمون الصلوٰۃ** سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ینفقون سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر آیات قرآنی شاہد ہیں۔



وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج

اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا طرف آپ کے اور جو اتارا گیا پہلے آپ کے

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ط ④

اور اوپر قیامت کے وہ یقین رکھتے ہیں

(آیت نمبر۴) **والذین یؤمنون بما انزل الیک**: وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا طرف آپ کے۔ شان نزول: یہ آیت مسلمان اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی اور اس سے پچھلی آیات عام اہل ایمان کے حق میں نازل ہوئیں۔ اس سے سارا قرآن یا شریعت مراد ہے۔ آیت ہذا میں انزال بمعنی وحی جو تلاوت کی جاتی ہے، یعنی جو جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے۔

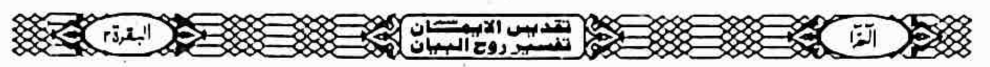
فائدہ: باقی کتابوں کے نزول کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن مشہور یہی ہے کہ فرشتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوح محفوظ سے لیکر انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس لاتے رہے۔ خواہ انزال کر کے یا تنزیل۔ یعنی اکٹھی کتاب نازل ہوئی یا تھوڑی تھوڑی کر کے نازل ہوئی۔

وما انزل من قبلک: اس سے مراد سابقہ تمام کتابیں توراۃ، زبور اور انجیل اور صحیفے ہے۔

مسئلہ: پہلی کتابوں پر بھی اجمالی طور پر ایمان لانا فرض ہے۔ یعنی تصدیق کرنا کہ وہ بھی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ لیکن قرآن پاک پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے۔ ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔

وبالآخرة هم یوقنون: آخرت سے مراد دار آخرت ہے۔ یعنی دنیا کے بعد اگلا دن یا دنیا کا ہی آخری دن ہے اور یقین کا مطلب یہ ہے کہ نظر و استدلال کے ساتھ شک و شبہ کو دور کر کے اس کے علم میں پختگی پیدا کر کے مانتے ہیں۔ یعنی وہ ایسا یقین رکھتے ہیں کہ جس میں کسی قسم کا شک و ابہام نہیں۔ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت کا نام علم الیقین ہے اور اس میں خلوص رکھنا عین الیقین اور اس کے مشاہدے کا نام حق الیقین ہے۔ عین الیقین تو اولیاء کرام کو اور حق الیقین انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔

اولیاء کرام کے مجاہدے: اولیاء کرام کو یہ مراتب مجاہدے کے بغیر نہیں ملتے، مجاہدے کا مطلب ہمیشہ باوضو رہنا، کھانا کم سے کم کھانا، ذکر کی کثرت کرنا، مخلوق میں غور و فکر کر کے رب تعالیٰ کو پہچاننا، اکثر خاموشی اور سنن اور فرائض کا اہتمام کرنا تمام اغراض نفسانی سے دور رہنا، اسباب دنیا معمولی رکھنا، نیند کم سے کم کرنا، حلال کھانا، سچائی کی گفتگو، دل کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا۔

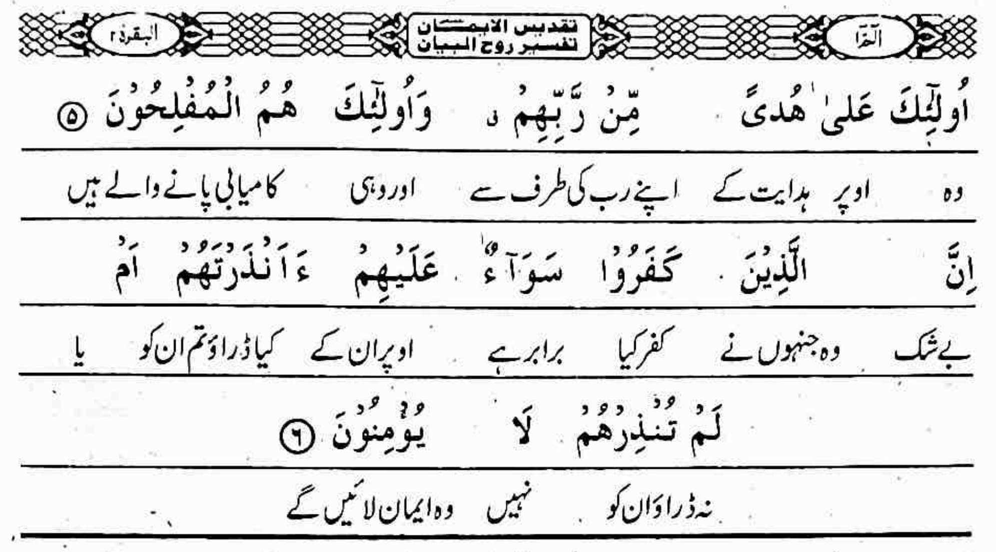


اور آخرت کا یقین یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس کی تیاری میں لگا رہے بزرگ فرماتے ہیں کہ:

دس آدمی دھوکے میں ہیں:

۱۔ جسے یقین ہے کہ میرا خالق اللہ ہے مگر وہ اس کی عبادت سے قاصر ہے۔
۲۔ جسے یقین ہے کہ رازق اللہ ہے مگر اسے اس پر اطمینان نہیں۔
۳۔ جسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے مگر پھر اس پر ہی سہارا کرتا ہے۔
۴۔ جسے یقین ہے کہ میرے ورثاء میرے دشمن ہیں مگر وہ ان کے لئے ہی مال جمع کر رہا ہے۔
۵۔ جسے یقین ہے کہ موت ہر وقت سر پر کھڑی ہے مگر تیاری نہیں کرتا۔
۶۔ جسے یقین ہے کافی مدت قبر میں رہنا ہے مگر اسے آباد نہیں کرتا۔
۷۔ جسے یقین ہے کہ اس سے پائی پائی کا حساب ہوگا مگر وہ حساب درست نہیں رکھتا۔
۸۔ جسے یقین ہے کہ جہنم میں گناہ گار جائیں مگر وہ گناہوں سے نہیں بچتا۔
۹۔ جسے یقین ہے کہ جنت میں نیک لوگ جائیں گے مگر وہ نیک عمل نہیں کرتا۔
۱۰۔ جسے یقین ہے کہ پل صراط سے ایک دن گذرنا ہے مگر وہ اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان ویقین پر تا قیامت قائم ودائم فرمائے۔ (آمین)



أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

وہ اوپر ہدایت کے اپنے رب کی طرف سے اور وہی کامیابی پانے والے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ

بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا برابر ہے اوپر ان کے کیا ڈراؤ تم ان کو یا

لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥

نہ ڈراؤ ان کو نہیں وہ ایمان لائیں گے

(آیت نمبر ۵) وہی نور ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے یعنی جب ہم نے کہا، ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے۔تو حکم ہوا کہ ہدایت تو متقین کو مل چکی تو پوچھا گیا۔ متقی کیوں ہدایت کے لئے مخصوص ہوئے۔تو فرمایا اس لئے کہ وہ مذکورہ صفات کے حامل ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے صرف نام کافی نہیں۔ بلکہ مذکورہ صفات اس میں ہونا ضروری ہیں۔تب جا کر وہ دوسرے لوگوں سے جدا ہوئے۔اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔ من ربھم کہہ کر بتا دیا کہ یہ ان کا کمال نہیں بلکہ ان پر رب تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

(ف) گویا یہ لوگ اللہ کی ہدایت کے تمام اقسام پر فائز ہیں۔پھر وہ جیسے آج دنیا میں ایمان کی راہ پا گئے۔ اسی طرح کل قیامت کے روز وہ اپنی عبادات کی سواریوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف جا رہے ہوں گے تو فرشتے ان کے استقبال کے لئے آگے کھڑے ہو کر اس کو سلام کر رہے ہونگے۔اس لئے پھر فرمایا کہ یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔**(ف)** یہاں یہ واضح کرنا ہے کہ فلاح وکامیابی صرف اور صرف ان ہی جیسے لوگوں کے لئے ہے۔کسی اور کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

مسئلہ: متقی لوگوں کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی یقینی ہے۔**(ف)** فلاح کی تین اقسام ہیں:

۱۔ نفس پر اتنا کنٹرول کہ اسے خواہشات پر نہ چلنے دے۔دنیا کی خوشنما چیزوں پر مغرور نہ ہو، شیطان پر ایسا قابو کہ دل میں وسوسے کو بھی جگہ نہ دے۔

۲۔ کفر وگمراہی، بدعت اور غرور نفس، زوال ایمان، قبر کی وحشت، پل صراط پر سے لغزش، جنت سے محرومی وغیرہ سے نجات پانا۔

۳۔ ملک ابدی، نعمت سرمدی، لازوال ملک ونعمت غیر منقطعہ کے حصول اور سرور جس میں غم نہ ہو اور وہ جوانی جس

کے بعد بڑھاپا نہ آئے وہ صحت جس میں بیماری نہ آئے اور وہ نعمت ہے جس کا حساب نہ ہو اور وہ دیدار جس کے ساتھ پردہ نہ ہو۔

(آیت نمبر ٦) بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے برابر ہے۔

(ف) یہاں سے وہ مخصوص لوگ مراد ہیں جیسے ابوجہل، ابولہب اور ولید وغیرہ، یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عمر کے آخری حصے تک کفر پر ہی ڈٹے رہے، جن کے کفر سے واپس مڑنے کا کوئی امکان نہ ہو۔

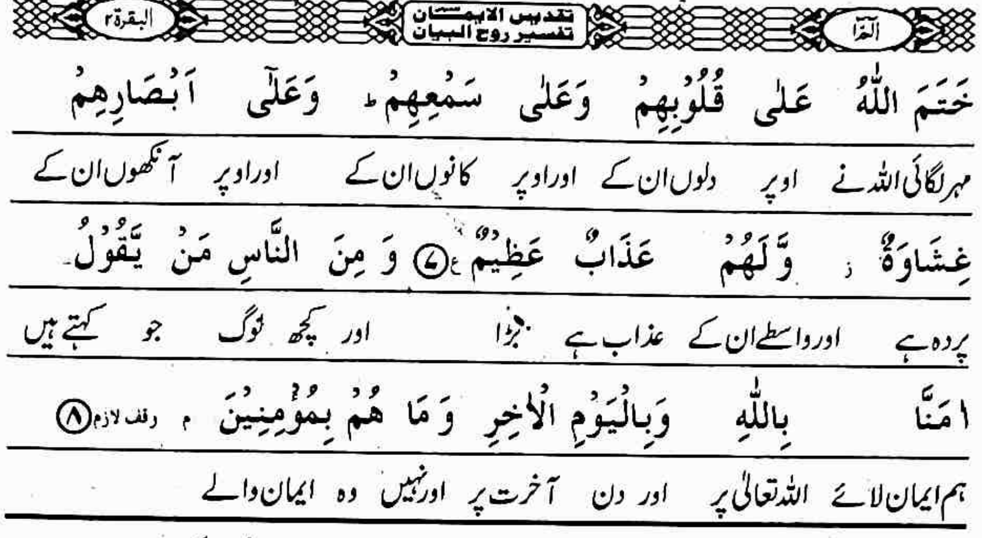
(ف) بغوی فرماتے ہیں کہ کفر کی چار اقسام ہیں: (۱) کفر الانکار: جو نہ خدا کو جانے اور نہ اقرار کرے۔ (۲) کفر الجحود: جو دل میں تو اللہ کو جانے مگر زبان سے اقرار نہ کرے جیسے شیطان۔ (۳) کفر العناد: جو اللہ کو جانتا ہو مگر سرکشی سے انکار کرے۔ (۴) کفر نفاق: وہ یہ کہ زبان سے اقرار مگر دل سے عقیدہ صحیح نہ رکھے۔

مسئلہ: بروز قیامت ان چاروں میں سے ایک کی بھی بخشش نہیں ہوگی۔ تو ان کے متعلق حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ ایسے لوگوں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گناہوں پر سزا ملنے کا خوف دلانا مقصود ہے یعنی یہ لوگ اس کے اہل ہی نہیں کہ انہیں بشارت دی جائے کیونکہ انہوں نے نہ نفع حاصل کرنے کا خیال کیا اور نہ نقصان ہونے کا دھیان کیا۔

نوٹ: یاد رہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور کے لئے برابر نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ کو تو ہر کافر کو عذاب سے ڈرانے پر ثواب ملے گا اور ہر مومن کو جنت کی بشارت دینے کا ثواب ملے گا۔ خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے یہ برابری مشرکین کے لئے ہے اس کی مثال یہود کا وہ جملہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ تیرا وعظ کرنا نہ کرنا ہمارے لئے برابر ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ان کو فرمائے گا اب صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے بھی برابر ہے۔ اب جہنم میں ہی رہو گے اور کفار خود بھی کہیں گے کہ ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم جزع فزع کریں یا چپ رہیں سزا سے تو نہیں بچ سکتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو بتا دیا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے یہ بھی گویا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ کہ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر پریشان نہ ہوں۔

(ف): گویا حضور ﷺ کا یہ معجزہ ہے۔ کہ قبل از وقت ان کے ایمان پر نہ مرنے کی اطلاع دے دی گئی۔

(ف) اس کے باوجود کہ ان کے ایمان نہ لانے کا حضور ﷺ کو علم ہو گیا۔ مگر حضور ﷺ نے ان کے لئے کوئی بددعا اس لئے نہیں فرمائی کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں بلکہ جب طائف والوں نے آپ کو پتھر مار مار کر خون وخون کر دیا۔ اور آپ سے کہا گیا۔ کہ حضور (ﷺ) ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ تو آپ نے جو فرمایا۔ اس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے۔ ع: جناب رحمۃ للعالمین نے سن کے فرمایا: میں دھر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دنیا میں بھی اس لئے عذاب نہیں دیا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کہ محبوب جب تک تو ان میں موجود ہے انہیں عذاب نہیں ہوگا۔ (یعنی حضور کی وجہ اور وسیلے سے وہ بچتے رہے۔)



خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ

مہر لگائی اللہ نے اوپر دلوں ان کے اور اوپر کانوں ان کے اور اوپر آنکھوں ان کے

غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ع ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

پردہ ہے اور واسطے ان کے عذاب ہے بڑا اور کچھ لوگ جو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ م وقف لازم ⑧

ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور دن آخرت پر اور نہیں وہ ایمان والے

(آیت نمبر ۷) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی یہ بات سابقہ مضمون کی علت اور سبب ہے۔ یعنی ان کو ڈرانا نہ ڈرانا اس لئے برابر ہے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ (**ف**): یعنی اب ان کے دل ہی ایسے ہو گئے جو کفر کو پسند اور ایمان کو ناپسند کرتے ہیں۔ گناہوں پر جرأت اور عبادات کو برا سمجھتے ہیں۔

دفع وھم: (یہ نہ سمجھا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی تو پھر ان کی کیا غلطی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے) بلکہ یہ مہر لگنا ان کے کفر کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہدایت کا راستہ کھلا رکھا ہے اور آسان فرمایا ہے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اسے چھوڑا اور کفر اختیار کیا۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم ہو گئے۔ اور فرمایا کہ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہاں پر حقیقی پردہ مراد نہیں۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کی آنکھیں ایسی ہو گئیں کہ وہ آیات ربانی کا ادراک نہیں کر سکتیں اس لحاظ سے فرمایا کہ ان پر پردہ آ گیا اور فرمایا کہ ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس سے مراد ہے۔ جہنم کا عذاب اور اس میں ہزاروں قسم کی تکالیف ہونے کی وجہ سے اسے بڑا عذاب کہا گیا۔

(آیت نمبر ۸) بعض لوگ جو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد منافق ہیں اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ابتداء ان لوگوں سے کی جو زبان و دل سے مانتے ہیں پھر ان کا ذکر کیا جو باہر اندر سے منکر تھے اور اب ان کا ذکر ہے جو زبان سے تو کلمے کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کے دل نعمت ایمان سے خالی ہیں۔

(**ف**) اس سے مراد منافقین ہیں جو کفار سے بھی زیادہ خبیث ہیں۔ اسی لئے کفار کا ذکر صرف دو آیات میں اور منافقین کا ذکر تیرہ (۱۳) آیات میں کیا۔ (**ف**) منافقین میں زیادہ تعداد یہودی تھے ان منافقوں کا زبانی اقرار تھا کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرما دیا کہ وہ مومن نہیں اس کی وجہ اگلی آیت میں بیان فرما دی کہ وہ ایمان کا اقرار مسلمانوں کو صرف دھوکا دینے کے لئے کر رہے ہیں۔

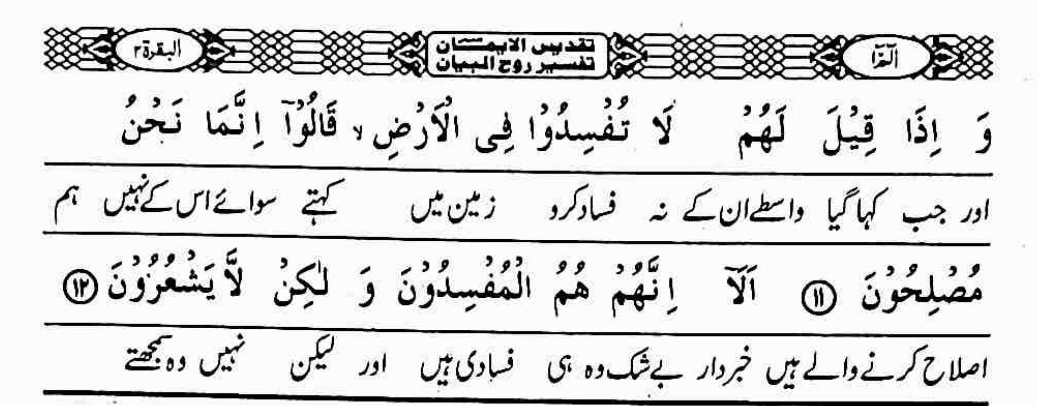
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ
دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور ان کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر

اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ
جانوں اپنی کو اور نہیں وہ سمجھتے دلوں میں ان کے بیماری ہے پس بڑھادی ان کی اللہ نے

مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠
بیماری اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک بہ سبب اس کے جو تھے جھوٹ بولتے

(آیت نمبر۹) وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اہل ایمان کو۔ **نوٹ**: اللہ تعالیٰ کو تو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ مگر یہاں سے مراد ہے کہ وہ رسول کو دھوکا دینا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔ **مسئلہ**: اس سے حضور کی ارفع واعلیٰ شان معلوم ہوئی کہ منافقوں کے دھوکا دینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ دھوکہ کو تعبیر کر دیا۔ آگے فرمایا وہ اور کسی کو دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو یعنی اس دھوکے کا نقصان صرف ان کو ہی ہوگا کہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت دردناک عذاب ہوگا۔ اور وہ نہیں سمجھتے یعنی وہ اتنی بڑی غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں کہ اس خرابی کا انہیں کوئی علم نہیں۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں اس کی کتنی بڑی سزا ہونے والی ہے۔ اسی بناء پر منافق کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۱۰) ان کے دلوں میں مرض ہے یہ مرض کوئی احتلاج قلب یا ہارڈ اٹیک کا نہیں تھا۔ بلکہ انہیں منافقت کی بیماری تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مرض کو اور بھی بڑھا دیا۔ یعنی ان میں جہالت، بدعقیدگی، حسد کا مرض، کینے کی بیماری اور گناہوں سے محبت وغیرہ اور خاص کر حضور ﷺ سے دشمنی جیسے مرض اور پھر جوں جوں وحی نازل ہوتی یا مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوتی اور تکالیف شرعیہ کا نزول ہوتا۔ اسی قدر ان منافقین کی اس بیماری میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ حضرت علامہ قطب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کے امراض یا تو دین سے متعلق ہیں جیسے برے عقائد کفر وغیرہ یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ **رذائل فعلیہ** جیسے خیانت، حسد وغیرہ۔ ۲۔ **رذائل انفعالیہ** جیسے ضعف اور بزدلی وغیرہ اور ان منافقوں کو یہ دونوں بیماریاں تھیں۔ اس لئے فرمایا کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی آخرت میں ایسا سخت عذاب جو دل تک پہنچے گا اور ان کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے یعنی (آمنا) کہہ کر جھوٹے ثابت ہوئے۔ اس عبارت سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ ان کے عذاب کا سبب ان کا جھوٹ بولنا ہے۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ جھوٹ کتنی قبیح چیز ہے۔



(آیت نمبر۱۱) اور جب بھی منافقوں کو کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ یعنی یہ جو تم فتنہ وفساد پھیلا رہے ہو اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہو اس سے باز آ جاؤ اس تمہارے شر اور فتنہ سے لوگوں کو نقصان ہوگا تو وہ کہتے کہ ہم فتنہ وفساد نہیں کر رہے۔ سوائے اس کے نہیں ہم تو لوگوں کی اصلاح کر رہے ہیں ان کا نماز کلمہ درست کرا رہے ہیں۔ ہم کہاں فساد کر رہے۔ چونکہ ان کے دل فساد کے عادی ہو چکے تھے لہذا انہیں اپنا فساد کرنا بھی اصلاح نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے خالص فساد کو اپنے لئے خالص اصلاح پر محمول کر لیا تھا۔ (آج کل بھی کچھ لوگ گھروں میں جا کر لوگوں کو محبت رسول سے روکتے ہیں۔ اور توہین رسول کا نام توحید رکھا ہوا ہے)۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب میں فرمایا۔

(آیت نمبر۱۲) خبردار ہو جاؤ بے شک یہی پکے فسادی ہیں لیکن انہیں اپنے فسادی ہونے کا شعور ہی نہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے مسلمانوں کی شرافت اور منافقین کی شرارت کا علم ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ منافقوں کے ہر اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا جیسے ولید کے مجنون کہنے پر اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا کہ آپ اللہ کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں اور فرمایا کہ یہ میرے نبی کو مجنون کہنے والا خود جھوٹی قسمیں کھانے والا بد بخت، عیب دار، حقیر، چغلخور، بخیل، فاجر وغیرہ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ حرام زادہ ہے۔

ف: اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کے گستاخ میں یہ مذکورہ سارے عیب پائے جاتے ہیں) اور دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اپنی آخرت دنیا حاصل کے لئے خراب کرتے ہیں اور اپنے اعمال کو ضائع کرتے ہیں اور برے اعمال کی وجہ سے برے وبال کو اپنے سر پر لے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اچھے اعمال کو بھی خراب کر رہے ہیں، اس پر ان کی ہٹ دھرمی یہ کہ وہ اصلاح کا دعوی کرتے ہیں حالانکہ وہ فسادی ہیں اور اس کا انہیں شعور بھی نہیں ہے۔ یعنی انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہی۔ کہ وہ کتنے بڑے نقصان میں جا رہے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

اور جب کہا گیا واسطے ان کے ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ کہتے کیا ہم لائیں جیسے ایمان لائے

السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

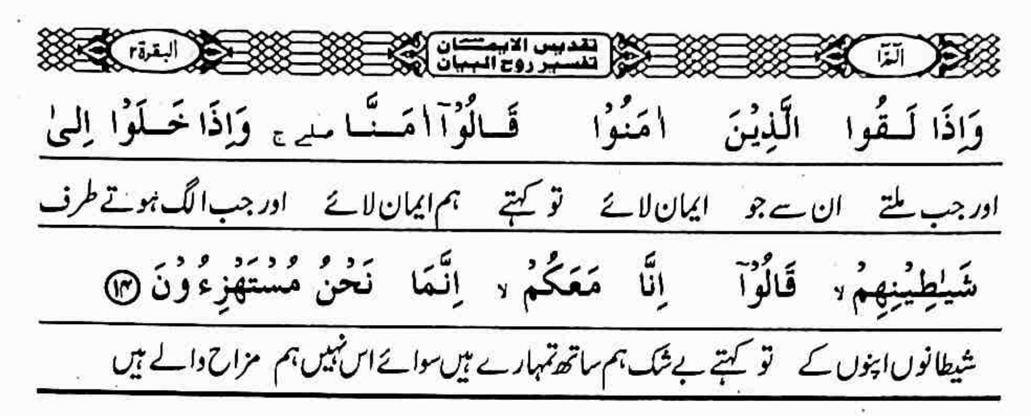
بے وقوف خبردار بے شک وہ ہی احمق ہیں لیکن نہیں وہ جانتے

(آیت نمبر۱۳) اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ۔ یعنی جب مسلمان انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طور پر کہتے کہ تم ایمان لاؤ جیسے وہ کامل ایمان والے ایمان لائے۔ یعنی ایسا محقق ایمان لاؤ جیسے سچے ایمان والوں کا ایمان محقق ہے۔

ف: اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ یعنی جن لوگوں کا ایمان خالص مخلص اور نفاق کی ملاوٹ سے پاک وصاف ہے۔ تمہارا ایمان بھی ان کی مثل ہونا چاہئے۔ مگر انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں۔ جس طرح بے وقوف ایمان لائے، یعنی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رشد وہدایت کی انتہائی مراحل طے کئے ہوئے ہیں۔ (معاذ اللہ) ان کو یہ جملہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں جن کے نفوس کمال درجہ کی سفاہت میں منہمک اور گمراہی میں غرق ہیں اور برے اعمال کو اچھا سمجھنے والے ہیں چونکہ اکثر مسلمان محتاج ومفلس تھے بلکہ کچھ غلام بھی تھے تو انہوں نے یہ جملہ محض تکبر کی وجہ سے کہا۔

نوٹ: یہ بات وہ اپنی مجلس میں کرتے اور مسلمانوں سے چھپ کر کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع کر دیا۔ (۲) ابوالسعود نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے انہوں نے اہل ایمان کے سامنے اس وقت کہا ہو۔ جب انہوں نے امر بالمعروف کے طور پر نصیحت کی ہو تو انہوں نے جواباً یہ کہا ہو۔ (۳) یا ہوسکتا ہے کہ مزاقاً یہ جملہ کہا ہو۔ (۴) یا ریاکاری کے طور پر کہا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار! بے شک یہی لوگ بے وقوف ہیں۔ اس لئے کہ وہ بے علم ہیں وہ آخرت میں ملنے والے نقصان کو معلوم نہیں کر سکتے۔ کہ منافقت کی سزا کتنی بڑی ہے۔ **ف:** اس جملہ میں ان کا رد بھی ہوا اور ان کی انتہائی جہالت بھی معلوم ہوگئی۔ **ف:** پچھلی آیت میں "لایشعرون" کہہ کر ان کے شعور کی نفی کی اور اس آیت میں ان کے علم کی نفی کر کے ان کی جہالت کو واضح کر دیا۔

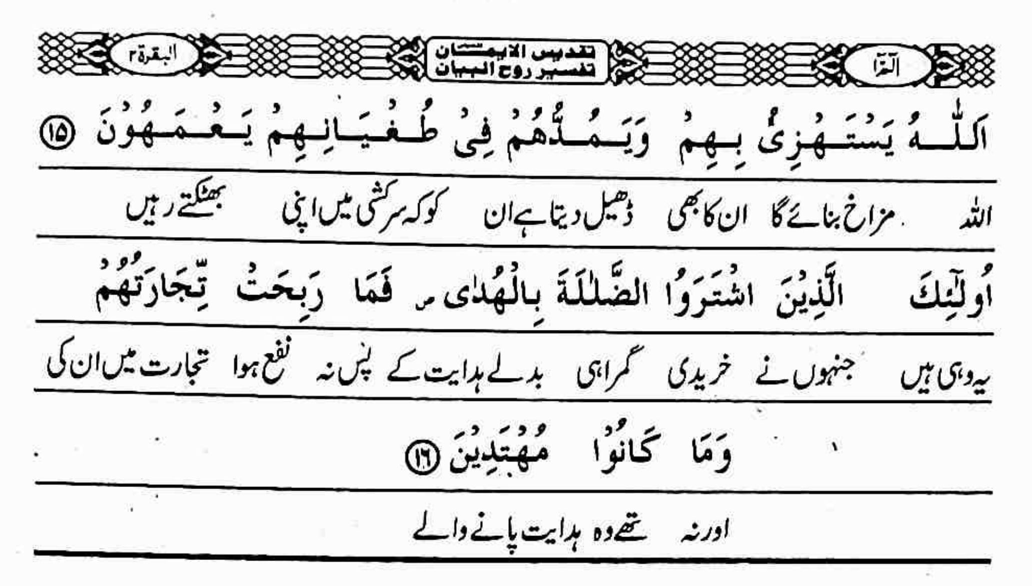
نوٹ: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو وجہ سے بے وقوف کہا: (۱) اس لئے کہ انہوں نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے دنیا کو دین کے بدلے اور فانی کو باقی کے عوض خریدا۔ (۲) اس طرح انہوں نے اپنے عقل کو بے وقوفی میں ڈال دیا اور یہ نہ سمجھا کہ وہ دنیا کی زندگی پر ہی خوش ہو کر متقیوں کے مراتب پانے سے محروم رہ گئے۔



(آیت نمبر۱۳) اور جب ایمان والوں سی ملتے یعنی جب مسلمانوں کو دیکھتے اوران سے گفتگو ہوتی تو کہتے کہ ہم بھی ایمان لائے۔

شــان نزول: مروی ہے کہ ایک مرتبہ منافقوں کا سردار ابن ابی شہر سے باہر جارہا تھا۔آگے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لارہے تھے تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔کہ دیکھئے میں ان کو کیسا بے وقوف بناتا ہوں۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر خوشامد کے طور پر کہا، مرحبا آپ ہی صدیق ہیں جو بنی تمیم کے سردار ہیں۔شیخ الاسلام اور ثانی فی الغار ہیں وغیرہ پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ تو حضور کے چچازاد ہیں۔اور بنی ہاشم میں سردار ہیں وغیرہ تو انہوں نے فرمایا، ابن ابی خدا کا خوف کر اور منافقت چھوڑ دے۔ کیونکہ منافق بدترین لوگ ہیں اللہ کے نزدیک۔تو وہ کہنے لگا کہ بات نہ بڑھایئے ہم بھی آپ کی طرح ایمان دار ہیں لیکن جب وہ بد بخت اپنے دوستوں کے پاس گیا تو انہیں کہا کہ تم نے دیکھا میں نے ان کو کیسا بے وقوف بنایا، تم بھی جب انہیں ملو تو یہی کرو۔تو مسلمان جب بارگاہ نبوت میں آئے اور سارا ماجرا سنایا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے۔ اور جب اپنی خلوت میں جاتے یعنی اپنے ساتھی جو تمرد اور عناد میں پورے شیطان ہیں۔ شیاطین سے مراد ان کے کاہن اور کعب بن اشرف ابو بردہ اور عوف بن عامر اسدی اور ابن سودا شامی وغیرہ جن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ غیب جاننے والے اور پوشیدہ اسرار کو سمجھنے والے ہیں۔ (عرب کے سارے کاہن شیطان ہی تھے) ان کے پاس جاکر کہتے کہ بے شک اصل میں ہم تمہارے ساتھ ہیں تو وہ کہتے کہ تم ہمارے ساتھ ہو تو کلمہ مسلمانوں کا کیوں پڑھتے ہو اور ان کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہو اور حج اور جہاد میں بھی شریک ہوتے ہو تو اس کے جواب میں کہتے کہ اصل بات یہی ہے کہ ہم ان سے مزاخ کرتے ہیں۔حقیقتاً ان کے ساتھ نہیں ہیں۔کسی نے سچ کہا:

ع: کعبہ کا حج بھی گنگا کا شنان بھی　　راضی رہے اللہ خوش رہے شیطان بھی

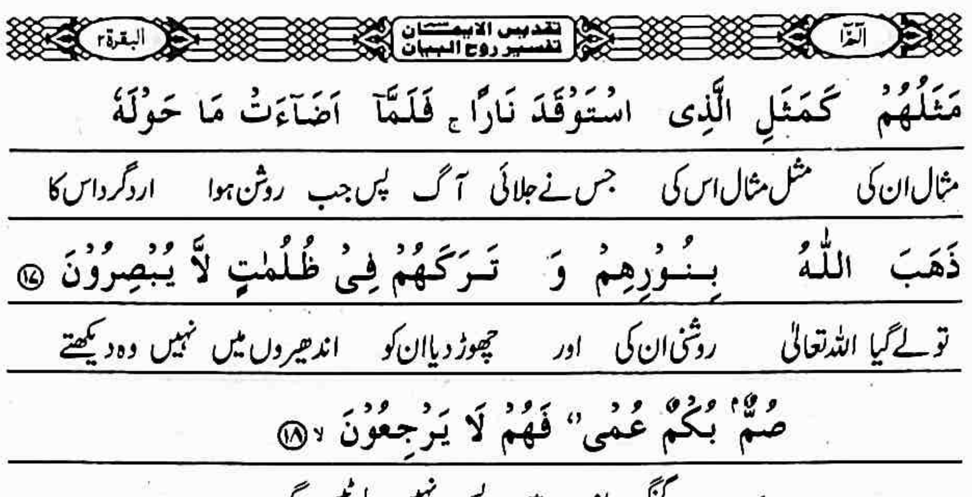


(آیت نمبر۱۵) یعنی ہم اپنا اسلام ظاہر کر کے حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کا مزاح اڑاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ بھی ان سے مزاح کرے گا۔ یعنی ان کے اس مزاخ کی ان کو سزا دے گا۔ یا اس مزاح کا وبال ان پر ہی پڑے گا وہ اس طرح کہ بروز قیامت جنت کا دروازہ کھلے گا تو یہ دوڑ کر آئیں گے کہ جنت میں داخل ہوں لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو دروازہ بند ہو جائے گا اور یہ ذلیل ہو کر واپس مڑیں گے تو ایمان والے انہیں دیکھ ہنس رہے ہونگے جیسے یہ دنیا میں مسلمانوں کا مزاح اڑاتے تھے۔

بزرگوں نے فرمایا "من ضحِكَ ضُحِكَ" جو ہنسا وہ ہنسا گیا۔ یعنی جو کسی کا تمسخر اڑاتا ہے۔ اس کا بھی تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ تو منافقین دنیا میں مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ قیامت کے دن ان سے جو معاملہ فرمائیگا۔ وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ آگے فرمایا ابھی اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے اور وہ اپنی اس سرکشی میں ہی حیران ہیں جیسے اندھے کو معلوم نہ ہو کہ کہاں جانا ہے۔

(آیت نمبر۱۶) یہ منافق وہی ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں یعنی گمراہی میں زیادہ رغبت کرنے سے انہوں نے ایمان دے دیا۔ یہ جملہ استعارہ کے طور پر ہے۔ وہ ایمان حاصل کرنے کی استعداد تو رکھتے تھے۔ مگر اس کو ہی ضائع کر کے گمراہی میں میلان رکھا۔ گمراہی لے لی۔ مگر ایمان نہیں لیا۔

مسئلہ: ایجاب وقبول کا لفظ کہے بغیر بھی لین دین کرنے سے بیع ہو جاتی ہے تو فرمایا کہ اس تجارت میں انہیں فائدہ نہیں ہوا۔ تجارت کا مقصد تو نفع کا حصول ہوتا ہے اور مال بھی بچ جائے لیکن جس کو نفع تو در کنار اصل مال ہی ضائع ہو جائے تو وہ انتہائی خسارے والے ہوئے اس لئے فرمایا کہ یہ ہدایت پانے والے ہیں ہی نہیں۔



مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

مثال ان کی — مثل مثال اس کی — جس نے جلائی — آگ — پس جب — روشن ہوا — اردگرد اس کا

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو لے گیا اللہ تعالیٰ — روشنی ان کی — اور — چھوڑ دیا ان کو — اندھیروں میں — نہیں وہ دیکھتے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

بہرے — گنگے — اندے ہیں — پس وہ نہیں — لوٹیں گے

(آیت نمبر ۱۷) ان کی مثال اس شخص کی ہے کہ جس نے آگ جلائی اور اس آگ کی روشنی سے پورا ماحول روشن ہو گیا یعنی اردگرد جتنے مکانات واشیاء ہیں روشن ہو جائیں تو اچانک اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے جائے۔ یعنی آگ بجھا دے جس پر ان کی روشنی کا دارومدار تھا۔ (یعنی جو کچھ روشنی میں نظر آ رہا تھا وہ اچانک نظر نہ آئے)۔ اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا اور وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جب منافقین حضور کی مجلس وعظ میں آتے۔ تو وہاں کچھ نور پاتے لیکن جب محفل ختم ہوتی۔ یا منافق وہاں نکلتے۔ تو پھر اندھیرے میں رہ جاتے۔

(آیت نمبر ۱۸) اور وہ گویا بہرے گنگے اور اندھے ہیں۔ یعنی حق قبول نہ کرنے کی وجہ سے بہرے ہیں، سب کچھ سننے کے باوجود گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور حق کو سمجھ کر بھی نہیں کہتے کہ یہ حق ہے بلکہ مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے گویا وہ گنگے ہیں اور جس نظر سے دیکھ کر انہیں ہدایت کی طرف آنا تھا۔ انہوں نے وہ بھی اپنی بصیرت ضائع کر دی۔ اس لحاظ سے گویا وہ اندھے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم انہیں قیامت کے دن بھی بہرہ اور اندھا کر کے اٹھائیں گے، آگے فرمایا کہ اوصاف مذکورہ کی وجہ سے وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لوٹتے۔

نوٹ: اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے کان آنکھیں اور دل نہیں تھا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے ان آلات کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زبان شکر کرنے کیلئے دی کہ قرآن اور نصیحت کانوں سے سننے اور آنکھیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہیں کہ تو رب تعالیٰ کی کاریگری کو دیکھ کر اسے پہچان پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اگر تو اس کا حکم مان کر اس کی طرف نہیں لوٹتا۔ مر کر تو تو مجبوراً ضرور اس کی طرف لوٹ کر جائے گا۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ

یا مثال بارش کی آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور چمک ہے کر لیتے ہیں

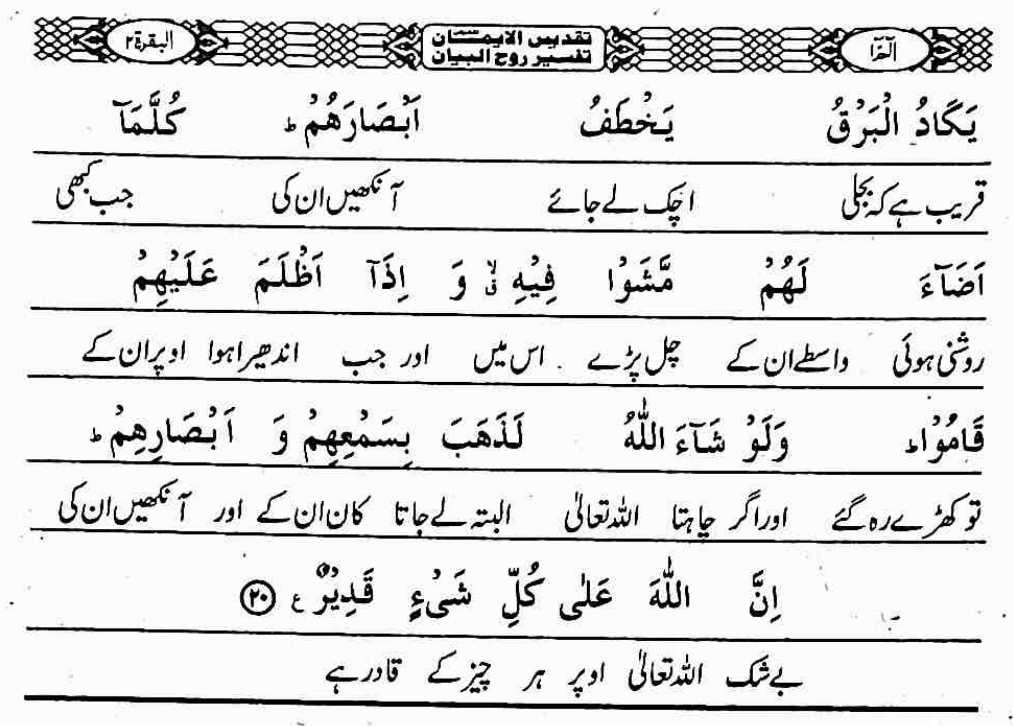
اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

انگلیاں اپنی کانوں میں کڑک کی وجہ سے ڈر موت سے اور اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے کافروں کو

(آیت نمبر۱۹) یہ منافقین کی دوسری مثال دی گئی اصل میں یہ دو قصے ہیں جو فیوض الرحمان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ جن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ بات جو مشہور ہے کہ بارش سمندروں سے اٹھنے والے بخارات سے ہوتی ہے۔ سائنس دانوں کی سوچ یہی ہے۔ مگر قرآن پاک میں کئی مقامات پر اس کا رد فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ کہ پانی آسمان سے آیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ عرش کے نیچے دریا ہے جہاں سے مخلوق کے لئے رزق اترتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پانی نیچے والے آسمان سے ایسے اترتا ہے جیسے چھلنی سے نکل رہا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اس بارش میں اندھیرے بھی ہوتے ہیں اور گرج اور بجلی بھی ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رعد فرشتہ ہے جو بادل پر مقرر ہے جب وہ سختی سے اسے چلاتا ہے تو اس سے گرج کی آواز آتی ہے۔ (ترمذی شریف) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ گرج اس فرشتے کی تسبیح کی آواز ہے، تو گرج کے وقت وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھتے ہیں کیونکہ گرج سے دل دھڑکتے ہیں اور ہلاکت کا ڈر ہوتا ہے گویا کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے کی علت ہلاکت کا ڈر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے، مراد یہ ہے کہ اگر موت آئی ہوئی ہے تو یہ حیلے انہیں نہیں بچا سکتے کیونکہ قدر کو حذر نہیں بچا سکتا اور نہ ہی کوئی حیلہ اللہ کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔

صحیح ترمذی میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمیں رعد کے متعلق بتائیں کہ وہ کیا چیز ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔ جو بادلوں پر مقرر ہے۔ جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادلوں کو چلا کر لے جاتا ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ بادلوں میں سے یہ آوازیں کیسی ہیں۔ جو سنی جاتی ہیں تو فرمایا۔ یہ فرشتے کی آواز ہے کہ وہ بادلوں کو جھڑک کر چلاتا ہے۔ جدھر کا اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو انہوں نے کہا۔ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ فرشتے کی تسبیح ہے۔ جب وہ تسبیح کہتا ہے تو تمام فرشتے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتے ہیں۔



يَكَادُ الْبَرْقُ	يَخْطَفُ	اَبْصَارَهُمْ ؕ	كُلَّمَآ
قریب ہے کہ بجلی	اچک لے جائے	آنکھیں ان کی	جب کبھی

اَضَآءَ	لَهُمْ	مَّشَوْا	فِيْهِ ۙ	وَ	اِذَآ	اَظْلَمَ	عَلَيْهِمْ
روشنی ہوئی	واسطے ان کے	چل پڑے	اس میں	اور	جب	اندھیرا ہوا	اوپر ان کے

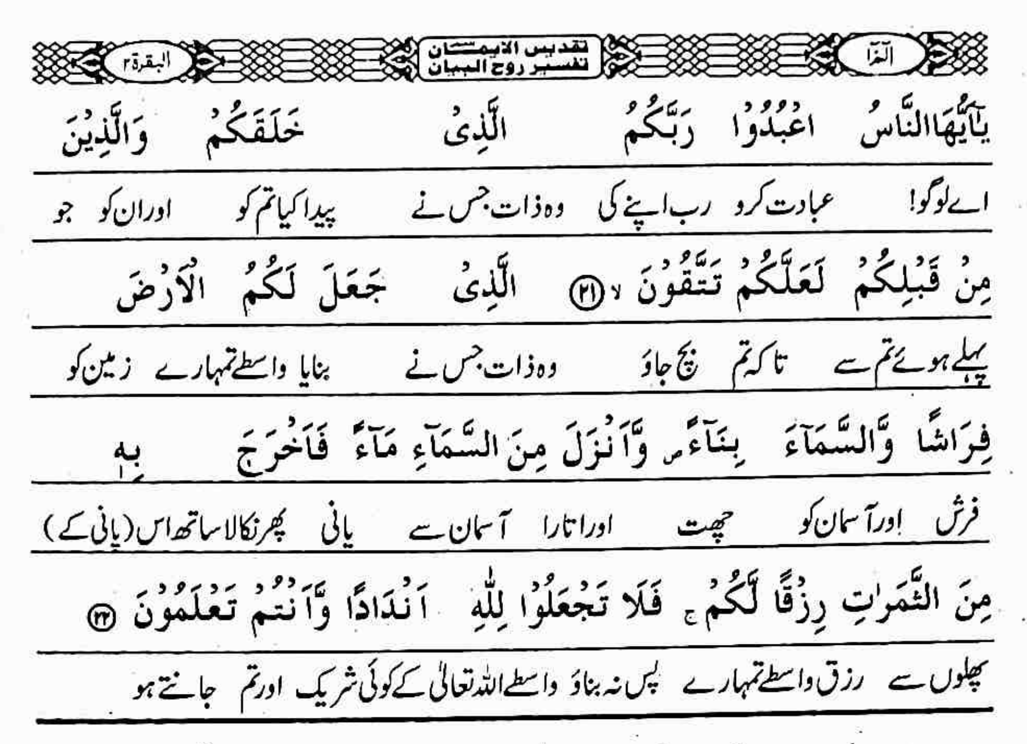
قَامُوْا ؕ	وَلَوْ شَآءَ	اللّٰهُ	لَذَهَبَ	بِسَمْعِهِمْ	وَ	اَبْصَارِهِمْ ؕ
تو کھڑے رہ گئے	اور اگر چاہتا	اللہ تعالیٰ	البتہ لے جاتا	کان ان کے	اور	آنکھیں ان کی

اِنَّ	اللّٰهَ	عَلٰى	كُلِّ	شَىْءٍ	قَدِيْرٌ ع ﴿۲۰﴾
بے شک	اللہ تعالیٰ	اوپر	ہر	چیز کے	قادر ہے

(آیت نمبر ۲۰) قریب ہے کہ بجلی اچک کر لے جائے ان کی آنکھیں یعنی سخت روشنی کی وجہ سے بینائی ختم ہو جائے، بجلی چمکنے پر جب وہ چمکے تو روشنی میں ان کو راہ مل جاتی ہے، جس پر وہ چل پڑتے ہیں لیکن بجلی کے چمکنے سے آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے کا ڈر بھی انہیں لگا رہتا ہے اور جب چمک ختم ہو کر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ اسی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔ حیرانی کے عالم میں دوسری مرتبہ چمکنے کا انتظار کرتے ہیں۔ شاید کہ راہ یا پناہ مل جائے۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں سب چھین لے جیسے دل کی آنکھیں چھین لیں۔ انہیں سزا دینے کی بناء پر، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سبق: عقلمند پر ضروری ہے کہ وہ شریعت پر قائم رہے اور شریعت کے خلاف باتوں سے کنارہ کش رہے تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

حکایت: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا۔ آپ نے صبح کیسے کی۔ تو فرمایا۔ خیریت کے ساتھ۔ پھر پوچھا اب آپ کا کیا حال ہے تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میرے حال کے متعلق نہ پوچھ کیا خیال ہے تیرا ان لوگوں کے متعلق جن کی کشتی درمیان دریا کے ٹوٹ جائے۔ پھر ہر آدمی الگ الگ تختے کے ساتھ چمٹا ہو۔ ان کا کیا حال ہوگا۔ تو اس شخص نے کہا۔ ان کا حال تو سخت برا ہی ہوگا۔ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میرا حال تو ان سے بھی زیادہ سخت ہے۔ موت میرا دریا ہے۔ کشتی میری زندگی ہے۔ گناہوں کے پھٹے سے چمٹا ہوا ہوں۔ ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو۔



يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے لوگو! عبادت کرو رب اپنے کی وہ ذات جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

پہلے ہوئے تم سے تا کہ تم بچ جاؤ وہ ذات جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ

فرش اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالا ساتھ اس (پانی کے)

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھلوں سے رزق واسطے تمہارے پس نہ بناؤ واسطے اللہ تعالیٰ کے کوئی شریک اور تم جانتے ہو

(آیت نمبر ۲۱) اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی یہ آیت توحید و رسالت کے اثبات اور تحقیق کے لئے بیان ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے نسیان کے پتلے تجھے خبردار ہونا چاہئے اور اس بات کو مت بھول کہ کسی وقت تیرا نام و نشان بھی نہ تھا پھر مٹی سے آدم کو بنایا۔ پھر تجھے اس کے نطفہ سے اور اس سے خون پھر خون سے لوتھڑا پھر گوشت پھر ہڈیاں اور چمڑا اور رگیں اور پٹھے اور پھر ایک دن بچہ پھر جوان پھر بوڑھا ہوا ان تبدیلیوں اور ان تمام حالتوں میں میری نعمتوں سے تو پلتا رہا۔ اور اب جب موقع آیا تو میرے سوا اوروں کی پوجا میں لگ گیا۔ کس قدر افسوسناک بات ہے لیکن رب تبارک و تعالیٰ نے بھی تجھے بھولا ہوا انسان سمجھ کر تجھے معذور سمجھا اور معاف کیا۔ آؤ اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ گویا یہ جملہ اگر کفار کو فرمایا تو معنی ہے کہ توحید کا اقرار کرو، منافقین سے فرمایا اپنے رب کی معرفت میں مخلص ہو جاؤ اور فرمانبرداروں کو فرمایا، میری معرفت پہ ثابت قدم رہو۔ گویا (اعبدوا) کا لفظ اپنے اندر ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے۔

ف: عبادت نام ہے، طاعت میں پوری ہمت سے کام لینا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے باز آنا آگے فرمایا۔ وہ اللہ جس نے تمہیں بھی اور تم سے پہلوں (تمہارے باپ دادا) کو بھی پیدا کیا۔ یا پہلی امتوں کو پیدا کیا لہذا اس ذات کی اطاعت کرنا تم پر واجب ہے جس نے تمہیں اور تمہارے اصول کو پیدا کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت ہے اور غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کی تنبیہ ہے کہ جو پہلے آئے تھے وہ نہیں رہے اور تم بھی واپس

لوٹنے کو نہ بھولو، فرمایا تا کہ تم ان متقین میں شامل ہو جاؤ جو ہدایت پا کر فلاح پا گئے۔

سبق :یہ حاصل ہوا کہ غیر عابد اپنی اصلاح کرے۔اور عبادت میں لگ جائے اور عابد اپنی عبادت پر مغرور بھی نہ ہو بلکہ خوف اور امید کے درمیان رہے۔کہ کہیں کی ہوئی عبادت ضائع نہ ہو جائے۔

(آیت نمبر۲۲) اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ارض اس لئے زمین کو کہا جاتا ہے کہ جو اس کے اندر جائے اسے کھا جاتی ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ پاؤں سے روندے جانے کی وجہ سے اسے زمین کہا جاتا ہے۔اور فراش بچھونے کو کہا جاتا ہے جس پر بیٹھنا لیٹنا آرام سے ہو سکے اور آسمان کو چھت کی طرح بنایا۔یعنی قبہ کی شکل پر بنایا۔

ف: جو زمین کے اوپر ہو وہ آسمان ہے اور آسمان سے پانی اتارا یعنی آسمان سے بادل پر اور وہاں سے زمین پر بارش گرتی ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ بادل دریاؤں سے پانی بھرتے ہیں اور پھر بارش برساتے ہیں۔آگے فرمایا۔پھر اس پانی کے سبب پھلوں سے تمہارے لئے رزق نکالا۔جیسے میوے اناج وغیرہ یعنی تمہارے لئے کھانا اور تمہارے جانوروں کے لئے گھاس ہے یہ سب اللہ تعالیٰ نے بنایا۔اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا تا کہ تم اس کی خالقیت اور رزاقیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی توحید پر ایسے کار بند رہو کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کو نہ مانو اور اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

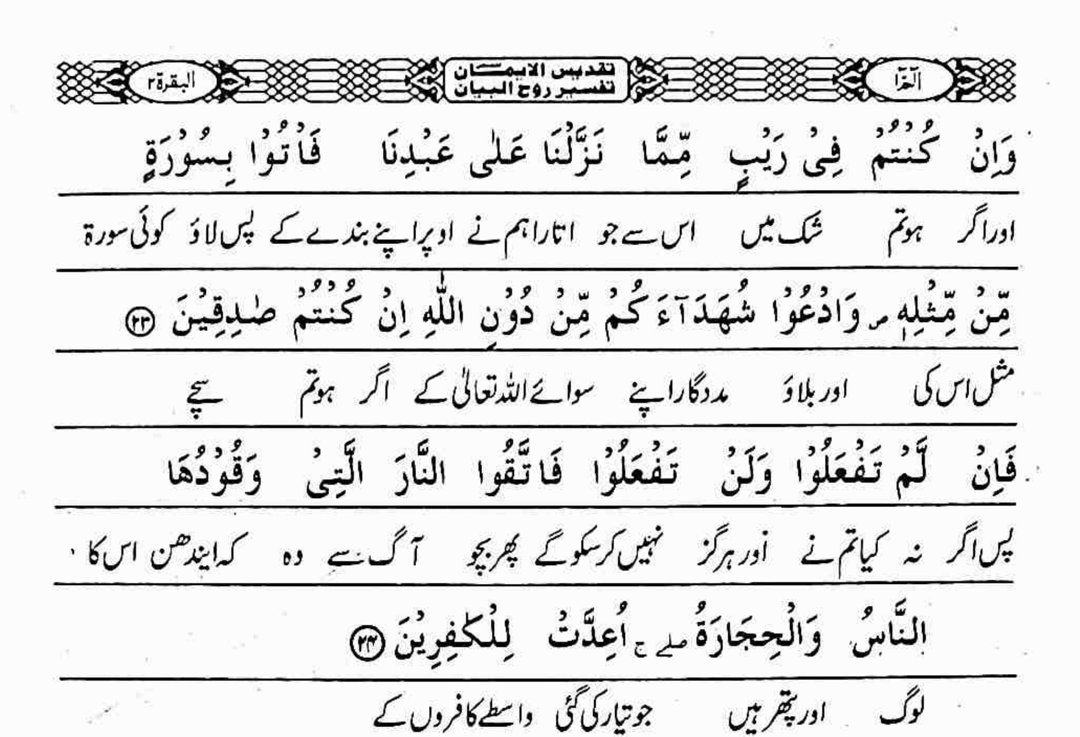
حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ لو سے بچو یعنی اگر یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا بلکہ یوں کہو۔وہی ہوگا جو مقدر میں ہوگا (ریاض الصالحین) جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوں نہ کہا کرو کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو یہ مصیبت نہ آتی وغیرہ وغیرہ۔آگے فرمایا کہ تم جانتے بھی ہو یعنی جو ہم نے کہا کہ زمین و آسمان بنائے پانی اتارا تمہارے لئے رزق بنایا وغیرہ یہ سب ہم نے کیا نہ کہ تمہارے بتوں نے۔یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔

ف: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت میں خلوص ہونا چاہئے اور غیروں کا خیال دل سے نکالنا چاہئے:

۱۔ کہ تمہیں پیدا کرنا زمین و آسمان کا بنانا اور اس کے درمیان بھی جو کچھ ہے سب کچھ صرف میں نے بنایا کسی اور نے نہیں بنایا لہذا کسی کو میرا شریک مت بناؤ۔

۲۔ اور میں نے تمام موجودات کو بنایا لہذا میری محبت اور معرفت کو چھوڑ کر بتوں سے محبت مت کرو اور نہ شرک کے گڑھے میں ہلاک ہو۔

۳۔ زمین و آسمان ہو یا سورج چاند ستارے وغیرہ یہ سب وسائل ہیں، روزی دینے والا میں ہوں اور تم وسائل کو پوج لیتے ہو اور مجھے کیوں نہیں پوجتے یاد رکھو یعنی میرے سوا کوئی بھی پوجنے کے لائق نہیں ہے۔



وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

اوراگر ہوتم شک میں اس سے جو اتاراہم نے اوپراپنے بندے کے پس لاؤ کوئی سورۃ

مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

مثل اس کی اور بلاؤ مددگاراپنے سوائے اللہ تعالیٰ کے اگر ہوتم سچے

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا

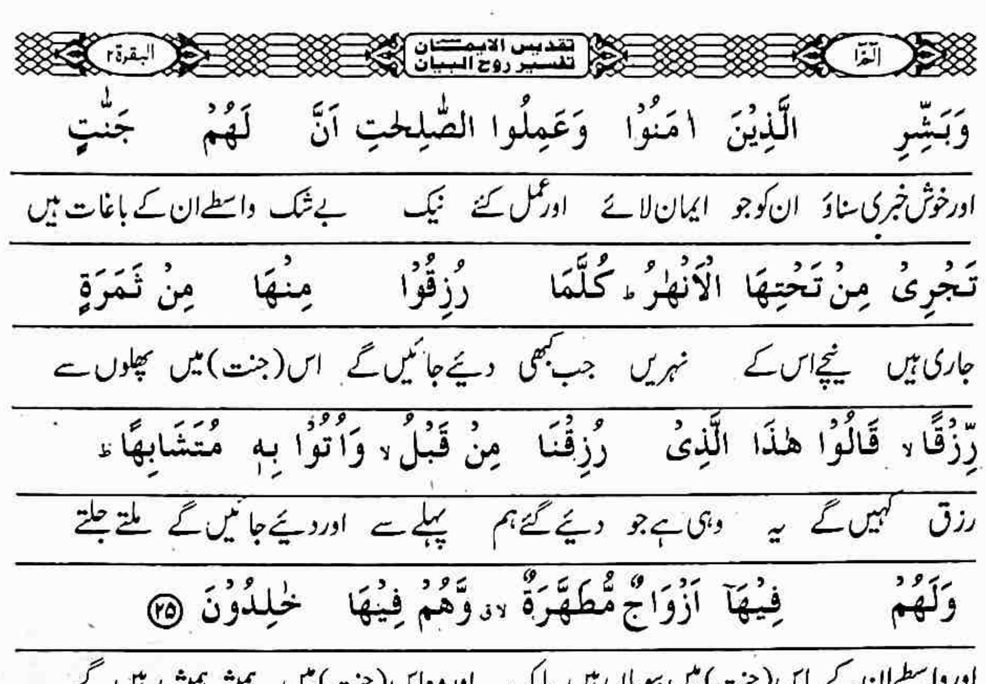
پس اگر نہ کیاتم نے اور ہرگز نہیں کرسکو گے پھر بچو آگ سے وہ کہ ایندھن اس کا

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

لوگ اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی واسطے کافروں کے

(آیت نمبر۲۳) اور اگر تمہیں شک ہے اس میں جو ہم نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا یعنی قرآن مجید پر تمہیں اگر شک ہے کہ معلوم نہیں۔ یہ اللہ نے اتارا بھی ہے یا نہیں۔ تو (شک نکالنے کا آسان طریقہ ہے) کہ تم بھی اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ بشرطیکہ وہ اسی کی مثل ہو یعنی غریب بیان اور علومرتبہ اور حسن نظم میں وہ اسی طرح ہو اور بے شک اپنے مددگار کوئی ہیں تو ان کو بھی بلا لو اور مل کر کوشش کرو اور ایک سورہ بناؤ، اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔ **مسئلہ**: مخلوق سے حاجات اور مدد نہیں مانگنی چاہئے اس لئے کہ وہ کسی کی تکلیف دور نہیں کر سکتے اپنی حاجت صرف اس ذات کے سامنے رکھو جس کے لئے پورا کرنا مشکل نہ ہو، سوال اس سے کرو جس کے خزانے بھرے ہوئے ہوں سہارا اس پر کرو جو عاجز نہ ہو۔ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہی پائی جاتی ہیں اور کسی میں نہیں۔

(آیت نمبر۲۴) اگر تم نہ کر سکے یعنی اگر اپنی جدوجہد کے باوجود اس قرآن کی نظیر تم نہ لا سکے تو یاد رکھو تم زمانہ مستقبل میں بھی ہرگز نہیں لاسکو گے۔ یہی تو قرآن کا معجزہ ہے۔ کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود اور پوری کوشش کے باوجود کوئی اس کی مثل ایک آیت بھی نہ لاسکا۔ جس نے پوری دنیا کو عاجز کر دیا، دراصل یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے اور ایسا روشن معجزہ کہ جو کچھ اس کے متعلق کہا گیا وہ ہو کر رہا تو فرمایا اب جب تم قرآن کا مقابل لانے سے عاجز رہے اس کی مثل نہ لا سکے تو اب تم پر حجت قائم ہوگئی۔ لہذا اب تم اقرار کرلو کہ قرآن میری برحق کتاب ہے اور محمد ﷺ میرے رسول برحق ہیں اور قرآن میری ہی طرف سے نازل ہوا اب تم پر لازم ہے کہ اس پر ایمان لاؤ ورنہ بچو اس آگ سے جس کا ایندھن یعنی اس میں جلنے والی چیز یا لوگ ہوں گے یا پتھر لوگوں سے مراد تو مجرم لوگ کفار فجار وغیرہ۔



وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اورخوش خبری سناؤ ان کوجو ایمان لائے اورعمل کئے نیک بے شک واسطےان کے باغات ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

جاری ہیں نیچےاس کے نہریں جب بھی دیئے جائیں گے اس (جنت) میں پھلوں سے

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ

رزق کہیں گے یہ وہی ہے جو دیئے گئے ہم پہلے سے اور دیئے جائیں گے ملتے جلتے

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اورواسطےان کے اس (جنت) میں بیویاں ہیں پاک اوروہ اس (جنت) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

(بقیہ آیت نمبر۲۴) اور پتھر سے مراد کبریت کا پتھر جو جلد آگ پکڑ لے اور بجھے بھی دیر سے اس کی آگ بھی سخت سے سخت تر یا پتھروں سی مراد وہ بت ہیں جنہیں کفار ومشرکین پوجتے تھے اور وہ جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔**مسئلہ**:اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا اور نبی کریم ﷺ کی نبوۃ کا اقرار کرنا دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے جس میں جلنے والے لوگ اور پتھر ہیں اس سے قرآن کی اور صاحب قرآن کی عظمت معلوم ہوئی۔

(آیت نمبر۲۵) اور خوشخبری سنایئے ان کو جو ایمان لائے یعنی اے محمد عربی ﷺ ان کے دلوں کو خوش فرمائیں جو قرآن کو کتاب اللہ مانتے ہیں۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ خطاب عام ہے، ہر اس کے لئے جسے خوش خبری ملے کہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔صالح عمل وہ ہوتا ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں کہ جس میں یہ دونوں ہوں گے ان کے لئے باغات ہیں یعنی ان کے لئے جنت ہے جس جنت میں جانے کا دارومدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔اور یاد رہے کہ ایمان گویا بنیاد ہے اور اعمال صالحہ اس پر تعمیر ہے، بنیاد بغیر تعمیر کے بے کار اور تعمیر بغیر بنیاد کے بے کار ہے، اسی طرح نیک اعمال کے بغیر جنت کی تلاش بے وقوفی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نیک اعمال کے بغیر بھی جنت میں بھیج دے تو یہ ممکن ہے لیکن ایمان کے بغیر جنت کا داخلہ ناممکن ہے۔

ف: جنت اس مقام کو کہا جاتا ہے جو پھل دار درختوں سے ڈھکا چھپا ہو، کل آٹھ جنتیں ہیں:

۱۔ دار الجلال: جہاں نور ہی نور ہے، برتن دروازے کھڑکیاں، بالا خانے اور زیورات وغیرہ ہر چیز سے نور نکل رہا ہے۔

۲۔ **دار القرار:** اس میں تمام چیزیں مرجان کی بنی ہوئی ہیں۔

۳۔ **دار السلام:** اس کی تمام چیزیں یاقوت کی بنی ہوئی ہیں۔

۴۔ **جنت عدن:** اس کی تمام اشیاء زبرجد کی ہیں۔

۵۔ **جنة الماوی:** یہ خالص سونے کی ہے۔

۶۔ **جنة الخلد:** یہ خالص چاندی کی ہے۔

۷۔ **جنة الفردوس:** اس کی دیواریں سونے چاندی کی ملی ہوئی ہیں اور اس کا گارا مشک کا ہے۔

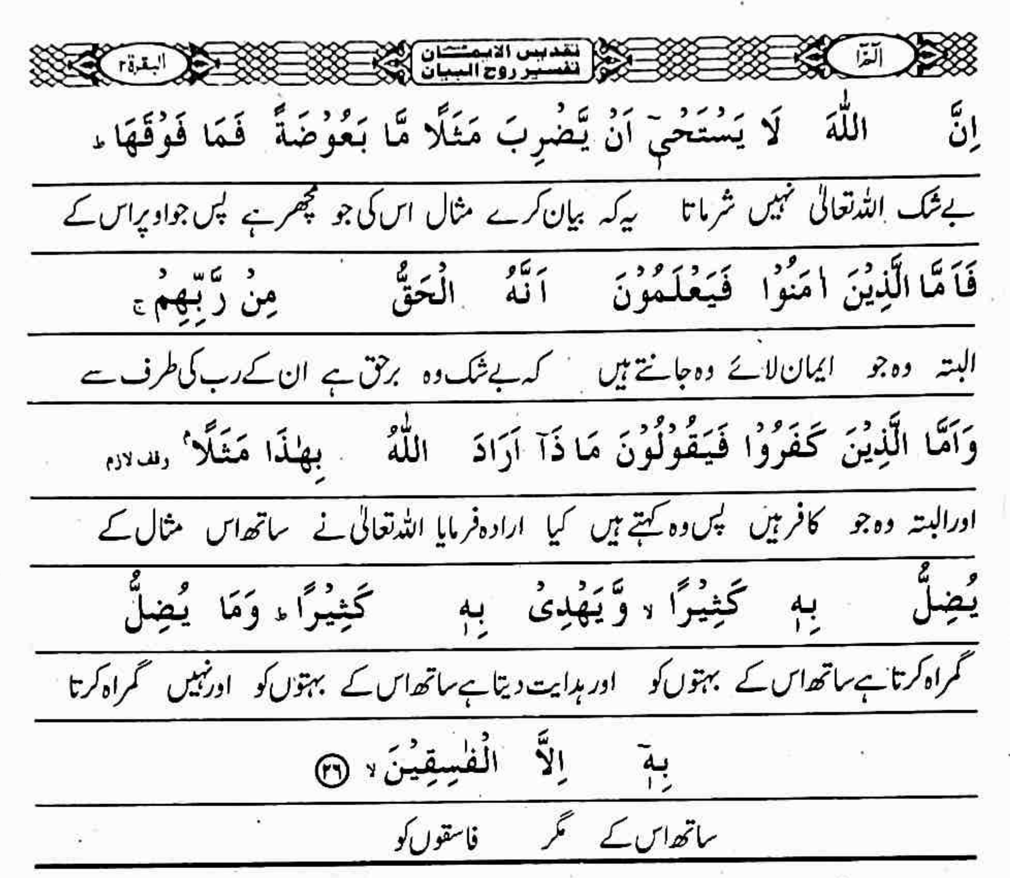
۸۔ **جنت النعیم:** جہاں ہر طرح کی نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، آگے فرمایا کہ اس جنت میں نہریں جاری ہوں گی۔

ف: سب سے اچھا اور پاکیزہ باغ وہ ہوتا ہے۔ جس کے درخت گھنے اور اس میں نہریں جاری ہوں۔

ف: نہریں چار قسم کی ہوں گی: (۱) دودھ۔ (۲) شہد۔ (۳) شراب اور (۴) پانی کی: ہر نہر کی لذت بھی الگ اور تاثیر بھی الگ ہوگی۔

ف: اس کے علاوہ جنت میں چشمے بھی جاری ہوں گے۔ مثلاً: (۱) کافور کا چشمہ، (۲) زنجبیل کا چشمہ۔ (۳) سلسبیل کا چشمہ۔ (۴) رحیق کا چشمہ جس میں مزا تسنیم کا ہوگا۔ فرمایا جب بھی اس جنت سے رزق دیئے جائیں گے یعنی مختلف قسم کے پھل جو انہیں کھانے کے لئے دیئے جائیں گے تو اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا یعنی دنیا میں یہ کھاتے تھے، حالانکہ دنیوی پھلوں سے صرف مشابہت ہوگی تاکہ ان کی طرف دلی میلان ہو کیونکہ غیر معروف چیز سے دل نفرت کرتا ہے۔

اس لئے شکل و شباہت تو دنیا والے پھلوں کی ہوگی مگر لذت اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی اسی لئے آگے فرمایا کہ وہ دیئے جائیں گی ملتے جلتے۔ یعنی رنگ و حجم میں ان کے مشابہ ہوں گے جب کھائیں گے تو مزا بہتر سے بہتر پائیں گے اور فرمایا کہ اس میں ان کے لئے بیویاں حوریں ہوں گی جو بالکل پاک وصاف نہ انہیں حیض ونفاس نہ بول و براز ہوگا بلکہ میل کچیل اور بلغم وغیرہ بھی نہیں ہوگی اور وہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی اور مرد اور عورتیں سب جوان جیسے تیس سال کے معلوم ہوں گے ہر روز ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا جائے گا نہ بوڑھے ہوں نہ جوانی ختم ہوگی نہ کپڑے پرانے ہوں گے۔



اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے مثال اس کی جو مچھر ہے پس جو اوپر اس کے

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

البتہ وہ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ برحق ہے ان کے رب کی طرف سے

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ وقف لازم

اور البتہ وہ جو کافر ہیں پس وہ کہتے ہیں کیا ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ساتھ اس مثال کے

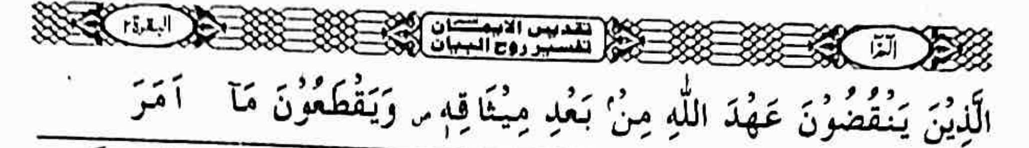
یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ

گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ ﴿۲۶﴾

ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو

(آیت نمبر ۲۶) بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عار محسوس کرتا کہ بیان کرے مثال مچھر کی۔ (**شان نزول**) حضرت حسن حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مکھی کا ذکر فرمایا تو یہود ہنس پڑے کہ اللہ کی کلام میں اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ یہ بات بطور تمثیل کے بیان کی ہے اس لئے فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شرم کرنے کی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ سب اس کی اپنی مخلوق ہے خواہ مچھر کا نام لے خواہ اس سے اوپر کی کسی چیز کا نام لے یعنی اس سے بڑی چیز کی مثال دے۔ (**ف**) مکھیاں اور مچھر پیدا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ اگر یہ مخلوق نہ ہوتی تو لوگ بدبو ہی سے مرجاتے۔ **سبق**: باوجود انتہائی کمزور ہونے کے انسان کے منہ پر بیٹھے تو انسان عاجز ہو جاتا ہے کہ اسے دور کر سکے۔ اور یہ بھی مدنظر رہے کہ قبر میں سانپ بچھو ہوں گے انہیں یہ کیسے ہٹائے گا۔ الغرض یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف سمجھانے کیلئے مثالیں دیتا ہے اور حق بات کہنے سے کیا حیا ہے اور ان مثالوں میں بھی ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں لیکن عقل والوں کے سوا انہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ جو قرآن اور نبی پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ جو بھی مثال مچھر وغیرہ کی دی گئی ہے۔



الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ

وہ جو توڑ دیتے ہیں وعدہ خداوندی کو بعد پکا ہونے اس کے اور کاٹتے ہیں اس کو جو حکم دیا

اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

اللہ نے ساتھ اس کے یہ کہ ملایا جائے اور فساد کرتے ہیں زمین میں وہ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) وہ برحق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ البتہ جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حقیر مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا مراد لی ہے تو ان کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اس قسم کی مثال کے سبب بہت سارے لوگوں کی گمراہی میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ جب وہ ان مثالوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں یا وہ اعتراض کرتے ہیں اور بہت ساروں کو ہدایت مل جاتی ہے کہ جو اس کی تصدیق کرتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ **نوٹ:** ہدایت والے اگرچہ بظاہر تھوڑے ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ حق پر ہوتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سواد اعظم وہ ہیں جو حق پر ہوں۔ حق والے تھوڑے بھی ہوں خواہ ایک ہی آدمی ہو وہ حق پر ہو تو وہ سواد اعظم ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہیں گمراہ کرتا مگر فاسقوں کو یعنی اس قسم کی باتوں میں تکذیب کر کے فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں اور گناہ کبیرہ پر اصرار کر کے حد کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔ فسق کی تین اقسام ہیں: (۱) گناہ کو برا سمجھ کر کرتے ہیں۔ (۲) اس گناہ میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ (۳) گناہ کو برا نہیں سمجھتے یہ تیسرا طبقہ حد کفر کو پہنچ جاتا ہے۔

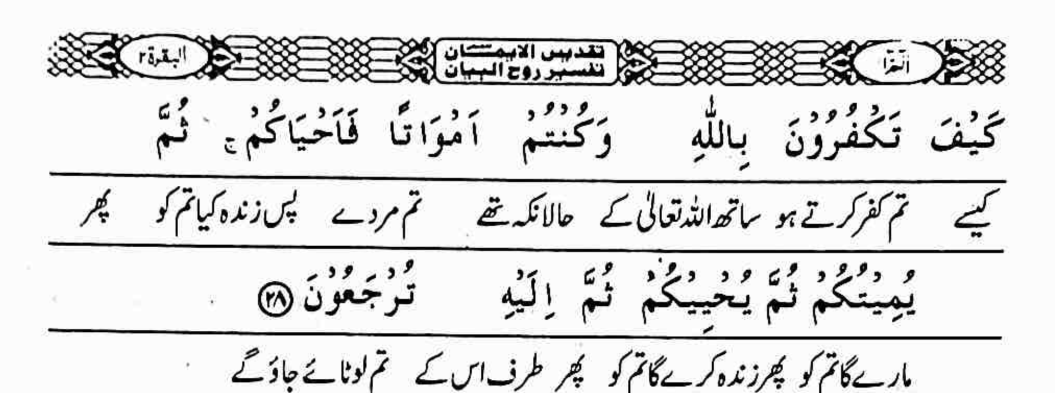
(آیت نمبر ۲۷) وہ جو توڑ دیتے ہیں وعدہ اللہ تعالیٰ کا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تین وعدے قرآن میں بیان ہوئے:

(۱) اولاد آدم سے ربوبیت کا اقرار۔

(۲) انبیاء کرام علیہم السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا وعدہ۔

(۳) علماء سے وعدہ لیا کہ حق واضح کر کے بیان کریں اور ہرگز نہ چھپائیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے تو وعدہ پورا کیا۔

باقی دونوں جماعتوں کی اکثریت نے وعدہ توڑا پختہ ہونے کے بعد اور صرف یہی نہیں بلکہ کاٹتے ہیں اس کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں قطع رحمی کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صلح رحمی کرے اللہ تعالیٰ اس کے رزق اور عمر میں برکت پیدا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور وہ بروز قیامت عرش کے سائے میں ہوگا۔ جب اور کہیں سایہ نہیں ہوگا۔



3

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ رحم عرش کے پاس ہے۔ ہر روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اے اللہ جو مجھے ملائے۔ تو بھی اسے ملا اور جو مجھے توڑے۔ تو بھی مجھ سے اسے دور رکھ۔ (بخاری و ریاض الصالحین) آگے فرمایا اور وہ زمین میں فساد بھی کرتے ہیں یعنی لوگوں کو ایمان اور حق بات سے روکتے ہیں۔ یہی لوگ بہت بڑا گھاٹا کھانے والے ہیں، یعنی جنت کے بجائے جہنم کے عذاب میں جائیں گے کیونکہ انہوں نے بھی وفاء کے بجای نقض عہد کیا۔ وصل کے بجائے قطع رحمی کی اور اصلاح کے بجائے فساد کیا اس لئے ثواب کی جگہ عذاب ملا۔

(آیت نمبر ۲۸) کیسے تم کفر کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا نکار کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس انفسی اور آفاقی دلائل موجود ہیں جو دیکھ کر تم ایمان قبول کر سکتے ہو، (یہ استفہام بات کو بعید بتانے اور تعجب میں ڈالنے کے لئے ہے) تم یاد کرو جب مردہ تھے یعنی تم بغیر روح کے، نطفہ اور بوٹی جس میں ابھی روح نہیں پڑی تھی۔ پھر تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ہی ان کے اندر روح ڈال کر زندہ کیا پھر دنیا میں بھیجا، یہاں فاء لانے سے معلوم ہوا کہ یہ کام آگے پیچھے یکے بعد دیگر کئے گئے یعنی نطفہ اور خون اور بوٹی اور پھر روح پڑی پھر دنیا میں آگئے پھر دنیا کا وقت پورا ہو گیا تو پھر تمہیں موت دے گا جو اگلی حیات ابدی کا وسیلہ ہے۔ اسی لئے موت کو نعمت بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کی زندگی اعلیٰ زندگی ہو گی بشرطیکہ ایمان اور عمل صالح ہوئے اس لئے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کرے گا یعنی قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے کے فوراً بعد فرشتے اس کی روح لا کر اس کے بدن میں ڈالتے ہیں اور مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ قبر پر سے گذرنے والوں کی آواز بھی سن لیتا ہے، اس زندگی سے مراد قبر کی زندگی ہے قیامت کو اٹھنا مراد نہیں۔ پھر فرمایا کہ تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا و سزا دی جائے۔

قابل تعجب: بات یہ ہے کہ تم یہ سب کچھ جانتے ہوئے پھر اس کی وحدانیت اور قدرت کا انکار کرتے ہو۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ جو پہلی مرتبہ زندہ کر سکتا ہے، اس ذات پر کیوں شک ہے۔ کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے، اسے یہ قدرت حاصل ہے بلکہ پہلی مرتبہ سے دوبارہ زندہ کرنا زیادہ آسان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق ثُمَّ اسْتَوٰۤی

وہ ذات جس نے بنایا واسطے تمہارے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر متوجہ ہوا

اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ع ﴿۲۹﴾

طرف آسمان کے پس پورا کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے

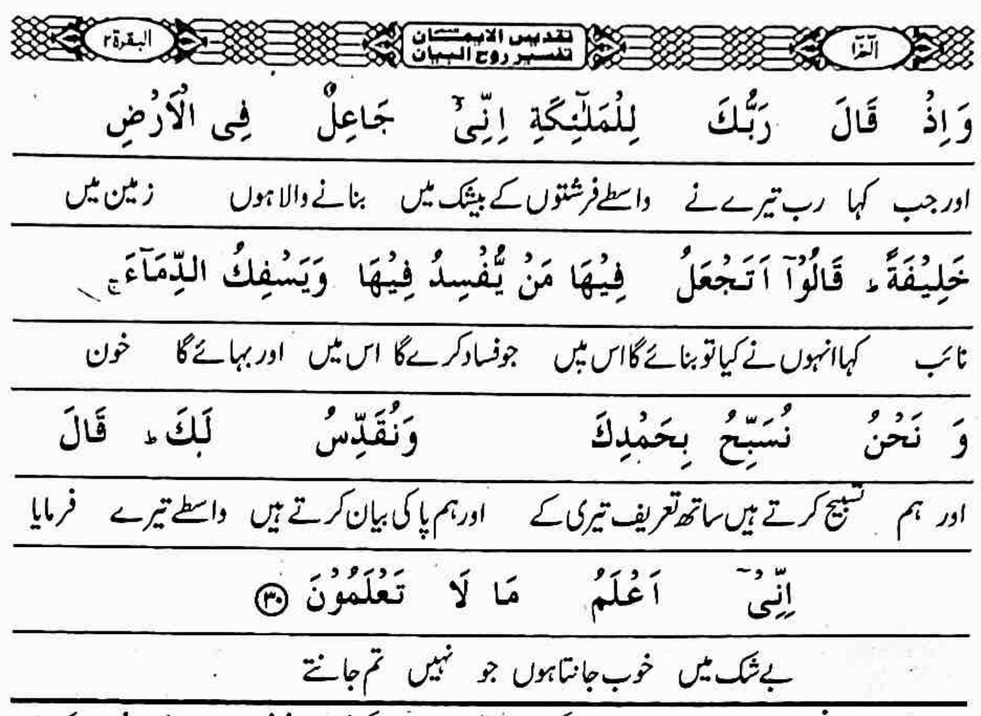
(آیت نمبر ۲۹) وہ وہی ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے جو بھی زمین میں ہے، یعنی تمہارے دینی اور دنیوی فوائد کی تمام چیزیں تمہاری پیدائش سے پہلے ہی پیدا کر دیں تا کہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔

قاعدہ کلیہ: "اصل فی الاشیاء الاباحة" یعنی ہر چیز کی اصل مباح ہے، کا قاعدہ اسی آیت سے اخذ کیا گیا ہے (جس کو تمام امت کے علماء نے تسلیم کیا ہے) یعنی ہر چیز کی اصل حلال ہے۔ لیکن اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ ہر چیز کا استعمال حلال ہے بلکہ یوں سمجھو۔ کہ جن چیزوں کو شرع نے حرام کیا صرف وہی حرام ہیں اس کے علاوہ ہر چیز حلال ہے (سب قرآن میں بیان کر دیا)، آگے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا۔

نوٹ: اس سے معلوم ہوا زمین پہلے بنی پھر آسمان بنائے گئے، البتہ یہ بھی یاد رہے زمین بنائی پہلے گئی اور بچھائی اور پھیلائی گئی آسمانوں کے بنائے جانے کے بعد۔ پھر انہیں برابر کیا یعنی آسمانوں میں کوئی کجی وغیرہ نہیں رہی اور پورے سات آسمان بنائے آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے یعنی ہر چیز کی کنہ کو وہ بخوبی جانتا ہے کیونکہ تمام اشیاء کو بنانے والا بھی وہی ہے اس لئے اس کے حقائق کو جاننے والا بھی وہی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جوہر کو پیدا فرمایا۔ اس کی چوڑائی لمبائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر تھی۔ پھر ہیبت سے جب اسے دیکھا تو وہ پگھل گیا۔ پھر اس سے دھواں نکلا۔ پھر وہی دھواں اوپر چلا گیا۔ اور دھوئیں سے آسمان بنا دیئے۔ جو بغیر ستونوں کے کھڑے ہیں۔ اور پانی پر جو جھاگ تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ زمین و آسمان کو انسانوں کے فائدہ کیلئے بنایا گیا۔ **فائدہ:** اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جس رب نے سب کچھ بنایا۔ اسے ہر چیز کا علم بھی ہے۔ اور مخلوقات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ تو نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی۔



(آیت نمبر۳۰) اے حبیب وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب کریم نے فرشتوں سے مشورہ فرمایا۔ کہ میں انسان کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

تفصیل: یہ ہے کہ انسانوں سے پہلے جنات اسی زمین پر آباد تھے اور تقریباً ستر ہزار سال تک وہ زمین پر آباد رہے جب ان میں حسد اور بغاوت زیادہ ہوئی اور آپس میں کشت وخون ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان سے زمین کو پاک کردو تو انہوں نے جنات کو مار کر جنگلوں پہاڑوں ذخیروں دریاؤں کی طرف نکال دیا، اس وقت ان پر سلطنت شیطان کو حاصل تھی۔ جب زمین ان سے خالی کرائی گئی تو اسے آسمان اوّل پر اور جنت کے خزانوں پر مقرر کر دیا گیا۔ اور وہ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتا تھا لیکن اسے اپنی عبادت پر بڑا گھمنڈ ہوگیا اور یہ سمجھا کہ میری اتنی عبادت کی وجہ سے یہ سرداری ملی ہے۔ اب مجھ سے زیادہ مکرم کون ہوسکتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو تم سے زیادہ مکرم ہوگا یہ بات فرشتوں کو ذرا شاق گذری۔ تو انہوں نے اگلی بات کر دی۔

ف: دنیا میں خلیفہ بھیجنے میں حکمت یہ تھی کہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیضان حاصل نہیں کرسکتا تھا اس لئے ایسی ہستی کی ضرورت تھی کہ جو ذات تقدس سے فیض لیکر لوگوں تک اسے پہچائے جیسے بادشاہ اور رعایا کے درمیان وزیر ہوتا ہے۔ **ف:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ہر انسان خلیفہ ہونے کا اہل نہیں۔ یہ بھی جان لو کہ جہان کی حفاظت اس خلیفہ کی وجہ سے ہے۔ وہ ہر زمانے میں ایک ہی ہوتا ہے، جو قطب وقت ہوتا ہے۔

مشورہ کی وجہ:

۱۔ تا کہ معلوم ہو کہ آپس میں مشورہ کرنا سنت الٰہی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو کسی سے مشورہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔
۲۔ مشورہ ان سے لیا جائے جن پر اعتماد ہو۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے اعتبار سے مشورہ کر کے اپنا نقصان کیا۔
۳۔ مشورہ سے فائدہ یہ ہے کہ ایک عقل والے کو دوسرے کے عقل سے مدد مل جاتی ہے۔
۴۔ فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی شان کا اظہار ہو۔

آگے فرمایا کہ فرشتوں نے کہا اے اللہ کیا تو زمین میں اسے پیدا کرتا ہے جو فساد کرے گا جیسا کہ اس سے پہلے جنوں نے فساد مچایا اور وہ ظلماً خون ریزی کرے گا۔ بعض عارفین کا خیال ہے کہ معترض فرشتوں کو ہی بدر میں بھیجا۔ تا کہ انہیں معلوم ہو کہ انسان کی خون ریزی کبھی شریعت اور دین کے لئے بھی ہوتی ہے۔

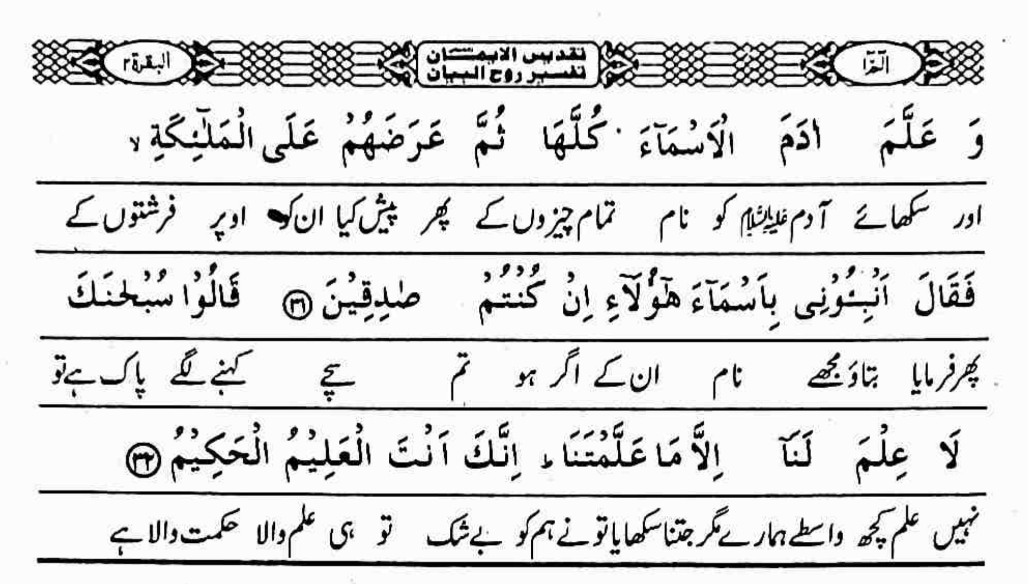
مزید فرشتوں نے کہا کہ ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں جس میں تیری حمد شامل ہو اور تیری وہ صفات بیان کرتے ہیں جو تیری بلند شان اور عزت کے لائق ہے۔ انداز گفتگو سے اندازا ہوتا ہے۔ ان کا مقصود اپنے لئے خلافت کا زیادہ حق دار ہونے کے لئے اظہار تھا تو فرمان خداوندی ہوا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس جملہ سے فرشتوں کو گویا نصیحت بھی فرمادی۔ کہ آدم کو خلیفہ بنانے میں جو حکمت و مصلحت ہے میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ آدم کی اولاد میں نیک و بد پیدا ہوں گے۔ تب ہی تو میرا عدل اور فضل ظاہر ہوگا۔

تنبیہ : لہذا اے فرشتو۔ آئندہ میرے حکم اور تقدیر پر اعتراض نہ کرنا۔ نہ میری خفیہ تدبیر کو ظاہر کرانا۔ مخلوق خالق کی چھپی باتوں پر کبھی مطلع نہیں ہوسکتی۔ جیسے رعیت کا عام آدمی بادشاہ کے بھید کا واقف نہیں ہوتا۔

تنبیہ: مرید صادق کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اس کے خلفاء و مشائخ کے سامنے باادب رہنا چاہئے۔ نہ ان کے سامنے اپنی علیمت کو ظاہر کرے۔ اور نہ ہی ان کی کسی بات یا کام پر اعتراض کرے۔

فائدہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتراض تمام فرشتوں نے نہیں کیا۔ بلکہ صرف ان فرشتوں نے کہا۔ جو زمین پر رہتے تھے۔ آسمانی فرشتے نور کے غلبے میں تھے اور وہ مرد کامل کے مراتب کو جانتے تھے۔

فائدہ : فتوحات مکیہ میں ہے کہ اعتراض کرنے والے ہاروت اور ماروت ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



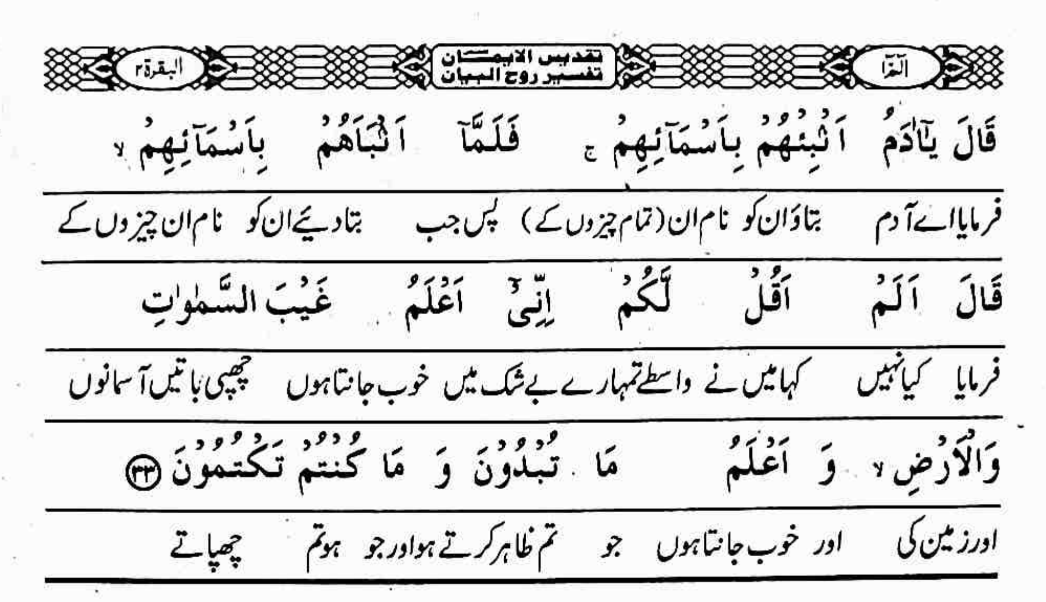
(آیت نمبر۳۱) اور آدم علیہ السلام کو سب نام سکھلا دیئے، یعنی جب جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوگئی تو انہیں تمام اشیاء کے اسماء کا علم دیا گیا، جمیع لغات میں جو مسمّیات تھے۔ وہ اس طرح کہ جس جنس کو جس طرح پیدا فرمانا تھا وہ دکھایا اور نام بھی بتا دیا، تمام حیوانات و جمادات اور شہروں اور پرندوں اور درختوں اور جتنی ضروریات کی اشیاء تھیں بلکہ وہ بھی جو بعد میں پیدا ہونے والی تھیں، سب چھوٹی بڑی چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

ایک **حدیث** میں ہے کہ تمام لغات سکھا دیں جو ان کی اولاد قیامت تک بولنے والی تھی گویا یہ جناب آدم علیہ السلام کا معجزہ تھا پھر وہی اسماء فرشتوں کے سامنے بھی رکھے تا کہ ان کو آدم کی برتری کا احساس ہو اس لئے فرمایا کہ اے فرشتو۔ تم مجھے ان ناموں کے بارے میں مطلع کرو یہ جملہ اس لئے کہا تا کہ انہیں اپنا عجز بھی معلوم ہو کہ ہم خلافت کے حق دار نہیں ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر خلافت کے گمان میں تم سچے ہو تو یہ نام بتاؤ۔

(آیت نمبر۳۲) انہوں نے کہا تیری ذات پاک ہے، ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ان کا سوال استفساراً تھا، اعتراض کے طور پر نہیں تھا اس لئے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں مگر اتنا کہ جتنا ہماری قابلیت کے مناسب تھا بے شک تیری ذات وہ ہے کہ جس پر کوئی شیء مخفی نہیں بے شک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے، یعنی تیرے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ جسے تو ہی جانتا ہے۔

سبق: بندے کو اپنے نقصان اور رب کے فضل و احسان پر ہمہ وقت نظر رہنی چاہئے، جس کا اسے علم ہے اسے چھپائے نہیں اور جس بات کا علم نہیں ہے، وہاں اپنی لاعلمی ظاہر کرنے میں شرمائے نہیں۔



قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

فرمایا اے آدم بتاؤان کو نام ان (تمام چیزوں کے) پس جب بتادیئے ان کو نام ان چیزوں کے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ

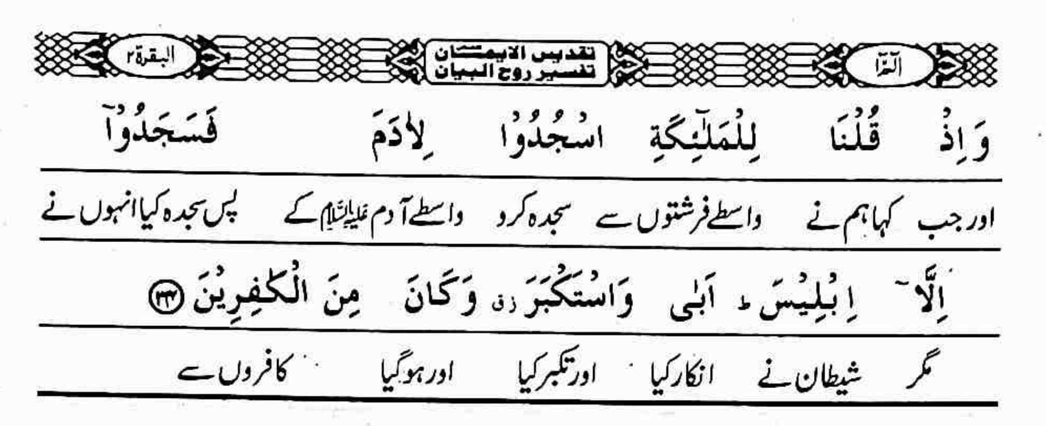
فرمایا کیا نہیں کہا میں نے واسطے تمہارے بے شک میں خوب جانتا ہوں چھپی باتیں آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اورزمین کی اور خوب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہواور جو ہوتم چھپاتے

(آیت نمبر۳۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم ان فرشتوں کو ناموں کی خبر دے دو یعنی جو نام بتانے سے یہ عاجز ہوئے اور اپنے قصور کا بھی اعتراف کرلیا تو اب تم ان کو بتادو۔ تو جب جناب آدم علیہ السلام نے ان کو نام بتائے۔

جناب آدم کی شان: مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے منبر رکھا گیا، جس پر انہوں نے بیٹھ کر ان کو نام بھی بتائے اور ناموں کے فوائد بھی بتائے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میں زمین وآسمان کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یعنی تم نے کہا کہ وہ فسادی ہوگا اور ہم تیری تعریفیں کررہے ہیں تو تمہاری اس ظاہر گفتگو کو بھی جانتا ہوں اور اس کو بھی جانتا ہوں جو تم دل میں چھپا رہے تھے کہ ہم سے زیادہ برگزیدہ کوئی نہیں وغیرہ۔ **مسئلہ:** اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی افضلیت بھی ہے مگر انسان کو شرافت اور علمی برتری اور عبادت میں اسے بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ جناب آدم زیادہ علم کی وجہ سے فرشتوں سے افضل بھی ہوئے اور خلافت کے حق دار بھی ٹھہرے۔ **عالم عابد سے افضل ہے:** فرشتوں کی عبادت تو آدم علیہ السلام سے زیادہ تھی۔ مگر فضیلت علم کو ہی حاصل ہے۔ **سبق:** علم ہی وہ جوہر ہے جس سے عالم کا اتنا مرتبہ بڑھتا ہے کہ اس کی زیارت کرنا بھی ثواب بن جاتا ہے۔ ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عالم کی زیارت کی اس نے میری زیارت کی اور جس نے عالم سے مصافحہ کیا اس نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اور جو عالم کے پاس بیٹھا وہ گویا میرے پاس بیٹھا اور بروز قیامت بھی وہ میرے ساتھ بیٹھے گا۔ **حدیث:** ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کی مجلس میں حاضری ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، ہزار مریض کی عیادت سے زیادہ ثواب اور ہزار جنازے میں شرکت سے زیادہ ثواب ہے۔ والد کے چہرے، عالم کے چہرے اور کعبے کو اور قرآن کو دیکھنا عبادت ہے۔ ایک **حدیث** میں فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے۔ جیسے مجھے عام مسلمان پر فضیلت حاصل ہے۔ (مشکوٰۃ)



وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب کہا ہم نے واسطے فرشتوں سے سجدہ کرو واسطے آدم علیہ السلام کے پس سجدہ کیا انہوں نے

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ٭ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

مگر شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا اور ہو گیا کافروں سے

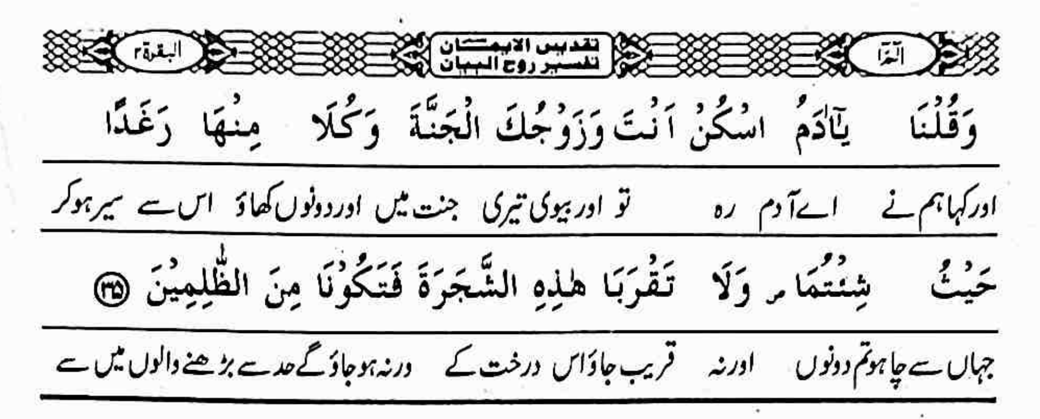
(آیت نمبر۳۴) اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام فرشتے فوراً سجدے میں گر گئے یہ سجدہ شرعی ہو تو پھر سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم بطور قبلہ کے تھے اور اگر سجدہ سے لغوی معنی مراد ہو تو یہ تواضع پر محمول ہوگا غالباً یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی امتوں میں جائز تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے آگے بھائیوں نے سجدہ کیا، یاد رہے اب اس امت میں سجدۂ تعظیمی بھی منع ہو گیا۔ لہٰذا اب کوئی کسی کے آگے سجدہ نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے آگے سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا اگر میری امت میں سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کے آگے سجدہ کرے۔

نکتہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو فرشتوں کو خیال ہوا کہ اس کا علم ہمارے برابر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اسماء کے علم سے ان کا عجز ظاہر کر دیا پھر ان کا خیال تھا کہ افضلیت تو ہماری ہی ہے لیکن ان سے سجدہ کروا کر واضح کر دیا کہ افضل بھی آدم ہی ہے۔

سجدہ کا طریقہ: سب سے پہلے جبریل نے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل علیہم السلام پھر تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا چونکہ وہ آگ سے بنا ہے اور آگ میں تکبر ہوتا ہے اور کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا فرشتوں کو سجدہ حکم ہوا تو یہ بھی اس حکم میں شامل تھا لیکن نہ صرف یہ کہ سجدہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر انکار بھی کیا اور تکبر بھی کیا۔ فرشتوں نے فوراً سجدہ کیا۔ اس لئے کہ وہ نور سے بنے۔ اور نور حکم الٰہی سے پھر نہیں سکتا۔ شیطن اگر سجدہ کر لیتا۔ تو اس کا مرتبہ اور بھی بلند ہوتا۔ مگر وہ بدقسمت نکلا۔

نماز میں دو سجدے ہونے کی وجہ: جب فرشتے سجدہ میں گر گئے تو ایک سو سال سجدے میں رہنے کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ شیطان آدم علیہ السلام سے منہ پھیرے سرکشی سے کھڑا ہے۔ تو فرشتے پھر دوبارہ سجدہ میں گر گئے کہ شکر ہے ہم اس کے ساتھ نہیں ہوئے۔ تو شیطان سجدہ نہ کرنے سے کافروں میں شامل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا جسم خنزیر کی طرح اور شکل بندر کی طرح کر دی۔ اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا۔



(بقیہ آیت نمبر ۳۴) **ف:** اسی وقت اللہ تعالیٰ نے دربار سے ذلت کے ساتھ نکال دیا۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اتنا برا ہے کہ کفر تک لے جاتا ہے، اور دنیا آخرت میں ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔

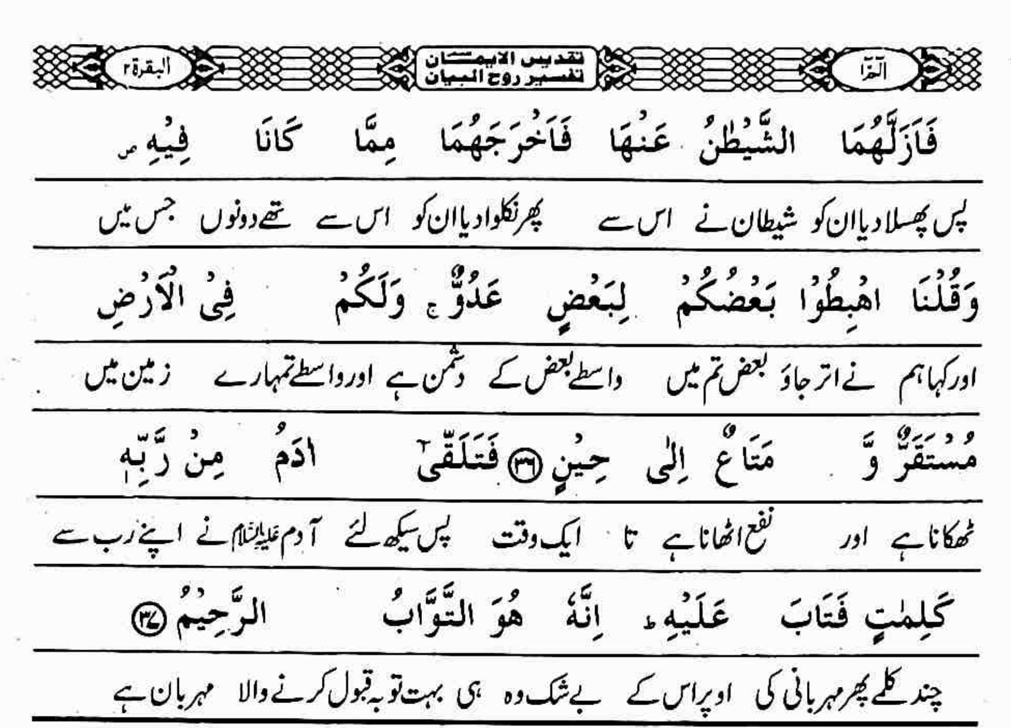
(۲) بندہ رب کا حکم مانتا جائے اس کے راز کے پیچھے نہ پڑے۔ اور یہ نہ کہے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔

حکایت: ایک بزرگ موت کے وقت فرمانے لگے کہ مجھے موت کا تو ڈر نہیں لیکن جو دن بغیر روزہ کے گذرا اور جو رات عبادت کے بغیر گذری اور جو وقت یادالٰہی کے بغیر گذر گیا اس پر سخت افسوس ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) شیطان کو کفر کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ معتزلہ اور قدریہ کا خیال ہے کہ اس جنت سے مراد فلسطین کا ایک باغ ہے۔ لیکن اگلی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ جنت ہے جو ساتوں آسمان سے اوپر ہے۔

حوا کی پیدائش: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے تھے ایک دن آپ پر نیند طاری کی گئی (اور ان کی بائیں پسلی سے ایک ٹکڑا نکال کر وہاں گوشت بھر دیا اور اس پسلی سے جناب حوا کی پیدائش ہوئی)۔ جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے دیکھا جناب حوا پاس تھیں۔ پوچھا کون ہو۔ کہا میں آپ کی بیوی ہوں تا کہ آپ مجھ سے اور میں آپ سے سکون پاؤں۔ یہ سب قدرت کے عجائبات ہیں اور اس میں کئی حکمتیں پنہاں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت میں سے ہر چیز کھاؤ اور جہاں سے چاہو خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ لیکن اس مخصوص درخت کے قریب نہ جاؤ اس کے متعلق زیادہ مشہور یہی ہے کہ وہ دانہ گندم تھا جس کے کھانے سے منع کیا گیا چونکہ نوع انسانی کو دانہ گندم سے زیادہ مناسبت ہے۔ دونوں ہم رنگ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس میں کئی اقوال ہیں کہ وہ کون سا درخت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کے قریب گئے تو ظالموں کی فہرست میں آ جاؤ گے لیکن انسانی فطرۃ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اس کا حریص ہوتا ہے۔ اور اس کھوج میں لگ جاتا ہے۔ کہ مجھے اس کے کھانے سے کیوں روکا گیا۔



فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص

پس پھسلا دیا ان کو شیطان نے اس سے پھر نکلوا دیا ان کو اس سے تھے دونوں جس میں

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ

اور کہا ہم نے اتر جاؤ بعض تم میں واسطے بعض کے دشمن ہے اور واسطے تمہارے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ

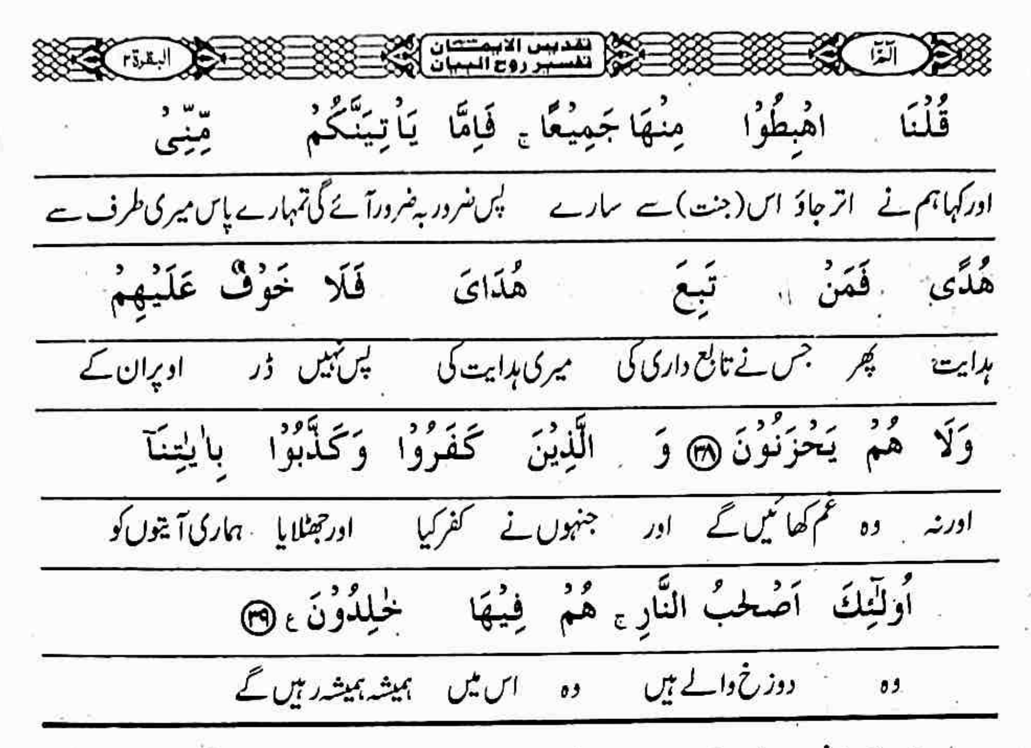
ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے تا ایک وقت پس سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے

كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

چند کلمے پھر مہربانی کی اوپر اس کے بے شک وہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۳۶) اور ادھر امتحان بھی تھا کہ زمین کے خلیفہ کو ایک دن زمین پہ بھی آنا تھا گویا اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں نہ کہنا پڑے کہ اب تم جنت سے نکلو، بلکہ ان کی خطا ہی ان کو جنت سے اتار کر زمین پر لے جائے لہذا اس کے اسباب بننا شروع ہو گئے۔ پھر شیطان نے زمین پہ آنے اور موت کا ڈر سنا کر دھوکے اور دغا سے انہیں پھسلا دیا اور اس درخت سے دانہ کھلوا دیا جس کے قریب بھی جانے سے منع کیا تھا۔ دانہ کھاتے ہی تمام انعامات واپس لے لئے گئے، اس لئے فرمایا کہ شیطان نے انہیں جنت سے نکلوا دیا اور فرمان الٰہی ہوا کہ جنت سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کا دشمن ہے اس سے معتزلہ وغیرہ کا رد بھی ہے جو کہتے ہیں کہ جس جنت میں آدم وحوا کو بھیجا گیا وہ زمین پر ہی کوئی باغ ہے لیکن "اهبطوا" کا لفظ بتا رہا ہے کہ وہ آسمانوں سے اوپر والی جنت ہے۔ جمع کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جنت سے اور مخلوق کو بھی نکالا گیا جو جنت میں رہتے تھے۔ ان کو ساتھ ہی زمین پر اتارا گیا۔ اسی لئے مفسرین نے "اهبطوا" کا معنی "انزلوا" کیا ہے یعنی اتر جاؤ۔ اور آدم وحوا کے ساتھ مور سانپ اور شیطان بھی زمین پر اتار دیئے گئے پھر فرمایا کہ اب تمہارا زمین پر ہی رہنا ہوگا ایک وقت تک۔

(آیت نمبر ۳۷) پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے چند ایسے کلمات کہ جن سے آپ کی توبہ قبول ہوگئی اس میں مفسرین نے بہت سارے کلمات لکھے ہیں، زیادہ مشہور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی۔ کہ انہوں نے حضور ﷺ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ اے آدم تو انہیں کیسے جانتا ہے۔ جبکہ میں نے ابھی انہیں بنایا ہی نہیں۔ تو آپ نے عرض کی۔ کہ یا اللہ جب میں پیدا ہوا۔



قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ

اور کہا ہم نے اتر جاؤ اس (جنت) سے سارے پس ضرور بہ ضرور آئے گی تمہارے پاس میری طرف سے

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ہدایت پھر جس نے تابع داری کی میری ہدایت کی پس نہیں ڈر اوپر ان کے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

اور نہ وہ غم کھائیں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾

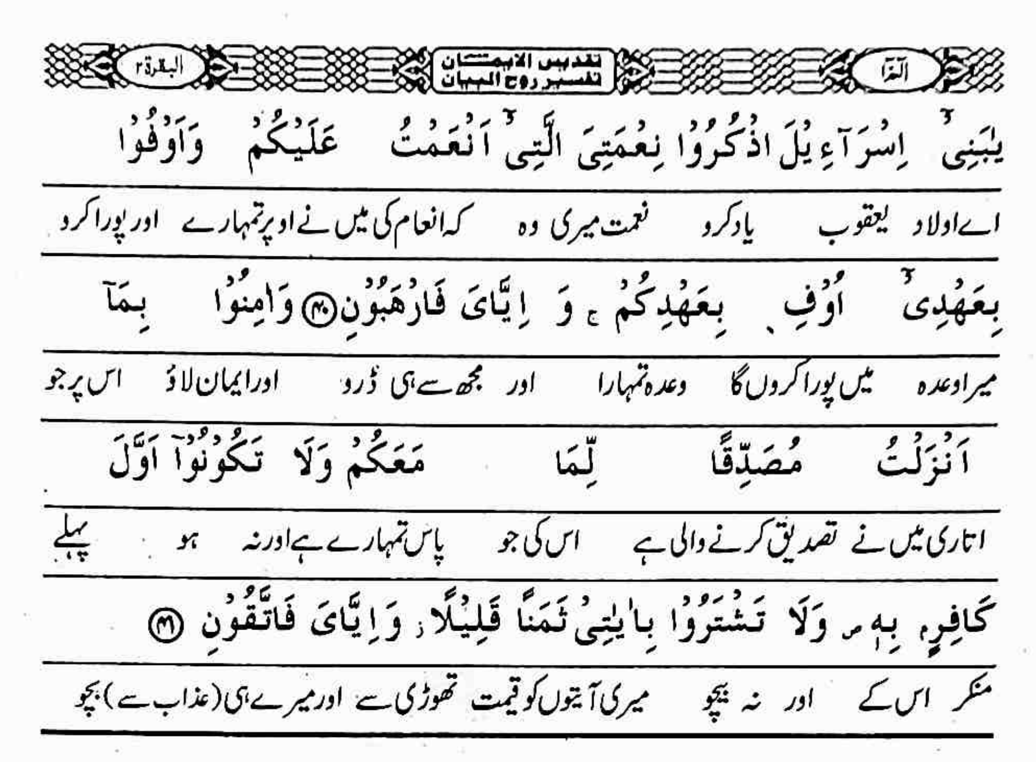
وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اور تو نے میرا پتلا تیار کیا۔ اور اس میں روح ڈالی۔ تو میری نگاہ عرش پر پڑی جہاں لکھا تھا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے جان لیا۔ کہ جس کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ بہت بزرگ ہیں۔ اس لئے ان کا وسیلہ ڈالا ہے۔ (خصائص کبریٰ) تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی بے شک وہ رب تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، ان دونوں صفات سے بندے کو بہت بڑے وعدے سے نوازا جا رہا ہے۔ **ف**: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسو سال کا زمانہ رونے میں گذارنے کے بعد توبہ قبول ہوئی۔

(آیت نمبر ۳۸) پھر فرمایا کہ اتر جاؤ یہاں سے سب کے سب۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نعمتیں چھن جاتی ہیں اور باقی ماحول بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ آگے فرمایا تمہارے پاس میری طرف سے ضرور ہدایت آئے گی۔ تو جس نے میری شریعت کی اقتداء کی یعنی میرے حکم پر جو چلا تو اسے دونوں جہانوں میں نہ ڈر ہے اور نہ کوئی خطرہ ہوگا وہ دنیا میں بھی خوشحال رہیں گے۔ اور پھر وہ اس جنت میں جائیں گے جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہونگی۔

(آیت نمبر ۳۹) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری کتابوں کو جھٹلایا۔ جو ہم نے ان کی طرف بھیجیں۔ ان کا دوزخ کے ساتھ جوڑ کر دیں گے، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ دوزخ کا عذاب کفار و مشرکین کے لئے دائمی ہے۔

ف: آیات سے مراد قرآنی آیات بھی ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہیں۔ ان دونوں کو جھٹلانے والا یا ان میں سے ایک کو بھی جھٹلانے والا دوزخ میں ہی جائے گا۔ البتہ گناہ گار مسلمان اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔



يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا

اے اولاد یعقوب یاد کرو نعمت میری وہ کہ انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور پورا کرو

بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ

میرا وعدہ میں پورا کروں گا وعدہ تمہارا اور مجھ سے ہی ڈرو اور ایمان لاؤ اس پر جو

اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ

اتاری میں نے تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو پاس تمہارے ہے اور نہ ہو پہلے

كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۡ وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾

منکر اس کے اور نہ بیچو میری آیتوں کو قیمت تھوڑی سے اور میرے ہی (عذاب سے) بچو

(آیت نمبر ۴۰) اے اولاد یعقوب علیہ السلام یہ ان یہودیوں کو خطاب ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے۔ بنوقریظہ اور بنونظیر وغیرہ جو مدینہ شریف کے گرد رہتے تھے چونکہ ان پر اوران کے آباء واجداد پر کثرت سے اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے اور چونکہ ان کے آباء کی اکثریت سے کفران نعمت بھی بہت ہوا۔ اس لئے ان کو نعمتیں یاد کرا کر فرمایا جارہا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرو خواہ دل سے یا زبان سے یعنی میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو، وہ نعمتیں جو میں نے تم پر انعام کیں۔ چونکہ وہ نعمتوں کو ایسا بھلا چکے تھے کہ کبھی دل میں بھی انہیں خیال نہیں آیا۔

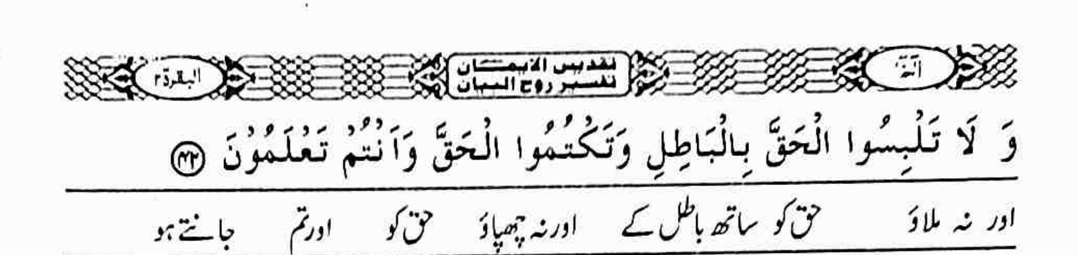
نکتہ: (بنی اسرائیل اور امت مصطفےٰ ﷺ میں فرق) بنی اسرائیل کو کہا کہ میری نعمت یاد کرو اور اس امت کو فرمایا مجھے یاد کرو دیگر امتیں نعمت یاد کر کے دینے والے تک پہنچے اور یہ امت بلاواسطہ یاد کرتی ہے کیونکہ نعمت والا مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ آگے فرمایا کہ تم میرا میثاق والا وعدہ پورا کرو یعنی میرے جتنے احکام ایمان واطاعت کے متعلقہ ہیں یا جن سے میں نے منع کیا ہے۔ یا توراۃ میں جو تم سے وعدہ لیا گیا کہ میرے آخری رسول پر ایمان لانا تو وہ وعدہ تم پورا کرو اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا کہ میں تمہارے اعمال کی اچھی جزاء اور ثواب دونگا اور تمہارے اچھے اعمال قبول کر کے جنت دونگا وہ وعدہ میں پورا کردونگا اور تم مجھ ہی سے ڈرو۔

تنبیہ: مومن کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ بلکہ جو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیروں کا ڈر اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۱) اور تم اس پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی، وعدہ کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے۔ کہ جب وہ قرآن پاک پر ایمان لائیں اور اس قرآن کی شان ہی یہ ہے کہ تمہاری کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہے اور مصدِّق پر ایمان لانا واجب ہے اس لئے تم ہی اس کے پہلے منکر نہ بن جاؤ۔ اس لئے کہ گناہ کی بنیاد رکھنے والا اور اس کے بعد اس گناہ پر عمل کرنے والا سزا میں دونوں برابر ہوں گے۔ اس لئے فرمایا کہ گناہ میں تم سبقت نہ کرو بلکہ تمہیں تو اس پر پہلے ایمان لانا چاہئے اس لئے کہ تم اس کتاب کی شان اپنی کتابوں میں پڑھ چکے ہو تم اس نبی کو اولاد سے بھی زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو بلکہ تم تو اس کتاب کے منتظر تھے اور اس کے طفیل فتح حاصل کرتے تھے لیکن نبی اکرم ﷺ جب مدینہ شریف میں تشریف لے آئے تو بجائے ماننے کے سب سے پہلے تم نے ہی انکار کیا۔ آگے فرمایا۔ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ **ف**: عام یہودی اپنے مولویوں کو ہدیے اور نذرانے دیتے اور وہ ان کی مرضی کے مطابق آسان مسئلے نکال دیتے اس پر انہیں اگر توراۃ میں تحریف کرنا پڑتی تو دیر نہ کرتے اور پیسوں کی خاطر حق بات کو چھپا بھی دیتے تھے اور یہی ان کی معاش کا ذریعہ تھا اور انہیں یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر اس آخری نبی پر یا قرآن پر ایمان لے آئیں گے تو ہماری یہ شان و شوکت اور دنیا کا مال و دولت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

شانِ نزول: یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف نے ایک دن اپنے مولویوں کو جمع کر کے کہا کہ تم صحیح صحیح بتاؤ کہ محمد ﷺ نبی ہیں یا نہیں تو انہوں نے کہا سچی بات تو یہی ہے کہ وہ نبی برحق ہیں۔ تو اس نے کہا کہ پھر آج سے تمہاری تنخواہیں اور ہماری طرف سے تمہیں ملنے والی تمام مراعات ختم ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے بلا سوچے یہ کہہ دیا تھا ہمیں مہلت دی جائے ہم توراۃ دیکھ کر پھر جواب دیں گے۔ تو انہوں نے توراۃ میں جہاں جہاں حضور ﷺ کی تعریفیں لکھی ہوئی تھیں ان کو کاٹ کر اس کے خلاف لکھا، بلکہ ان ظالموں نے جو صفات دجال کی تھیں۔ وہ حضور ﷺ پر لگا دیں۔ (معاذ اللہ)۔ اور کعب بن اشرف کو آ کر سنا دیا تو اس پر اس نے انہیں چار سیر جو کے دانے اور چار گز کپڑا عطیہ دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں غیرت دلائی کہ اتنی تھوڑی قیمت پر ایمان کا تم نے سودا کر لیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے یہودی مولویو۔ کعب بن اشرف سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان قبول کر کے حق کی تابعداری کرو اور جو مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے اسے پورا کرو "فارھبون" میں حکم عوام کو تھا کہ سب مجھ سے ہی ڈرو اور "فاتقون" میں علماء سے کہا گیا کہ میرے محبوب کی صفات کو نہ چھپاؤ اور مجھ سے ہی ڈرو۔ اور اس معمولی دنیوی مال و جاہ کی خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق بنا رہے ہو۔ اس سے باز آ جاؤ۔

آیات کا عوض لینا حرام ہے: یہ مسئلہ صرف علماء یہود سے خاص نہیں۔ بلکہ آج بھی اگر کوئی قرآن اس لئے پڑھے کہ اسے کچھ رقم ملے گی۔ یا وہ اسے کھانا دیں گے تو اس نیت سے پڑھنا بھی حرام اور کھانا بھی حرام ہے۔ البتہ پڑھنے والا صرف رضاءِ الٰہی کیلئے پڑھے اور پیسے یا کھانا کھلانے والا اپنی خوشی سے کھلاتا ہے۔ عوض دینے کی نیت نہیں تو یہ جائز ہے۔



وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور نہ ملاؤ حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو اور تم جانتے ہو

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے

(آیت نمبر۴۲) اور حق اور باطل کو آپس میں نہ ملاؤ حق سے مراد جو اللہ کی طرف سے اترا۔ اور باطل وہ ہے۔ جو خود اس میں ملاتے تھے اور کہتے کہ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے آگے فرمایا کہ حق کو نہ چھپاؤ یعنی میرے نبی کی نعت توراۃ سے نکال کر جو یہ کہتے ہو کہ توراۃ میں ان کی کوئی صفت موجود نہیں ہے حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ برحق نبی ہیں۔ **حدیث شریف** :حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رضاء الٰہی کے بغیر محض دنیاوی غرض کے لئے علم سیکھے اور سکھائے اسے قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نصیب نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد، سند صحیح)

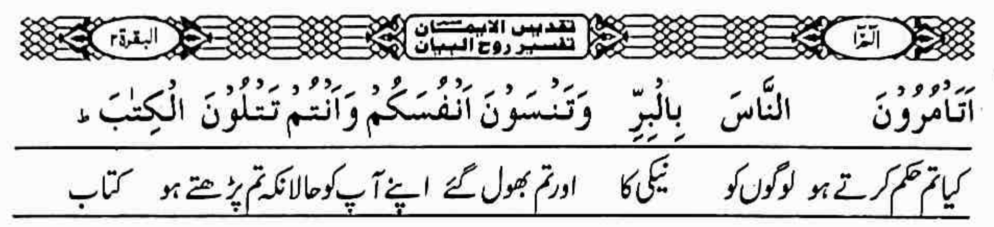
مسئلہ: دینی تعلیم دینے پر تنخواہ وغیرہ لینا اس زمرے میں نہیں آتا البتہ دینی تعلیم دینے والے کی نیت رضاء الٰہی ہو اور تنخواہ دینے والے یہ دیکھیں کہ اس نے اپنا سارا وقت ہمارے کہنے پر خرچ کیا ہے اس بناء پر وہ خدمت کرتے ہیں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک **حدیث** ہے کہ جس عمل کی تم مزدوری لیتے ہو اس میں زیادہ حق قرآن مجید کا ہے، (بخاری شریف) اس کی رو سے بھی تعلیم قرآن دینے پر تنخواہ وغیرہ لینا جائز ہے۔ اور اگر کوئی محض للہ فی اللہ تعلیم دیتا ہے۔ تو وہ ڈبل اجر پائے گا۔

(آیت نمبر۴۳) نماز قائم کرو۔ یعنی اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھو اور اس کی شرائط حدود کے ساتھ نماز کو ادا کرو ورنہ قبول نہ ہوگی۔ زکوٰۃ بھی وقت پر ادا کرو۔

ف: یہاں زکوٰۃ بمعنی طہارت بھی ہو سکتی ہے یعنی ظاہر باطن پاک رکھو۔ یا معنی ہے کہ مال کو خباثت سے اور نفس کو بخل سے بچاؤ آگے فرمایا کہ رکوع کرو رکوع والوں کے ساتھ۔ یعنی نماز باجماعت ادا کرو۔

مسئلہ: باجماعت نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ثواب ملتا ہے اکیلے نماز پڑھنے سے۔

نکتہ: جماعت میں صفیں درست رکھنا جہاد کے لئے تربیت ہے۔ **حدیث شریف** :حضور ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کی جس جماعت میں چالیس آدمی جمع ہو جائیں ان میں ضرور ایک بخشا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے باقیوں کو بھی محروم نہیں لوٹا جاتا بلکہ سب کی نماز اور دعا کو قبول کر لیا جاتا۔ (بخاری باب الاجادہ، حدیث نمبر۲۲۷۶)



اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

کیاتم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اورتم بھول گئے اپنے آپ کوحالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب

اَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا پس نہیں تم سمجھتے

(آیت نمبر۴۴) کیاتم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو یہ بھی یہودیوں کو خطاب ہے۔ "بـــر" ہرقسم کی نیکی کو کہا جاتا ہے یہاں یہودیوں سے کہا گیا کہ تم لوگوں کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہو۔ اور اپنے آپ کو بھول گئے یعنی اپنے آپ کو نیکی سے دور رکھتے ہو۔

شـــان نزول : یہودیوں کے مولویوں کو جب غریبوں سے کچھ ملنے کی امید نہ ہوتی ان کو کہتے کہ یہ نبی برحق ہیں تم ان پر ایمان لے آؤ اور مال داروں کو کہتے کہ ابھی ان میں نبوت کی پوری علامات نہیں ملیں لہذا ابھی ٹھہر جاؤ تو اس پر فرمایا کہ اورتم لوگوں کو کہتے ہو۔ کہ جاؤ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور خود مسلمان نہیں ہوتے۔ یعنی اگر مسلمان ہونے کو نیکی جانتے ہو۔ تو تم خود یہ نیک کام کیوں نہیں کرتے۔ **حدیث شریف** میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ معراج کی رات میں نے جہنم میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ اے جبریل یہ کون لوگ ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے۔ مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (جیسے آج کل کئی لوگ دوسروں کو نماز، روزہ اور اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔ اور خود اس پر عمل نہیں کرتے)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جو نیکی کے کام لوگوں کو کہتے ہو۔ خود بھی تو اس پر عمل کرو۔ حالانکہ تم توراۃ کو پڑھتے ہو۔ اس میں واضح حضور ﷺ کی صفات موجود ہیں کیا تمہارا اتنا بھی عقل نہیں کہ تم سمجھو۔ یہ تو تمہاری بہت بڑی برائی ہے۔ کہ تم اپنی اصلاح نہ کرو۔ اور دوسروں کی اصلاح کرنے میں لگ جاؤ۔ اصل عقلمندی یہ ہے۔ کہ پہلے خود برائی سے بچے۔ اور اچھائی کو اپنائے۔ البتہ امر بالمعروف کرتا جائے۔ اگر خود بھی اس پر عمل کرے۔ تو اس کا نفع زیادہ ہوگا۔ لہذا نصیحت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ خود سختی سے اس پر عمل کرے۔ (**ف**) یہاں نیکی کے حکم پر تو بیخ نہیں بلکہ برے عمل پر ہے کہ (دیگرے را نصیحت خود میاں فصیحت) نہ بنو۔ **مسئلہ** : جو خود نیکی نہیں کرتا لیکن دوسروں کو نیکی کا حکم دیتا ہے تو اسے سنگل ثواب اور جو دوسروں کو بتائے اور خود بھی عمل کرلے اسے ڈبل ثواب ملے گا۔ لہذا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صرف علماء پر ہی فرض نہیں۔ ہر شخص یہ کام کرسکتا ہے۔ البتہ پہلے مسئلے کا جاننا ضروری ہے، مسئلہ معلوم نہ ہو تو پھر نہ بیان کرے۔

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ ﴿۴۵﴾

اور مدد مانگو (اللہ سے) ساتھ صبر اور نماز کے اور بے شک وہ البتہ بھاری ہے مگر اوپر عاجزی کرنے والوں کے

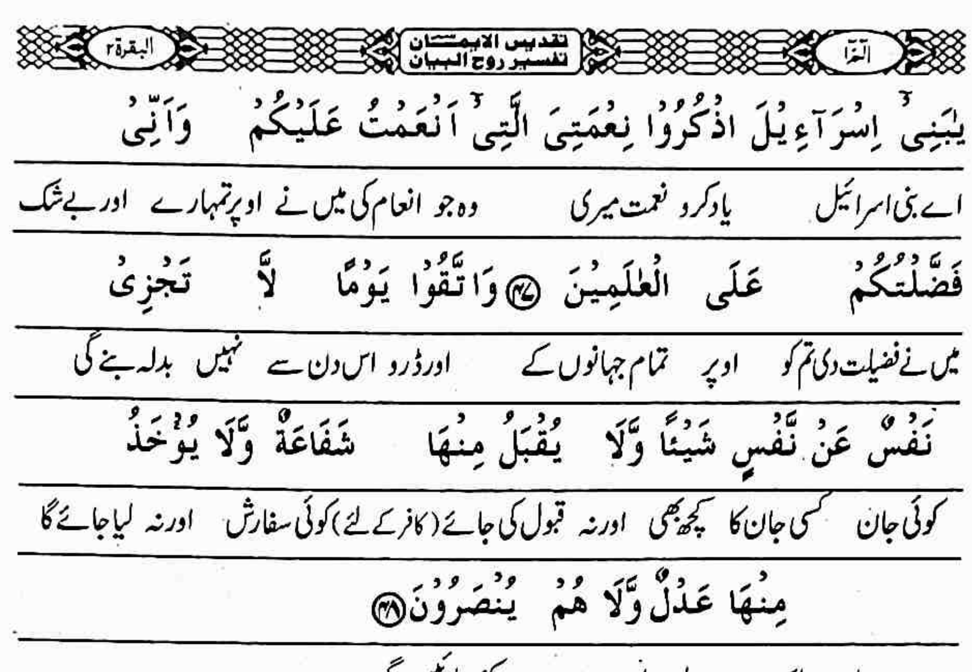
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

وہ جو یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور بے شک وہ طرف اس کے لوٹ کر جانے والے ہیں

(آیت نمبر ۴۵) مدد مانگو ساتھ صبر اور نماز کے یہاں صبر سے مراد روزہ ہے کہ اے بنی اسرائیل روزے رکھو اور نماز پڑھو تا کہ تمہاری مدد کی جائے۔ بے شک مصیبت کے وقت یہ نماز اور صبر کرنا بہت بھاری ہے مگر با قاعدہ خشوع سے نماز پڑھنے والوں کے لئے بہت ہلکی ہے اس لئے کہ نماز میں انہیں سرور ملتا ہے۔

یعنی اے بنی اسرائیل اپنی حاجات میں اور مشکلات میں یہ تین کام کرو۔ ایک صبر اور دوسرا کام نماز۔ تیسرا کام اللہ پر توکل۔ صبر سے مراد روزہ بھی ہے کہ اس لئے کہ اس سے خواہشات اور شہوات کم ہوتی ہیں اور نفس کی صفائی ہوتی ہے۔ جسے تزکیہ کہتے ہیں اور نماز ذریعہ ہے۔ دعا قبول ہونے کا اور مصائب دور کرنے کا۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ جب بھی حضور ﷺ پر کوئی گھبراہٹ کی گھڑی آتی تو آپ فوراً نماز پڑھتے۔ (بخاری باب قیام اللیل) روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سفر کے دوران انہیں بچی کے فوت ہونے کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے "انا اللہ الخ" پڑھی۔ اور فرمایا۔ کہ پردہ کی چیز کو اللہ تعالیٰ نے پردے میں کر دیا۔ مشکل میں اللہ تعالیٰ اسے کافی ہوا۔ اسے اجر مل گیا۔ پھر آپ راستے سے ہٹ گئے اور نماز پڑھی۔ پھر اپنی سواری کے پاس تشریف لائے اور آپ یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ آگے فرمایا کہ جب مصیبت کا وقت ہو تو یہ دونوں کام کرو یعنی صبر اور نماز یہ دونوں اگر چہ بہت مشکل ہیں۔ یعنی ہر آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔ البتہ دعائیں۔ التجائیں بہت کریں گے۔ جزع فزع میں لگ جائیں گے۔ مگر صبر اور نماز میں نہیں مشغول ہوں گے۔ آگے فرمایا مگر وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کرتے ہیں۔ انہیں نماز سے ہی سکون ملتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ ان کیلئے یہ عمل مشکل نہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) وہ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق رکھے اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا پسند کرتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو ملنا پسند نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔ (یا اللہ ہمیں آخرت میں اپنا دیدار عطا فرما)۔ یعنی وہ یہ بات یقین سے جانتے ہیں۔ کہ انہوں نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ جہاں انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ البتہ وہ لوگ جو نہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ سزا سے ڈرتے ہیں۔



يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے بنی اسرائیل یادکرو نعمت میری وہ جو انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور بے شک

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ

میں نے فضیلت دی تم کو اوپر تمام جہانوں کے اورڈرو اس دن سے نہیں بدلہ بنے گی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ

کوئی جان کسی جان کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے (کافر کے لئے) کوئی سفارش اور نہ لیا جائے گا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس سے بدلہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر۴۶) ان پر نماز بڑی بھاری ہے۔ جیسے منافقوں اور دکھلا وا کرنے والے۔ **فائدہ:** تکالیف پر صبر اور نماز پڑھنا یہ جہاد بالنفس ہے اور یہ انبیاء واولیاء ہی کر سکتے ہیں۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر دیا جائیگا۔

(آیت نمبر۴۷) اے بنی اسرائیل میری نعمتیں یاد کر کے میرا شکر کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائیں جیسے من سلوی کا اترنا بادلوں سے سایہ کرنا پتھر سے پانی نکالنا وغیرہ اگر چہ یہ انعامات ان کے باپ دادا پر تھے مگر اس کے اثرات ان پر بھی تھے اور خاص کر فرمایا میں نے تمام جہانوں پر تمہیں فضیلت بخشی کہ تمہارے آباء میں نبوۃ رکھی اور بادشاہی بھی دی اور انہیں علم وایمان کی دولت دیکر ہمزمان لوگوں پر برتری دی یعنی اپنے زمانے کے لوگوں پر انہیں فضیلت حاصل تھی جیسے حضرت مریم کے متعلق فرمایا تمام جہاں پر فضیلت دی تو اس سے بھی مراد ان کے زمانے کی تمام عورتوں پر فضیلت تھی ورنہ اب پوری کائنات میں بی بی خدیجہ، حضرت عائشہ اور سیدۃ النساء بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہن سب سے افضل ہیں۔

شان نزول: یہودی کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے نبی ان کی اولاد سے ہیں۔ جب وہ ہماری شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ کیوں نہیں ہمیں معاف فرمائے گا۔ تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(آیت نمبر۴۸) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سے ڈرو جو حساب وعذاب کا دن ہے اس دن کوئی بھی کسی کافر کے کام نہیں آئے گا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تمہارے رشتے دار اور اولاد تمہیں بالکل کام نہیں آئیں گے۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ

اور جب نجات دی ہم نے تم کو فرعونیوں سے چکھاتے تھے تم کو برا عذاب کہ ذبح کرتے

اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

بیٹے تمہارے اور زندہ رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں تمہارے لئے بلاء ہے تمہارے رب کی طرف سے بڑی

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) **نوٹ**: یہ زجر کفار کے لئے ہے۔شفاعت کا منکر مسلمانوں میں سوائے ایک فرقے کے کوئی نہیں قیامت کے دن چھ طرح کی شفاعت ہوگی۔اور ہر شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے ہوگی۔کافر کیلئے شفاعت نہیں ہوگی۔اگر ہوئی تو قبول نہ ہوگی البتہ قابل قبول شفاعت اہل ایمان کے لئے ہوگی۔حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت امت کے کبیرہ گناہ والوں کی ہوگی۔(ابوداؤد و ترمذی، سند صحیح) صغیرہ گناہ تو خود ہی معاف ہو جائیں گے۔ قرآن میں جہاں شفاعت کی نفی آئی ہے، اس سے مراد کفار ہیں، اہل ایمان کی شفاعت کا انکار کوئی بدنصیب ہی کرے گا۔آگے فرمایا کہ نہ ہی کسی کافر سے کوئی فدیہ لیا جائے گا یعنی کوئی بندہ مال دے کر جان نہیں بچا سکے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی چونکہ دنیوی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ یہی چار چیزیں ہیں: (۱) کہ اپنا بوجھ کسی دوسرے پر رکھ دے۔(۲) مال دے کر مصیبت سے بچ جائے۔(۳) کوئی اس کی سفارش کر دے۔(۴) کوئی مددگار آ کر بچا لے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان چاروں وسائل سے ناامید کر دیا۔

(آیت نمبر ۴۹) اور جب نجات دی ہم نے تمہیں یعنی تمہارے باپ دادا کو فرعونیوں سے۔(**ف**) مصر کے بادشاہوں کو ان کی سرکشی کی وجہ سے فرعون کہا جاتا تھا، بلکہ ہر سرکش کو فرعون کہا جاتا ہے۔جیسے حدیث میں ابوجہل کو فرعون کہا گیا۔موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا یہاں ذکر ہے جو بہت زیادہ متکبر تھا، قبطیوں میں سے تھا چار سو سال حکومت کی ابتداء میں انتہائی معمولی آدمی تھا۔مصر کے بادشاہ تک ایک چکر سے رسائی حاصل کر کے پہنچا۔جس کا پورا قصہ روح البیان جلد اول میں ہے۔حکومت میں لوگوں سے اچھا سلوک کیا، بادشاہ کے مرنے پر اسے ہی بادشاہ بنا دیا گیا۔شروع میں تو ٹھیک رہا پھر اس نے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم شروع کر دیا، سخت سے سخت کام ان سے لیتا اور ان کو بدترین سزائیں دیتا تھا۔

فرعون کی خواب: ایک رات خواب میں دیکھا کہ شام سے آگ اٹھی اور مصر میں آ کر قبطیوں کو مصر سے نکال دیا، اور بنی اسرائیل کو کچھ نہ کہا۔تو صبح اس نے کاہنوں اور نجومیوں سے تعبیر پوچھی انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔تو اس نے بنی اسرائیل کے بچے مروانے کا حکم دے دیا چنانچہ نوے ہزار بچے مار دیئے گئے اس لئے فرمایا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ

اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لئے دریا کو پس نجات دی ہم نے تم کو اور غرق کیا ہم نے

اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

فرعونیوں کو اور تم دیکھتے تھے

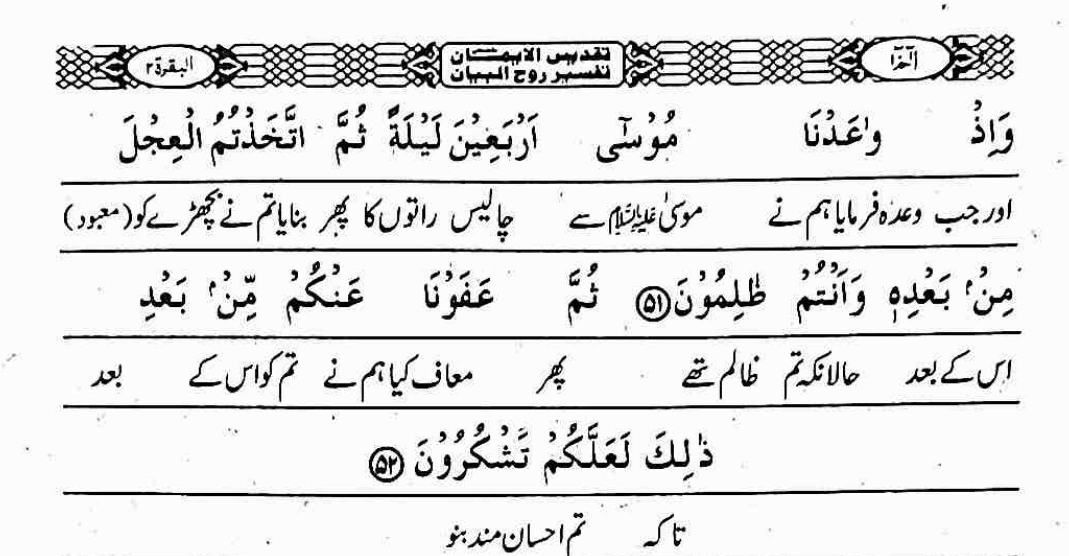
(بقیہ آیت نمبر ۴۹) اس میں تمہارے لئے بہت بڑی مصیبت یا آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔

سبق :اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ ہر دکھ سکھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھے سکھ میں شکر اور دکھ میں صبر کرے۔ حدیث شریف: میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بناتا ہے تو اسے کسی تکالیف میں مبتلا کر دیتا ہے جب وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اسے اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔ (ترمذی)

(آیت نمبر ۵۰) وہ وقت یاد کرو کہ جب ہم نے تمہاری نجات کے لئے دریا کو پھاڑ دیا دریا سے مراد بحر قلزم ہے جو فارس کا ایک دریا ہے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی لگنے سے اس میں بارہ رستے بن گئے چونکہ بنی اسرائیل بارہ قبیلے تھے تو ہر قبیلے کے لئے الگ الگ راستہ بنا اور کھڑکیاں بھی تا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے دریا سے پار ہو جائیں، اس لئے فرمایا کہ ہم نے تمہیں جہاں غرق ہونے سے بچالیا اور فرعونیوں کو اسی دریا میں غرق کیا اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ تم کس طرح پار ہوئے اور کس طرح فرعونی غرق ہوئے۔

واقعہ: جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی بنی اسرائیل کو رات رات لے کر مصر سے نکل جاؤ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکل گئے۔ قبطیوں کو کان وکان خبر نہ ہوئی صبح کے وقت فرعون کو خبر ہوئی تو وہ ستر لاکھ کا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑا۔ اور انہیں پالیا بنی اسرائیل فرعون کو دیکھ کر بہت گھبرائے مگر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کوئی راہ نجات نکالے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اے موسیٰ: دریا پر لاٹھی مارو۔ لاٹھی مارتے ہی دریا پھٹ گیا اور بارہ رستے بن گئے تو بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دریا عبور کر گئے۔ جب فرعون لشکر کے ساتھ آیا تو اس کے گھوڑے نے سمجھ لیا کہ یہ عذاب ہے وہ دریا میں داخل نہ ہوا اس وقت جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر آئے تو فرعون کا گھوڑا بھی پیچھے چل پڑا اس کے پیچھے تمام لشکر داخل ہو گیا جوں ہی سارا لشکر داخل ہو گیا تو دریا پوری طغیانی کے ساتھ چل پڑا فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں غرق ہو گیا ڈوبتے وقت بہت زاری سے کلمہ موسیٰ علیہ السلام کا پڑھا (لیکن اس وقت کا کلمہ پڑھنا فائدہ مند نہ ہوا۔ کیونکہ جب موت سامنے نظر آ رہی ہو اس وقت کلمہ پڑھنا قبول نہیں ہوتا)۔



وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور جب وعدہ فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا پھر بنایا تم نے بچھڑے کو (معبود)

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اس کے بعد حالانکہ تم ظالم تھے پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس کے بعد

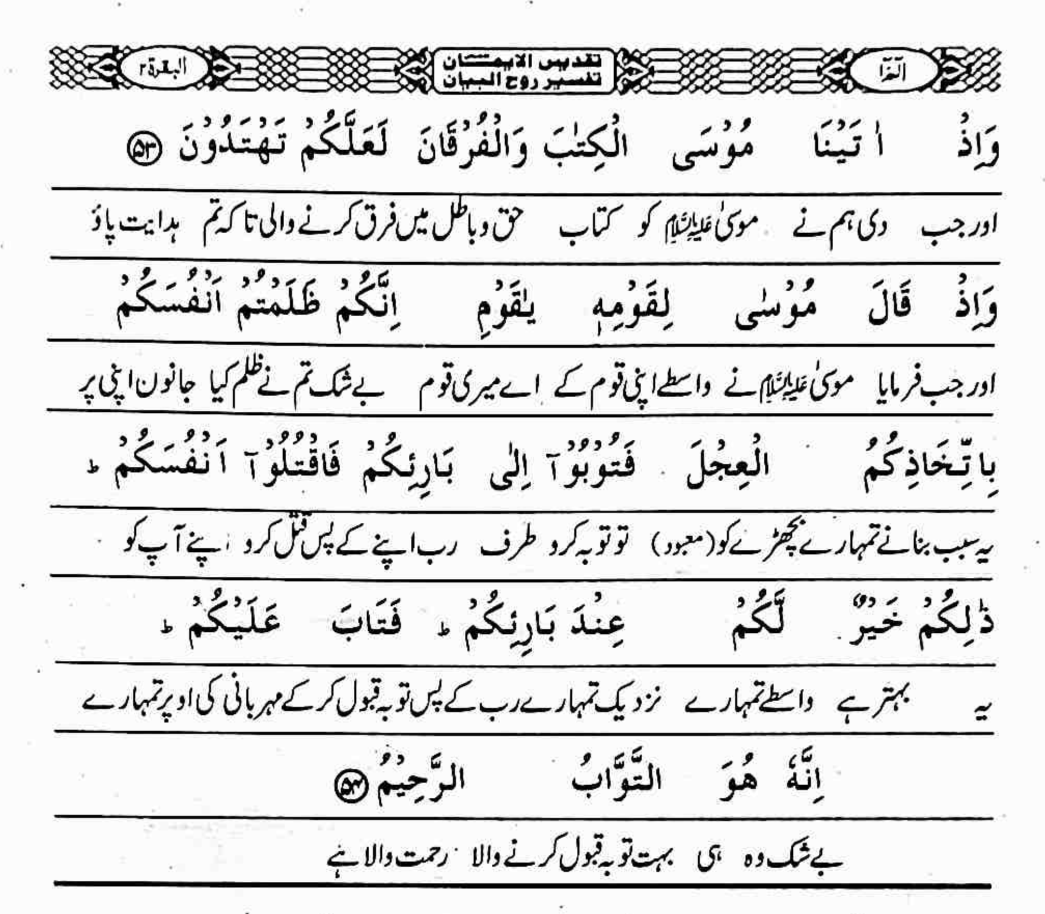
ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

تاکہ تم احسان مند بنو

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) **عاشورہ کا روزہ:** چونکہ وہ دن دسویں محرم کا تھا۔ جس دن موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعون کے ظلم اور دریا سے نجات پائی۔ حضور ﷺ نے مدینے شریف میں یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے پوچھا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو تو انہوں نے بتایا کہ اس دن موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور دریا میں غرق ہونے سے نجات ملی اس لئے ہم روزہ رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہم بھی آئندہ اس دن کا روزہ رکھیں گے۔ لیکن وہ ایک دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ ہم دو دن کا روزہ رکھیں گے۔ تاکہ ان سے مشابہت نہ ہو۔

(آیت نمبر ۵۱) اے بنی اسرائیلو وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے طور پر حاضر ہونے کا وعدہ لیا، کہ تم مکمل چالیس راتیں وہاں ہی گذارو گے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد سامری سنیار نے سونا بنی اسرائیل سے لیکر ایک بچھڑا بنایا اس سے آوازیں آنا شروع ہوگئیں تو سامری نے لوگوں سے کہا کہ خدا اس بچھڑے میں آ گیا۔ لہذا اس کی پوجا کرو۔ تو لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ اس لئے آگے فرمایا۔ کہ ہماری اتنی بڑی مہربانی کہ فرعون کے ظلم سے اور دریا میں غرق ہونے سے بچایا لیکن تم نے اتنی بڑی نافرمانی کی کہ تم شرک کر کے بہت بڑے ظالم ہوگئے۔

(آیت نمبر ۵۲) پھر جب تم نے ہمارے حکم کے مطابق توبہ کی تو ہم نے تمہیں معاف کر دیا بچھڑے کی پرستش کے بعد بھی جو برائی کے لحاظ سے انتہائی برا عمل تھا، جو ناقابل معافی جرم تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر تمہیں اس گناہ کے کفارہ کی خبر دی اور تم نے اس پر عمل کیا۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا۔ لہذا اب تم معافی مل جانے کا شکریہ ادا کرو اس کے بعد اطاعت پر کمربستہ ہو جاؤ۔ اور آئندہ ہر قسم کے گناہوں خصوصاً شرک سے بچ کر رہو۔



وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی تا کہ تم ہدایت پاؤ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے واسطے اپنی قوم کے اے میری قوم بے شک تم نے ظلم کیا جانوں اپنی پر

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط

بہ سبب بنانے تمہارے بچھڑے کو (معبود) تو توبہ کرو طرف رب اپنے کے پس قتل کرو اپنے آپ کو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط

یہ بہتر ہے واسطے تمہارے نزدیک تمہارے رب کے پس توبہ قبول کر کے مہربانی کی اوپر تمہارے

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

بے شک وہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا رحمت والا ہے

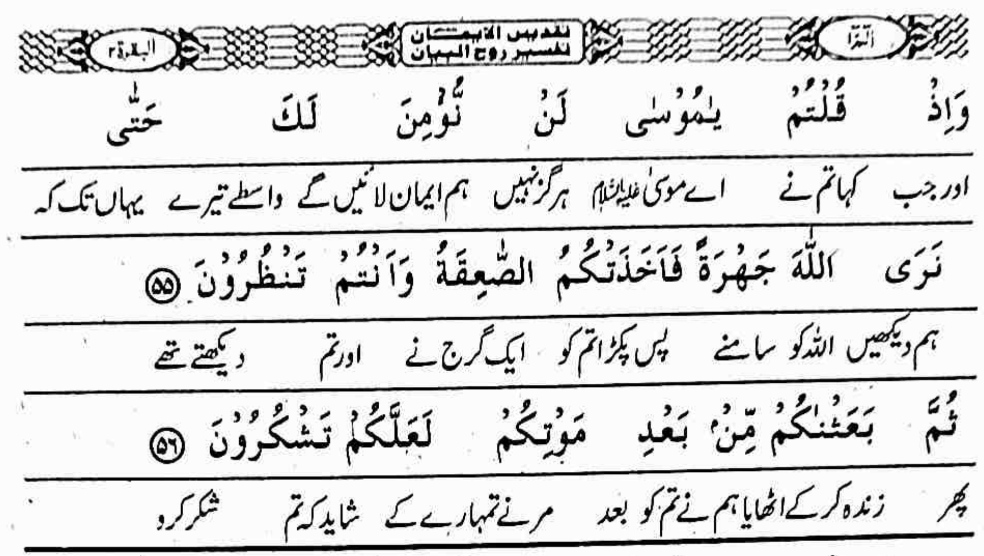
(آیت نمبر ۵۳) **توراۃ کا شان نزول:** جب فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل دریا سے سلامتی کے ساتھ پار ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس توراۃ لینے جاتا ہوں جس میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام اور نواہی ہونگے اپنی جگہ حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا اور طور پر تشریف لے گئے چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا فرمائی۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو انعام یاد کرا کر فرما رہا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ (کتاب اور فرقان ایک ہی چیز کا نام ہے) تا کہ تم اس میں تدبر کرو اور اس پر عمل بھی کرو۔ یعنی اس کتاب میں جب تم غور کر کے دیکھو گے تو تمہیں میرے نبی محمد ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلیل مل جائے گی تو جب میرے آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۵۴) اور وہ وقت یاد کریں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بے شک تم نے شرک کر کے جانوں پر ظلم کیا۔ **واقعہ:** جب موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر چلے گئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے قبطیوں سے زیورات ادھار لئے کہ ہم شادیاں رچانے باہر جا رہے ہیں اس حیلے سے وہ مصر سے نکلے ورنہ قبطی انہیں نہ نکلنے دیتے۔ تو وہ زیورات

جن سے لئے تھے وہ غرق ہو گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ اب ہم ان زیورات کا کیا کریں کیونکہ واپس جا نہیں سکتے اور جن کے زیورات تھے۔ وہ غرق ہو گئے تو جناب ہارون نے زیورات کے پھینکنے کا حکم دے دیا۔ بنی اسرائیل میں سامری منافق تھا، جو سونے کے زیورات بناتا تھا۔ اس نے وہ تمام زیورات جمع کر کے سونے کو ڈھالا اور اس کا ایک بچھڑا بنا دیا اور جبریل علیہ السلام جس گھوڑی پر تھے۔ وہ جہاں قدم رکھتی فوراً نیچے سے گھاس اگ آتی تو اس منافق نے وہ گھاس اٹھا کر بچھڑے میں ڈال دی تو اس سے آوازیں آنے لگ گئیں۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام تیس دنوں کا وعدہ کر کے گئے تھے دس دن مزید رہنا پڑ گیا۔ تو سامری منافق بچھڑا قوم کے پاس لے کر آ گیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تیس دنوں کا کہا وہ واپس نہیں آئے جس کا مطلب ہے کہ خدا انہیں نہیں ملا وہ یہاں اس بچھڑے میں آ گیا ہے اس کے کہنے پر سب اس کی پوجا میں لگ گئے۔ سوائے حضرت ہارون اور تقریباً بارہ ہزار افراد کے۔ حضرت ہارون نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور قوم کو اس حال میں دیکھا تو سخت غصہ میں آ گئے بچھڑے کو جلا کر دریا برد کر دیا لیکن وہ اس قدر اس بچھڑے کی محبت میں وارفتہ ہوئے۔ کہ اس دریا کا پانی تبرک کا پینے لگے اس سے ان کے پیٹ سخت پھول گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تمہاری توبہ کی صرف یہی صورت ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس طریقے سے تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ چونکہ وہ مرتد ہوئے تھے اور ان کی شریعت میں مرتد کی یہی سزا تھی۔ یوں توبہ کرنا تمہارے رب کے حکم کے مطابق ہے اور تمہارے لئے بہتر ہے۔ اپنے آپ کو قتل کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ پھر فرمایا۔ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ جب آمنے سامنے آئے تو سب آپس میں سگے رشتہ دار تھے۔ یہ بھی مشکل معاملہ تھا۔

توبہ کی قبولیت: تو پھر ان کو جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جنگل میں تلواریں لے کر ایک دوسرے کو قتل کرنا یوں شروع کرو کہ آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے پر تلواریں چلانا شروع کر دو۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھی بھیج دیئے تاکہ ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں۔ شام تک ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قاتل و مقتول دونوں جنتی ہیں اور ان کے گناہ معاف ہو گئے۔

ف: معلوم ہوا کہ توبہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ اس امت محمدیہ کا خاصہ ہے کہ صرف توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے اور ذلت و خواری نہیں اٹھانی پڑتی۔ ورنہ پہلی امتوں میں انتہائی سخت اور مشکل مسائل تھے جن پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ منظور فرمائی بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے کہ وہ اطاعت والوں پر بہت زیادہ رحمت فرماتا ہے۔



وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ علیہ السلام ہرگز نہیں ہم ایمان لائیں گے واسطے تیرے یہاں تک کہ

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ہم دیکھیں اللہ کو سامنے پس پکڑا تم کو ایک گرج نے اور تم دیکھتے تھے

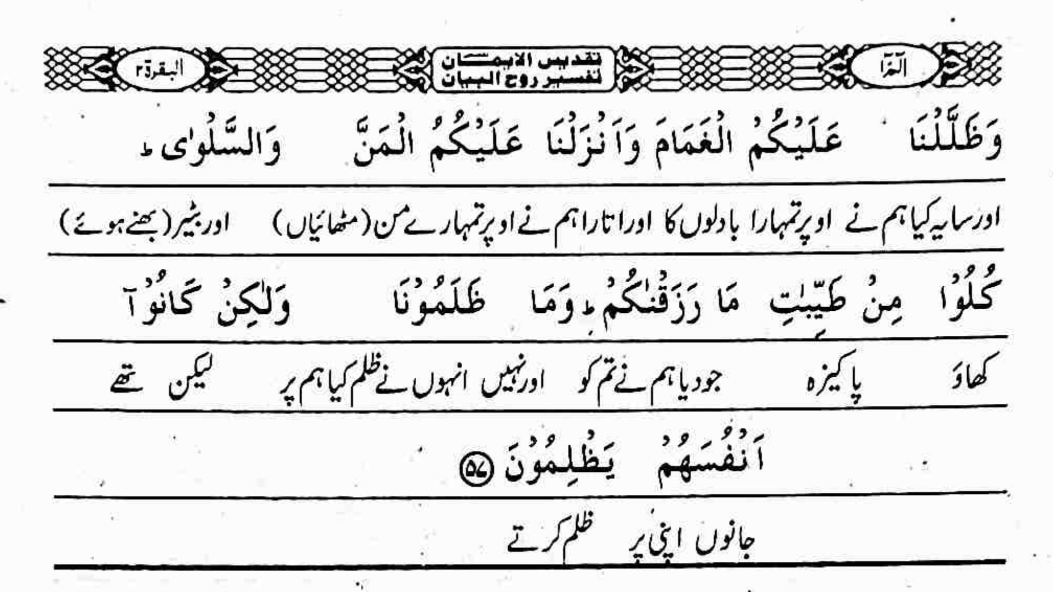
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر زندہ کر کے اٹھایا ہم نے تم کو بعد مرنے تمہارے کے شاید کہ تم شکر کرو

(آیت نمبر ۵۵) اور جب تم نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام یہ گویا چھٹا انعام انہیں یاد کرایا جا رہا ہے کہ یاد کرو جب تمہارے اسلاف نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شرط لگائی تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم آپ کی بات اس وقت تک نہیں مانتے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ تو جناب موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ستر آدمی چنے۔

واقعہ: یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ خود طور پر جاتے ہیں ہمیں بھی ساتھ لے جائیں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کی باتیں سنیں کہ واقعی اللہ نے ہمیں معاف کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ستر آدمی منتخب کر لئے اور انہیں طور پر لے گئے۔ جب طور کے قریب پہنچے تو انہیں بادل نے گھیر لیا اسی دوران اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی انہوں بھی سن لیا لیکن موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے جب تک ہم واضح طور پر دیکھیں گے نہیں اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام پھر طور پر گئے جب واپس آئے تو یہ سب صاعقہ (ایک گرج دار آواز) سے مر چکے تھے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ یا اللہ یہ تو بے وقوف تھے آپ مہربان ہیں اب میں قوم کو کیا جواب دونگا موسیٰ علیہ السلام نے اس قدر عجز وزاری کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

(آیت نمبر ۵۶) فرمایا کہ پھر ہم نے تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا۔ (ف) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اس لئے زندہ فرمایا تا کہ وہ اپنی بقایا زندگی اور رزق پورا کر لیں۔ اس لئے کہ ان کی موت اصل وقت سے پہلے آ گئی تھی اور ان کی موت ایسے تھی جیسے کسی سخت بیمار کو سکتہ طاری ہو جاتا ہے اگر وہ اپنے وقت پر مرتے تو پھر قیامت کو ہی اٹھتے۔ آگے فرمایا کہ تمہیں دوبارہ زندہ کیا تا کہ تم شکر کرو یعنی "نری اللہ جھرۃ" کہہ کے تم کافر ہو چکے تھے اب موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر پھر نعمت جان وایمان نصیب ہوئی لہٰذا تم اب خوب شکر کرو۔ اور اس معجزہ کے بعد کسی اور چیز کی طلب ہرگز نہ کرنا۔



وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط

اور سایہ کیا ہم نے اوپر تمہارا بادلوں کا اور اتارا ہم نے اوپر تمہارے من (مٹھائیاں) اور بٹیر (بھنے ہوئے)

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ط وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کھاؤ پاکیزہ جو دیا ہم نے تم کو اور نہیں انہوں نے ظلم کیا ہم پر لیکن تھے

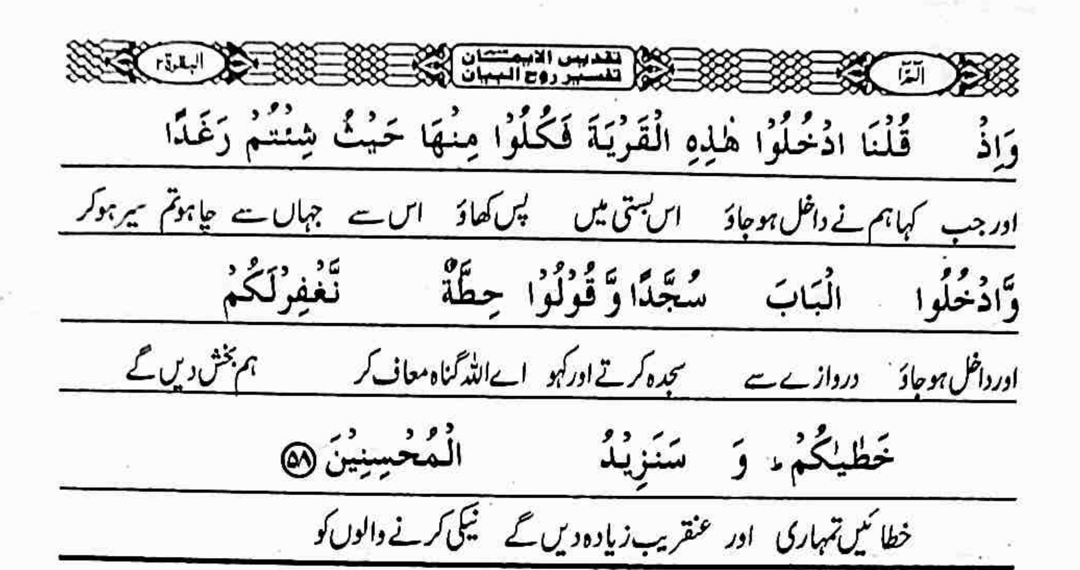
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

جانوں اپنی پر ظلم کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **دفعہ وہم**: موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا سوال عاجزی اور عبادی طور پر کیا تھا۔ اس لئے انہیں کچھ نہ ہوا اور بنی اسرائیل کا سوال عنادی تھا اس لئے مار کھائی۔

(آیت نمبر ۵۷) اے بنی اسرائیلو! ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا یہ ساتواں انعام ہے۔

واقعہ: بنی اسرائیل جب دریا عبور کر چکے تو آگے جنگل ہی جنگل تھا مکان تو وہاں تھے نہیں گرمی نے سخت ستایا وہ جنگل بھی چھتیس میل چوڑا تھا کہیں سایہ وغیرہ بھی کوئی نہیں تھا۔ تو انہوں نے اس تپش اور سخت گرمی کی شکایت موسیٰ علیہ السلام سے کی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان پر بادل چھتری کی طرح سایہ کرتا۔ تاکہ گرمی کے وقت انہیں تکلیف نہ ہو۔ آٹھواں انعام یہ کہ ایک ستون آسمان سے بھیجا جو ساری رات انہیں روشنی دیتا اس کے بعد انہوں نے کھانا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا یہ نانواں انعام تھا۔ من مٹھائی کی طرح ایک خاص کھانا تھا اور سلویٰ بٹیر کی طرح کا پرندہ جو بھنا ہوا اترتا تھا، فرمایا کہ کھاؤ حلال پاکیزہ کھانا جو ہم نے دیا لیکن ذخیرہ بنانے کی اجازت نہ تھی طیب ہر اس کھانے کو کہا جاتا ہے۔ جس کے کھانے کو دل چاہے تو صبح وشام ان پر من سلویٰ اترتا اور وافر مقدار میں اترتا تھا۔ لیکن وہ ایسی لالچی قوم تھی۔ کھانے سے زیادہ جمع کر کے رکھ لیتے۔ کہ کہیں بند نہ ہو جائے۔ ان کو اس حرکت سے کئی دفعہ منع کیا گیا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ اس وجہ سے کھانا بدبودار ہونا شروع ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر چونکہ انہوں نے اس ڈر سے جمع کرنا شروع کر دیا شاید اگلے دن نہ آئے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو نہ وہ بند ہوتا نہ خراب ہوتا۔ اس سے پہلے کھانا باسی یا خراب نہیں ہوتا تھا۔ ان کی اس حرکت کے بعد کھانا زیادہ دیر رہنے سے خراب ہونا شروع ہوا۔ لہذا کھانا جمع کر کے انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور اپنا ہی نقصان کیا۔

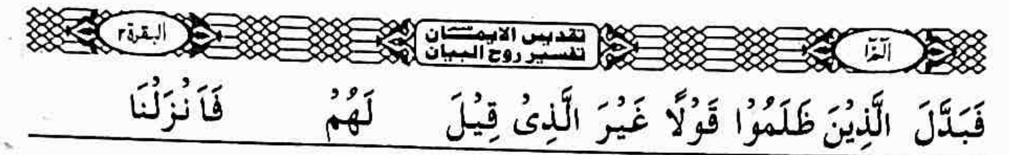


(بقیہ آیت نمبر ۵۷) **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر بنی اسرائیل ایسا نہ کرتے تو کھانا کبھی خراب نہ ہوتا تو جب انہوں نے نافرمانی کی تو وہ کھانا آنا بند ہو گیا اس لئے فرمایا کہ ان پر کسی نے ظلم نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کر کے نعمت بند کرا دی۔

(آیت نمبر ۵۸) اور یاد کرو جب تمہاری جنگل کی تکلیف دور کرنے کے لئے ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی (بیت المقدس) میں یہ دسواں انعام تھا تو اس بستی میں جو چاہو جہاں سے چاہو خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ یعنی خوب مزے سے زندگی گذارو۔ نہ تمہیں کوئی تنگی ہوگی اور نہ کوئی روکے گا۔ شرط یہ ہے کہ جب دروازے سے داخل ہو تو عاجزی سے سر جھکا کر داخل ہونا کہ صحیح طور پر شکریہ ادا ہو شکریہ اس بات کا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل سے نکالا اور خوبصورت شہر عطا کیا اور داخلہ کے وقت لفظ خطہ کہو کہ یا اللہ ہماری خطائیں معاف کر۔ تو ہم تمہاری سب خطائیں بخش دیں گے۔ بلکہ ہم عنقریب احسان کرنے والوں کو اور بھی زیادہ عطا کریں گے یعنی اپنے فضل سے ثواب بھی بڑھائیں گے۔ محسن وہ ہوتا ہے جو ایسے اعمال کرے جو نفس کو سنوارے اور شرعاً محمود ہوں۔

ف: بیت المقدس کے باہر سات دروازے تھے۔ دوسرے دروازے کا نام خطہ تھا۔ اسی سے گذرنے کا حکم ہوا۔ اسی دروازے کے پاس جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام عبادت کرتے تھے۔ **ف**: معلوم ہوا۔ کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہے۔ تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آگے فرمایا کہ احسان والوں کو تو ہم اور زیادہ دیتے ہیں۔

ف: احسان والے سے مراد یہ ہے کہ جس کا عقیدۂ توحید صحیح ہو اور اعمال صالحہ خصوصاً فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہو اور برائی سے رکنے والا ہو۔ وہ محسن ہوتا ہے۔ احسان کی تعریف یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کر۔ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نہیں دیکھ رہے تو یہ عقیدہ رکھو۔ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔



فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

پس بدل ڈالا ظالموں نے بات کو سوائے اس کے جو کہی گئی واسطے ان کے پس اتارا ہم نے

عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اوپر اُن کے جنہوں نے ظلم کیا عذاب آسمان سے بہ سبب اس کے جو تھے گناہ کرتے

(آیت نمبر ۵۹) پس بدل دیا ظالموں نے بخشش ملنے اور توبہ قبول ہونے والی بات کو گناہ والی بات کے ساتھ۔ چونکہ وہ ہر وقت قولاً فعلاً نبی ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ لہذا وہ سجدہ کے بجائے اکڑ کر دروازے سے گذرے اور حِطّۃ کے بجائے انہوں نے حنطۃ کہا (جس کا معنی گندم ہے) گویا انہوں نے حکم خداوندی کو حقیر سمجھا۔

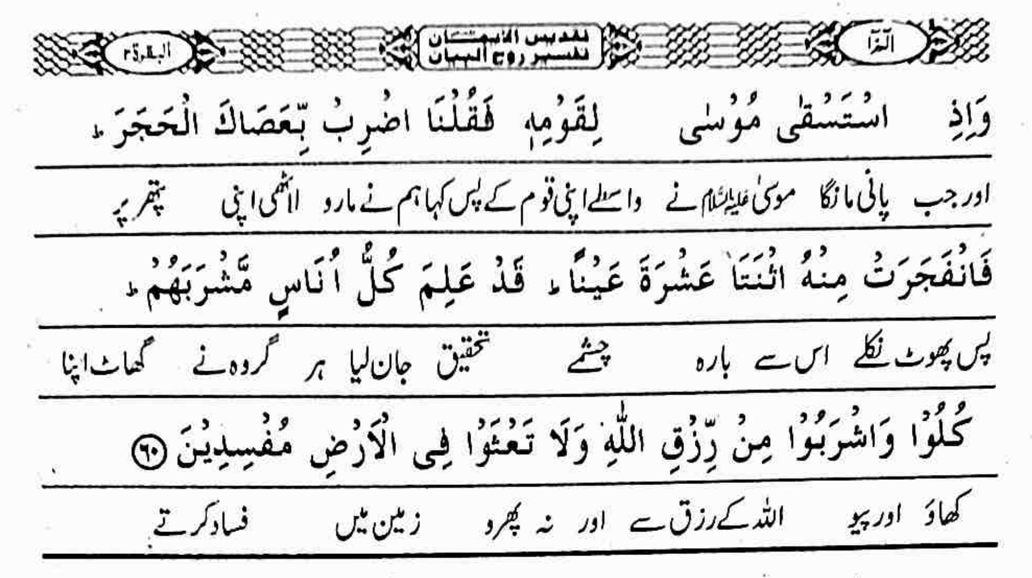
ف: مجاہد کہتے ہیں کہ وہ دروازہ پست تھا تا کہ گذرنے والے کا سر خود بخود جھک جائے وہ قوم سجدہ کی ہی منکر تھی انہوں نے الٹ کیا پہلے ٹانگیں داخل کیں پھر پیٹ پھر سریوں اللہ کے حکم کو بدل ڈالا آگے فرمایا کہ ہم نے ان ظالموں پر عذاب نازل کیا۔ دو دفعہ ظلم کا لفظ استعمال کیا تا کہ معلوم ہو کہ ان سے بڑے بڑے کئی طرح کے گناہ ہوئے اور بار بار حکم الٰہی کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ کہ وہ فاسق تھے۔ فسق کبیرہ گناہ والے کو ہی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان پر طاعون کا۔ عذاب آیا کہ ایک گھڑی میں ان کے چوبیس ہزار افراد مر گئے اور کل تعداد مرنے والوں کی ستر ہزار تھی۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا جس بستی کے متعلق معلوم ہوا۔ کہ وہاں عذاب ہے وہاں ہرگز نہ جاؤ اور تمہاری بستی میں طاعون آجائے تو وہاں سے مت بھاگو۔ (سنن ابوداؤد)۔

مسئلہ: طاعون میں مرنے والا شہید اور عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: پیٹ کے درد سے مرنے والا بھی شہید ہے۔ اسی طرح جل کر مرنے والا، گھر سے دور مرنے والا، سرسام اور درد قولنج اور جل کرنے مرنے والے اسی طرح عورت بچے کی پیدائش میں مرنے والی یہ سب شہید کی زمرے میں آتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب ناپ تول میں کمی آجائے تو بارشیں کم ہونگی اور جب زنا عام ہو جائے تو خون ریزی بڑھے گی اور جب جھوٹ عام ہو تو فتنے فساد زیادہ ہونگے۔ (مستدرک علی الصحیحین للحاکم)

مسئلہ: طاعون سے بھاگنا حرام ہے۔ **حدیث**: طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جنگ سے بھاگنے والا اور مصیبت میں صبر کرنے والا جنگ میں ڈٹنے والے کی طرح ہے۔ (حوالہ گذر چکا)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، موت سے بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔



وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ

اور جب پانی مانگا موسیٰ علیہ السلام نے واسطے اپنی قوم کے پس کہا ہم نے مارو لاٹھی اپنی پتھر پہ

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

پس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ اپنا

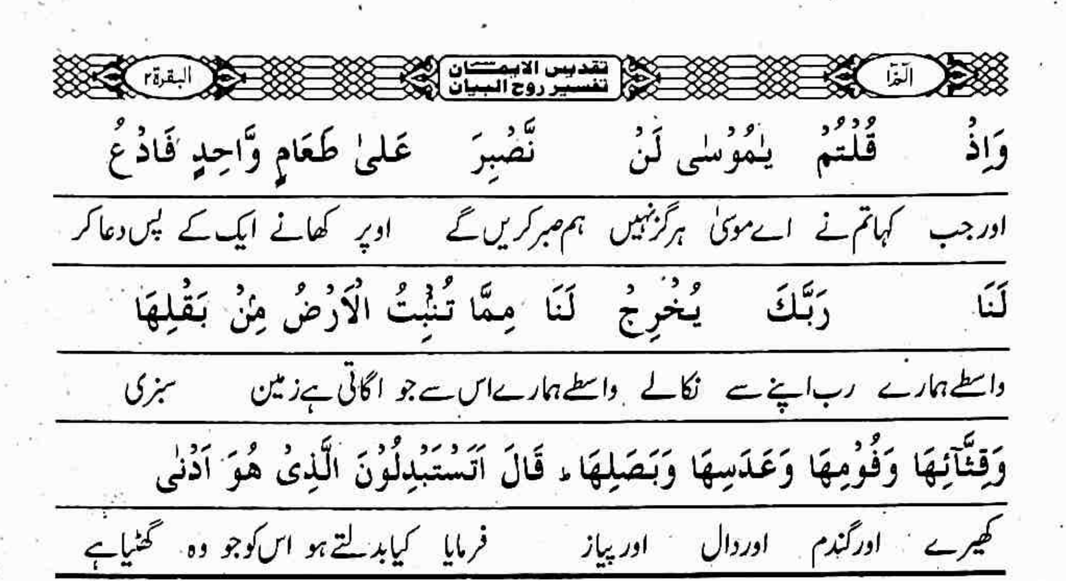
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد کرتے

(آیت نمبر ۶۰) اے بنی اسرائیل یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا یہ گیارھواں انعام ہے کہ جب وہ جنگل میں گرمی کی شدت سے جان بلب تھے تو موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ ہمارے لئے پانی کا انتظام فرمائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے پانی مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کہا کہ جنت سے آئی ہوئی لاٹھی کو جو آدم علیہ السلام لے کر آئے تھے جو اندھیرے میں روشنی کا کام دیتی ہے وراثتاً آپ کو ملی ہے، اسے پتھر پر مارو، یا تو وہ کوئی خاص پتھر تھا جو آدمی کے سر کے برابر تھا ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوتا لیکن مخصوص پتھر ہو تو پھر معجزہ کی تاثیر نہیں ہو سکتی مخالف کہہ سکتا ہے اس میں پہلے سے شاید پانی کی تاثیر موجود ہو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ عام پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم ہوا تو لاٹھی لگتے ہی اس سے بارہ (۱۲) چشمے جاری ہو گئے چونکہ قوم کے قبیلے بارہ (۱۲) تھے لہذا بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک نے پانی پینے کی جگہ اپنے لئے مقرر کر لی۔

محمدی معجزہ: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہ بڑا معجزہ ہے۔ کہ پتھر سے پانی نکال لیا۔ لیکن پتھروں سے اکثر پانی نکلتا ہوا دیکھا گیا ہے کمال تو ہمارے نبی ﷺ کا ہے۔ کہ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے بہر حال فرمان الٰہی ہوا کہ من سلویٰ کھاؤ اور پتھر سے نکلنے والا پانی پیو۔ یہ سب اللہ کا دیا ہوا رزق ہے اسے کھاؤ۔ لیکن زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ یہ جملہ انہیں اس لئے کہا گیا۔ کہ وہ ایک سرکش قوم تھے۔ وہ ہمیشہ سرکشی سے کوئی نہ کوئی فساد برپا کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ جب بھی بارش وغیرہ نہ ہو تو عجز و انکساری سے اور تواضع و خشوع خضوع سے التجا کی جائے تو ضرور رحمت باری جوش میں آتی ہے۔



وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہیں ہم صبر کریں گے اوپر کھانے ایک کے پس دعا کر

لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا

واسطے ہمارے رب اپنے سے نکالے واسطے ہمارے اس سے جو اگاتی ہے زمین سبزی

وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی

کھیرے اور گندم اور دال اور پیاز فرمایا کیا بدلتے ہو اس کو جو وہ گھٹیا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) **معجزہ نبوی** : بخاری شریف میں ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت ایک اعرابی نے کہا کہ یارسول اللہ مال ہلاک ہو رہا ہے، بارش کی دعا کریں حضرت انس فرماتے ہیں کہ دعا سے پہلے آسمان پر بدلی کا نام ونشان نہ تھا۔ ہاتھ مبارک اٹھتے ہی چاروں طرف سے بادل اٹھے ہاتھ مبارک منہ پر پھرنے سے پہلے ہی بارش شروع ہوگئی اور اگلے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ حدیث شریف: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ زمین پر ہمہ وقت چالیس مرد رہیں گے جن کی وجہ سے بارشیں بھی ہونگی اور تمہاری مدد بھی کی جائے گی۔ معلوم ہوا۔ کہ بارش یا انبیاء واولیاء کی دعا سے یا اللہ کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے ہوتی ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم بہت زیادہ گناہوں میں لگ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش پھیر کر دوسرے لوگوں کو دے دیتا ہے۔ جب سب گناہوں میں لگ جائیں تو جنگلوں اور ویرانوں کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔ (حاکم والبیہقی)

نماز استسقاء کے لئے ضروری ہے کہ سب لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کریں حسب توفیق خیرات کریں اور نیک لوگوں کو سفارشی بنائیں، دعا کیلئے ایسے نیک لوگوں کو ساتھ لے کر جائیں جن کی دعا قبول ہونے کی امید ہو۔

(آیت نمبر ۶۱) اور یاد کرو کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اگر چہ ناشکرے ان کے اوپر تھے لیکن ان کی اولاد ہونے اور سوچ میں اتحاد ہونے کی وجہ سے انہیں کہا گیا کہ تم نے من سلویٰ جیسی اعلیٰ نعمتوں کے مقابلے میں کتنی گھٹیا چیزوں کا سوال کیا اور کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے تفسیر بغوی میں ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ وہ دو چیزوں کو ایک ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے رب سے دعا کریں۔ **نعمت خداوندی کی ناقدری**: اس قدر اعلیٰ کھانا من سلویٰ بیٹھے بٹھائے انہیں آسمان سے آرہا تھا تو انہیں شیطانی خیال آ گیا اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے۔

بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بدلے اس کے جو بہتر ہے اتر جاؤ شہر میں پس بے شک واسطے تمہارے جو مانگا تم نے

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

اور ماری گئی اوپر ان کے ذلت اور مسکینی اور لوٹے ساتھ غضب کے اللہ کی طرف سے

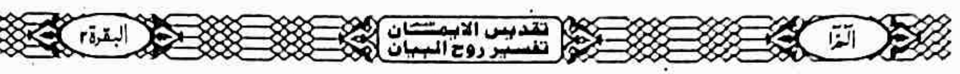
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

یہ بہ سبب اس کے کہ وہ تھے انکار کرتے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے نبیوں کو ناحق

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ بدلہ اس کا جو نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے بڑھتے

سوال کیجئے کہ وہ ہمارے لئے نکالے (پیدا کرے) وہ چیز جو زمین سے ہے جیسے (سبزیاں) ساگ، پودینہ وغیرہ اور اسی طرح کھیرا ککڑی اور گندم اور بعض حضرات نے فوم بمعنی تھوم بھی کیا ہے اور دال اور پیاز جن چیزوں سے سالن بنایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواباً فرمایا کہ کیا تم بدل رہے ہو یعنی اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ چیز جو گھٹیا ہے اور نہایت کم درجہ ہے اس کے بدلے میں جو بہت اعلیٰ ہے یعنی من سلوی جو لذت میں اعلیٰ بھی ہے اور بغیر مشقت مل رہی ہے۔ اس کو تھوم پیاز سے بدل رہے ہو لیکن چلو تم نے مانگا ہی ہے اور ان اشیاء کے حصول کا تمہارا ارادہ ہو ہی گیا ہے۔ تو وہ چیزیں تمہیں اس جنگل میں نہیں ملیں گی لہذا تم فلاں شہر میں چلے جاؤ کیونکہ یہ اشیاء آبادیوں میں با آسانی ملیں گی۔ (ف) مصر سے مراد فرعون والا مصر نہیں چونکہ (مصر کا معنی شہر ہے) یعنی تم شہر میں چلے جاؤ بے شک تمہاری منہ مانگی چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔ لیکن انہوں نے اس شہر میں جانے سے انکار کر کے کفران نعمت کیا جس کی سزا یہ ملی کہ وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ یہاں آیات بمعنی معجزات ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے (ہوسکتا ہے) اس سے مراد قرآن اور حضور کی نبوت کی تکذیب ہو آگے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے نبیوں کو ناحق شہید کیا جیسے شعیب، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام ایک روایت کے مطابق صرف ایک دن میں ستر نبی شہید کئے اور دوسرا ان کی ذلت کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نافرمانیاں کیں اور حد سے تجاوز کیا یعنی حرام کاموں کے مرتکب ہوئے۔ ابتداء میں چھوٹے گناہ کئے پھر سرکشی کرے بڑے گناہوں میں لگ گئے۔ چھوٹے گناہ لگاتار کرتے کرتے آدمی بڑے گناہ کرنے لگ جاتا ہے یوں پھر وہ حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔



اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ

بے شک وہ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور عیسائی اور ستارے پرست جو ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اللہ پر اور دن آخرت پر اور عمل کئے نیک پس واسطے ان کے اجر ان کا نزدیک رب ان کے

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور نہ خوف ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

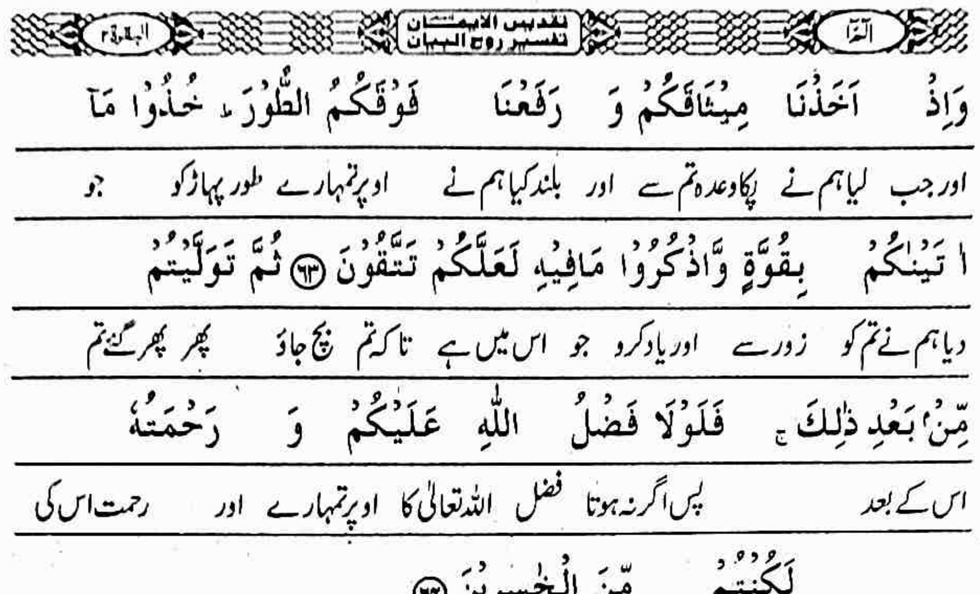
(آیت نمبر ۶۲) بے شک جو صرف زبانی ایمان لائے جیسے منافق جن کا ذکر پیچھے ہو چکا۔ سیاق وسباق کے قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں۔ ایسے مومن کو ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا اور وہ جو یہودی ہیں۔

حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے یہودا کی اولاد ہونے کی وجہ سے انہیں یہودی کہا جاتا ہے اور جو عیسائی ہیں چونکہ ان کے بڑوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی اس لئے انہیں نصاری کہتے ہیں نصاریٰ کا معنی مددگار اور جو بے دین ہیں یا ستارے پرست ہیں۔

مسئلہ: ان کا حکم بت پرستوں جیسا ہے بہر حال مذکورہ کفار میں سے جو بھی سچے دل سے ایمان لائے اللہ پر اور اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں پر اور روز قیامت پر یعنی اسلام میں مکمل داخل ہوا اور نیک اعمال بجالائے ان کے لئے ان کا اجر ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کے رب کے ہاں اور انہیں اس وقت کوئی ڈر نہیں ہوگا جب کہ گناہ گار اور کفار ڈر رہے ہونگے اور نہ کوئی انہیں غم ہوگا۔

خلاصہ: یہ کہ جو بھی خالص ایمان کے ساتھ اچھے عمل کر کے لائے گا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ فطرتاً ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ یہودی یا عیسائی وغیرہ بناتے ہیں۔ یعنی اس کے دل میں اسلام کا حسن موجود ہوتا ہے اگر اسے اسی حالت پر چھوڑا جاتا تو یقیناً وہ کسی اور دین کی طرف نہ جاتا لیکن ماں باپ یا ماحول اسے پھرا کر دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ **فائدہ**: ابن الملک فرماتے ہیں کہ فطرۃ اسلام سے مراد وہ لفظ بلی ہے جو میثاق میں "الست بربکم" کے جواب میں بولا گیا۔ **حدیث شریف** میں ہے بچے کی نیک بختی یا بد بختی ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دی جاتی ہے۔ (مسلم شریف)



وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ

اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے اور بلند کیا ہم نے اوپر تمہارے طور پہاڑ کو جو

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ

دیا ہم نے تم کو زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ پھر پھر گئے تم

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ

اس کے بعد پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا اوپر تمہارے اور رحمت اس کی

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

البتہ ہوتے تم خسارہ پانے والوں سے

(آیت نمبر۶۳) اے بنی اسرائیل یاد کرو جب ہم نے تمہارے بزرگوں سے وعدہ لیا کہ تم توراۃ پر عمل کرو۔

(ف) یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب بنی اسرائیل دریا سے صحیح وسلامت پار ہوئے اور ایک جنگل میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے توراۃ لے کر آئے۔ اور ان (بنی اسرائیل) کو پڑھ کر سنائی چونکہ اس میں کچھ مسائل بہت سخت ان کی مرضی کے خلاف تھے اور یہ تو چُوری کھانے والے مجنوں تھے۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو بلند کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر چھتری کی طرح کھڑا کر دیں جب پہاڑ سر پر آ گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ توراۃ کے احکام کو مان جاؤ ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا جب دیکھا کہ قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو فوراً سجدے میں گر گئے۔ لیکن آنکھ کے ایک گوشہ سے پہاڑ کو بھی دیکھتے رہے کہ پہاڑ ہٹایا نہیں اسی لئے یہود اب بھی پیشانی کی ایک سائیڈ سے سجدہ کرتے ہیں۔ (چونکہ وہ ہٹ دھرم تھے اس لئے ان سے یہ سلوک ہوا ورنہ کسی قوم کو جبراً نہیں منوایا گیا) کیونکہ جبر اختیار کو سلب کر لیتا ہے۔

سوال: "لا اکراہ فی الدین" یعنی دین میں جبر (زبردستی) نہیں۔ **جواب**: اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں جبراً داخل نہیں کیا جاتا۔ جو دین اسلام میں آنا چاہتا ہے وہ خوشی سے آئے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت جہاد والی آیت سے منسوخ ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ کوئی دین میں آ جاتا ہے پھر اس کو تمام احکام پر طوعاً وکرہاً عمل کرنا

ضروری ہو جاتا ہے۔ قصاص میں قتل ہونا یا زنا پر سنگسار ہونا یہ دین میں جبر نہیں بلکہ دین پر عمل ہے اسی طرح بنی اسرائیل دین موسوی میں رہتے ہوئے اس کے احکام پر عمل نہیں کر رہے تھے اس لئے طور پہاڑ ان کے سر پر رکھ کر عمل کرایا گیا۔

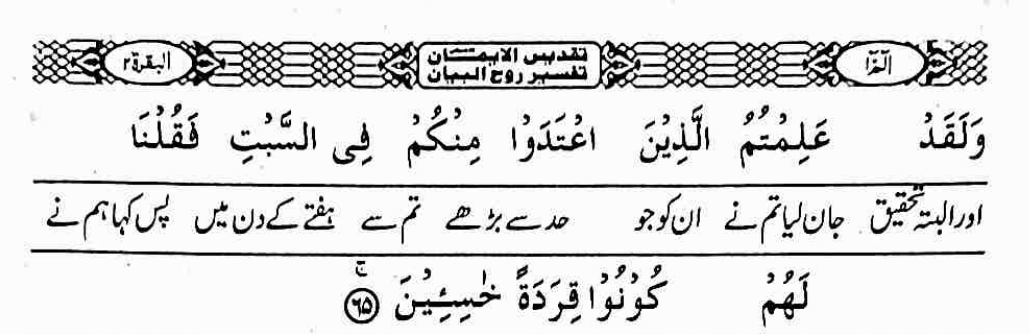
آگے فرمایا "خُذُوا" پکڑ و یعنی مانو اور عمل کرو اس پر جو ہم نے تمہیں دیا یعنی توراۃ کو مضبوطی سے اور پوری جدوجہد سے تھامو۔ اور جو اس میں ہے اس کو یاد کرو اور اسے مت بھلاؤ اور نہ اس میں غفلت سے کام لو تا کہ تم تقوی والے بن جاؤ۔ لیکن اتنا کچھ کرنے کے باوجود تم اس وعدے کے پورا کرنے سے اور ہمیشہ اس پر قائم رہنے سے پھر گئے۔ پکا وعدہ ہونے کے بعد یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا (کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے تمہیں مہلت دی اور عذاب لیٹ کر دیا) تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے فضل الٰہی یہ ہوا کہ تمہارے توبہ کرنے پر طور تمہارے سر سے ہٹا دیا ورنہ قریب تھا کہ تم پر گر جاتا اور خسران یہ تھا کہ تم بغیر ایمان کے دنیا سے چلے جاتے۔

مسئلہ : اُن کے احکام میں چار چیزیں اہم تھیں: (۱) حفظ الاحکام۔ (۲) عمل براحکام۔ (۳) انہیں ہر وقت یاد رکھنا۔ (۴) ضائع نہ ہونے دینا۔

فائدہ: ہر آسمانی کتاب کا مقتضی اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ صرف اس کو مان لینا یا تلاوت کرنا کافی نہیں ہوتا۔

تمثیل : اگر بادشاہ کسی علاقے میں ماتحتوں کو مکان بنانے کا آڈر کرے اور وہ ملازمین بادشاہ کا خط تو روز پڑھیں مگر بادشاہ کے حکم پر عمل نہ کریں تو بادشاہ ان کے روزانہ خط پڑھنے پر خوش نہیں ہوگا بلکہ مکان نہ بنانے کی انہیں سزا بھی دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کتابیں عمل کیلئے بھیجیں۔ انہیں پڑھنا ثواب ہے اور ان پر عمل ضروری ہے۔ (سنن الکبریٰ بیہقی حدیث نمبر ۶۹۲)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تھوڑی مقدار میں بھی ان کے پاس علم نہیں رہے گا۔ حضرت زیاد انصاری نے کہا کہ جبکہ ہم اور ہمارے بچے بھی پڑھ رہے ہیں پھر کیسے چھن جائے گا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے یہود و نصاری کے پاس توراۃ اور انجیل تھی انہیں کیا فائدہ ہوا۔ **حدیث شریف** :مؤطا میں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو فرمایا کہ اب تم جس زمانے میں ہو۔ اس میں فقہاء زیادہ ہیں اور قاری کم ہیں۔ لیکن وہ قرآنی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز لمبی پڑھتے ہیں۔ خطبہ چھوٹا پڑتے ہیں۔ عنقریب ایسا زمانا آنے والا ہے۔ جب فقہاء کم اور قاری زیادہ ہوں گے۔ خطبے لمبے دیں گے نمازیں چھوٹی پڑھیں گے۔ ان کی خواہشات اعمال سے پہلے ہوں گی۔ (ایضاً)



(آیت نمبر ۶۵) اور البتہ تحقیق اے بنی اسرائیل تمہیں معلوم ہے ان کا حال کہ جنہوں نے تم سے (یعنی تمہارے اسلاف میں) ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کیا یعنی ہفتے کا دن جو صرف ان کی عبادت کے لئے مقرر تھا۔ کہ تم اس دن کی تعظیم بھی کرو اور اس میں عبادت بھی کرو لیکن وہ بجائے عبادت کے مچھلی کا شکار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

سبق: اس میں گویا تحذیر ہے اور انہیں ڈرایا گیا۔ کہ تمہارے بڑوں نے اس دن کی تعظیم نہیں کی تو ان پر عذاب آیا یہ انہیں بداعمالی کی سزا ملی تو تم بچ کر رہنا تمہیں کہیں وہ عذاب نہ آ پہنچے۔

واقعہ: دریائے قلزم کے کنارے ایلہ کے مقام پر وہاں رہنے والوں کے لئے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام کیا گیا لیکن اتفاق یہ کہ مچھلیاں صرف ہفتے کے دن اوپر نظر آتیں باقی دنوں میں غائب ہو جاتیں۔ اور ہفتے کے دن اس قدر مچھلیاں اوپر آ جاتیں کہ دریا کے ہر طرف مچھلی ہی مچھلی نظر آتی تھی۔ ایلہ والوں کے لئے یہ مرحلہ مشکل تھا کہ مچھلی بے حساب ہو اور شکار بھی نہ کر سکیں۔ تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ دریا کے کنارے بڑے بڑے گڑھے کھودے جائیں۔ اور دریا سے نالیاں وہاں تک بنائی جائیں جمعہ کے دن نالیاں کھول دیں۔ ہفتہ کو جو مچھلیاں جاتیں وہ واپس نہیں آ سکتی تھیں اور اتوار کے دن وہ پکڑ لیتے یہ کام دیکھا دیکھی اکثریت نے شروع کر دیا اور تقریباً ستر سال تک یہ عمل جاری رکھا۔ داؤد علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا۔ مگر وہ باز نہ آئے داؤد علیہ السلام نے بددعا کر دی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ بندر بن جاؤ ذلیل و خوار ہو کر رات کو سوئے تو انسان تھے۔ صبح کو اٹھے تو کچھ بندر اور کچھ خنزیر بن گئے تھے۔

ان کے تین گروہ ہو گئے تھے۔

(۱) وہ جو خود شکار کرتے تھے اور دوسروں کو بھی شکار کی ترغیب دیتے اور کہتے عذاب آنا ہوتا تو آ گیا ہوتا۔

(۲) دوسرے وہ جو خود تو یہ کام نہیں کرتے تھے لیکن دوسروں کو منع نہیں کرتے تھے۔

(۳) وہ جو بالکل اس کام کے قریب بھی نہ جاتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے تھے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

بنایا ہم نے اس کو عبرت واسطے اس کے جو آگے اس کے اور جو پیچھے اس کے اور نصیحت ہے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

واسطے پرہیزگاروں کے

(بقیہ آیت نمبر ۶۵) تیسرے نمبر والوں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ بالکل باز نہیں آتے تو انہوں نے اپنی بستی شہر کے باہر ایک طرف کر کے الگ بنائی اور درمیان میں دیوار کھڑی کر دی اور بالکل ان کے ساتھ ہر طرح کا میل جول بند کر دیا۔ تو ان شکار کرنے والوں کے گناہ پر اصرار کی وجہ سے قہر خداوندی نازل ہوا۔ رات کو ان کی شکلیں بگڑ گئیں، صبح کو اس طرف سے نہ کوئی آواز آ رہی تھی نہ دھواں اٹھ رہا تھا تو روکنے والوں نے دیوار پر چڑھ کر کر دیکھا تو نوجوان بندر بنے ہوئے تھے اور بوڑھے خنزیر کی شکل میں تھے ان کی آوازیں بھی بندروں اور خنزیروں کی طرح نکل رہی تھیں۔ وہ اوپر سے آنے والے انسانوں کو پہچان رہے تھے۔ اور رو رہے تھے مگر انسان ان بندروں خنزیروں کو نہیں پہچان رہے تھے اور وہ مومنین انہیں کہہ رہے تھے کہ کیا ہم نے تمہیں بار بار نہیں روکا تھا تو وہ سروں کو ہلا ہلا کر نعم کہتے اور آنسو بہاتے رہے اور اسی طرح وہ تین دن کے اندر ہلاک ہو گئے۔

غلط فہمی کا ازالہ: یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندر اس وقت شروع ہوئے یہ غلط ہے بندر پہلے بھی تھے یہ جو بندر بنائے گئے اور ان کی شکلیں تبدیل کر کے قبیح بنا دی گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے اعمال قبیح تھے اور ان پر یہ عذاب تھا۔ اور کوئی بھی عذاب والی قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ وہ بندر اور خنزیر تین دنوں میں مر گئے تھے۔

(آیت نمبر ۶۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس مسخ اور سزا کو عبرۃ بنا دیا۔ پہلوں اور بعد میں آنے والوں کیلئے اور یہ نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے یعنی ہر متقی جب اس واقع کو سنے گا تو دوسروں کو نصیحت کرے گا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی جرات نہ کرے۔ ورنہ عذاب آ جائیگا۔ **ف:** یہ بات اچھی طرح جان لو۔ کہ بلائیں اور نقصانات اسی پر آتی ہیں۔ جو لوگ احسانات کی قدر نہیں کرتے۔ پھر یہ بھی سمجھو کہ ان کی شکل خنزیر کی طرح اس لئے ہوئی۔ کہ وہ گندگی کھاتا ہے۔ تو حرام کھانے سے دل مسخ ہو جاتے ہیں۔ **دل کے مسخ کی تین علامتیں:** (۱) طاعت میں لذت نہ آنا۔ (۲) گناہوں سے نہ ڈرنا۔ (۳) کسی کی موت سے عبرت حاصل نہ کرنا۔ **چار لوگوں کی اصلاح:** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بچوں کی اصلاح کتاب سے۔ ڈاکوؤں کی اصلاح قید خانے سے۔ عورتوں کی اصلاح گھروں میں۔ بوڑھوں کی اصلاح مسجدوں میں ہو سکتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ

اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے قوم اپنی سے بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں یہ کہ

تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ

ذبح کرو گائے بولے کیا تو بناتا ہے ہمیں مسخرہ فرمایا پناہ خدا

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

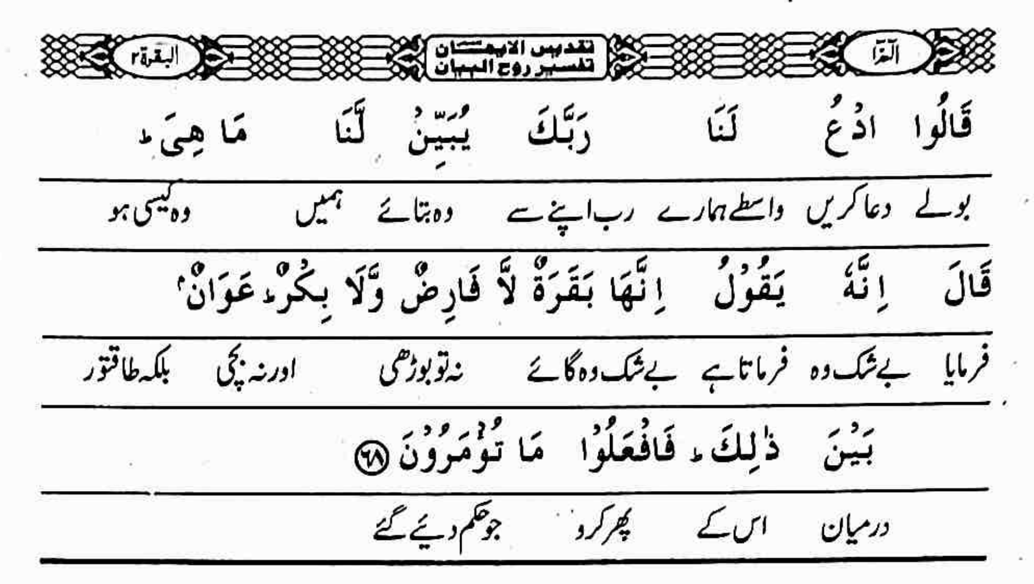
کہ ہوں میں جاہلوں سے

(بقیہ آیت نمبر٦٦) **ف**:عوف بن عبداللہ فرماتے ہیں جو آخرت سنوارے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا سنوار دیتا ہے۔ جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ درست رکھے۔ اللہ اس کے اور بندوں کے درمیان معاملات کو درست رکھتا ہے اور جو اپنا باطن ٹھیک رکھے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو ٹھیک رکھتا ہے۔

(آیت نمبر٦٧) یاد کرو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ واقعہ: بنی اسرائیل میں ایک امیر شخص جب بوڑھا ہوا تو اس کے چچا کے بیٹوں نے وراثت کی لالچ میں اسے قتل کر کے اسے دوسری بستی میں ڈال آئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر واویلا کیا اور اس بستی والوں سے دیت کا مطالبہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ گائے ذبح کر کے مردے کے جسم پر لگاؤ وہ زندہ ہو کر سب کچھ بتا دے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم سنا دیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں ہمیں مقتول کے بارے میں فکر ہے اور آپ گائے ذبح کرنے کا کہہ رہے ہیں ان دو باتوں کا آپس میں کیا جوڑ ہے۔ یہ بات انہوں نے جہالت سے کہی چونکہ گائے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پناہ خدا کی میں کوئی جاہلوں سے نہیں ہوں۔ یہ ٹھٹھے وغیرہ کرنا جاہل اور بے وقوف لوگوں کا کام ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ دین کے معاملے میں مزاح کرنا۔ یہ جہالت ہے۔ اور یہ جاہلوں کا کام ہے۔

ف: جب انہوں نے دیکھا کہ گائے ذبح کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو پھر طرح طرح سے حجتیں کرنے لگے جوں جوں وہ حجتیں کرتے گئے توں توں سخت مسائل آتے گئے۔ اگر وہ حجتیں نہ کرتے اور کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے۔ تو اتنی سختی نہ اٹھانی پڑتی۔



قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ

بولے دعا کریں واسطے ہمارے رب اپنے سے وہ بتائے ہمیں وہ کیسی ہو

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ

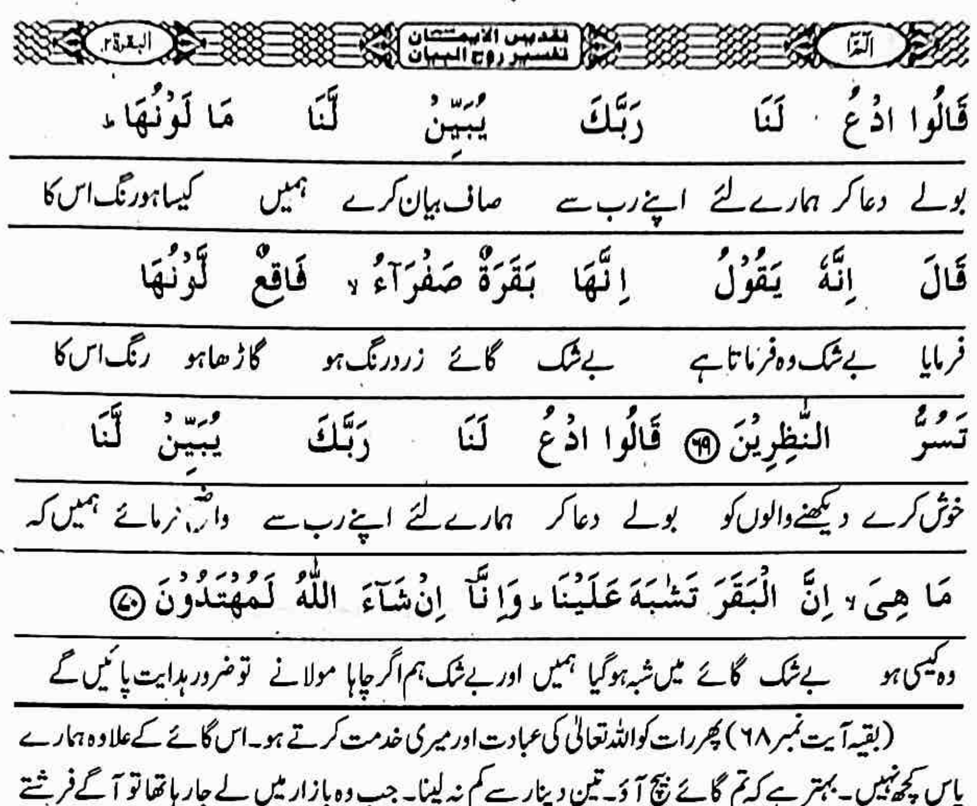
فرمایا بے شک وہ فرماتا ہے بے شک وہ گائے نہ تو بوڑھی اور نہ بچی بلکہ طاقتور

بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

درمیان اس کے پھر کرو جو حکم دیئے گئے

(بقیہ آیت نمبر ۶۷) **ولی کی کرامت**: بنی اسرائیل میں ایک اللہ کا نیک بندہ تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے بچھیا جا کر جنگل میں اللہ کی حفاظت میں چھوڑ دی اور آ کر گھر والی سے کہا کہ جب یہ شیر خوار بچہ جوان ہو جائے تو جنگل سے یہ گائے لے آئے جنگل میں جا کر آواز لگائے۔ کہ اے ابراہیم و اسحاق کے خدا مجھے میری گائے مل جائے۔ تو فوراً یہ گائے اس کے پاس آ جائے گی۔ وہ بچہ ماں کا از حد فرماں بردار تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس نوجوان نے جنگل سے گائے جب لائی تو اس گائے میں وہ صفات پائی جاتی تھیں جو بنی اسرائیل کو ذبح کے لئے چاہئے تھی۔ ادھر وہ گائے خریدنے والے آئے تو ان کے آنے سے پہلے ہی انسانی شکل میں فرشتوں نے آ کر انہیں بتا دیا تھا کہ گائے خریدنے والے آئیں گے تو تم نے قیمت یہ لگانی ہے کہ اس گائے کے وزن برابر اشرفیاں اس کی قیمت ہے۔

(آیت نمبر ۶۸) انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے وہ واضح فرمائے کہ وہ گائے کیسی ہو یعنی چھوٹی ہو یا بڑی تو موسیٰ علیہ السلام نے وحی آنے کے بعد انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک وہ گائے نہ بہت زیادہ بوڑھی ہو اور نہ بہت ہی چھوٹی بچی ہو ان دونوں عمر والیوں کے درمیان ہو اور کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے یعنی جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کرو۔ **بقیہ قصہ**: لڑکا بڑا عبادت گذار اور ماں کا تابعدار تھا۔ اس نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ (۱) ایک تہائی عبادت کرتا۔ (۲) ایک تہائی آرام کرتا۔ (۳) اور ایک تہائی ماں کی خدمت کرتا تھا۔ دن کے وقت لکڑیاں لا کر بیچتا۔ اس سے گھر کا گذارہ چلتا۔ اپنی آمدن میں سے ایک حصہ صدقہ کر دیتا۔ ایک حصہ کا کھانا تیار ہوتا اور ماں بیٹا مل کر کھاتے۔ ایک دن ماں نے بیٹے سے کہا کہ تم روزانہ لکڑیاں لا کر بیچتے ہو۔ بڑی مشقت اٹھاتے ہو۔ اور گھریلو حالت بھی کمزور ہے۔



قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ

بولے دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے صاف بیان کرے ہمیں کیسا ہو رنگ اس کا

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا

فرمایا بےشک وہ فرماتا ہے بےشک گائے زرد رنگ ہو گاڑھا ہو رنگ اس کا

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

خوش کرے دیکھنے والوں کو بولے دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے واضح فرمائے ہمیں کہ

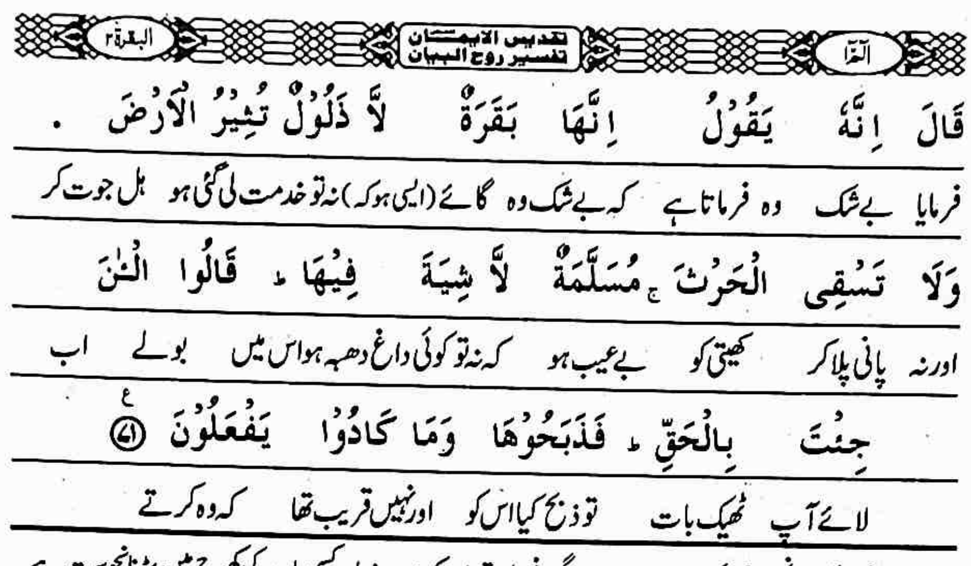
مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

وہ کیسی ہو بےشک گائے میں شبہ ہو گیا ہمیں اور بےشک ہم اگر چاہا مولا نے تو ضرور ہدایت پائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) پھر رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور میری خدمت کرتے ہو۔ اس گائے کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ بہتر ہے کہ تم گائے بیچ آؤ۔ تین دینار سے کم نہ لینا۔ جب وہ بازار میں لے جا رہا تھا تو آگے فرشتے انسانی شکل میں ملے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے لڑکے کو بتایا کہ گائے لینے والے تمہارے گھر میں آ رہے۔ تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ اور تم گائے کی قیمت وہی وصول کرنا جو تمہیں بتادی گئی ہے۔

(آیت نمبر ۶۹) اب ایک اور سوال کر دیا اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ پھر دعا کریں اللہ تعالیٰ واضح فرمائیں کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے وحی کے بعد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہو اور بہت گاڑھا ہو رنگ اس کا یعنی اس کے جسم کا ہر حصہ ایسا ہو کہ دیکھنے والوں کو اس کے حسن اور رنگ کی صفائی دل لبھاتی ہو کہ خلقت میں بھی خوبصورت اور رنگ بھی خوبصورت ہو تا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی خوش ہو جائے۔ **قول علی:** حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے زرد رنگ کا جوتا پہنا اس کے غم کم ہونگے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رنگ کی تعریف خوشی کے ساتھ کی ہے البتہ موزہ سیاہ رنگ کا ہونا چاہئے اس لئے کہ سیاہ موزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(آیت نمبر ۷۰) اب پھر انہوں نے ایک اور سوال یہ کر دیا کہ آپ ہمیں اپنے رب سے پوچھ کر بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو (سائمہ) باہر چرنے والی ہو یا کام کرنے والی یہ سوال بھی مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے تھا۔



(بقیہ آیت نمبر ۷۰) **مسئلہ**: بزرگ فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ کسی بات کی کھوج میں پڑنا نحوست ہے۔ **حدیث شریف**: میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص بہت بڑا مجرم ہے کہ جو چیز حرام نہ تھی اور اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام ہو گئی (بخاری و مسلم) بہر حال اب ان کا سوال یہ تھا کہ رنگ اور جنس کا تو ہمیں پتہ چل گیا ہے لیکن ہم پر گائے کا معاملہ مل جل گیا ہے۔ کنفیوژن پیدا ہو گئی اب اگر وہ دور ہو گئی تو ان شاء اللہ ہم ضرور ایک راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔ **حدیث شریف**: میں ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو نہ ان کی حجتیں ختم ہوتیں نہ جواب آنے بند ہوتے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ:

(آیت نمبر ۷۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے کام کر کے ذلیل نہ بنائی گئی ہو نہ ہی ہل چلانے والی ہو اور نہ کھیتی کو پانی پلانے والی ہو۔ **فائدہ**: امام ابو منصور فرماتے ہیں کہ یہ کام تو بیل کے ہیں ہو سکتا ہے وہ گائے نہ ہو کوئی بیل ہو لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ کام گائے سے ہی لیتے ہوں جیسے آج کل بیل اور گائے دونوں کو ہل کے ساتھ بھی جوت لیتے ہیں۔ اور کنویں سے پانی بھی نکالتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ بقرۃ گائے کو ہی کہتے ہیں۔ بیل کیلئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔

آگے فرمایا کہ وہ گائے بالکل صحیح سلامت ہو اور اس میں کسی قسم کا داغ دھبہ بھی نہ ہو۔

مزید وضاحت: ان مذکورہ صفات کی حامل پوری دنیا میں صرف اس ولی کی گائے تھی۔ بلکہ اس میں اور بھی بہت سے اوصاف پائے گئے۔ جس کی وجہ سے وہ ساری دنیا کی گائیوں سی الگ تھی اور قرآن مجید کی پہلی صورت کا نام بھی اسی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اس گائے کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی بھی دی اور اس نے نوجوان سے کلام کیا۔ قوۃ عقل دی کہ نوجوان کے آواز دیتے ہی سمجھ گئی کہ یہ میرے مالک کی آواز ہے۔ فوراً حاضر ہو گئی۔ وغیرہ

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور جب قتل کیا تم نے ایک جان کو پھر جھگڑے تم اس بارے میں اور اللہ تعالیٰ تو نکالنے والا ہے جو ہو تم چھپاتے

(بقیہ آیت نمبر ۷۱) ولی تو اللہ کا نیک بندہ تھا ہی اس کی بیوی بھی انتہائی نیک اور بچہ بھی پوری رات عبادت کرنے والا اور اپنی ماں کی خدمت کرنے والا تھا اور نہایت فرمانبردار تھا۔ اسی کا نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر میں دولت کے انبار لگا دیئے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا نیک اعمال آدمی کو خوشحال کر دیتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کو سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ اب آپ نے حق کو واضح کیا یعنی حقیقی وصف بیان کیا ہے اور تمام اشکال دور کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے گائے کی تلاش شروع کر دی۔ جب گائے اس نوجوان کے ہاں سے حاصل ہوگئی اور گائے کے وزن کے برابر سونا دیکر خرید لی تو پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا قریب نہیں تھا کہ وہ کرتے یعنی گائے ذبح تو انہوں نے کر دی لیکن اس سے بچنے کی انہوں نے پوری کوشش کی اور بڑے توقف کے بعد وہ گائے ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سوال و جواب میں ہی انہوں نے کئی سال لگا دیئے۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ اچھی اور نیک بات سنتے ہی فرمانبرداری کے ساتھ اس پر عمل شروع کر دے۔ مزید حجتیں اور بحث وغیرہ نہ کرے یہی توحید کا مقتضاء ہے۔

(آیت نمبر ۷۲) اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو کہ جب تم ایک شخص کو قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سوال و جواب شروع کر دیئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔

فائدہ: ترتیب کے لحاظ سے تو یہ آیت پہلے ہونی چاہئے تھی لیکن قرآن قصے والی کتاب تو ہے نہیں۔ اب اس پورے قصہ میں مقصودی چیز گائے کو ذبح کرا کر مقتول سے قاتل کا پتہ چلانا تھا۔ اس لئے اس کو آخر میں لے آئے اور فرمایا کہ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر کے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کیا کہ ایک گروہ دوسرے فریق پر ڈالتا اور وہ اس کی مدافعت کرتے ہوئے اپنی برات ظاہر کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جسے تم چھپاتے تھے۔

فائدہ: اگرچہ یہ کام موسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے یہودیوں نے کیا تھا مگر حضور ﷺ کے زمانے والے یہودیوں کو اس لئے مخاطب کیا جا رہا ہے کہ وہ ان کے ہی آباء واجداد تھے۔ اور یہ ان کے اس فعل پر خوش تھے۔ اس لئے انہیں مخاطب کیا گیا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

پس کہا ہم نے مارو اس مقتول کو بعض حصہ اس گائے کا یونہی زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں اپنی شاید کہ تم سمجھو

(آیت نمبر ۷۳) پھر ہم نے انہیں کہا کہ اس مقتول کو اس گائے کا کوئی حصہ مارو۔ اس سے مراد اگر زبان ہے تو بھی مناسب ہے کہ وہی بولنے کا آلہ ہے اور اگر دم کی ہڈی ہے تو بھی ممکن ہے کہ وہ سب سے پہلے بنی اور سب سے آخر میں گلتی سڑتی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد اس کے جسم کا کوئی حصہ ہو۔

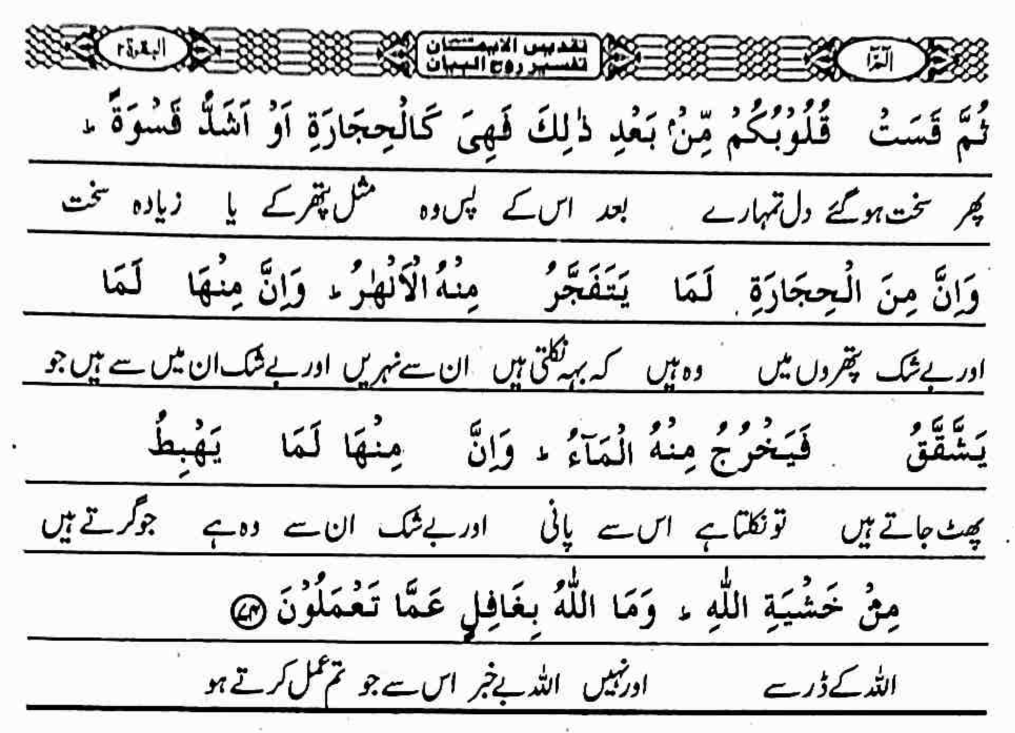
فائدہ: بعض کا لفظ نصف حصے سے کم حصے پر بولا جاتا ہے قصہ مختصر یہ کہ انہوں نے گائے کو ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت کا ٹکڑا مردے کو مارا تو وہ فوراً زندہ ہوگیا اور اس نے تمام حقیقت واضح کردی۔ کہ مجھے فلاں فلاں نے قتل کیا۔ پھر وہ اللہ کے حکم سے اسی وقت مرگیا۔ قتل کرنے والوں کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ"۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام ڈائرکٹ بھی اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتا سکتے تھے؟ **جواب**: موسیٰ علیہ السلام نے اس لئے نہیں بتایا کہ کوئی اسے جادو نہ کہہ دے۔ آگے فرمایا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی تمام مردوں کو یوں ہی زندہ فرمائے گا۔ اگرچہ اس وقت زندہ کرنے کی کیفیت اور ہوگی۔ (یعنی اس قصے کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے)۔

فائدہ: یہ ارشاد حضور ﷺ کے زمانے کے منکرین سے لیکر قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ اور یہ جان لو کہ جو رب ایک جان کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمام جانوں کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ **فائدہ**: اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ گائے ذبح کرائے بغیر بھی مردہ زندہ فرما سکتا تھا لیکن مذکورہ اعمال کرانے کی چند وجوہ تھیں:

(۱) تاکہ اس سے تقرب الی اللہ ہو۔ (۲) واجب کی ادائیگی معلوم ہو۔
(۳) یتیم کی تجارت میں نفع ہو۔ (۴) اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی برکات معلوم ہوں۔
(۵) اولاد پر شفقت کا فائدہ معلوم ہو۔ (۶) اور ماں کی خدمت کا صلہ معلوم ہو۔

(اور یہ بھی معلوم ہو کہ اگر فوت شدہ ولی کی مری ہوئی گائے سے مردہ زندہ ہوسکتا ہے تو زندہ ولی کی دعا سے بھی مردہ زندہ ہوسکتا ہے)۔ گویا یہ بھی اس ولی کی کرامت ہے۔



ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ

پھر سخت ہو گئے دل تمہارے بعد اس کے پس وہ مثل پتھر کے یا زیادہ سخت

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

اور بے شک پتھروں میں وہ ہیں کہ بہہ نکلتی ہیں ان سے نہریں اور بے شک ان میں سے ہیں جو

يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

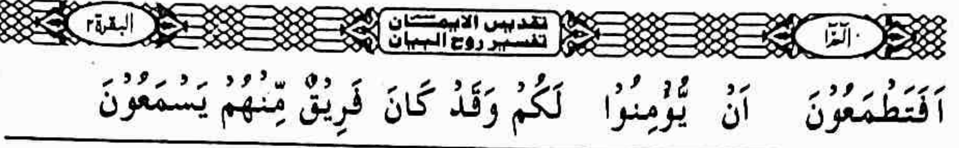
پھٹ جاتے ہیں تو نکلتا ہے اس سے پانی اور بے شک ان سے وہ ہے جو گرتے ہیں

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے ڈر سے اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم عمل کرتے ہو

(آیت نمبر ۷۴) پھر سخت ہو گئے دل تمہارے، یہ خطاب حضور ﷺ کے زمانے والے یہودی مولویوں کو ہے جو اپنی قساوت قلبی کی وجہ سے ایمان نہ لائے۔ حالانکہ یہ واقعہ اور اس طرح کے کئی اور بھی امور جو دلوں کو نرم کرنے والے ہیں ان کو بتائے گئے لیکن ان کے دل نرمی کے بجائے سخت ہو گئے۔ خصوصاً اس واقعہ کے بعد کہ ایک مردہ نے زندہ ہو کر مقتول کا پتہ بتایا۔ یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے والے بندر اور خنزیر بن گئے یا توراۃ کو نہ ماننے والوں کے سر پر جب پہاڑ رکھا گیا وغیرہ تو ان واقعات دیکھنے سننے کے بعد ان کے دل بجائے نرم ہونے کے اور زیادہ سخت ہو گئے اور وہ مثل پتھر کے ہو گئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اگرچہ لوہا اور تانبہ پتھر سے زیادہ سخت ہوتے ہیں لیکن آگ پر وہ بھی نرم ہو جاتے ہیں لیکن پتھر کو آگ بھی نرم نہیں کر سکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو پتھر سے تشبیہ دی۔

پتھروں کی اقسام: پتھروں میں وہ بھی ہیں جو پھٹ جائیں تو ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں یہ بات کثرت سے دیکھنے میں آئی اور بعض وہ بھی پتھر ہیں وہ پھٹ جائیں تو طول و عرض میں پانی ابل کر نکل آتا ہے اور ان میں وہ پتھر بھی ہیں پہاڑ کی اونچائی سے خود بخود گرتے رہتے ہیں اللہ کے ڈر سے لیکن یہ کافر ہیں جو نہ تابعدار بنتے ہیں نہ ڈرتے ہیں نہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بھی بے خبر نہیں اس سے جو وہ کرتوت کر رہے ہیں۔ یعنی انہیں ان بداعمالیوں کی ضرور سزا ہوگی۔



اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ

کیا پس تم طمع رکھتے ہو یہ کہ وہ یقین کریں گے تم پر اور تحقیق ہے ایک گروہ ان سے جو سنتے ہیں

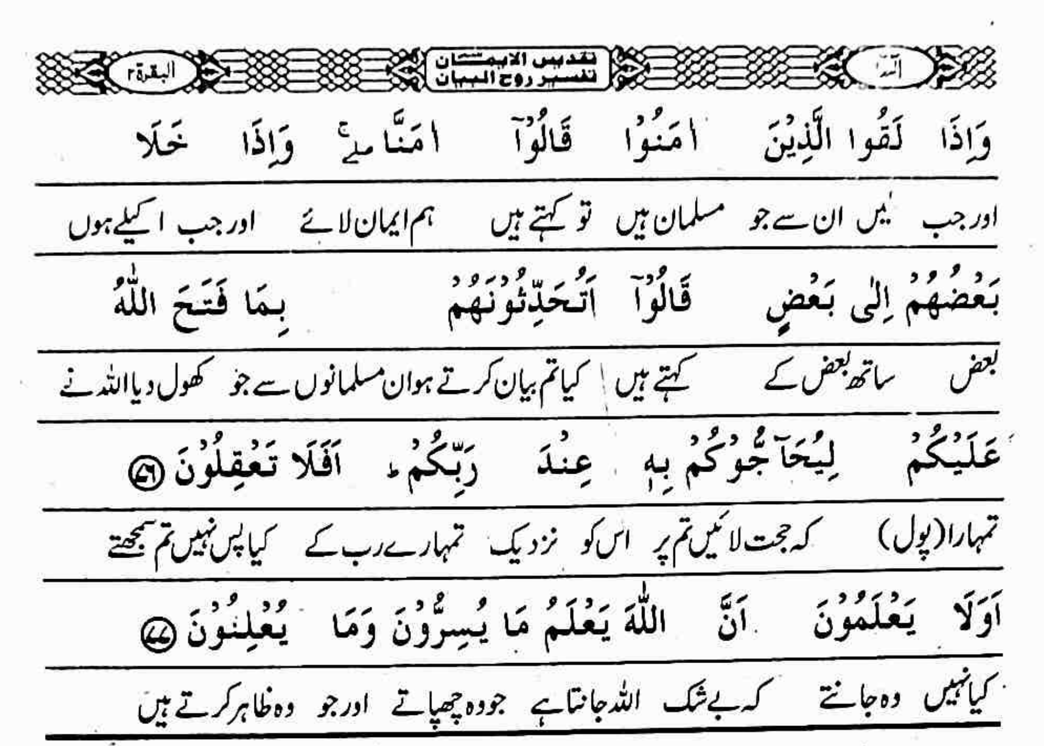
کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

کلام اللہ کا پھر بدلتے ہیں اس کو بعد اس کے جو سمجھا انہوں نے اس کو اور وہ جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۷۴)(**نکتہ**) کفار کے دل پتھر سے بھی سخت اس لئے فرمائے کہ پتھر میں بھی فہم وادراک کے اسباب نہ ہونے کے باوجود وہ اللہ سے ڈر رہے ہیں۔اسی لئے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ بھی اللہ کے ڈر سے پھٹ جاتا لیکن کافر کا دل عقل وفہم کے باوجود نہ ڈرتا ہے نہ نرم ہوتا ہے۔

فائدہ: پتھر اگر چہ جامد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بھی فہم دیا جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا ہے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک میں کنکریوں نے تسبیحات پڑھیں ایسے درجنوں واقعات اس پر شاہد ہیں۔**فائدہ**:بعض لوگ بہ ظاہر مسلمان ہوتے ہیں لیکن ان کے دل انتہائی سخت ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر۷۵) کیا تم طمع اس بات کی کر رہے ہو کہ یہ یہودی تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے یہ خطاب حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے چونکہ حضور ﷺ ان کے مسلمان ہونے کے بہت زیادہ حریص تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ اوراق والے تمام واقعات حالات اور مشاہدات بتا کر حضور ﷺ کو تسلی دی کہ جن کے سامنے یہ واقعات ہوئے انہوں نے نہیں مانا۔تو یہ کب حق کو قبول کرنے والے ہیں۔لہٰذا ان کے تکذیب کرنے پر نہ گھبراؤ ان میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو اللہ کی کلام سنتے ہیں یعنی توراۃ کو تو پھر اس میں ردوبدل کر دیتے ہیں یعنی توراۃ سن کر اسے سمجھ کر اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ یہ اللہ کی کلام ہے پھر بھی مال کی لالچ میں آ کر توراۃ میں تحریف کی لہٰذا ان کے ایمان لانے کی طمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔یعنی ان یہودیوں نے دنیاوی لالچ میں آ کر احکام الٰہی کو تبدیل کیا۔خصوصاً حضور ﷺ کی صفات کو بدلا۔اسی طرح آیت رجم کو بدلا۔موسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے یہودیوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے تورات سن کر اس کے خلاف کیا اور سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے عناد اور سرکشی سے ایسا کیا۔لہٰذا اس عناد اور سرکشی کی نحوست سے ہی ایمان لانا ان کے نصیب میں نہیں ہوا۔



وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا

اور جب ملیں ان سے جو مسلمان ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْآ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

بعض ساتھ بعض کے کہتے ہیں کیا تم بیان کرتے ہو ان مسلمانوں سے جو کھول دیا اللہ نے

عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶

تمہارا (پول) کہ حجت لائیں تم پر اس کو نزدیک تمہارے رب کے کیا پس نہیں تم سمجھتے

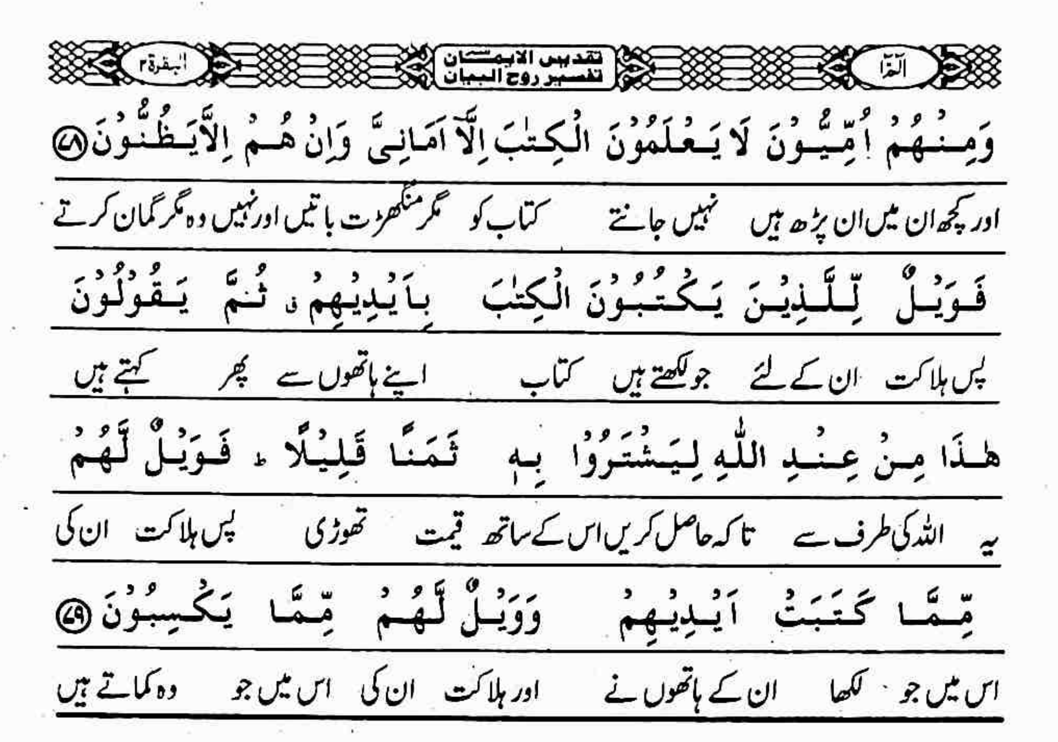
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷

کیا نہیں وہ جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

(آیت نمبر ۷۶) اور جب ملتے ان سے جو ایمان لائے یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب ملتے تو کہتے کہ ہم بھی تمہاری طرح ایمان لائے ہیں کہ حضور ﷺ وہ ہیں جن کی خوشخبری ہماری کتاب میں پائی جاتی ہے لیکن جب وہاں سے واپس جاتے تو بعض جو منافق ہیں۔ ان منافقوں سے ملتے جو گھروں بیٹھنے والے ہیں، انہیں ڈانٹ دے کر کہتے کیا تم انہیں صحیح خبریں دے دیتے ہو۔ کہ جو باتیں تمہیں توراۃ میں اللہ تعالیٰ نے بتائیں یعنی حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف جو بند دروازہ کی طرح ہے تم اسے کھول دیتے ہو جن باتوں سے لوگ واقف ابھی نہیں تم جا کر بتا دیتے ہو تا کہ وہ تم پر بروز قیامت حجت قائم کر کے تمہیں عاجز کر دیں۔ تمہارے رب کے پاس اگر چہ وہ اپنی غرض کو پورا تو نہیں کر سکتے لیکن یہ بات وہ اپنی بے وقوفی سے کہتے تھے کہ تم کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے تو اللہ نے بھی ان کی حماقت کو ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا۔

(آیت نمبر ۷۷) کہ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جس کفر کو وہ چھپاتے ہیں اور ایمان کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہ سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر ظاہر فرما کر وہ سب ایمان والوں کو بتا دیگا۔ تا کہ ایمان والے اسے حجت بنا کر کافروں کو عاجز کر دیں۔ جیسے رجم والی آیت اور محرمات کے بیان کے وقت ہوا لہذا انہیں ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ خود ہی ذلیل ہو جائیں گے۔



وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور کچھ ان میں ان پڑھ ہیں نہیں جانتے کتاب کو مگر منگھڑت باتیں اور نہیں وہ مگر گمان کرتے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ

پس ہلاکت ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں

هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ

یہ اللہ کی طرف سے تاکہ حاصل کریں اس کے ساتھ قیمت تھوڑی پس ہلاکت ان کی

مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

اس میں جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ان کی اس میں جو وہ کماتے ہیں

(آیت نمبر ۷۸) اور ان یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو بالکل ان پڑھ ہیں کتاب (توراۃ) کو پڑھ نہیں سکتے کہ اس کو خود دیکھ کر تحقیق کر کے ایمان لے آئیں۔ لیکن وہ صرف خواہشات باطلہ اور خیالی آرزوئیں رکھتے ہیں جو ان کے مولویوں نے انہیں بتائیں کہ مثلاً (۱) حضور ﷺ کی صفات ہماری کتاب میں نہیں۔ (۲) یہود کو کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔ (۳) ہم اللہ کے پیارے اور اس کی اولاد سے ہیں۔ ہم جو بھی گناہ وغیرہ کریں ہمیں معافی ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے طفیل ہم پر رحم کرتے ہوئے ہرگز نہیں پکڑے گا۔ لیکن یہ ان کے منہ کی باتیں ہی ہیں جس کی ان کے پاس کوئی دلیل وغیرہ نہیں ہے اور نہیں ہیں وہ مگر گمان ہی گمان کرتے یعنی صرف سنی سنائی باتوں پر اپنے گمان کو ایمان سمجھ رہے ہیں چونکہ وہ جاہل بے وقوف ہیں۔ وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۹) پس ان کے لئے ویل یعنی ہلاکت ہے (یہ ان کے لئے عذاب کی دعا ہے) یعنی بہت بڑی سزا ہے۔ **حدیث شریف:** نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کفار کو ڈالا جائے گا تو وہ اوپر سے نیچے تک چالیس سال میں پہنچے گا اور حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں۔ ویل جہنم کی ایسی وادی ہے کہ جس میں اگر دنیا کے پہاڑ ڈالے جائیں تو جل کر راکھ ہو جائیں تو فرمایا کہ ہلاکت ہے ان کے لئے جو کتاب لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے یعنی تحریف کرتے ہیں اس میں مجازی معنی بھی پایا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے خود نہ لکھا ہو بلکہ دوسروں سے لکھوالیا ہو۔ پھر اس کتابت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور لوگوں سے کہیں کہ یہ تحریف شدہ بھی اللہ تعالیٰ ہی

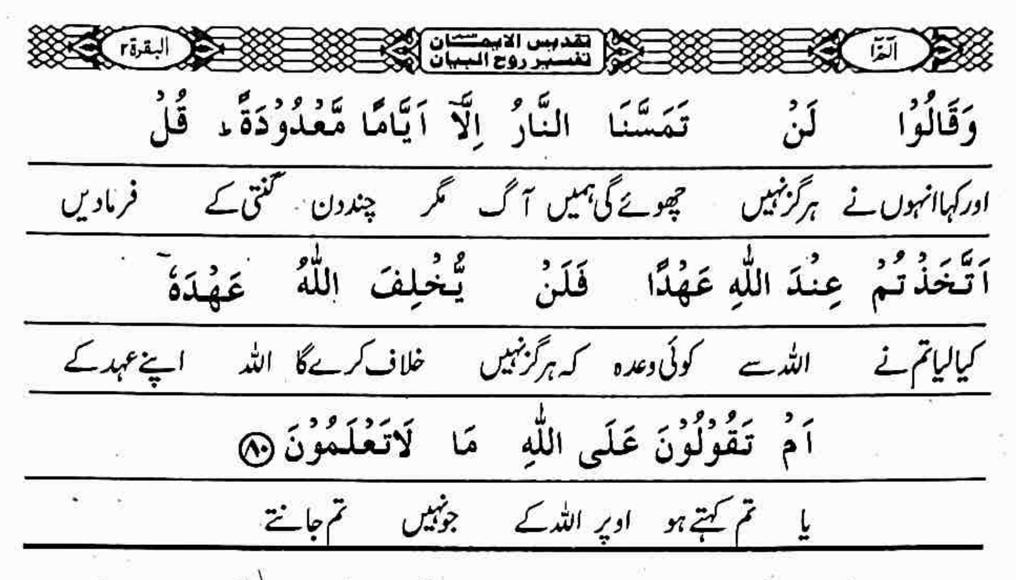
کی طرف سے ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔

شان نزول: جب حضور ﷺ کا ظہور ہو گیا تو یہود کو خطرہ ہوا کہ ان کے اوصاف جو توراۃ میں ہیں اگر عوام کو معلوم ہو گئے۔ تو پھر ہماری عزت و جاہ اور کھانے پینے اور لوگوں کو لوٹنے کے سلسلے بند ہو جائیں گے لہذا انہوں سے توراۃ سے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ تبدیل کر کے عوام کو وہ تحریف کردہ سنا دیتے اور ان سے پیسے وصول کرتے۔ اس حیلے سے ان یہودی مولویوں کے کھانے کے اسباب بحال رہتے۔

فائدہ: توراۃ میں حضور ﷺ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ حسین و خوبصورت چہرے والے گنگریالے بالوں والے۔ شرمیلی نگاہ والے اور درمیانے قد والے ہوں گے۔ لیکن ان بے ایمانوں نے لکھ دیا لمبے قد والے نیلی آنکھوں والے سیدھے بالوں والے وغیرہ تو جب ان کے مولوی حضور ﷺ کے الٹ اوصاف عوام کو بتاتے۔ تو وہ ایمان لانے سے محروم رہتے۔ یہ کام وہ اس لئے کرتے کہ ایسا کر کے اس کے عوض میں عوام سے پیسے بٹوریں اور وہ رقم بھی بہت تھوڑی جو کسی شمار میں نہ ہو یا قلیل سے مراد یہ ہے کہ جو ان سے جلد فنا ہو جائے اور ثواب بھی نہ ملے۔ بلکہ عذاب ملے ان کو ایسا کرنا حرام تھا اور حرام میں برکت کہاں۔ اس لئے فرمایا کہ ان پر ہلاکت ہے کہ جو ان کے ہاتھوں نے لکھا یعنی ان کی تحریف کرنے کی انکو سزا ہے اور ہلاکت ہے اس میں بھی جو وہ کماتے ہیں یعنی رشوت وغیرہ لے کر جو گناہ کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔

فائدہ: بے عمل عالم اور جاہل عوام گمراہی میں برابر ہیں اس لئے کہ عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل کا پابند ہو اور عوام کو چاہئے کہ وہ اپنے گمان پر ہی نہ چلیں کیونکہ ایمان گمان پر قائم نہیں۔ بلکہ تحقیق کا نام ہے اور جو لوگ اپنے خیالات کو ہی اپنا پیشوا مانتے ہیں اور محض باپ دادا کی تقلید کے پابند ہیں انہیں ظاہر قرأت کتاب سے کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو جیسے آج کل کے اکثر لوگوں کا حال ہے ایک طرف اسلام کے علم بردار بنے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں ایسے مدعی اور متمنی کا انجام سوائے خسارے کے اور ندامت کے کیا ہوگا؟

درس عبرت: آج کل بعض لوگ نمائشی قسم کے صوفی بن کر اولیاء اور اہل دل لوگوں کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مشائخ میں سمجھتے ہیں۔ جب کہ علم کی الف ب کا بھی انہیں پتہ نہیں۔ اور ان کے دل طریقت سے بہت دور ہیں بلکہ وہ غفلت میں پڑے ہیں ان کے اقوال اور احوال اور اعمال ہی ظاہر کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ان میں سے نہیں ہیں یہ تو صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنے والے ہیں انہیں اگر احکام خداوندی کی طرف بلایا جائے تو اس سے کتراتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس لئے سخت ترین عذاب ہوگا کہ وہ حق سے پھرے ہوئے ہیں اور مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ **فائدہ:** اس واعظ کے لئے بھی خرابی ہے جو لوگوں کے چومنے سے فخر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ان سے بہت افضل ہوں۔ کہ وہ میرے ہاتھ چومتے ہیں۔



وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ

اور کہاانہوں نے ہرگزنہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر چند دن گنتی کے فرمادیں

اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

کیالیاتم نے اللہ سے کوئی وعدہ کہ ہرگزنہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے عہد کے

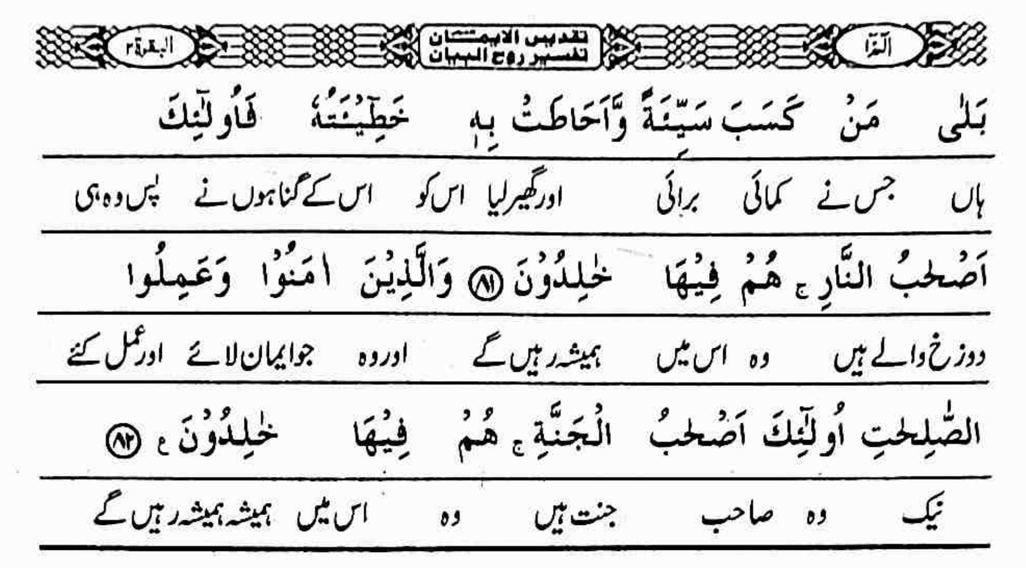
اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

یا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جونہیں تم جانتے

(آیت نمبر ۸۰) یہودی اپنے گمان کے مطابق کہتے کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں یعنی آخرت میں آگ ہمارے قریب بھی نہیں آئے گی اگر لگی بھی تو بس چند گنتی کے دنوں تک یعنی سات دن یا زیادہ سے زیادہ چالیس دن جن دنوں میں ہمارے آباء نے بچھڑے کو پوجا تھا۔

مسئلہ :ان کا یہ خیال فاسد ہے اس لئے کہ کفر کی سزادائمی ہے جیسے ایمان کی جزادائمی ہے آگے فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ ان سے کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ سے تمہارا کوئی ایسا معاہدہ ہوا ہے یا تمہارے اپنے گمان کے مطابق کوئی اللہ کے پاس عہد نامہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عہد و پیمان کا اتنا پابند ہے کہ وہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور وہ ضرور تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگا رہے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں یعنی ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات تو ضرور ہوگی لہذا واضح کرو کہ اللہ کا وعدہ ہے تو وہ کہاں لکھا ہوا ہے یا پھر ویسے ہی خیالی پلاؤ بنا رہے ہو۔ اصل بات تو یہی کہ تم انکل پچو مار رہے اور جھوٹ بول رہے ہو۔

ف: روایات میں آتا ہے کہ جب ایک زمانہ انہیں جہنم میں گذر جائے گا۔ تو جہنم کا داروغہ جہنمیوں کو پکار کر کہے گا۔ اے اللہ تعالیٰ کے دشمنو اجل چلی گئی ابد باقی ہے۔ اب ہمیشہ کیلئے یہاں ہی رہو گے۔ **فائدہ** : افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج کل کے کچھ سادات جو اپنے آپ کو نبی کی اولاد ہونے کی وجہ سے جنتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے۔ جو بھی ہم گناہ کریں۔ ہمیں کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہمارے اندر رسول کا خون ہے اور رسول کا خون کیسے جہنم میں جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں بالکل سراسر غلط ہیں اور یہ یہودیانہ سوچ ہے۔ سادات کرام کا احترام اپنی جگہ، لیکن دین قرآن وحدیث کے اقوال کا نام ہے۔ اپنی طرف کے ایسے مفروضے قرآن وحدیث کے اقوال کے بالکل خلاف ہیں۔ ایسی باتیں کسی معتبر کتاب میں نہیں۔ لہذا انہیں ایسی باتیں کرنے سے توبہ کرنی چاہیئے۔



(آیت نمبر ۸۱) ہاں جس نے برائی کمائی یہ اصل میں یہودیوں کے خیال کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ ہم جہنم میں چند دن رہ کر نکل آئیں گے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ جو اتنے بڑے بڑے گناہ کرے اور اتنے زیادہ گناہ جمع کرے کہ خود ان گناہوں میں ہی گھر جائے تو اس قسم کے لوگ آگ کے ساتھی ہیں یعنی ان کا اور آگ کا ساتھ ہمیشہ رہے گا معلوم ہوا کہ جہنم کے اسباب تین ہیں:

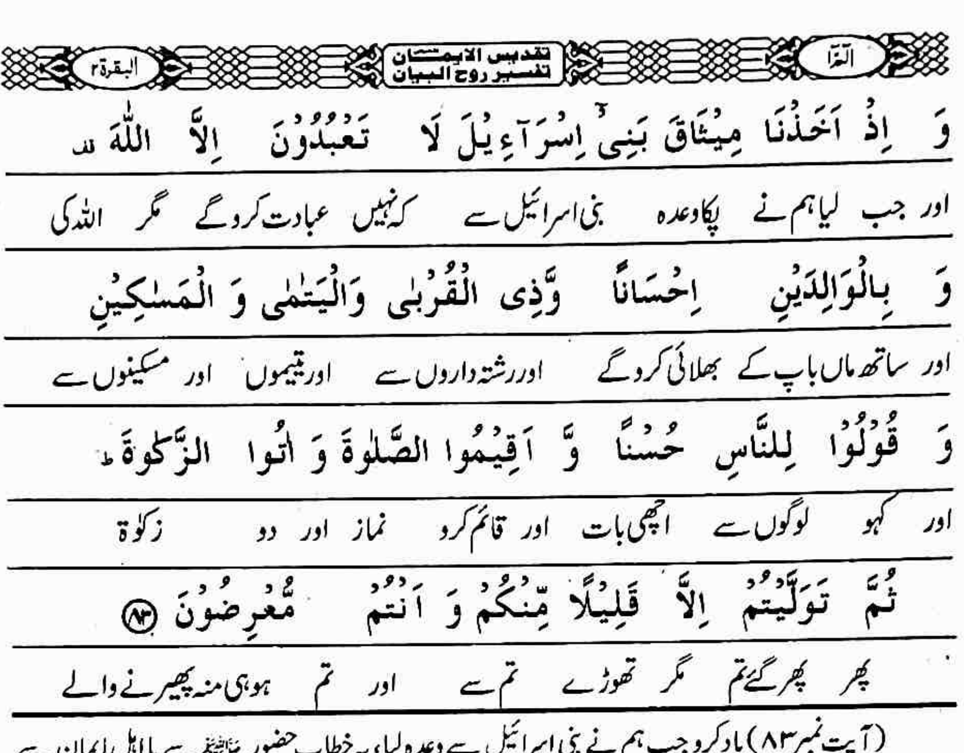
۱۔ آیات خداوندی کی تکذیب۔ ۲۔ کلام اللہ میں تحریف۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا۔ ان تینوں باتوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

(آیت نمبر ۸۲) اور وہ جو ایمان لائے اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی نبوت پر دل سے تصدیق کی اور نیک اعمال کرتے ہیں یعنی فرائض ادا کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں یہی لوگ جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ انہیں وہاں موت آئے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے۔ اس وعدے اور حکمت کے تقاضے پر وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

فائدہ: ان آیات میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بعض مغرور فلسفی وغیرہ کا گمان ہے۔ کہ برے اعمال وافعال اور اقوال کا روحوں کی صفائی پر کوئی اثر نہیں۔ جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

قرآنی اسلوب: حکمت کا تقاضا ہے کہ جب عذاب کا بیان آئے تو ساتھ جنت کا بھی بیان آجاتا ہے نرمی اور سختی سے ہی انسان کمال کو پہنچتا ہے۔ اور اس لئے بھی تاکہ اہل ایمان مطمئن رہیں۔ ان کی آخرت میں عزت افزائی ہوگی۔



(آیت نمبر۸۳) یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا، یہ خطاب حضور ﷺ سے یا اہل ایمان سے ہے۔ کہ جب ان یہودیوں کے اسلاف نہیں مانے۔ تو تم ان کے ایمان کی بھی طمع نہ کرو۔ کیونکہ سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔ تم وہ وعدہ یاد کرو جو ان سے لیا گیا۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کے لئے الوہیت ثابت نہ کرو۔ اور دوسرا یہ کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ اور ان کی فرمانبرداری کرو۔ اور اسی طرح اپنے قرابت داروں سے بھی بھلائی کرو۔ اور یتیموں پہ بھی احسان کرو۔ یعنی ان کی اچھی تربیت کرو۔ ان کے حقوق ضائع نہ کرو۔ اور مسکینوں سے بھی اچھا سلوک کرو۔ اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔ بات کو حسن سے موسوم کرنے میں مبالغہ کیا ہے۔ والدین، اقرباء، یتامی اور مساکین احسان سے کرنے کا خصوصی طور پر حکم دیا گیا۔ اس لئے کہ مال اگر اللہ تعالیٰ نے دیا۔ تو یہ کام کرو۔ جن کے پاس مال نہیں۔ ان کو اچھی گفتگو کا حکم دیا گیا۔ کہ یہ تو کسی کے لئے مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا اب مطلب یہ ہوا۔ کہ ان سے حسن معاشرت اور اچھی گفتگو سے نرمی کا معاملہ کرو۔ اور انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اور سچ اور حق کی بات کرو میرے نبی کے متعلق حسن یہ ہے۔ کہ ان کے صفات اور فضائل مت چھپاؤ۔

خلاصہ یہ کہ اے بنی اسرائیلیو۔ یہ مذکورہ وعدے تم سے لئے گئے۔ اور تم انہیں قبول کرنے کے باوجود وعدے سے پھر گئے۔ سوائے چند ایک کے جو اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ باقی لوگوں نے انکار کیا، اصل بات یہ ہے۔ کہ تم ہو ہی منہ پھیرنے والے۔ یعنی تمہاری عادت ہی اطاعت سے منہ پھیرنا

اور حقوق کی رعایت نہ کرنا ہے۔ یہ جملہ تذلیلیہ اور معترضہ ہے۔ جو ان کی توبیخ کے لئے لایا گیا ہے۔

نوٹ: اس آیت میں چند اہم مسائل کو بیان کیا گیا ہے:

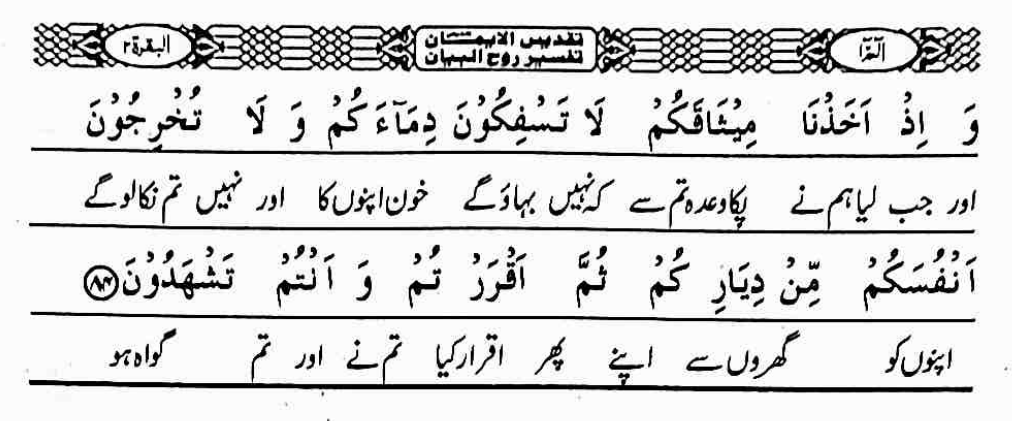
۱۔ عبادت کی شرائط میں اہم شرط خلوص ہے۔ عبادت میں کسی کا خیال یا ریاکاری یا دنیوی یا اخروی فوائد کا خیال اخلاص کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ اسی طرح ماں باپ کے ساتھ احسان کو اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدا تو رب نے کیا جو پہلی نشاۃ ہے اور دنیا میں آنے کا سبب ماں باپ ہوئے۔ یہ تمہاری نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ اس لئے ان دونوں کے حقوق کو ادا کئے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی۔

۳۔ پھر یتیموں پر شفقت اور ان کے چہروں سے گرد کی صفائی کو بیان فرمایا۔ **حدیث شریف:** جس کھانے میں یتیم شریک ہو اس دستر خوان کے قریب شیطان نہیں آتا۔ (طبرانی فی الاوسط) اور جو ان کی پرورش کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ایک اور **حدیث شریف** میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ جس طرح یہ دو انگلیاں سبابہ اور درمیانی انگلی اکٹھی ہیں۔ (ریاض الصالحین)

۴۔ اس کے بعد مساکین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا۔ کہ بیوہ عورت اور مسکین آدمی کی خبر گیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے۔ (ریاض الصالحین)

۵۔ پانچواں حکم "قولوا للناس حسنا"۔ یعنی لوگوں سے اچھی اور اخلاقی گفتگو جس کے ذریعے لوگوں کو نیکی کی دعوت دی جائے اور برائی سے روکا جائے۔ اور لوگوں کو وعظ حسنہ کی طرف نرم گفتگو اور حکمت کے ساتھ بلائے۔ اور انہیں حق کا راستہ دکھائے اور ہر ایک اچھے اور برے آدمی کے ساتھ نرم لہجہ سے پیش آئے اور کسی کو بھی منہ پر شرمسار نہ کرے۔ البتہ مبتدع (بدمذہب) کے ساتھ یوں برتاؤ کرے کہ وہ سمجھ جائے۔ کہ یہ اس کے مذہب سے راضی نہیں ہے۔ لیکن گفتگو نرمی سے کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا۔ کہ جب فرعون سے بات کرو۔ تو نرمی سے کرنا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی اور فرعون جیسا کمینہ شخص مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی نرم کلام کرنے کا حکم دیا۔ اب یہی حکم یہود و نصاریٰ کے لئے بھی ہے۔ کہ جب ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ جائے۔ تو نرم گفتگو سے انہیں سمجھاؤ۔ تا کہ وہ بات ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو پھر ہم مذہب سے تو اور بھی زیادہ نرم رویہ ہونا چاہئے۔ حضرت حافظ شیراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو جہانوں کی آسائش دو باتوں میں ہے۔ (دنیوی امور میں) دشمنوں پر لطف اور دوستوں سے مدارات۔



وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ

اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے کہ نہیں بہاؤ گے خون اپنوں کا اور نہیں تم نکالو گے

اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِ کُمْ ثُمَّ اَقْرَرْ تُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اپنوں کو گھروں سے اپنے پھر اقرار کیا تم نے اور تم گواہ ہو

(آیت نمبر۸۴) اے یہودیو وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب توراۃ میں ہم نے تم سے اقرار اور وعدہ لیا کہ تم نے اپنوں میں سے کسی کا خون نہیں بہانا یعنی تم خون ریزی نہیں کرو گے۔

ف: دوسرے کو اپنا نفس قرار دینے کی وجہ یا اصل نسب ہے۔ یا دینی رشتہ اتصال نسبی اور دینی لحاظ سے ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کے نفس کو اپنا نفس قرار دیا۔ بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی نے کسی کو قتل کیا۔ تو اس نے گویا اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ اس لئے کہ جب قصاص میں اس کو قتل کیا جائے گا۔ تو گویا اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ اور دوسرا یہ حکم دیا کہ تم ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے بھی نہیں نکالو گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اپنے ہمسائیوں کو برا بھلا کہہ کے اتنا تنگ کرو کہ وہ اپنا گھر ہی چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس کا ذکر قتل کے ساتھ کرنے سے واضح ہوا۔ کہ کسی کو گھر سے نکالنا قتل کے برابر ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر تم نے اس وعدے کی پختگی کا اقرار بھی کیا۔ کہ یہ وعدہ پورا کرنا ہم پر واجب ہے۔ اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ یا اے نبی کریم کے زمانے کے یہودیو۔ تم اپنے اسلاف کے اقرار پر گواہ ہو۔ کہ انہوں نے واقعی پختہ وعدہ رب تعالیٰ سے کیا تھا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ

پھر تم وہی ہو کہ تم قتل کرتے اپنوں کو اور نکالتے ایک گروہ کو اپنوں سے

مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْ

ان کے گھروں سے کہ تم غلبہ چاہتے ان پر ساتھ گناہ اورزیادتی کے اور اگر آئیں

كُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

تمہارے پاس قیدی ہوکر تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو ان کو حالانکہ حرام تھا اوپر تمہارے

اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

نکالنا ان کا کیا پس تم ایمان رکھتے ہو ساتھ بعض کتاب کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

تو نہیں ہے بدلہ جو کرے یہ کام تم سے مگر رسوائی دنیا میں اور بروز

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

قیامت وہ پھیرے جائیں گے طرف سخت تر عذاب کے اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم عمل کرتے ہو

(آیت نمبر ۸۵) پھر تم وہی ہو یعنی گواہ بن کر گواہی توڑنے والے وعدہ خلافی کرنے والے ہو۔ کہ تم قتل کرتے تھے اپنے ہی نفسوں کو جو تمہارے نفوس کے قائم مقام تھے۔ اور نکالا تم نے ایک جماعت کو جو تم سے تھے۔ ان کے گھروں سے اس حال میں کہ تم ان پر غلبہ چاہتے تھے۔ گناہ اور حد سے زیادہ تجاوز کر کے۔

مسئلہ: جیسے ظلم گناہ ہے۔ اسی طرح ظالم کی مدد بھی گناہ ہے۔ آگے فرمایا اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آجائیں۔ اختیاری نہیں بلکہ اضطراری حالت میں آجائیں۔ تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو۔

قیدیوں میں فرق: قیدی باندھ کرلائے جائیں تو انہیں اساری کہتے ہیں اور بغیر باندھے ہووں کو "اُسـرٰی" کہتے ہیں۔تو جب وہ انہیں باندھ کرلاتے ہیں۔تو تم فدیہ دے کرانہیں چھڑا لیتے ہو۔حالانکہ تم پر ان کا نکالنا ہی حرام تھا۔

واقعہ: یہود میں دوگروہ تھے۔(۱) قریظہ اور (۲) نظیر۔دونوں آپس میں قریبی رشتے دار تھے۔اسی طرح اوس اور خزرج بھی دوگروہ تھے۔اگر ان کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔تو بنوقریظہ اوس کے مددگار ہوجاتے۔اور نضیر خزرج کے۔اسی طرح اوس اور خزرج کے درمیان اگر جنگ ہوتی تو قریظہ اوس کے ساتھ اور نظیر خزرج کے ساتھ ہوتے۔پھر ہرایک قوم اپنے ساتھ ملنے والوں کی مدد کرتے۔جس سے بہت خون ریزی ہوتی تھی۔جب کوئی گروہ دوسرے پر غالب آجاتا۔تو ان کے گھروں کو تباہ وبرباد کرکے انہیں گھروں سے نکال دیتے۔جب جنگ ختم ہوتی۔تو ایک دوسرے کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے۔جب لوگ انہیں عار دلاتے۔تو کہتے کہ فدیہ دے کر قیدی کو چھڑانا اللہ کا حکم ہماری کتاب کے مطابق ہے۔حالانکہ انہیں کتاب توراۃ میں چار چیزوں کا حکم دیا گیا تھا:

۱۔ قتل نہ کرنا۔ ۲۔ گھروں سے نہ نکالنا۔

۳۔ دشمنوں کے ساتھ مل کر ان پر غلبہ نہ رکھنا۔ ۴۔ قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑانا۔

توانہوں نے فدیہ کے سوا سب احکام کو پس پشت ڈال دیا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ کیا تم بعض کتابؔ پر ایمان لاتے ہو۔یعنی کتاب میں سے صرف ایک حکم کو مانتے ہو اور باقی احکام کا انکار کرتے ہو۔چونکہ قریبیوں سے لڑائی اور گھر سے نکالنا وغیرہ ان کیلئے حرام تھا۔ان سے تمام احکام پر عمل کرنے کا میثاق لیا گیا تھا۔اور انہوں نے کچھ کو مانا اور کچھ کا انکار کیا اس لئے انہیں زجر وتوبیخ کی جارہی ہے۔لہٰذا اب انہیں کہا جارہا ہے اے یہودیو اب تم میں جو بعض احکام پر ایمان اور بعض سے کفر کرے گا۔اس کے لئے ذلت اور رسوائی کے سوا کوئی چیز نہیں۔اسی لئے جب بنوقریظہ نے غداری کی تو ان کے کچھ قتل اور کچھ لوگ قیدی ہوئے۔اور بنونظیر نے غداری کی تو وہ شام کی طرف جلاوطن ہوئے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ رسوائی سے مراد ان سے جزیہ لینا ہے۔جس میں ان کی ذلت اور رسوائی تھی۔اس لئے کہ جس سے جزیہ لیا جاتا ہے۔اس کو انتہائی ذلیل سمجھا جاتا ہے۔اور یہ رسوائی۔تو صرف دنیا کی زندگی میں ہوئی۔آخرت کی رسوائی کا تو کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔رہی یہ بات کہ وہ بعض کتاب کو مانتے ہیں۔تو اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔یعنی آخرت میں اس کا انہیں کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔اسی طرح جولوگ قرآن وحدیث کی بعض باتوں کو مانتے ہیں۔اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔گویا وہ پورے قرآن وحدیث کا انکار کرتے ہیں۔قرآن کے ایک حرف کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ

یہی وہ ہیں جنہوں نے خریدا زندگی دنیاوالی کوبدلے آخرت کے پس نہیں ہلکا کیا جائیگا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

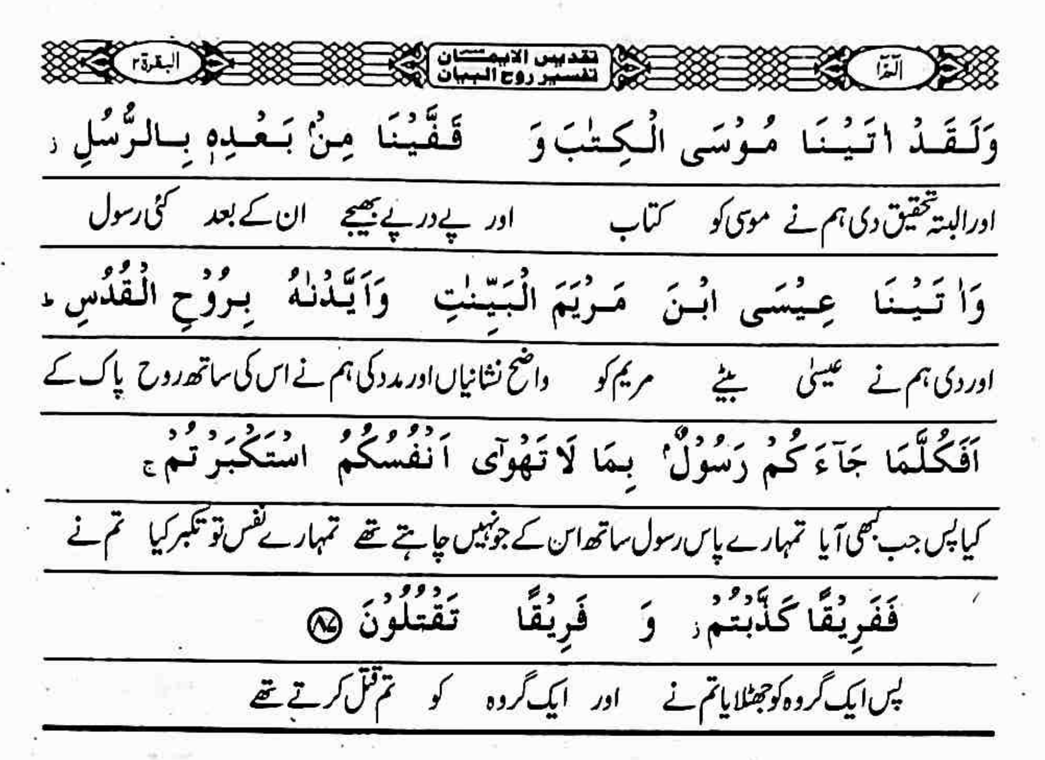
ان کا عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۸۵) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی قرآن وحدیث کے تمام احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ ورنہ قیامت کے دن سخت رسوائی ہوگی۔ اور یہودیوں کی طرح بروز قیامت سخت عذاب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی جہنم کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ وہ دنیا والی رسوائی کے عذاب سے سخت ہوگا۔ کیونکہ دنیاوالا عذاب تو پھر بھی ختم ہو جائیگا، لیکن آخرت والا تو کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔

حدیث شریف: میں ہے۔ کہ دنیا کی رسوائی سے آخرت کی رسوائی بہت زیادہ ہے۔ (اخرجہ الطبرانی) آخر میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے۔ جو تم برے عمل کرتے ہو۔ وہ سب اس کے علم میں ہے۔

(آیت نمبر ۸۶) یہ وہی لوگ ہیں جن کی بری عادات واوصاف مذکور ہوئے۔ اصل میں انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا۔ یعنی دنیا کو دل سے لگایا اور آخرت سے روگردانی کر لی۔ باوجود یکہ وہ آخرت حاصل کرنے پر قادر بھی تھے۔ اس لئے اب ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ نہ دنیا کا نہ آخرت کا۔ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ یعنی کسی کی سفارش سے بھی عذاب نہیں رکے گا۔

ف: دنیا اور آخرت دونوں کی لذت کو جمع کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ جب وہ دونوں میں سے کسی ایک میں مشغول ہوگا۔ تو دوسری سے دور ہو جائیگا۔ جو کہے میں دونوں کو اکٹھا کرلوں گا۔ وہ بڑا بے وقوف ہے۔ عقل مند وہی ہے جو دنیا میں رہ کر اپنی آخرت کو سنوارے۔ **حدیث:** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سمجھدار اور ہوشیار وہ ہے۔ جس نے اپنے نفس کو قابو کیا۔ اور وہ عمل کرے جو مرنے کے بعد کام آئیں۔ (ترمذی شریف)



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے درپے بھیجے ان کے بعد کئی رسول

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط

اور دی ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو واضح نشانیاں اور مدد کی ہم نے اس کی ساتھ روح پاک کے

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج

کیا پس جب کبھی آیا تمہارے پاس رسول ساتھ اس کے جو نہیں چاہتے تھے تمہارے نفس تو تکبر کیا تم نے

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

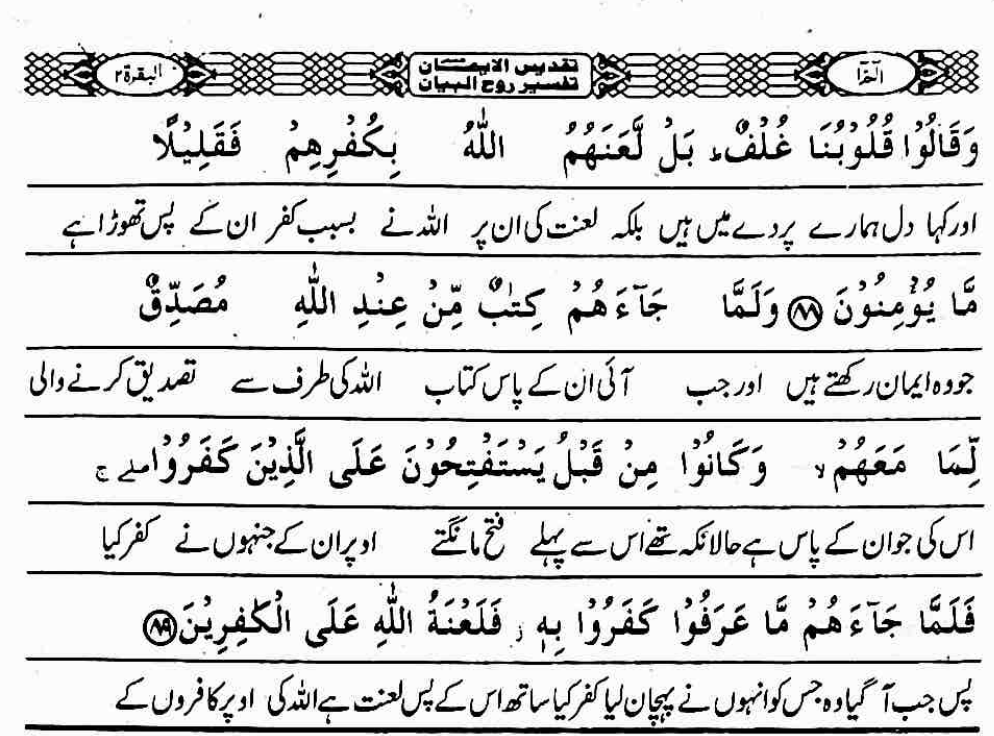
پس ایک گروہ کو جھٹلایا تم نے اور ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے

(آیت نمبر ۸۷) اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب۔ یعنی اے بنی اسرائیل ہم قسم کھا کر کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم نے یکبارگی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توراۃ دی۔ جس کی تفصیلات پیچھے گذر چکیں۔ اور ان کے بعد پے در پے ہم نے رسول بھیجے۔ جیسے یوشع وشموئیل، داؤد، سلیمان، شمعون، شعیا، ارمیا، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، یحیٰ وغیرہم علیہم السلام اور اسی طرح عیسیٰ بیٹے مریم کو بھی ہم نے واضح دلائل یعنی معجزات دیئے۔ "بیّنٰت" سے مراد معجزات ہیں۔ جیسے مردے زندہ کرنا۔ اور برص والوں تندرست کرنا۔ اندھوں کو بینا کرنا اور غیبی خبریں دینا۔ اور انجیل کتاب بھی انہیں دی اور پھر ہم نے ان کو قوت دی روح القدس کے ذریعے سے۔ اس سے یا تو عیسیٰ علیہ السلام کی روح مراد ہے۔ یا قدس سے مراد اللہ تعالیٰ ہو۔ تو پھر روح القدس بمعنی روح اللہ یا روح القدس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس قدر پاک ہیں۔ کہ ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ اور جبریل علیہ السلام کو روح اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے امور پیش کرتے۔ کہ جن میں دلوں کی زندگی ہوتی تھی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو تقویت دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطان سے محفوظ رکھا۔ نہ ولادت کے وقت وہ قریب جا سکا۔ اور نہ آسمانوں پر اٹھائے جانے کے وقت

یہودی ان تک پہنچ سکے۔ کہ وہ آپ کو قتل کر سکیں۔ بلکہ وہ ہمہ وقت ان کی حفاظت میں ہوتے تھے۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار ہزار نبی بھیجے گئے۔ بعض کا خیال ہے۔ ستر ہزار نبی آئے۔ تو فرمایا۔ کیا پس جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس تشریف لائے۔ (نبی کریم ﷺ کے زمانہ والے یہودی مراد ہیں)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جب احکام لے کر آئے جو تمہارے نفسوں کو پسند نہیں تھے۔ یعنی وہ احکام تمہاری خواہش کے مطابق نہ تھے۔ تو تم نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر تکبر کیا اور ایمان لانے سے منکر ہو گئے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک گروہ کو تم نے جھٹلا دیا۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ایک گروہ انبیاء کو تم نے قتل کیا۔ جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام وغیرہما کو۔ اور میرے حبیب ﷺ کے بھی تم نے کئی دفعہ قتل کے منصوبے بنائے۔ کبھی زہر کھلایا اور کبھی دیوار کے ساتھ بٹھا کر اوپر سے پتھر گرانا چاہا۔ کبھی جادو کرایا۔ لیکن میری حفاظت ان کے شامل حال تھی۔ اس لئے وہ تمہارے شر سے بچ گئے۔

نوٹ: یہودی حضور ﷺ کی فرمانبرداری اس لئے نہیں کرتے تھے۔ کہ انہیں خطرہ تھا۔ کہ اس سے ہمارا جاہ وجلال اور شان وشوکت قائم نہیں رہے گا۔ اس لئے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ جس دل میں دنیا کی محبت آ جائے۔ اسے پھر ایمان کامل نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے مسلمان کو چاہئے۔ نفس کے ہر دعوے کو مٹا دے۔ جس سے خود پسندی نظر آئے ورنہ وہ خرابی کی طرف لے جائیگا۔ جیسے بیج زرخیز زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ تو وہ غلہ اگاتا ہے۔ ورنہ بیج بھی ضائع ہو جاتا ہے۔



وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

اور کہا دل ہمارے پردے میں ہیں بلکہ لعنت کی ان پر اللہ نے بسبب کفر ان کے پس تھوڑا ہے

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

جو وہ ایمان رکھتے ہیں اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ

اس کی جو ان کے پاس ہے حالانکہ تھے اس سے پہلے فتح مانگتے اوپر ان کے جنہوں نے کفر کیا

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

پس جب آ گیا وہ جس کو انہوں نے پہچان لیا کفر کیا ساتھ اس کے پس لعنت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے

(آیت نمبر ۸۸) اور حضور ﷺ کے زمانے والے یہودی کہنے لگے۔ کہ ہمارے دل پردوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یعنی جو احکام خداوندی آپ ہم تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ ہمارے دل سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے دلوں پر پردے آ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا۔ کہ فطرتاً تو ہم نے ان کے دل ایسے نہیں بنائے۔ لیکن ان کے کفر کی وجہ سے ان کو لعنت کی رسوائی میں ڈال دیا۔ اور اپنے دربار سے دور ہٹا دیا۔ اور ان کا یہ حال باطل کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوا۔ لہذا جو ایمان رکھتے ہیں۔ وہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ زیادہ ان میں کفر ہی بھرا ہوا ہے۔ اور ایمان نہ قبول کرنے کی وجہ سے تو ان پر لعنت ہوئی۔

(آیت نمبر ۸۹) اور جب آ گئی ان کے پاس کتاب یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جملہ کتاب کی شان بڑھانے کیلئے بیان فرمایا۔ اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے۔ اس کی جو ان کے پاس ہے۔ یعنی توراۃ کی یا ان کے بعض شرعی احکام کی جیسے توحید وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے۔ ابن المجید فرماتے ہیں۔ کہ تصدیق صرف بعثت نبویہ اور ان کی علامات کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہ کہ شرائع واحکام سے بلکہ قرآن تو ان کے اکثر شرائع واحکام کا ناسخ ہے۔ اور یہ یہودی حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلہ سے مشرکین عرب اور کفار پر فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ کہ یا اللہ نبی آخر زمان کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما جن کا ذکر ہم نے توراۃ میں پایا ہے۔ اور یہ اپنے دشمنوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ عنقریب نبی آخر زماں تشریف لانے والے ہیں۔ وہ دنیا میں تشریف لا کر

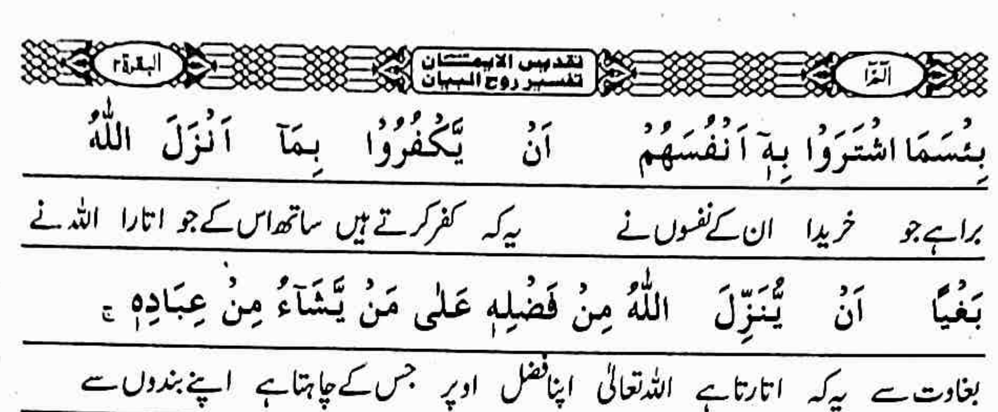
ہماری تصدیق کریں گے۔اور ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے۔تو پھر جب وہ آ گئے ان کے پاس یہاں فاء دلالت کر رہی ہے۔کہ ان کی طلب فتح کے بعد حضور ﷺ کی تشریف آوری میں زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔کہ وہ بھول گئے ہوں۔بلکہ انہوں نے اچھی طرح جان پہچان لیا ان صفات سے جو ان کی کتاب میں تھیں۔اس کے باوجود حسد اور ریاست کی لالچ میں انہوں نے کفر اختیار کیا۔اور حضور ﷺ کی صفات کو بھی کتاب سے بدل دیا۔اس لئے فرمایا۔کہ پھر لعنت کی اللہ نے اوپر کافروں کے۔یہ لعنت ان پر ان کے کفر کی وجہ سے ہوئی۔اور فاء اس پر دلالت کر رہی ہے۔کہ انہوں نے کفر پہلے کیا اور لعنت ان پر بعد میں ہوئی۔

ف:لعنت کا معنی رحمت وکرامت اور جنت سے دوری ہے۔**لعنت کی وجوھات**:(۱) کفر۔(۲) بدعت۔(۳) فسق اس قسم کے لوگوں پر عمومی طور پر لعنت جائز ہے۔لیکن شخص مخصوص پر لعنت اس وقت جائز ہے۔جب اس کا کفر شرع شریف سے ثابت ہو چکا ہو۔اور کفر پر مرے۔اگر حال معلوم نہ ہو تو لعنت ٹھیک نہیں (ہوسکتا ہے)۔اس نے توبہ کرلی ہو۔اسی وجہ سے بعض لوگ یزید پر بھی لعنت نہیں کرتے کہ شاید توبہ کرلی ہو۔(لیکن امت کی اکثریت) اس پر لعنت کی قائل ہے۔کہ اس کا کفر مشہور اور حد تواتر تک پہنچا ہوا ہے۔کہ اس نے نواسہ رسول کو شہید کر کے کفر کیا۔ شراب نوشی کا عادی تھا (مدینہ شریف پر حملہ کرایا۔جس میں پاکدامن عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔جس کی وجہ سے ایک ہزار بچہ حرام سے پیدا ہوا۔مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔تین دن تک مسجد نبوی ﷺ میں نہ اذان ہوئی نہ نماز با جماعت ہوئی یہ سب یزید کی قہر ستانی ہے ابھی بھی اگر مسلمان ہے پھر تو کوئی بھی کافر نہیں)۔

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل اور قتل کے حکم دینے والے اور اسے جائز سمجھنے والے اور اس پر راضی ہونے والوں سب پر لعنت جائز ہے۔جیسا کہ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔کہ حق بات یہ ہے۔کہ یزید جناب امام حسین کے قتل پر راضی اور خوش تھا۔اہل بیت کو رسوا کیا۔لہذا اب کیا شک رہ گیا ہے۔اللہ تعالیٰ یزید پر اور اس کے اعوان و مددگاروں پر لعنت کرے البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لب کشائی نہ کی جائے۔ان کا صحابی ہونا اور فاروق وعثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے عامل مقرر ہونا۔اور ان کے ہاتھوں فتوحات کا حاصل ہونا (اور امام حسن کے ساتھ صلح ہو جانا) کافی دلیل ہے۔ان سے اجتہادی غلطی ہوئی جو حضور کی صحبت کی برکت سے معاف ہو جائے گی۔ان شاء اللہ۔

حدیث شریف: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔کہ میں نے جہنم میں زیادہ تعداد عورتوں کو پایا۔اس لئے۔کہ ایک تو وہ کثرت سے لعنت کرتی ہیں۔اور دوسرا اس لئے کہ وہ خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہیں۔(بخاری ومسلم)

مسئلہ: بلا وجہ کسی پر لعنت نہ کی جائے ورنہ وہ لعنت کرنے والے پر ہی لوٹ آتی ہے۔



(آیت نمبر ۹۰) بہت برا کیا جوانہوں نے خریدا۔ یعنی ایمان کے بجائے کفراس کے ساتھ کیا جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا یعنی قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا۔ جس میں احکام الٰہی تھے۔ اس کی حقیقت کو بھی جانتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ صرف اور صرف بغاوت کرتے ہوئے۔ باغی اس ظالم کو کہتے ہیں۔ جو بوجہ حسد کے جان بوجھ کر وہ فعل کرتا ہے۔ جوشرع کے خلاف ہو۔ لہٰذا اب معنی یہ ہوگا۔ کہ انہوں نے بہت برا کیا جو ایمان دے کر کفر خریدا۔ اور انہیں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کیوں اتار دیتا ہے۔ اپنا فضل جس پر وہ چاہتا ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے رسول بنا دیتا ہے۔ اس سے ان کی مراد حضور ﷺ کی ذات پاک تھی۔ یعنی حضور ﷺ کا نبی بن کر تشریف لانا ان کیلئے سخت تکلیف کا باعث تھا۔ (گویا وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ جسے ہم اچھا جانیں اسی کو نبوت ملے۔ اور جسے ہم اچھا نہ جانیں اسے نبوت نہ ملے)۔ یا ان کا یہ خیال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو چاہئے تھا کہ وہ ہم سے پوچھ کر نبی بناتا۔ اہل مکہ مشرکین کو یہ تکلیف تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن ہمارے بجائے اس پر کیوں اتارا۔ اسی طرح

یہود کی جلن کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا خیال تھا۔ کہ نبی آخر زمان جناب اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ لیکن ان کے خلاف توقع حضور ﷺ جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لے آئے ہیں۔ تو اس وجہ سے انہیں حسد ہوگیا۔ کہ ایسا کیوں ہوا۔ اسی لئے وہ غضب کے مستحق ہوئے۔ یعنی لعنت درلعنت ملی بوجہ کفر در کفر کرنے کے۔ اس لئے کہ انہوں نے نبی برحق سے کفر اور بغاوت کی۔ آگے فرمایا کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ انہیں یہ حسد کی سزا ملی۔ کہ انہیں دنیا میں بھی ذلت خواری حاصل ہوئی۔ اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ جو انہیں پوری مخلوق کے سامنے رسوا کر دے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ

اور جب کہا گیا واسطےان کے ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے کہنے لگے ہم ایمان لائیں گے

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ

ساتھ اس کے جو اتارا گیا ہم پر اور کفر کریں گے ساتھ اس کے جو اس کے علاوہ ہے حالانکہ وہ برحق

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو پاس ان کے فرمادو پھر کیوں قتل کرتے رہے انبیاء اللہ کے

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

اس سے پہلے اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر ۹۱) اور جب ان کو کہا جاتا۔ یعنی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ شریف اور اس کے گردونواح کے یہودیوں سے کہتے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ۔ تو وہ یوں کہتے۔ کہ ہم تو پہلے ہی اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ یعنی توراۃ پر یا جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوا۔ اس کے علاوہ جو نازل ہوا وہ ہم پر نازل نہیں ہوا۔ اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لائے۔ مثلاً جو عیسیٰ علیہ السلام یا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ وہ تو ان کی امت کے لئے نازل ہوا۔ لہٰذا اس پر ان کی امت عمل کرے۔ ہم تو اپنے اوپر نازل شدہ کتاب کے علاوہ تمام کتابوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں بتایا گیا کہ توراۃ کی طرح قرآن بھی برحق ہے۔ جو تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔ لہٰذا قرآن کا انکار تو توراۃ کا انکار ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا منہ بند کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے محبوب ان سے کہہ دیں۔ کہ اگر تم اتنے بڑے ایماندار ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو کیوں شہید کیا۔ توراۃ میں تو کسی نبی کے قتل کی اجازت نہیں ہے۔ (اگر چہ ان قتل ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کے باپ دادا نے قتل کیا تھا)۔ لیکن یہ بھی ان کے اس فعل سے خوش تھے۔ اس لئے انہیں کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم اتنے بڑے ایماندار بنتے پھرتے ہو۔ تو یہ اتنے بڑے کرتوت ایماندار تو ہرگز نہیں کر سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبیوں کو بھی قتل کرنے سے باز نہ آئے اور نبی بھی وہ جو توراۃ کو ماننے والے تھے۔ **مسئلہ:** ابو اللیث فرماتے ہیں۔ کہ گناہ سے راضی ہونے والا گناہ کرنے والے کے ساتھ برابر کا گناہ گار ہے۔



وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اورالبتہ تحقیق آئے تمہارے پاس موسیٰ ساتھ معجزات کے پھر بنایا تم نے بچھڑے کو(معبود)

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

اس کے بعد اور تم ظالم تھے اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے اور بلند کیا ہم نے

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا

اوپر تمہارے طور کو پکڑو جو دیا ہم نے تم کو پوری طاقت سے اور سنو کہنے لگے سنا ہم نے

وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ

اور نافرمانی کی اور پلائی گئی دلوں میں ان کے (محبت) بچھڑے کی بسبب کفران کے فرمادو

بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

برا ہے جو حکم کرتا ہے تمہیں ساتھ اس ایمان تمہارا اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر۹۲) اور البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل (معجزات) لے کر۔ یہ بھی اصل میں ان کو منہ توڑ جواب اور ڈانٹ ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے اتنے معجزات دیکھنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد تم نے ایک بچھڑے کو معبود بنالیا تھا۔ جو تمہارا نہایت قبیح کام تھا۔ اور تم نے یہ عمل کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی عصا کے کئی کمالات دیکھے۔ ہاتھ کو روشن ہوتے ہوئے دیکھا جس دریا میں فرعونی غرق ہوئے وہاں سے تمہیں بہ حفاظت نکال لیا۔ تو تم نے بچھڑے میں کیا کمال دیکھا تھا۔ کہ اسے معبود بنالیا۔

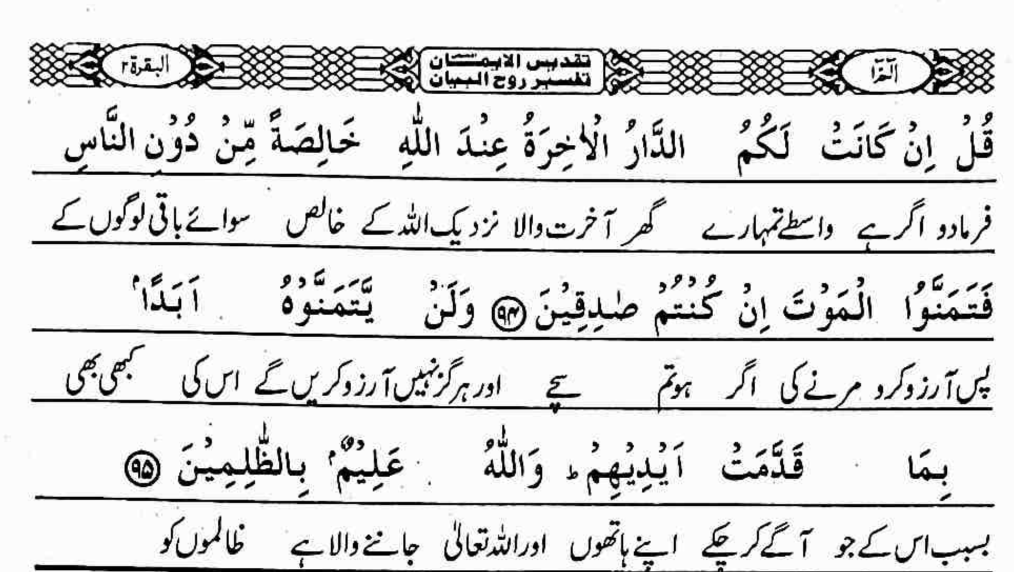
(آیت نمبر۹۳) اور یاد کرو جب تم توراۃ کو نہیں مان رہے تھے حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا۔ تمہارے انکار کیوجہ سے پھر طور پہاڑ تم پر بلند کیا۔ اور ہم نے تمہیں کہا۔ کہ پکڑو جو ہم نے تمہیں دیا۔ یعنی توراۃ کو اور جو اس میں ہے اسے قبول کرو اور اسے غور سے سنو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ ورنہ پہاڑ کے نیچے آ کر پس جاؤ گے۔ تو فوراً تم سجدے میں گرے اور کہا ہم نے سنا ہم نے سنا۔ اور جب پہاڑ ہٹا دیا گیا تو فوراً تم نے کہا۔ ہم نے نافرمانی کی۔ یعنی اگر پہاڑ کا خطرہ نہ ہوتا۔ تو تم دکھاوے والا سجدہ بھی نہ کرتے۔ یہ حال تو ان کے اسلاف کا تھا۔ پچھلوں کا بھی کیا کہنا (بڑے میاں

واہ واہ چھوٹے میاں سبحان اللہ) چونکہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی۔ یعنی ان کے دلوں میں ایسے سرایت کر گئی۔ کہ جیسے پانی اندر جا کر جسم سے مل جاتا ہے۔ گویا انہوں نے بچھڑے کی محبت کو پی لیا تھا۔ **ف**: امام راغب فرماتے ہیں کہ یہ اہل عرب کی عادت ہے۔ کہ کسی شیء کی محبت کو پینے کے فعل سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ جس طرح پانی جسم میں سرایت کرتا ہے۔ اس طرح محبت بھی۔ فرمایا کہ بچھڑے کی محبت ان کے کفر کے سبب ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ایک گناہ کی نحوست سے آگے کئی گناہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف سامری نے بھی شیطان کے کہنے پر انہیں غلط فہمی میں ڈال دیا۔ کہ اس نے سونے کا بچھڑا بنا کر کہا کہ خدا اس بچھڑے میں آ گیا ہے۔

حکایت: جب جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے۔ تو آپ نے لوگوں کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور اسے جلا کر ریزہ ریزہ کر کے نہر میں ڈال دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے محبوب ان یہودیوں سے کہہ دیں۔ کہ تم باپ دادا کے دین کی رٹ لگا رہے ہو۔ یہ تھے تمہارے بڑوں کے اعمال اور یہ ہے تمہارا ایمان جو تمہیں برائی کا حکم دیتا ہے۔ جو تم نے اپنی بناوٹی کتاب سے لیا ہے۔ یہ ایمان کی نسبت ان کی طرف محض جلانے کے لئے ہے۔ درحقیقت ان میں ایمان تھا ہی نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم صحیح ایمان لاؤ۔ تو وہ تمہیں یہ برائیاں نہ کرنے دے۔ لیکن تمہارا حال بتاتا ہے۔ کہ تمہارے اندر ایمان بالکل نہیں ہے۔ **مسئلہ**: اصل مومن وہ ہوتا ہے۔ کہ جس کا عمل بتائے۔ کہ وہ مومن ہے۔ (ورنہ شکل مومناں اور کرتوت کافراں والا معاملہ ہے)۔

حکایت: خوش خبری لانے والے نے جب یعقوب علیہ السلام سے کہا۔ کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ تو آپ نے پہلی بات یہی پوچھی۔ کہ اس کا دین کیسا ہے۔ تو بتایا گیا۔ کہ اسلام ان کا دین ہے۔ تو فرمایا۔ کہ الحمد للہ۔ اللہ کی نعمت مکمل ہوئی۔ **ف**: دین کی اصل الاصول چیز توحید ہے۔ جس پر قبولیت کا دارومدار ہے۔ اسی سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور اسی سے عطائیں نصیب ہوتی ہیں۔

دحیہ کلبی کا اسلام: دحیہ کلبی کے تحت ستر قبیلے تھے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ یا اللہ دحیہ کو مسلمان کر دے، ادھر دعا قبول ہوگئی۔ اور دحیہ حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے چادر بچھائی۔ کہ وہ اس پر بیٹھے۔ مگر دحیہ نے چادر اٹھا کر چومی اور سر پر رکھ لی۔ اور فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر زار و قطار رونے لگے حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اتنی بڑی دولت حاصل ہونے کے بعد رونے کا کیا سبب ہے۔ عرض کی۔ کہ میں نے بے حساب گناہ کئے۔ ایک جرم اتنا بڑا ہے۔ کہ شاید وہ بالکل معاف نہ ہو۔ میں نے عار کی خاطر ستر بچیاں زندہ درگور کی ہیں۔ یہ بات سن کر حضور بھی بمعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آبدیدہ ہو گئے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کی۔ کہ آپ دحیہ کو بتلا دیں کہ رب تعالیٰ نے کلمہ پڑھتے ہی ان کے سب گناہ معاف فرما دیئے۔



قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

فرمادو اگر ہے واسطے تمہارے گھر آخرت والا نزدیک اللہ کے خالص سوائے باقی لوگوں کے

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا

پس آرزو کرو مرنے کی اگر ہو تم سچے اور ہرگز نہیں آرزو کریں گے اس کی کبھی بھی

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

بسبب اس کے جو آگے کر چکے اپنے ہاتھوں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ظالموں کو

(آیت نمبر۹۴) محبوب ان کو بتادیں۔ کہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) صرف تمہاری ہی ہے۔ اور کسی کے لئے نہیں ہے۔ یعنی تمہارے خیال کے مطابق نہ یہ نبی جائیں گے نہ صحابہ صرف یہودی جائیں گے۔ تو پھر تم موت کی تمنا کرو (یعنی پھر یہاں کیا جھک مار رہے ہو) پھر موت کی تمنا کرو مرو اور جنت میں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرو کہ یا اللہ ہمیں موت دے دے۔ تا کہ اس دار ہلاکت سے اور پریشانیوں کے مقام سے جان چھوٹ جائے۔ اور جنت میں جا کر مزے کریں۔ لہذا تم دیر نہ کرو اور جلدی موت مانگو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

(آیت نمبر۹۵) اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادیا کہ وہ ہرگز کبھی بھی موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ (ابدا کا لفظ آنے والے تمام وقت کے لئے بولا جاتا ہے)۔ جب تک دنیا میں ہیں کبھی موت نہیں مانگیں گے۔ اپنے برے کرتوتوں کے سبب جو نار جہنم کا موجب ہیں۔ ہاتھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ۔ زیادہ تر اعمال ان سے ہی ہوتے ہیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتا ہے۔ کہ وہ کبھی بھی اپنے لئے موت مانگنے والے نہیں ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اگر یہودی موت کی آرزو کر لیتے تو تھوک کے نگلتے ہی مر جاتے۔ اور کوئی یہودی روئے زمین پر نہ رہتا (قرطبی)۔ حضور ﷺ نے مسلمان کو موت مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر کسی وجہ سے موت کا سوال کرتا ہے۔ تو یوں کہے۔ یا اللہ اگر میرے لئے زندگی بہتر ہے۔ تو زندہ رکھ اور اگر موت بہتر ہے۔ تو مجھے موت دیدے۔ (بخاری و مسلم)

ف: موت ایک عظیم مصیبت ہے۔ اس سے بڑی مصیبت موت سے غفلت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ موت ہی سب سے بڑا وعظ ہے۔ موت کے یاد کرنے سے لذات نفسانی ختم ہوتی ہیں۔ مستقبل کی آرزوئیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف: دو چیزوں سے دل منور ہوتا ہے: (۱) موت کی یاد۔ (۲) تلاوت قرآن سے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اور البتہ ضرور پائیں گے ان کو بہت بڑا حریص لوگوں میں اوپر زندگی کے اور ان کو جو

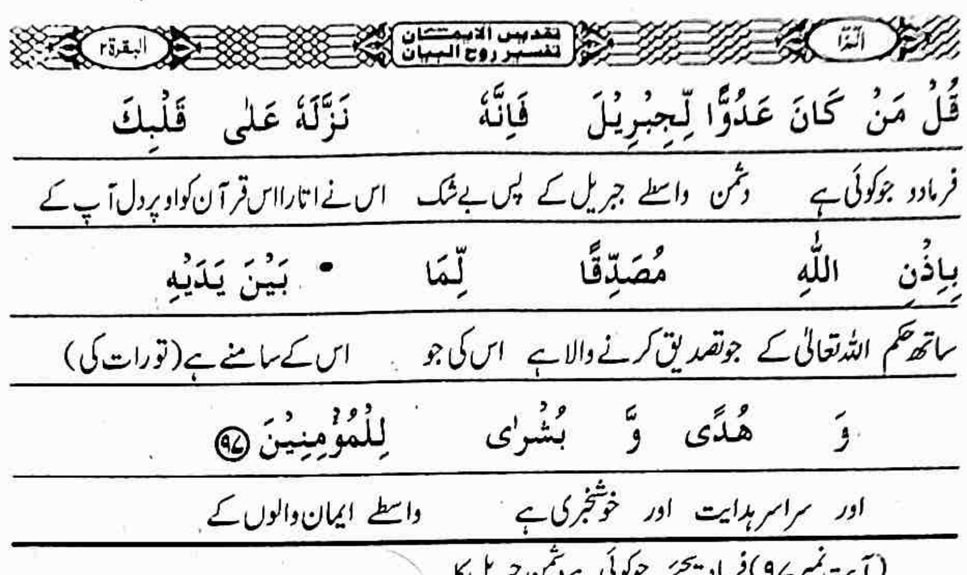
اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ

مشرک ہیں چاہتا ہے (ہر) ایک ان میں کاش وہ عمر دیا جائے ہزار سال اور نہیں وہ

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ع ﴿۹۶﴾

بچانے والی عذاب سے (اگر) اتنی عمر دیا بھی جائے اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتوت کر رہے ہیں

(آیت نمبر ۹۶) یارسول اللہ آپ یہودیوں کو بہت زیادہ حریص پائیں گے۔ حیات دنیا پر وہ کیسے موت کی آرزو کریں گے؟ اسی طرح مشرک بھی دنیا میں ہی رہنے کے حریص ہیں۔ ان کی دنیا میں رہنے کی حرص کا یہ حال ہے۔ کہ وہ آرزو کرتے ہیں۔ کہ کاش اسے ہزار سال عمر دی جائے۔ اور وہ کسی کو اگر دعا وغیرہ دیتے تو یہی کہتے۔ کہ تو جیئے ہزار سال۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر انہیں ہزار سال عمر دی بھی جائے۔ تو وہ عذاب سے تو نجات دینے والی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی اس سے کوئی شیء مخفی نہیں ہے ان کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ **ف**: جس شخص کی لمبی عمر نیک اعمال کے ساتھ ہو۔ وہ کامیاب لوگوں سے ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص صد مبارک ہے۔ کہ جس کی عمر لمبی اور نیکی والی ہو۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ اگر موت کے وقت کی تکلیف ایک بال برابر بھی زمین و آسمان والوں پر ڈال دی جائے تو اس کی سختی سے سب ہلاک ہو جائیں۔ قیامت کے دن ستر قسم کے درد ہوں گے۔ ان میں سے جو سب سے کم ہوگا۔ وہ سکرات موت کی تکلیف سے ستر گناہ زیادہ ہوگا۔ **ف**: اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ موت بہرحال آئے گی۔ کسی کو بھی موت کا وقت معلوم نہیں۔ نہ بیماری معلوم ہے۔ لہٰذا بندے کو موت کیلئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے۔ حکایت: حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گذر رہے تھے۔ ایک آواز آئی اے دانیال ٹھہر اور عجیب نظارہ کر۔ آپ نے دائیں بائیں دیکھا۔ کچھ نظر نہ آیا۔ پھر آواز آئی۔ ادھر دیکھا کہ ایک مکان ہے۔ اس کے ایک کمرے میں ایک پلنگ سونے کا بنا ہوا بچھا ہے۔ اس پر ایک لاش تھی۔ جس پر اعلیٰ قسم کے کپڑے اور اس پر خوشبوئیں تھیں۔ اس کے سر پر سونے کا تاج بھی تھا۔ اس کے پاس ایک تلوار پڑی تھی۔ جس پر لکھا تھا۔ یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق کی ہے۔ میں نے سات سو سال حکومت کی چالیس ہزار شہر آباد کئے۔ کوئی میرا مقابلہ نہ کر سکا لیکن میں آج دنیا سے پیاسا جا رہا ہوں۔ لہٰذا اے لوگو موت کو یاد کرو اور میرے حال سے عبرت حاصل کرو۔



قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

فرمادو جوکوئی ہے دشمن واسطے جبریل کے پس بے شک اس نے اتارااس قرآن کواوپردل آپ کے

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے جوتصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے (تورات کی)

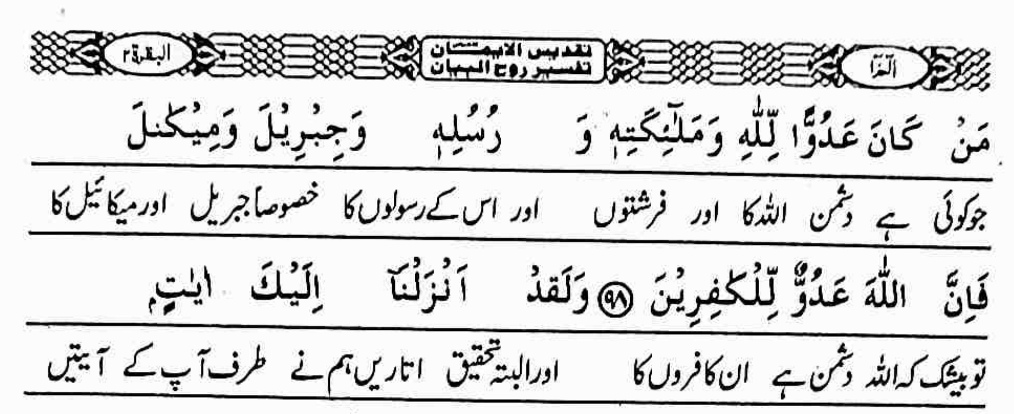
وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور سراسرہدایت اور خوشخبری ہے واسطے ایمان والوں کے

(آیت نمبر ۹۷) فرمادیجئے۔ جوکوئی ہے دشمن جبریل کا۔

شـــان نـزول: جب حضور ﷺ مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ تو یہودیوں کے مولوی ابن صوریا نے پوچھا۔ کہ آپ کی نیند کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ کہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل جاگ رہا ہوتا ہے۔ پھر پوچھا۔ کہ بچے کے اعضاء میں سے کون سے عضو باپ سے اور کون سے اعضاء ماں سے تیار ہوتے ہیں۔ تو فرمایا۔ کہ ہڈیاں، پٹھے اور رگیں باپ سے اور خون گوشت ناخن اور بال ماں سے ہوتے ہیں۔ تو اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا۔ کہ بچہ کبھی ننھیال کی شکل کبھی دھدیال کی شکل پر کیوں ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مرد کا پانی غالب ہو۔ تو دھدیال کی شکل پر اور عورت کا پانی غالب ہو تو ننھیال کی شکل پر ہوتا ہے۔

غرضیکہ کئی سوالات کے بعد کہا کہ آخری سوال یہ ہے۔ کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے۔ فرمایا جبریل۔ کہنے لگا۔ اوہو۔ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ اس پر اس نے کئی الزام لگا دیئے۔ جن کا کوئی سر و پا نہ تھا۔ ایک یہ کہ بخت نصر کو یہودی بچپن میں قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جبریل علیہ السلام نے اسے بچالیا۔ جس نے بڑے ہو کر لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا۔ دوسرا یہ کہ نبوۃ بنی اسرائیل میں چلی آرہی تھی۔ جبریل نے نبوۃ بنی اسرائیل سے نکال کر بنی اسماعیل میں دے دی وغیرہ وغیرہ یہ ہمارے ساتھ اس نے دشمنی کی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ جبریل کا دشمن تو اللہ کا دشمن ہے۔ تو اتنے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جبریل جو بھی احکام یا جو قرآن آپ کے دل مبارک پر لاتا ہے تو وہ حکم خداوندی سے لاتا ہے۔ اور یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور یہ قرآن تورات کے بالکل مطابق ہے۔ اور اس میں ہدایت ہے۔ اور جنت کی بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔ اصل میں جبریل سے دشمنی کی وجہ کوئی بھی نہیں۔ صرف یہ یہودیوں کی حجتیں ہیں اور اسلام قبول نہ کرنے کے بہانے ہیں۔



(آیت نمبر ۹۸) جو اللہ کا دشمن ہے۔ یعنی اللہ کے حکم کا بوجہ عناد کے مخالف ہے۔ اور بوجہ تکبر کے اطاعت کا منکر ہے۔ اسی طرح فرشتوں اور رسولوں۔ اور جبریل اور میکائیل علیہما السلام کا دشمن ہے۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ فرشتوں کے بعد جبریل میکائیل کا الگ ذکر ان کے فضل وشان کے اظہار کیلئے ہے۔ کہ یہ دونوں دوسرے تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ سریانی زبان کے نام ہیں۔ بمعنی عبداللہ یا عبدالرحمان مطلب یہ ہے۔ کہ جو ان مذکورہ نفوس کا دشمن ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔ انہیں سخت عذاب دے گا۔ اس کے بعد ابن صوریا کہنے لگا۔ کہ آپ کوئی واضح دلیل لائیں۔ جس کو پہچان کر ہم آپ کی فرمانبرداری کریں۔ تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

(آیت نمبر ۹۹) اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کی طرف واضح آیات نازل فرمائیں۔ جو دلالت کرتی ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حلال وحرام کو واضح کرنے والی ہیں۔ اور حدود واحکام کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ کوئی کفر نہیں کرے گا۔ مگر فاسق جو کفر کرتے کرتے اللہ کی حدوں سے باہر ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ جو حدود اللہ میں حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ وہ ایسی واضح آیات کے ساتھ کفر کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ **ف:** حضرت حسن فرماتے ہیں۔ کہ جب فسق گناہوں کے کسی نوع میں استعمال ہو۔ تو اس کے بڑے انواع کفر وغیرہ پر واقع ہوتے ہیں۔ قرآن کی **اعلیٰ شان:** قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اندھیرے ختم کیے۔ یہود اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس نور کو مکمل کر کے چھوڑے گا۔ اس لئے یہودیوں کو اس میں سوائے رسوائی اور شرمساری کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھو۔ کہ کچھ لوگ اندھیری رات کو حمام میں داخل ہوں۔ اور اس حمام میں اچھے برے ہر قسم کے لوگ ہوں۔ اس کے بعد کوئی شخص روشن چراغ لے کر وہیں آ جائے۔ تو اس چراغ کو بجھانے کی جلدی وہی کریں گے۔ جو عیب دار ہونگے۔ تاکہ ان کے عیب کو کوئی دیکھ نہ لے۔ اور انہیں شرمندگی نہ ہو۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ

کیاپس جب بھی وعدہ کیاانہوں کوئی وعدہ پھینک دیااس کو ایک جماعت نے ان سے بلکہ

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اکثریت ان کی نہیں ہیں مومن اور جب آئے ان کے پاس رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

جوتصدیق کنندہ ہے اس کا جو ان کے پاس ہے تو پھینک ڈالا ایک گروہ نے ان لوگوں سے جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

دیئے گئے کتاب کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی پیچھے پیٹھوں اپنی کے گویا کہ وہ کچھ نہیں جانتے

(آیت نمبر۱۰۰) کیاپس جب بھی انہوں نے کوئی وعدہ کیا تو وہ وفا نہ کرسکے۔ایک جماعت نے ان میں سے اس عہد کو توڑ دیا۔

ف: فریق جماعت کو کہتے ہیں خواہ اس میں تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ معلوم ہوا ان میں کچھ وہ لوگ تھے۔ جو اپنے وعدے پر قائم رہے۔اکثر ان میں ایمان نہیں لائے۔یعنی توراۃ پر یقین نہیں رکھتے۔اسی لئے وہ وعدہ خلافی کرنے کو کوئی گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔اس لئے کہ ان کے نزدیک دین کوئی بڑی شیءنہیں ہے۔لہذا وہ گناہ کرتے وقت کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔وعدے توڑنے والوں کا اس آیت میں واضح بیان آ گیا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۱) اور جب آ گئے ان کے پاس رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی جب تشریف آوری ہوگئی۔جو تصدیق کرنے والے ہیں اس کی جو ان کے پاس کتاب (توراۃ) ہے۔اس کے باوجود اہل کتاب میں سے ایک جماعت (گروہ) نے پھینک دیا۔اللہ کی کتاب (توراۃ) کو یعنی توراۃ کے احکام کو جو موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے انہیں ملی تھی۔اس کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا یعنی اس حکم کو نہ مانا جب کہ وہ جانتے ہیں۔کہ آپ اللہ کے آخری (نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ) جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔گویا وہ اسے بالکل جانتے ہی نہیں۔ کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں۔ان کی لاپرواہی سے روگردانی کرنے کو فرمایا۔کہ انہوں نے

وعدہ کو یوں پس پشت ڈال دیا۔ گویا کہ وہ اسے جانتے ہی نہیں۔ کہ انہوں نے وعدہ کیا ہوا بھلا دیا۔

7/7

یہود کے چار گروہ:

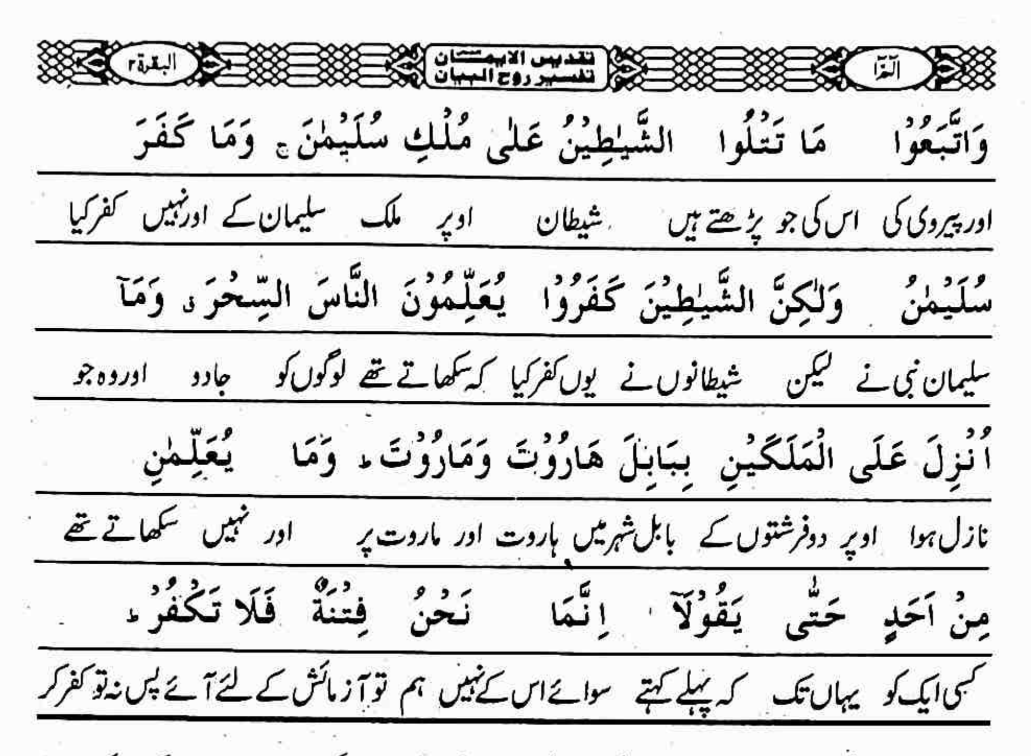
۱۔ پہلے یہود تھے پھر مذہب اسلام قبول کر کے ایمان لائے۔ جیسے مومنین اہل کتاب۔
۲۔ کھل مکھلا وعدہ توڑا۔ اور سرکش اور فاسق ہوئے۔
۳۔ وعدہ خلافی تو کی لیکن جہالت اور نادانی سے۔ ان کی تعداد زیادہ تھی۔
۴۔ ظاہراً توراۃ پر عمل کیا لیکن اندرواندر اپنے عہد کو توڑتے بھی رہے۔ جنہیں متجاہل کہا جائے۔ یعنی جو جاننے کے باوجود جاہلوں والا کام کرے۔

اسی طرح عالم بے عمل سے بھی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ زبانی واعظ کا کلام ضائع ہے۔ اور دل سے وعظ کہنا گویا تیر ہے۔ زبانی واعظ سے مراد بے عمل واعظ اور قلبی واعظ سے مراد عالم باعمل ہے۔ جس کا کلام دل پر اثر کرتا ہے۔ اس کی بات حکمت وعبرت سے لبریز اور فکر انگیز ہوتی ہے۔

ف: انسان کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ تمام فنون میں ماہر بھی ہو۔ سب کچھ ہو لیکن جب تک وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے۔ تو اس سے اس کا جاہل ہی رہنا بہتر ہے۔

سبق: عقل مند آدمی کے لئے ضروری ہے۔ کہ فانی چیزوں کے حاصل کرنے میں اپنی عمر ضائع نہ کرے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کر کے کامیابی حاصل کرے۔ اور باقی رہنے والی چیزوں کو حاصل کرنے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ نازل ہونے سے پہلے اس کے حکم کو مانے۔ **پشیمانی چار قسم ہے**: (۱) ایک دن کی پشیمانی۔ وہ یہ کہ بندہ گھر سے بغیر کچھ کھائے گھر سے نکل جائے۔ (۲) سال بھر کی پشیمانی: وہ یہ کہ بندہ اپنے وقت پر زمین میں بیج نہ ڈال سکا۔ پھر سال بھر پریشان رہے۔ (۳) عمر بھر کی پشیمانی: وہ یہ کہ ناموافق بیوی سے شادی کر لے۔ (۴) ہمیشگی کی پشیمانی: وہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پس پشت ڈال دے۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے۔ کہ اپنی گھٹیا اور ناپائیدار عمر کو یوں ہی ضائع نہ کرے۔ جیسے یہودیوں نے حضور ﷺ کی اتباع نہ کر کے آخرت کی ذلت وخواری حاصل کی۔ کفر وگمراہی کے اندھیرے میں بھٹکتے رہے۔ اور عمر ضائع کر کے آخرت خراب کر لی۔



وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ

اور پیروی کی اس کی جو پڑھتے ہیں شیطان اوپر ملک سلیمان کے اور نہیں کفر کیا

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ

سلیمان نبی نے لیکن شیطانوں نے یوں کفر کیا کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور وہ جو

اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

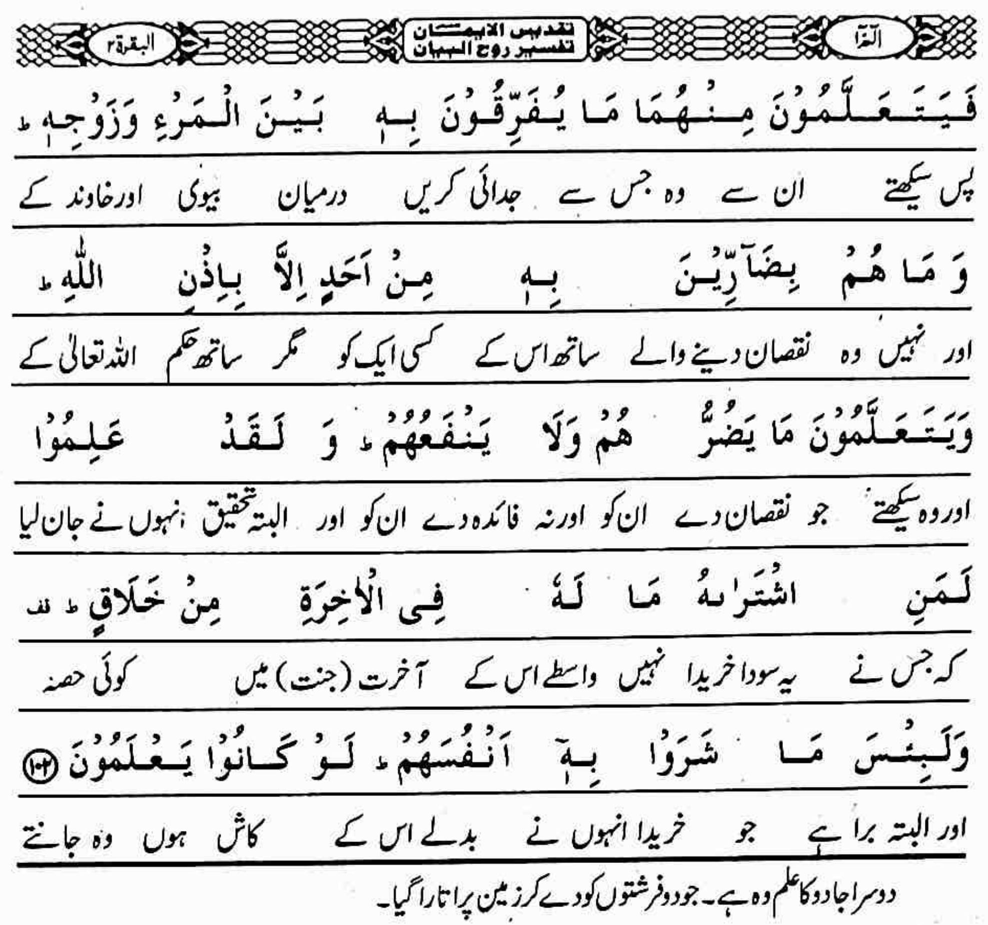
نازل ہوا اوپر دو فرشتوں کے بابل شہر میں ہاروت اور ماروت پر اور نہیں سکھاتے تھے

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ

کسی ایک کو یہاں تک کہ پہلے کہتے سوائے اس کے نہیں ہم تو آزمائش کے لئے آئے پس نہ تو کفر کر

(آیت نمبر۱۰۲) ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت کر دیا۔ اور جادوگروں والی کتابیں لے کر ان کی پیروی شروع کر دی۔ جنہیں شیطان سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کے زمانہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اور ان ہی پر عمل بھی کرتے تھے۔ **تشریح:** حضرت سری فرماتے ہیں کہ شیاطین آسمانوں کی طرف چڑھتے۔ اور فرشتے آنے والے واقعات کے متعلق جو گفتگو کرتے۔ موت وغیرہ کے بارے میں کوئی ایک آدھ بات سن کر اس کے ساتھ ستر جھوٹ ملا کر وہ جادوگروں کو بتاتے اور وہ آگے پھیلا دیتے۔ اور اس کے علاوہ طرح طرح جادو کے ذریعے لوگوں کے بہت نقصانات کرتے۔ اس لئے سلیمان علیہ السلام نے وہ تمام کتابیں اکٹھی کرا کے اپنی کرسی کے نیچے دفن کرا دیں۔ تاکہ جن وغیرہ دوبارہ یہ غلط کام نہ کریں۔

جب جناب سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔ تو شیطان نے اپنے خاص چیلوں کو بتایا کہ سلیمان علیہ السلام تو جادو کے زور پر حکومت کرتے رہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی کتابیں سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نکال کر انہیں پڑھنا اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ مشہور کر دیا۔ کہ یہ سلیمانی جادو ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کر کے سلیمان علیہ السلام کی براءت فرمائی۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ انہوں نے تو اس کفر کو زیر زمین کیا تھا جسے شیاطین نے پھر ظاہر کر دیا۔ معلوم ہوا جادو کرنا کفر ہے۔ اور جادو کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور سلیمان علیہ السلام تو پاکیزہ انسان اور اللہ کے نبی تھے۔ انہیں کفر سے کیا تعلق یہ سراسر بہتان اور یہودیوں کا جھوٹ ہے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ شیطانوں نے لوگوں کو جادو کا علم دے کر کفر کیا اور جادو کی تعلیم کو عام کیا۔ اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ **ف:** معلوم ہوا۔ کہ جادو شیطانی علم ہے سلیمانی نہیں۔



فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ

پس سیکھتے ان سے وہ جس سے جدائی کریں درمیان بیوی اورخاوند کے

وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہیں وہ نقصان دینے والے ساتھ اس کے کسی ایک کو مگر ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا

اوروہ سیکھتے جو نقصان دے ان کو اور نہ فائدہ دے ان کو اور البتہ تحقیق انہوں نے جان لیا

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ

کہ جس نے یہ سودا خریدا نہیں واسطے اس کے آخرت (جنت) میں کوئی حصہ

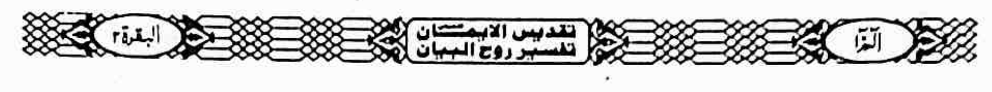
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور البتہ برا ہے جو خریدا انہوں نے بدلے اس کے کاش ہوں وہ جانتے

دوسرا جادو کا علم وہ ہے۔ جو دوفرشتوں کو دے کر زمین پر اتارا گیا۔

ف: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان دونوں فرشتوں کو نازل کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ چونکہ لوگ معجزہ اور جادو میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ہاروت و ماروت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس لئے زمین پر آئے تا کہ وہ جادو اور معجزے میں لوگوں کو فرق کر کے بتائیں۔ وہ دونوں فرشتے کوفہ کے بابل شہر میں اتارے گئے۔ اورانہوں نے آتے ہی لوگوں کو بتادیا کہ ہم آزمائش کے طور پر آئے ہیں۔ جادو سراسر کفر ہے۔ اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

بابل کی وجہ: قول حسن یہ ہے۔ جب نوح علیہ السلام جودی پہاڑ سے نیچے آئے، تو ایک گاؤں اسی (۸۰) گھروں پر مشتمل تیار کیا۔ چونکہ نوح علیہ السلام کے ساتھ اسی (۸۰) مسلمان تھے۔ اس لئے گاؤں کا نام ثمانین (۸۰) رکھا۔ صبح اٹھے۔ تو ہر آدمی الگ الگ بولی بول رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ تبلبل ہو گیا ہے۔ یعنی سب مختلف ہو گئے۔ تو اس شہر کا پہلا نام تبلبل پڑا۔ پھر کثرت استعمال سے بابل پڑ گیا۔ اوراترنے والے دونوں فرشتوں میں ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تھا۔



شان نزول:

ادریس علیہ السلام کے زمانے میں فرشتوں نے عرض کی۔ کہ انسان ہزاروں گناہوں کے باوجود معمولی نیکی سے بلند درجے پاتا ہے۔ اور ہم کوئی بھی گناہ نہ کرنے کے باوجود اتنے درجے نہیں پا سکتے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انسان کا خواہشات وشہوات کے باوجود نیکی کر لینا اس کا کمال ہے۔ اگر تم ان کی جگہ ہوتے اور تمہارے اندر بھی خواہشات وشہوات ہوتیں۔ اس کے باوجود تم نیکی کرتے۔ تو پھر تمہیں بھی اسی طرح درجے ملتے۔ انہوں نے کہا۔ کہ بے شک ہمارے اندر بھی خواہشات وشہوات رکھ دی جائیں۔ تاکہ ہم وہ درجہ حاصل کریں۔ جو انسان درجے حاصل کرتا ہے۔ فرمایا کہ تم دو فرشتے منتخب کرو۔ انہیں زمین پر بھیجا جائے۔ انہوں نے ہاروت ماروت کو منتخب کر لیا۔ ان میں تمام انسانی مادے رکھ دیئے گئے اور پھر زمین پر اتارا گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ چند ہی دنوں بعد ان سے گناہ سرزد ہو گیا۔ تو ادریس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان سے پوچھو۔ کہ دنیا کی سزا چاہتے ہو۔ یا آخرت کی۔ چونکہ جہنم تو انہوں نے دیکھی ہوئی تھی کہ اس کی سزا انتہائی سخت ہے۔ تو انہوں نے دنیا کی سزا مانگ لی۔ تو وہ اس وقت بھی بابل کے ایک کنویں میں لٹکے ہوئے ہیں۔ قیامت تک لٹکے رہیں گے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ دنیا سے بچو اللہ کی قسم یہ ہاروت ماروت سے بھی بڑا جادو رکھتی ہے (مسند احمد)۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ دونوں فرشتے کسی کو جادو نہیں سکھاتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلے اسے نصیحت کرتے اور عمل سے روکتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ بے شک ہم آزمائش بن کر زمین پر آئے ہیں۔ لہذا تو جادو پر عمل کر کے کفر نہ کر جس نے یہ جادو کیا۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جو اس پر عمل کرنے سے بچ گیا۔ وہ مومن ہو گا۔ لہذا ہر جادو سیکھنے والے کو وہ یہی کہتے۔ کہ اس پر اعتقاد کر کے کفر نہ کر۔ اور یہ جملہ سات بار دہراتے۔ پھر بھی اگر وہ کہتا۔ کہ میں ضرور یہ سیکھوں گا۔ تو پھر وہ سکھلا دیا کرتے تھے۔ اور لوگ اس لئے جادو سیکھتے تھے۔ کہ وہ اس جادو کے ذریعے بیوی اور خاوند میں جدائی پیدا کر دیں۔ یعنی گھروں میں فتنہ فساد کرا دیتے اور پھر تماشہ دیکھتے (جیسے آج کل ہو رہا ہے)۔

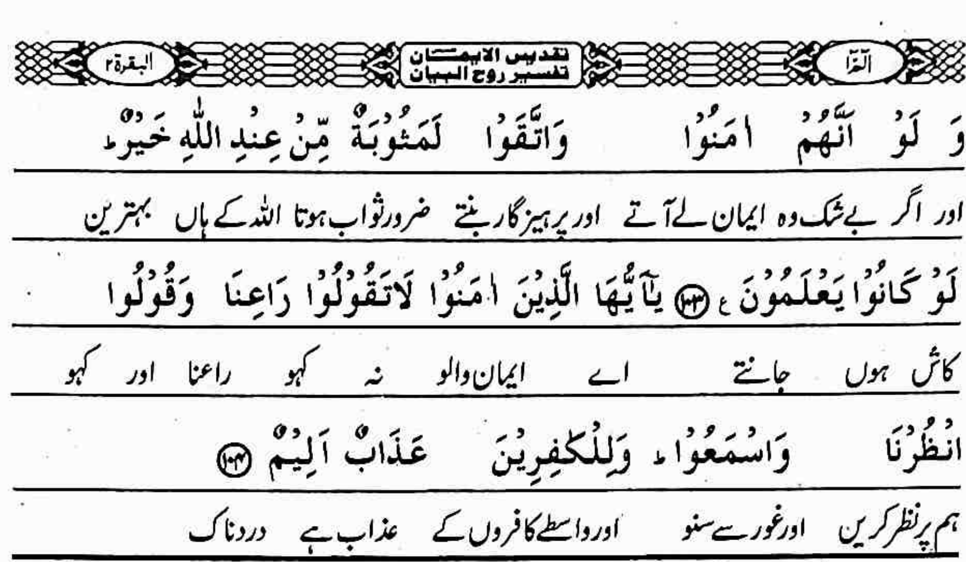
جادو کیسے سکھاتے: سدّی فرماتے ہیں۔ کہ جب وہ نہ مانتے اور جادو سیکھنے پر زور دیتے۔ تو وہ ان کے سامنے راکھ رکھتے۔ اور کہتے۔ کہ تم اس پر پیشاب کر دو۔ جب وہ اس پر پیشاب کر دیتا۔ تو اس سے ایک نور نکل کر آسمانوں کی طرف چلا جاتا۔ وہی ان کا ایمان ہوتا۔ جو آسمانوں کی طرف چلا جاتا۔ اور آسمانوں سے ایک دھواں اتر کر

کان کے ذریعے اندر جاتا جو کفر تھا۔ پھر وہ بندہ جادوگر بن جاتا۔ ہر قسم کے جادو ٹونے کرتا۔ خصوصاً وہ بیوی خاوند میں جھگڑا کرا دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ جادوگر جادو سے کسی کو نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔ مگر اللہ کے حکم سے چونکہ ہر چیز میں تاثیر اللہ کے حکم سے ہے۔

جادو اور کرامت:

میں فرق ہے۔ بعض لوگ جادو کے ذریعے بڑے عجیب عجیب کرتب دکھا دیتے ہیں۔ مثلاً پانی پر تیرنا۔ کبھی ہوا میں اڑنا۔ حالانکہ یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ ایک اللہ والے کے سامنے کسی نے ایک شخص کے متعلق بتایا کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ کوئی کمال نہیں ہوا میں تو مکھی بھی اڑتی ہے۔ کسی نے کہا فلاں بزرگ پانی پر بیٹھا ہے۔ فرمایا یہ بھی کوئی کمال نہیں۔ مچھلی بھی پانی پر تیرتی ہے۔ اصل کمال دین پر استقامت ہے تو جادوگر اس طرح کئی کرتب دکھاتے ہیں۔ آج کل بھی بعض لوگ جادو وغیرہ کے ذریعے کئی قسم کے کرتب دکھا کر اپنے آپ کو بزرگ ظاہر کر کے لوگوں کو مرید بناتے ہیں۔ لیکن نماز روزے کے قریب نہیں جاتے۔ اور لوگ انہیں ولی اللہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کو لوٹتے ہیں، اس لئے اس بات کو جانچنا بھی بہت ضروری ہے۔ کہ بے نمازی کبھی بھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ آگے فرمایا۔ کہ لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے۔ جو انہیں نقصان پہنچائیں اور فائدہ نہ دیں۔ کوئی چیز اس وقت اثر کرتی ہے۔ جب اذن الٰہی ہو۔ اگر اذن الٰہی نہ ہو۔ تو اثر معطل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جادو مشیت الٰہی پر غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہر چیز کے وجود و عدم کا دارومدار ہے۔

ان یہود نے توراۃ کے ذریعے جانا ہوا تھا۔ کہ جس نے جادو کا علم خریدا۔ یعنی اللہ کی کتاب کے مقابلے میں شیطان کا علم سیکھا۔ تو اس کا آخرت (جنت) میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور جو چیز انہوں نے خریدی وہ بہت ہی بری ہے۔ نفس کا لفظ اس لئے کہا۔ کہ نفس صرف علم و عمل اور ایمان حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ تا کہ بندہ اس کے ذریعے اپنا تزکیہ کر سکے، اس لئے فرمایا۔ کہ کاش وہ جانتے۔ کہ جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا کتنا بڑا نقصان ہے۔

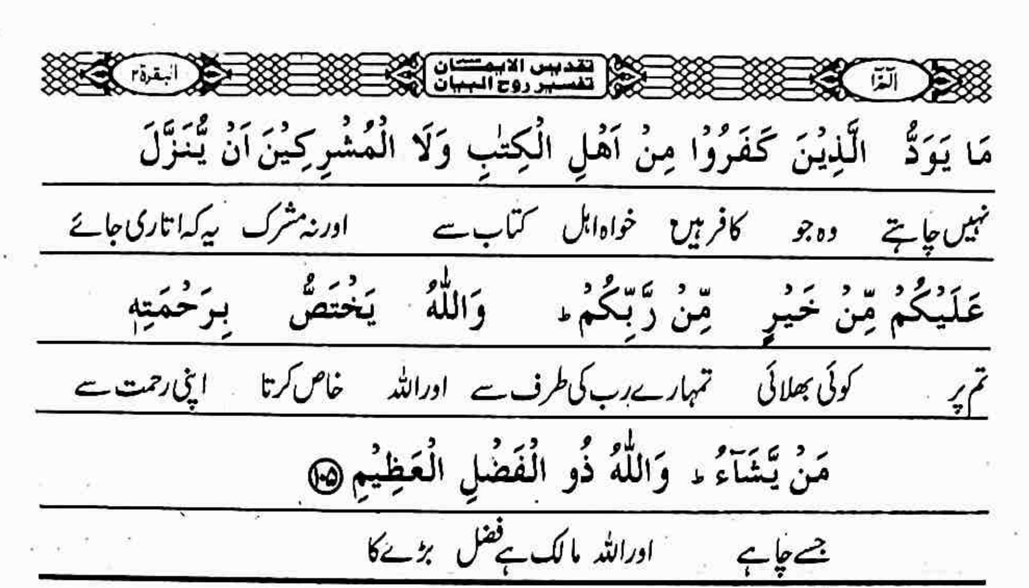


(آیت نمبر ۱۰۳) اور اگر وہ یہود ایمان لے آتے۔ نبی پاک ﷺ اور قرآن پر اور بچتے جادو سے اور کفر و شرک سے تو ان کے لئے ثواب تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خیر کا اجر ملتا چونکہ ان کے لئے خیریت کا حصول ضروری تھا۔ کاش کہ اس ثواب اور بہتری کو وہ اچھی طرح جان لیتے۔ یعنی قرآن کی تعلیم اور عظمت کو سمجھتے تو اس کے ذریعے بے شمار فوائد حاصل کرتے۔

مسئلہ: آیات قرآنی سے تعویذ بنانا۔ جھاڑ پھونک کرنا سب جائز ہے۔ حضور ﷺ سے یہ چیزیں ثابت ہیں۔ اور ان میں جو تاثیرات ہیں۔ وہ تو کسی جادو ٹونے میں بھی نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے کسی مسلمان کو نفع پہنچاؤ۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا۔ کہ اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ جو مسلمان کی مدد میں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

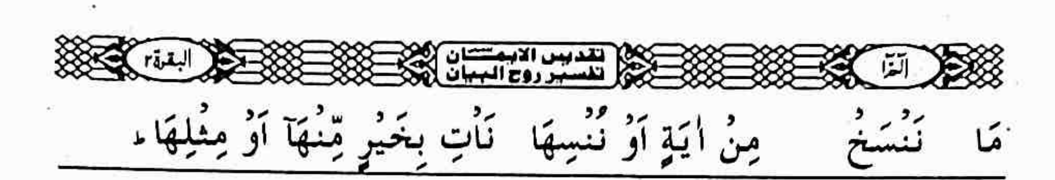
(آیت نمبر ۱۰۴) اے ایمان والو۔ رسول خدا کو راعنا نہ کہو۔ اس آیت میں اہل ایمان کو ایک کار خیر کی راہنمائی کی جا رہی ہے۔ (اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سے بچایا جا رہا ہے)۔

شانِ نزول: دوران وعظ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے کوئی علمی بات پوچھنی ہوتی۔ تو راعنا کہتے۔ کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی بات کو دہرائیں یا اس کی مزید وضاحت فرمائیں تاکہ ہم اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہودیوں کو موقع مل گیا۔ تو یہودی اس کلمہ کو بے ادبی کے طور پر استعمال کرتے۔ یعنی راعنا میں عین کے بعد یاء لگا کر راعینا کہتے جس کا معنی ہے اے ہمارے بکریاں چرانے والے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کلمہ کے کہنے سے روک دیا گیا کہ جس میں حضور ﷺ کی بے ادبی کا احتمال تھا۔ اور حکم دیا کہ تم کہا کرو۔ "انظرنا" یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ اور فرمایا کہ پہلے ہی سے میرے نبی کی بات کو خوب غور سے سنو۔ اور مسائل کو دل نشین کر لو۔ تاکہ رعایت والا لفظ کہنے کی حاجت ہی نہ رہے۔ اور جن یہودیوں نے میرے نبی کی توہین کی ہے یا گالی دی ہے۔ ان کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔



(بقیہ آیت نمبر۱۰۴) **ف**: اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور کے لئے بے ادبی کا لفظ بولنا کفر ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ (بخاری و مسلم) یعنی جس کی زبان اور ہاتھ سے کوئی مسلمان محفوظ نہیں جیسے آج کل دہشت گرد دھماکے کر کے مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔ وہ مسلمان ہی نہیں۔ تو جس کی زبان سے نبی کی ذات بھی محفوظ نہیں۔ اس کے کفر میں کیا شک ہے۔ **ف**: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو عمل فی نفسہ منع نہ ہو۔ لیکن اس کے کرنے سے دوسرا فعل جو منع ہو اس کا صدور ہوتا ہو۔ تو پھر اس کا بند کرنا ضروری ہے۔ ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ بندہ اس وقت تک متقی کے درجے تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ کام بھی نہ چھوڑے جو بظاہر مباح ہوں۔ لیکن اس میں خطرہ ہو۔ ایک اور حدیث میں فرمایا۔ حلال اور حرام دونوں واضح ہو گئے۔ ان کے درمیان مشتبہات ہیں۔ جو ان سے بچ گیا۔ اس نے اپنے دین کو بچا لیا۔ (ریاض الصالحین)

(تشریح آیت نمبر۱۰۵) اہل کتاب کے کافر گروہ نہیں چاہتے۔ اور نہ مشرک یہ چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی کافر و مشرک نہیں چاہتا۔ کہ تمہارے نبی پر کوئی چیز نازل ہو۔ یعنی وحی یا قرآن میں سے کوئی آیت وغیرہ کیونکہ وہ وحی کے لئے اپنے آپ کو حقدار سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں۔ اور ناپسند کرتے ہیں۔ کہ ان کی طرف قرآن کا نزول ہو۔ اور ان میں جو مالدار یا مرتبہ والے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ نبوت بھی دنیوی منصب کی طرح ہے۔ جو صاحب مرتبہ یا مالدار صاحب جائیداد کو ملنا چاہئے۔ اور ان کے قول کو قرآن میں یوں بیان فرمایا۔ کہ وہ کہتے یہ قرآن ان دو بڑی بستیوں میں شان و شوکت والوں پر کیوں نہ اترا؟ یعنی طائف کے ابن مسعود ثقفی یا مکہ کے ولید بن مغیرہ پر اس قرآن کو اتارنا چاہئے تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ جسے چاہتا ہے۔ اسے اپنی رحمت سے مختص فرما دیتا ہے۔



مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

جو بھی ہم منسوخ کریں کوئی آیت یا بھلا دیں تو ہم لے آتے اس سے بہتر یا اس جیسی

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

کیا تو نہیں جانتا کہ بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) اس آیت میں **رحمت**: سے مراد۔ نبوت، وحی، حکمت اور نصرت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ جسے چاہے نوازے اور یہ نوازنا بھی اس پر واجب نہیں اور نہ ہی کسی کا اس پر کوئی حق واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے نبوت و وحی کے لئے جس کو چاہتا ہے اسے چن لیتا ہے۔ اس میں بندے کے کسی عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہود محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

ف: بعض دانا فرماتے ہیں کہ حسد کرنے والا پانچ باتوں میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے:

۱۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت سے بغض کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی کو دی۔

۲۔ وہ اللہ پر ناراض ہے۔ کہ اللہ نے تقسیم غلط کی۔ اسے میری مرضی کے مطابق کرنا چاہئے تھا۔

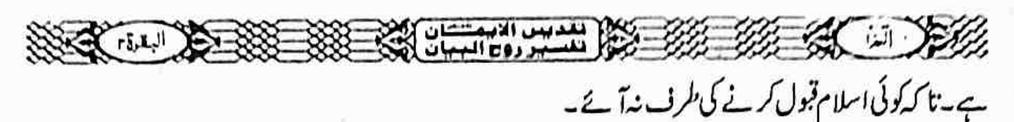
۳۔ حاسد اللہ تعالیٰ کے فضل بے حساب کے مقابلے میں بخل کرتا ہے۔

۴۔ جس پر اللہ کی عطا ہوئی وہ اللہ کا پیارا ہے۔ اور حاسد اسے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے نعمت چھننے کا خواہاں ہے۔

۵۔ حاسد اللہ کے دشمن شیطان کا مددگار ہے۔ کہ وہ بھی جناب آدم علیہ السلام سے حسد کر کے ذلیل ہوا۔

(تشریح آیت نمبر ۱۰۶) ہم کوئی آیت منسوخ کریں۔ یا بھلا دیں۔

شان نزول: قرآن مجید میں کچھ احکام اترے پھر کچھ منسوخ ہوئے جیسے آیت رجم اور کچھ تبدیل ہوئے۔ جیسے مرنے والے کی بیوی کی عدت کا مسئلہ تو جب کچھ آیات کی تلاوت منسوخ حکم موجود اور کچھ کا حکم منسوخ اور تلاوت موجود کا معاملہ ہوا تو مشرکین اور یہود نے اعتراض کیا۔ کہ نبی کریم ﷺ ایک دن صحابہ کو ایک حکم دیتے ہیں۔ پھر روک دیتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف حکم دے دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام تو نہیں بدلتے۔ اصل میں یہودیوں کا تو مقصد ہی اسلام پر طعن و تشنیع



ہے۔تا کہ کوئی اسلام قبول کرنے کی طرف نہ آئے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آیات کے منسوخ ہونے کی حکمت بتائی۔ کہ اللہ تعالیٰ جس آیت کو بھی منسوخ فرماتا ہے۔اس میں کوئی نہ کوئی حکمت یا مصلحت ہوتی ہے۔کبھی تلاوت منسوخ ہوتی ہے۔لیکن حکم باقی ہوتا ہے۔کبھی حکم منسوخ اور تلاوت باقی کبھی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوتے ہیں۔تو یہ سب اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ بندے کا کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر اعتراض کرے۔

آگے فرمایا۔ کہ اگر ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو ہم منسوخ ہونے والی آیت سے بہتر لے آتے ہیں۔ بہتر کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس میں بندوں کا فائدہ اور ثواب زیادہ ہے۔ ورنہ شان میں تو دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ دونوں کلام الٰہی ہیں اور یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔یعنی جس کا نفع و ثواب پہلی کے برابر ہے۔

فائدہ : یہ تو دنیوی معاملات میں بھی ہوتا ہے۔

ف : جیسے حکیم لوگ بھی مریض کے مزاج کے مطابق دوائی تبدیل کرتے رہتے ہیں۔کبھی ایک دوا دیتے ہیں پھر کبھی دوا بدلتے ہیں اور کبھی غذا بدل دیتے ہیں۔تو اسے کوئی نہیں کہتا کہ یہ کیوں ایسا کرتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اسلام کے مزاج کے مطابق احکام تبدیل فرمائے۔ اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔لہذا وہ منسوخ پر بھی اور اس کی جگہ دوسری آیت لانے پر بھی قادر ہے۔

ف:کل اس کی چار قسمیں ہوگئیں:(۱) تلاوت منسوخ حکم موجود ہو۔ جیسے آیت رجم۔(۲) آیت موجود اور حکم منسوخ۔ جیسے فوت شدہ کی عورت کی عدت جو ایک سال تھی۔ پھر بدل کر اسے چار ماہ اور دس دن کر دی گئی۔ (۳) تلاوتاً بھی منسوخ اور حکم بھی منسوخ۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ قرآن میں ایک آیت تھی کہ جس میں یہ حکم تھا۔ کہ عورت سے بچہ دس دفعہ دودھ پیئے۔اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر یہ آیت بھی منسوخ اور حکم بھی منسوخ ہو گیا۔(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ وہ آیت بھلا ہی دی جائے۔ جیسے ایک سورت نازل ہوئی صحابہ نے اسے یاد بھی کیا۔ دوسرے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ وہ سورت یاد ہی نہیں رہی سوا بسم اللہ شریف کے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اور حکم دونوں اٹھا لئے گئے ہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کیا تو نہیں جانتا کہ بے شک اللہ ہی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ

کوئی دوست اور نہ مددگار یا کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہوا

مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدلے کفر ساتھ ایمان کے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

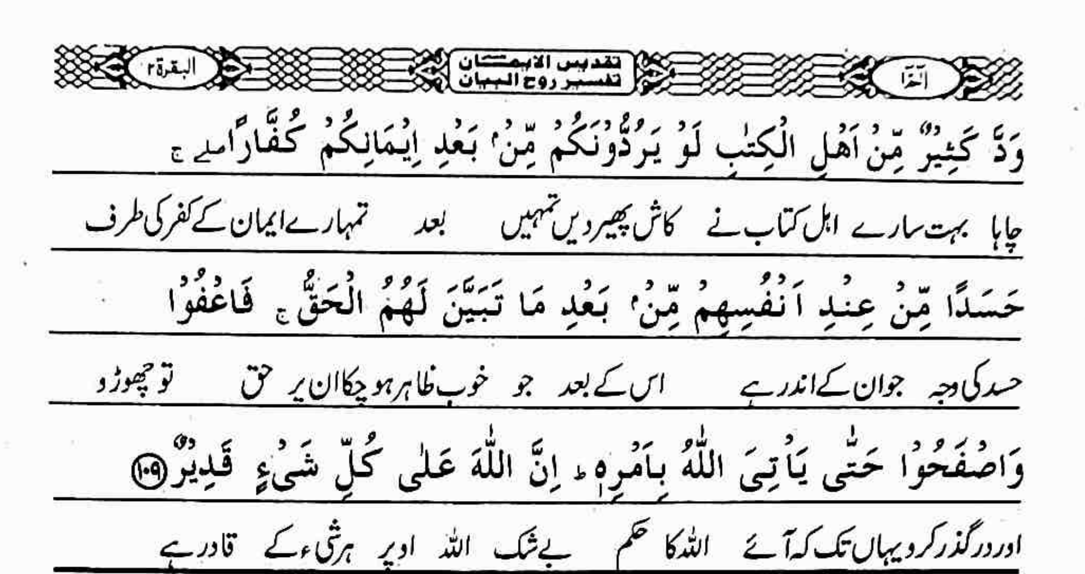
(آیت نمبر ۱۰۷) کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ بے شک آسمان اور زمین اسی کی ملک میں ہیں۔ یہ "علی کل شیء قدیر" کی دلیل ہے۔ صرف آسمان وزمین کا نام اس لئے لیا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں عظیم الشان اور عجیب نشانی ہیں۔ ورنہ ہر ذرہ تک کا ہے۔ اسی آگے فرمایا۔ کہ اے ایمان والو۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔

عقیدہ: میں یہ تین امور ضروری ہیں: ۱۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۔ زمین وآسمان اور اس کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہے۔ لہذا اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔ اور ہر معاملہ اسی کے سپرد کر دینا چاہئے۔ اور کفار کے شک ڈالنے والے اقوال کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔

(آیت نمبر ۱۰۸) اے لوگو جب تمہیں معلوم ہو چکا۔ کہ اللہ ہی مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر تم ایسے سوال کرتے ہو جیسے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کئے۔ یاد رکھو میرے نبی کی شان بہت بلند ہے۔ کہیں کوئی غلط سوال نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ سارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ **نوٹ**: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نسخ کی حکمتوں کے متعلق کئی طرح کے سوال کرنے لگے۔ دراصل اس کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔ وہ مسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اکساتے۔ تو مسلمان حضور ﷺ سے پوچھتے۔ اس لئے فرمایا کہ تم اس طرح سوال کرنے لگ گئے جیسے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کئے گئے۔ یاد رکھو آئندہ میرے حبیب ﷺ سے یہودیوں کی طرح قیل وقال مت کرو۔ جو ایمان سے کفر کو بدلے گا۔ یعنی جو آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مصلحت کے لئے نازل ہوئیں۔ ان کا انکار کرے گا۔ یا ان کی مخالفت کرے گا۔



وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ

چاہا بہت سارے اہل کتاب نے کاش پھیر دیں تمہیں بعد تمہارے ایمان کے کفر کی طرف

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا

حسد کی وجہ جو ان کے اندر ہے اس کے بعد جو خوب ظاہر ہو چکا ان پر حق تو چھوڑ دو

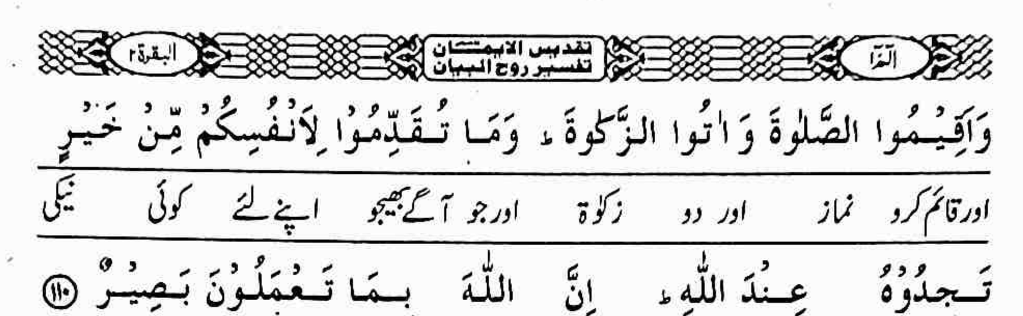
وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾

اور در گذر کرو یہاں تک کہ آئے اللہ کا حکم بے شک اللہ اوپر ہر شیء کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۸) یا جو اس کے برعکس چاہے گا۔ یا میرے رسول سے سوالات کر کے چھیڑ چھاڑ کرے گا وہ گمراہ ہے۔ اور تحقیق وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ یعنی جو حق وہدایت کا راستہ تھا۔ اس سے ہٹ کر وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑا۔ اس آیت میں آداب غلامانہ سکھائے گئے۔ یعنی جو اپنے آقا اور رسول اور خلیفہ کا ادب نہیں کرتا۔ سمجھ لو پھر وہ کفر کو پسند کر رہا ہے۔ **ف**: شریعت کے احکام طریقت کے آداب کو کہتے ہیں۔ ترک ادب سے ہی لوگ گمراہ ہوئے۔ جیسے شیطان آدم علیہ السلام کی بے ادبی کر کے گمراہ ہوا۔

(آیت نمبر ۱۰۹) اہل کتاب کی اکثریت چاہتی ہے۔ اس سے علماء یہود کا ایک گروہ مراد ہے۔

شانِ نزول: جنگ احد کے بعد یہود کے کچھ افراد نے حضرت حذیفہ اور عمار رضی اللہ عنہما کو کہا۔ کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں شکست کھانی نہ پڑتی اب بہتر یہی ہے۔ کہ تم ہمارے دین میں آجاؤ۔ ہم تم سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ تمہارے مذہب میں عہد شکنی کا کتنا گناہ ہے۔ کہنے لگے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ تو دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ کہ ہم نے تو محمد ﷺ سے عہد کیا ہے۔ ان کے نبی برحق ہونے پر اسلام کے دین حق ہونے اور قرآن کے امام ہونے اور کعبہ کے قبلہ ہونے اور مسلمانوں کے بھائی ہونے پر۔ لہذا ہم یہ عہد توڑ نہیں سکتے۔ تو وہ اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ پھر ان دونوں نے واپسی پر سارا ماجرا حضور ﷺ کو سنا دیا حضور ﷺ نے فرمایا بہت اچھا جواب دیا۔ اور بڑی کامیابی ملی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود تمہیں تمہارے دین حق سے پھرانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ کہ تمہیں ایمان کے بعد مرتد بنا دیں۔ بوجہ حسد کے جو ان کے نفسوں میں ہے۔



وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ

اورقائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور جو آگے بھیجو اپنے لئے کوئی نیکی

تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

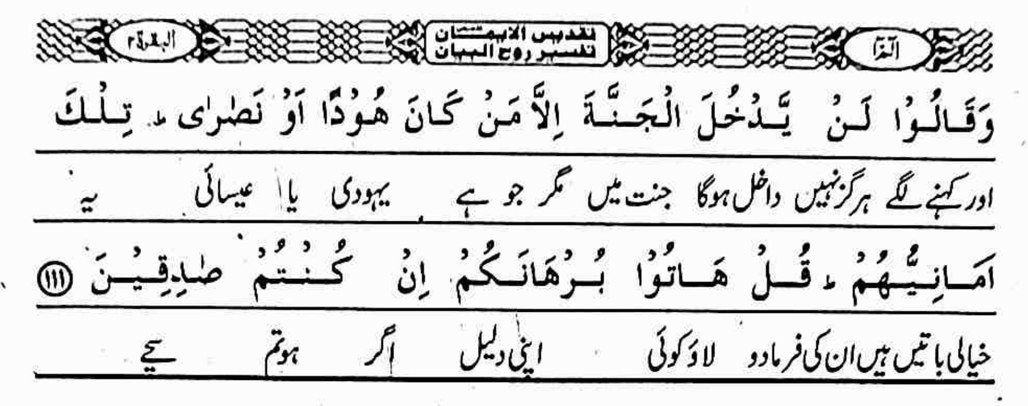
تو پاؤ گے اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس بے شک اللہ تعالیٰ جو بھی تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۰۹) اس کے بعد کہ انہیں بالکل یقین سے معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت محمد ﷺ برحق رسول ہیں۔ ان کا ہر قول برحق ہے۔ اور ان کا دین بھی حق ہے۔ کیونکہ انہوں نے معجزات بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور ان کی کتاب توراۃ میں حضور ﷺ کے اور اسلام کے اوصاف واضح موجود تھے۔ لہذا اے مسلمانو ان کو درگذر کرو۔ یعنی ان کو جواب وغیرہ دینا اب چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچے۔ یعنی ان سے جنگ وقتال کا۔ یا ان کے جزیہ مقرر کرنے کا یا بنی قریظہ کے قتل اور بنی نظیر کی جلاوطنی وغیرہ کا جو تمہیں حکم ملا اس پر عمل کرو۔

شانِ نزول: مروی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے اجازت مانگی۔ کہ بہتر ہے آپ ہمیں اجازت دیں۔ کہ جن یہودیوں نے مسلمانوں کو کفر کی طرف بلایا۔ ہم ان سے جنگ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے روگردانی کرو۔ (یعنی ان کو دفع کرو) بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ لینے پر قادر ہے۔ جب وقت آئے گا ان سے بدلہ لے لیا جائے گا۔ وہ لوگ بھاگ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے۔

(آیت نمبر۱۱۰) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ یعنی صبر سے کام لو اور دین پر قائم رہو۔ عبادات کی طرف توجہ دو۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ کو خاص کر کے بیان کیا۔ ان کے عظیم الشان اور بلند قدر ہونے کی وجہ سے۔ چونکہ نماز بدنی عبادت ہے۔ اب چاہیئے یہ کہ انسان کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرے۔ آگے فرمایا۔ کہ تم اپنی آخرت کی بہتری کے لئے جو بھی نیکی (نماز یا زکوٰۃ) وغیرہ کر کے آگے بھیجو گے۔ تو اس عمل کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں محفوظ پاؤ گے۔ بلکہ کئی گنا بڑھ کر ہوگا چنانچہ ایک لقمہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو گے اس کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، اچھے یا برے، اگر اچھے ہوئے تو جزا دے گا۔ اور برے عمل کی سزا دے گا۔ اچھے اعمال اس کی بارگاہ میں ضائع نہیں ہوتے۔

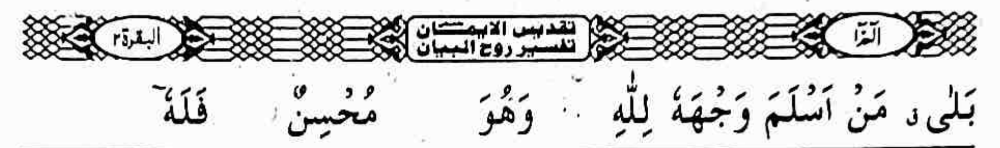
ف: مرنے کے بعد عمل کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ مگر چند نیک اعمال وہ ہیں۔ کہ مرنے کے بعد بھی ان کا ثواب ملتا ہے۔ جیسے صدقہ جاریہ مثلاً مسجد بنانا، پل بنانا، فقراء کے لئے اوقاف قائم کرنا۔ جیسے کہ ایک **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ انسان جب مر جاتا ہے۔ تو اس کے عمل اور ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین ومشکوٰۃ شریف)



بقیہ آیت نمبر۱۱۰) مگر تین اعمال کا ثواب بعد میں بھی ملتا رہتا ہے۔(۱) صدقہ جاریہ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ (۲) نیک اولاد۔(۳) یا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ **مسئلہ**: نیک اولاد کے نیک اعمال سے ماں باپ کو برابر ثواب ملے گا۔ مگر ان کے بداعمال سے گناہ ماں باپ کی طرف نہیں جائے گا۔ اولاد روحانی یا جسمانی نیک اعمال کے بعد دعا کرے یا نہ کرے۔ ان کے نیک اعمال سے خودبخود ماں باپ اور استاد کو ثواب پہنچ جائے گا۔

اسلام میں نیا طریقہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو اسلام میں نیک طریقہ جاری کرے تو اس کا اسے ثواب ملے گا۔ اگر کوئی اور بھی اس پر عمل کرے تو اس کا ثواب بھی اس کے کھاتے میں آئے گا۔ اور دوسرے عمل کرنے والے کے ثواب میں کمی بھی نہیں کی جائیگی۔ اسی طرح جو اسلام میں برا طریقہ جاری کرلے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور کوئی دیکھ کر اس پر عمل کرے تو اس کا وبال بھی اس پر ہی ہوگا۔ اور یہ قیامت تک کے لئے جاری رہے گا۔ اسی طرح سے "مجاهد فی سبیل الله" کا ثواب بھی جاری رہتا ہے۔ ختم نہیں ہوتا۔(مسلم شریف)

(آیت نمبر۱۱۱) نجران کے نصاریٰ اور یہودیوں نے کہا کہ جنت میں ہرگز نہیں کوئی جائے گا۔ مگر یہ کہ ہو یہودی یا عیسائی۔ **فائدہ**: اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دونوں گروہ جنت میں جانے کے قائل تھے۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کو جہنمی کہتے تھے۔ **شان نزول**: ایک دن حضور ﷺ کی مجلس میں یہودی اور عیسائی اکٹھے ہوئے۔ اور ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگے۔ اور یہودی کہنے لگے۔ جنت میں صرف ہم جائیں گے۔ اور عیسائیوں نے کہا۔ کہ جنت میں صرف ہم جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان دونوں کا دعویٰ ہی غلط ہے۔ یہ تو صرف ان کے خیالات ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور ان کی آرزوئیں ہیں۔ جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرمایا۔ کہ ان سے کہیں۔ کہ تم جنت میں جانے کی کوئی دلیل اور حجت پیش کرو۔ جس سے ثابت ہو۔ کہ تم ہی جنت میں جاؤ گے۔ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ کیونکہ کوئی دعوی بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا۔



بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ

ہاں جس نے حوالے کردیا اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے پس واسطے اس کے

اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اجراسکا نزدیک اس کے رب کے اور نہیں ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

(آیت نمبر ۱۱۲) ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا۔ "وجـہ" اگرچہ صرف چہرہ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن چہرا کہہ کے پورا بدن مراد لیا ہے۔ چونکہ چہرا پورے بدن میں اعلیٰ اور اشرف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چہرے سے آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام حواس اور فکر نظر کا معدن ہے۔ یعنی جزء بول کر کل مراد لی ہے۔ اپنے آپ کو پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا۔ جس میں کسی دوسرے کا حق نہیں۔ اس حال میں کہ وہ محسن ہے۔ یعنی اپنے اخلاص اور نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف خضوع اور فرمانبرداری کے ساتھ سپرد کرنے کی وجہ سے تمام اعمال میں وہ محسن ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ جو عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ عبادت یوں کرو۔ کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم نہیں دیکھ رہے۔ تو پھر یہ یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہی ایمان کی حقیقت اور احسان کا باطنی معنی ہے۔ (بخاری و مسلم)

جیسے ایک **حدیث قدسی** میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ بندہ نفل پڑھتے پڑھتے میرے اتنے قریب آجاتا ہے۔ کہ میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں الخ (بخاری) یعنی اس کی ہستی بندہ کے صفات کا آئینہ بن جاتی ہے۔ اور بندہ اس کی ہستی کا مظہر بن جاتا ہے۔ لہذا جب بندہ اس درجے پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔ گویا وہ اعلیٰ اعمال ہیں، جو بہشت میں داخلے کا سبب ہیں۔ ان کے بغیر داخلہ محال ہے، لہذا یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ جنت میں صرف وہی جائیں گے بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ نہ ان کا عقیدہ صحیح ہے۔ نہ ان کے اعمال صحیح ہیں تو وہ جنت میں جانے کے حقدار کیسے بن گئے۔ آگے فرمایا کہ بندہ کے اعمال اس کے رب کے پاس محفوظ ہیں۔ یعنی نہ اعمال میں کمی ہوتی ہے۔ نہ ضائع ہونے کا ڈر ہے۔ اس لئے فرمایا نہ انہیں دنیا میں کوئی ڈر ہے۔ نہ آخرت کا کوئی غم و فکر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

اور کہا یہودیوں نے نہیں ہیں عیسائی اوپر کسی چیز کے اور کہا عیسائیوں نے نہیں ہیں یہودی

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

اوپر کسی چیز کے حالانکہ وہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا انہوں نے جو جاہل ہیں مثل بات ان کی

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پس اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان بروز قیامت اس میں جو تھے اس میں اختلاف کرتے

(آیت نمبر۱۱۳) یہودی کہنے لگے۔ کہ نصاریٰ کا مذہب صحیح اور قابل اعتماد نہیں۔ اور عیسائی بھی کہنے لگے۔ کہ یہود کا کوئی صحیح مذہب نہیں۔ حالانکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ یعنی دونوں میں اہل علم بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر کتاب میں دوسری آسمانی کتاب کی تصدیق موجود ہے۔ لیکن یہ تو اس طرح کی گفتگو کر رہے ہیں۔ جیسے بے علم اور جاہل لوگ بتوں کے پجاری باتیں کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک دوسرے کے متعلق کہتے ہیں فلاں کسی قطار میں نہیں۔ دوسرا کہتا ہے فلاں کسی گنتی میں ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ کہ اہل علم ہو کر جاہلوں والی گفتگو کرتے ہیں۔ آگے فرمایا اللہ تعالیٰ ان میں بروز قیامت فیصلہ فرمائے گا۔ اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ان کے دین کے معاملہ میں یوں فیصلہ فرمائے گا۔ کہ وہ جس سزا کے لائق ہیں۔ انہیں وہی سزا دی جائے گی۔ اور حق و باطل واضح کر دیا جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

نوٹ: یہ بات صرف گمراہ فرقوں میں نہیں۔ بلکہ یہ تو ہر جماعت میں خیالات پائے جاتے ہیں۔ ہر فرقہ اپنے مشن کو دوسروں کے مشن سے اعلیٰ سمجھتا ہے اور اس پر خوش ہے۔ اور ہر جماعت اپنی جماعت کو دوسروں کی جماعت سے بہتر اور دوسروں کو غلط تصور کرتے ہیں۔ خصوصاً جتنے گمراہ فرقے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ہی حق پر سمجھتے ہیں۔ اور جتنے جاہل اور بناوٹی پیر بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے میں بڑا پیر ہوں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ جس نے اپنے متعلق صاحب قلب وارشاد تزکیہ نفس اور معرفت کا دعویٰ کیا صرف دنیا بٹورنے کیلئے۔ انہیں آخرت میں ان عورتوں سے کئی گنا زیادہ عذاب ہوگا۔ جنہیں حضور ﷺ نے معراج کی رات جہنم کے عذاب میں دیکھا۔ ہر ایک کو صراط مستقیم پر چلنا چاہئے۔ جس سے نفع حاصل ہو۔ ایک دوسرے پر یہود و نصاریٰ کی طرح برتری ظاہر نہیں کرنی چاہئے۔ قیامت کے دن وہی عزت پائے گا جو متقی ہوگا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جو روکے مسجدوں سے اللہ کی یہ کہ ذکر کیا جائے ان میں نام اس ذات کا

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ

اور کوشش کرے اس کی ویرانی میں وہ ہیں کہ نہیں ہے ان کیلئے یہ کہ داخل ہوں اس (مسجد) میں مگر ڈرتے ڈرتے

لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور واسطے ان کے آخرت میں عذاب ہے بڑا

(آیت نمبر۱۱۴) اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں ذکر کرنے سے منع کرے۔

شان نزول: ططیوس رومی بادشاہ جو مذہبا عیسائی تھا۔ اس نے بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے خراب کیا۔ توراۃ کو جلا دیا۔ اور یہودی علماء کو قتل کیا۔ اور ان کی اولادوں کو قید کیا اور مسجد میں مردار پھینکے خنزیروں کو ذبح کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک بیت المقدس کی حالت ابتر رہی۔ پھر مسلمانوں نے ان سے چھین کر اسے آباد کیا۔ پھر عیسائیوں نے جبر وظلم سے اس پر قبضہ کیا۔ سو سال تک عیسائیوں کے پاس رہنے کے بعد پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۵ھ میں اسے فتح کیا۔

فائدہ: اس آیت میں حکم ہر مسجد کے لئے یہی ہے۔ کہ جس مسجد سے بھی اللہ کے ذکر سے کوئی روکے گا۔ گویا وہ اس مسجد کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا۔ یعنی مسجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید ہی ہونی چاہئے۔ اسی طرح اگر کوئی نماز سے منع کریگا تو اس کا بھی یہی حکم ہے آگے فرمایا کہ ان کو لائق نہیں۔ کہ وہ اس میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ خشیت وخضوع کے بغیر چہ جائیکہ اسے خراب کرنے کی جرأت کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بہت بڑی رسوائی ہے۔ مثلاً ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل یا قید ہونا۔ یا ذمی ہو کر جزیہ ان پر پڑنا۔ یا ان کے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانا وغیرہ۔ اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب یعنی دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا۔

شان نزول: بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت کریمہ ان مشرکین کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ جنہوں نے مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں عبادت سے روکا۔ اور انہیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ کفار ہوں۔ جنہوں نے چھ ہجری میں مسلمانوں کو مسجد حرام تک جانے سے روکا تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لئے

داخل نہیں ہونے دیا۔ اس بناء پر مساجد سے مسجد حرام مراد ہوگی۔ اور خراب کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس میں اللہ کا ذکر اور عبادت نہیں کرنے دی۔ اس لئے کہ مسجد کی اصل آبادی اس میں ذکر وعبادت سے ہے۔ جب وہ نہ ہو۔ تو وہ مسجد گری ہوئی اور خراب شدہ ہوگی۔ اور جس جگہ ذکر وعبادت ہو وہ گری ہوئی بھی آباد ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ قیامت کی علامات سے ہے۔ کہ مساجد کے مینار بلند، اندر سے نقش ونگار ہوگا۔ لیکن نمازیوں سے اور ذکر وعبادت سے خالی ہوں گی (تفسیر حدائق الروح والریحان)۔ بلکہ کئی ملکوں میں شراب خانے کھلے اور مسجدیں ویران اور بند ہیں۔

ف: اس آیت میں بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ حدیث میں ہے۔ کہ جو شخص ثواب کی نیت سے بیت المقدس کی زیارت کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہزار شہید کے برابر ثواب دے گا۔ اور اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگی اور جو عالم باعمل کی زیارت کرے گا۔ اسے بیت المقدس کی زیارت کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ الانوار)

مساجد کے درجات:

سب سے افضل مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی مدینہ شریف میں۔ پھر مسجد اقصیٰ۔ پھر جامع جو شہر کی بڑی مسجد جس میں سب مل کر جمعہ ادا کریں۔ اس کے بعد محلّہ کی مسجد۔ پھر سڑک کنارے والی مسجد۔ پھر شارع والی مساجد جس مسجد میں امام نہ ہو۔ تو اس میں اعتکاف بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ مسجدیں۔ جو گھروں میں نماز کیلئے جگہ بنائی جاتی ہے۔ ان میں صرف عورتیں نمازیں پڑھ سکتی اور اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ چھ باتیں مروت سے ہیں۔ تین گھر میں اور تین سفر میں۔ گھر والی تین: (۱) قرآن کی تلاوت۔ (۲) پانچوں وقت مسجد کی حاضری۔ (۳) رضاء الٰہی کے لئے آپس میں بھائی چارہ اور سفر کی تین یہ ہیں: (۱) اپنا توشہ خرچ کرنا۔ (۲) اچھے اخلاق۔ (۳) ایسی مزاح جس میں گناہ نہ ہو۔

سب سے بڑی برائی: مسجدوں کو بند کرنا کہ نہ وہاں نماز ہو نہ ذکر نہ تلاوت ہو۔ (مسجدوں کی آبادی اس میں عبادت کرنا ہے۔) **حدیث شریف:** جب تم کسی کو کثرت سے مسجد جاتے دیکھو تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ایک بابرکت مقام: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تین بڑی مساجد کے بعد ایک اور بابرکت مقام اس بوڑھی عورت کا ہے۔ جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائی۔ طوفان ہو کر گذر بھی گیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے پانی سے محفوظ رکھا۔ اپنی جھونپڑی میں عبادت ہی کرتی رہی۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ کا ہے مشرق اور مغرب جدھر منہ کرو تو ادھر ہی ذات خدا ہے بے شک اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ بَلْ لَّهٗ

وسعت والا علم والا ہے اور بولے کہ بنائی اللہ نے اپنی اولاد حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ اسی کا ہے

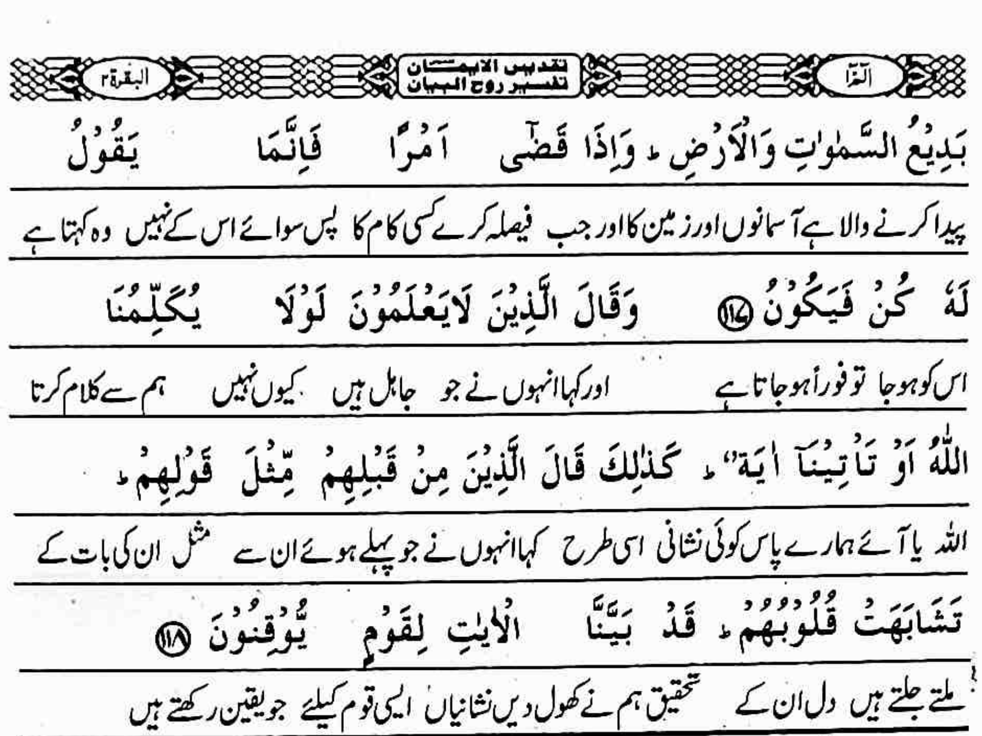
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱۵) اور مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس سے زمین کی دونوں جانب مراد ہیں۔ ورنہ تو ساری روئے زمین اسی کی ملک ہے۔ مراد یہ ہے۔ کہ اے کافرو۔ اگر تم مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ سے روکو گے۔ تو ہم جس جگہ نماز پڑھیں گے وہی مسجد ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی وجہ سے ساری زمین مسجد بنا دی گئی۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ) لہٰذا جدھر بھی منہ کرو گے ادھر ہی قبلہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جہت موجود ہے۔ اصل قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور خانہ کعبہ وغیرہ کی طرف منہ کرنا اس کے حکم سے ہے۔ اس لئے اس ذات تک پہنچنے کے لئے کسی خاص مقام پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ ذات ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ذات نہ جوہر ہے نہ عرض اور وہ کسی جگہ میں سما نہیں سکتا۔ لہٰذا وہ جمیع جہات اور مکانات کو محیط ہے۔ اس لئے کہ وہی خالق و مالک ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے۔ علم کے لحاظ سے کہ اس کی معلومات کا کوئی کنارہ نہیں۔ اس کی معلومات کو لکھا جائے تو سمندر ختم ہو جائیں۔ اور علیم ہے یعنی بندوں کے اعمال اور مصلحتیں اس کے علم میں ہیں۔ اس آیت میں ڈانٹ بھی ہے۔ کہ عبادت میں سستی مت کرو۔ اور نیک لوگوں کے لئے خوشخبری بھی ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۶) مشرکین اور خصوصاً یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ عیسائیوں نے کہا عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ کفار مکہ نے کہا۔ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کیا وہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ نے اولاد بنائی۔ حالانکہ وہ ذات اس سے پاک ہے۔ اولاد کا مقصد تو یہ ہوتا ہے۔ کہ حاجت کے وقت اولاد اس کی مدد کرے۔ مرنے کے بعد وہ اس کا نائب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ کسی کی حاجت اور نہ اس پر موت آئے۔ بلکہ زمین و آسمان سب اسی کا ہے۔ اور سب عقل والے اور بے عقل اسی کی فرمانبرداری میں لگے ہیں۔

ف: اس آیت کریمہ میں مشرکین کے عقائد فاسدہ کی تردید کی گئی۔ زمین کی وسعت اور آسمانوں کے کناروں تک جتنی بھی مخلوق ہے۔ خواہ نوری ہو یا ناری۔ خاکی ہو یا افلاکی۔ جاندار ہو یا بے جان۔ حقیر ہو یا عزیز سب اس کی مملوک ہیں۔ اور سب اس کے آگے سرنگوں ہیں۔ ایسی ذات کیلئے اولاد ثابت کرنا جہالت ہی ہے۔



بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ

پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب فیصلہ کرے کسی کام کا پس سوائے اس کے نہیں وہ کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا

اس کو ہو جا تو فوراً ہو جاتا ہے اور کہا انہوں نے جو جاہل ہیں کیوں نہیں ہم سے کلام کرتا

اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ

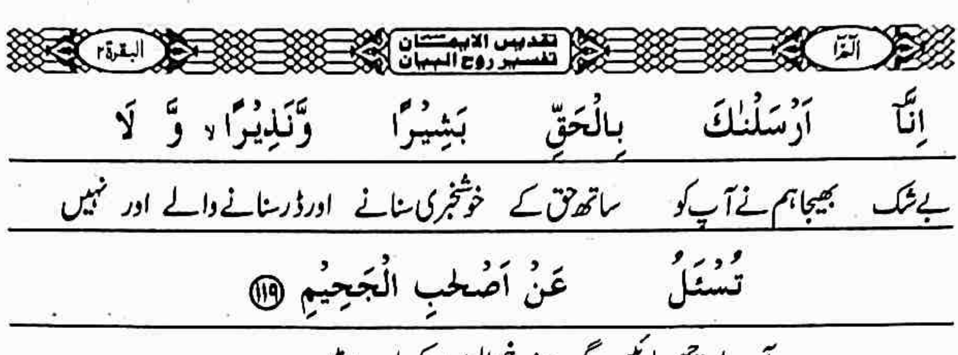
اللہ یا آئے ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہا انہوں نے جو پہلے ہوئے ان سے مثل ان کی بات کے

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ملتے جلتے ہیں دل ان کے تحقیق ہم نے کھول دیں نشانیاں ایسی قوم کیلئے جو یقین رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۱۱۷) اللہ آسمان وزمین کا بنانے والا ہے۔ اور جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرمالے۔ تو بے شک اس کو کہتا ہے۔ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک "کن" کا مطلب یہ ہے۔ کہ صرف اتنا کہنے سے اللہ تعالیٰ اشیاء پیدا کرتا ہے۔ اس میں دیر نہیں لگتی۔ یہ اس کی کمال قدرت ہے۔ جو کسی کے علم میں نہیں۔ بہر حال یہ بہت باریک اسرار ہیں۔ ان میں نہیں پڑنا چاہئے۔ **حدیث قدسی:** میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی آدم نے مجھے گالیاں دیں حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں۔ کہ وہ کہتا ہے۔ کہ اللہ کی اولاد ہے۔ حالانکہ میں اس سے پاک ہوں۔ (بخاری شریف) **سبق:** بندے پر لازم ہے۔ کہ وہ برے اعمال اور گندے احوال سے پرہیز کرے۔ اور توحید پر قائم رہے۔ شرک کے نزدیک نہ جائے۔

(آیت نمبر ۱۱۸) اور ان لوگوں نے کہا جو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کلام کیوں نہیں کرتا۔ اس سے مراد یا مشرکین عرب ہیں۔ یا اہل کتاب ہیں۔ انہیں جاہل اس لئے کہا۔ کہ انہوں نے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔ ان جاہلوں نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ خود بالمشافہ ہم سے کیوں بات نہیں کرتا۔ تا کہ معلوم ہو کہ واقعی تمہیں اللہ نے بھیجا ہے۔ یا ہمارے پاس کسی فرشتے کو بھیج دیتا۔ اور وہ آکر ہمیں بتاتا۔ کہ واقعی یہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کلام ان جاہل لوگوں کا ہے۔ جو اپنے آپ کو معاذ اللہ نبیوں سے بھی بڑھ کر وہ تکبر سے یہ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم بھی نبیوں کی طرح بڑی شان والے ہیں۔ اور کہتے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے بات نہیں کرتا تو پھر ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی آجائے۔ جو تمہاری صداقت پر حجت ہو جائے۔ یہ بھی انہوں نے عناد سے کہا۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۱۸) ورنہ قرآن سے بڑی عظیم الشان نشانی اور کیا ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس قول کے جواب میں فرمایا۔ کہ یہ بات صرف ان کی ہی نہیں۔ بلکہ پہلی امتوں کے کافر بھی ایسے ہی کہتے تھے۔ جیسے یہ کہتے ہیں یعنی پہلوں کے دل ان پچھلوں کے دلوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔

ف: اگر چہ گفتگو انہوں نے زبان سے کی۔ لیکن زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ دل میں اگر کفر یا قسوۃ یا اندھا پن ہو یا بے وقوفی اور عناد ہو۔ تو وہ سب زبان سے پتہ چل جاتا ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔ کہ انسان زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ جب بولے تو پتہ چل جاتا ہے۔ اچھا بولنے سے لوگ اسے دانا سمجھتے ہیں۔ اور غلط بولے تو بے وقوف کہتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ ہم نے آیات کو واضح کر کے بیان کر دیا۔ ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔
یقین: علم سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ کہ اس میں شک کا احتمال نہیں ہوتا اور وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے۔

(تشریح آیت نمبر ۱۱۹) بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کی تائید کے ساتھ بھیجا۔ اس سے مراد آیات کی حجۃ ہے۔ جو حق کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس حال میں کہ آپ اسے خوش خبری سنائیں جو آپ پر ایمان لائے۔ اور اس چیز کی خوشخبری سنائیں۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی۔ اور نہ کسی کے خیال میں وہ چیز آئی۔ اور آپ منکروں کو ڈر سنائیں۔ چونکہ آپ نے دلائل اور معجزات سے دعویٰ نبوۃ کے صدق کو واضح کر دیا۔ اب آپ پر اور کوئی ضروری نہیں۔ کہ آپ انہیں ماننے پر مجبور کریں۔ اب آپ صرف ماننے والوں کو خوشخبری اور منکروں کو ڈر سنا دیں۔ پھر بھی اگر وہ کفر و عناد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ تو اس سے آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے حق رسالت ادا کر دیا۔ آگے فرمایا۔ کہ آپ سے جہنمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔ **شان نزول**: مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے خیال فرمایا۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرے والدین سے کیا معاملہ ہوا۔ یعنی وہ اب کس حال میں ہیں۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے۔ کہ لوگ اپنے والدین کے بارے میں پوچھتے۔ کہ وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کہ آپ سے یہ سوال نہیں کیا جائیگا۔

حضور ﷺ کے والدین کے متعلق اکثریت مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنتی ہیں۔ ایک تو وہ زمانہ فترت میں ہوئے۔ جن تک کسی نبی کی تعلیم نہیں پہنچی۔ دوسری بات یہ کہ ان سے شرک ثابت نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو بھی کفر پر مرا۔ اس پر لعنت کرنا مباح ہے۔ مگر حضور ﷺ کے والدین کے ایمان اور ان کے جنتی ہونے پر کافی دلائل ہیں۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا اور وہ ایمان لائے۔

ایمان ابوین پر عقیدہ:

اس مسئلہ میں اگرچہ اسلاف کا اختلاف تھا۔ لیکن قول راجح اور صحیح یہی ہے۔ یہ کہ حضور ﷺ کے نسب شریف میں سب لوگ کفر اور بدکاری کے غبار سے پاک تھے۔ یہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی۔ کہ مولا مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ کہ آنے والے لوگوں میں میرا اچھا ذکر باقی رکھ۔

مخالف قول: والے ایک حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ کہ حضور کو والدین کی دعا مغفرت سے روکا گیا۔

تحقیقی قول یہ ہے: کہ حضور کے والدین نجات پانے والوں میں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حجۃ الوداع کے بعد مدینہ منورہ جاتے ہوئے جب الحجون قصبہ سے گذرے تو حضور ﷺ غمزہ ہو کر اونٹنی سے اترے۔ اور فرمایا۔ کہ عائشہ ٹھہر جاؤ۔ اور خود پرنم آنکھوں کے ساتھ آگے چلے گئے۔ کافی دیر کے بعد ہنستے ہوئے واپس تشریف لائے۔ تو میں نے عرض کیا۔ حضور جاتے ہوئے گریہ کناں اور واپس مسرور حالت میں آئے۔ کیا ماجرہ ہے تو فرمایا۔ کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر قریب دیکھ کر رو دیا۔ اور قبر پر جا کر دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے والدہ ماجدہ کو زندہ کیا۔ اور وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ اس لئے واپسی میں خوش ہوں۔ اسی لئے دعا مغفرت سے روکا گیا کہ وہ پہلے ہی جنتی ہیں۔ ورنہ اگر وہ کفر پر ہوتیں تو قرآن میں کافر کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع کیا گیا۔ آپ وہاں نہ جاتے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ آپ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے والد، والدہ، چچا ابو طالب اور دادا عبد المطلب کو زندہ کیا۔ اور وہ ایمان لائے۔ ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں۔ کہ جو حضور ﷺ کے آباء کو جہنمی کہے وہ لعنتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس پر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے)۔

اس لئے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کو اذیت ہوتی ہے۔ کہ کوئی آپ ﷺ کے والدین ماجدین کے بارے میں نازیبا گفتگو کرے۔ اس معاملے میں خاموشی زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اگر ذرہ سی بے ادبی ہوگئی۔ تو ایمان واعمال سب ضائع ہو جائیں گے۔ اور پھر سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ ہمیں کس نے جج بنایا ہے کہ ہم فیصلہ کریں۔ کہ کون جنتی اور کون جہنمی ہے۔ لہذا ہو سکے تو حضور ﷺ کے آباء کے بارے میں اچھا خیال رکھا جائے ورنہ خاموش رہا جائے۔ تاکہ ایمان ضائع نہ ہو۔ علامہ حقی مرحوم فرماتے ہیں۔ اگر اچھا جملہ نہیں کہہ سکتے تو منہ تو بند کر سکتے ہو۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ

اور ہرگز نہیں راضی ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک تم پیروی کرو ان کے دین کی

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

فرمادو بیشک ہدایت اللہ کی اصل وہی ہدایت ہے اور البتہ اگر پیروی کی تو نے (کے باشد) ان کی خواہشات کی

بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ وقف لازم

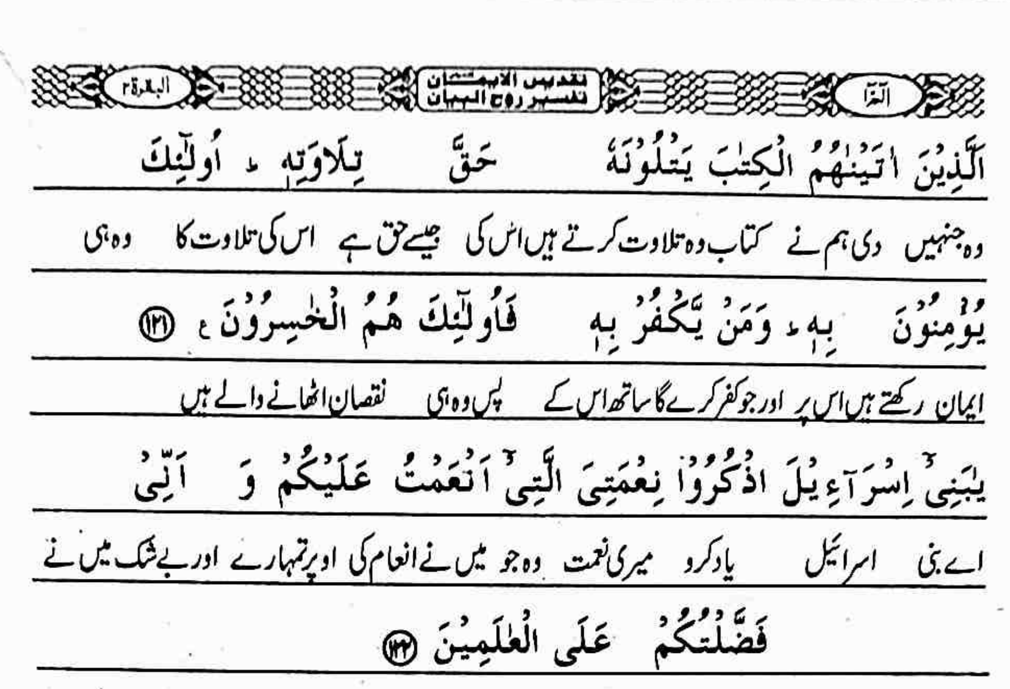
بعد اس کے جو آ گیا تیرے پاس علم نہیں واسطے تیرے اللہ کی طرف سے کوئی دوست اور نہ ہی کوئی مددگار

(آیت نمبر ۱۲۰) یہود ونصاریٰ آپ سے کبھی خوش نہیں جب تک تم ان کے دین پر نہ ہو جاؤ۔ چونکہ یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی تھا۔ کہ ہدایت صرف ہماری ملت میں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے میرے حبیب آپ ان سے کہہ دیں۔ بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ جو صراط مستقیم پر لے جانے والی ہے۔ اور تم جس طرف بلاتے ہو۔ وہ ٹیڑھا راستہ ہے۔ جس میں خواہشات نفسانی کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا (اے سننے والے) اگر تو نے ان کے خواہشات نفسانی کی پیروی کی۔ تو تیری خیر نہیں۔

نوٹ: یہاں تنبیہ فرمادی۔ کہ ہر ایک کی اپنی اپنی خواہشات ہیں۔ اور ہر ایک کی خواہش دوسرے کی خواہش سے جدا ہے۔ پھر ہر ایک کی خواہش کی کوئی انتہاء نہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ تم ان کی جتنی بھی خواہشات پر چلو گے وہ تم سے خوش نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ تم ان کے مذہب پر نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا اگر کوئی ان کی خواہش پر چلا یعنی ان کے مذہب کو اپنایا۔ علم قرآن آ جانے کے بعد تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہیں فائدہ پہنچائے۔ اور نہ تمہارا کوئی مددگار ہوگا۔ جو عذاب سے بچالے۔

ف: اس آیت کریمہ میں امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ کہ سید انبیاء ﷺ تمہارے پاس حق وہدایت لے کر آئے۔ اس لئے تم کفار کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔

ملت اور دین میں فرق: ہر شرعی طریقے کو ملت کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو جاری کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ انہوں نے اس کی املاء بولی اور لوگوں نے اسے اپنے پاس لکھا۔ اس طریقے پر چلنے اور اطاعت کرنے کو دین کہا جاتا ہے۔



اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

وہ جنہیں دی ہم نے کتاب وہ تلاوت کرتے ہیں اس کی جیسے حق ہے اس کی تلاوت کا وہ ہی

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ع ﴿۱۲۱﴾

ایمان رکھتے ہیں اس پر اور جو کفر کرے گا ساتھ اس کے پس وہ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت وہ جو میں نے انعام کی اوپر تمہارے اور بے شک میں نے

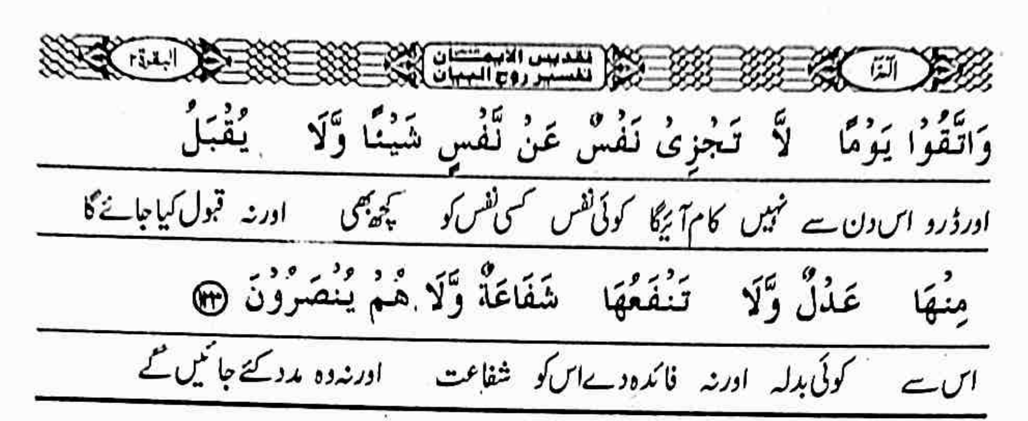
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

فضیلت دی تم کو اوپر تمام جہانوں کے

(آیت نمبر ۱۲۱) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم ۔ جو پہلے یہودی مذہب پر تھے پھر اسلام قبول کیا۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ اس کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں۔ جیسے اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ یعنی اس میں خوب تدبر کرتے ہیں۔ وہی لوگ درحقیقت اس کتاب پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ اور جو اس کتاب سے کفر کرے گا۔ یعنی اس میں تحریف وتبدیلی کرے۔ یا تصدیق کے بجائے تکذیب کرے گا۔ وہی لوگ گھاٹا پانے والے ہیں۔ یعنی وہ بجائے ایمان کے کفر کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے ہیں۔

یہاں ایک **سوال** پیدا ہوتا ہے۔ کہ کتاب سے مراد کون سی کتاب ہے۔ توراۃ، یا انجیل۔ یا قرآن ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد پہلی کتابوں کی تلاوت کرنے والے یا قرآن کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ **جواب**: کتاب سے مراد تمام سماوی تھی۔ لیکن اب مراد قرآن ہے۔ اور پڑھنے سے مراد صرف پڑھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس پر عمل جس نے کیا۔ اس نے اصل میں تلاوت کا حق ادا کیا ہے۔ اگر کتاب پر عمل نہیں کیا۔ تو پھر پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۲) پھر بنی اسرائیل سے کہا۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو۔ جو میں نے تم پر انعام کیں۔ ان نعمتوں میں توراۃ بھی ہے۔ نعمت کو یاد کرنے سے مراد اس نعمت اور اس کے ملحقات پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح حضور سیدالانبیاء ﷺ کی صفت وثناء بیان کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اور حضور ﷺ پر ایمان لانا بھی فرض ہے بنی اسرائیل کو بتایا جارہا ہے کہ اے بنی اسرائیل یہ بھی یاد رکھیں کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ تو تمہاری فضیلت تبھی قائم رہ سکتی ہے۔ کہ تم میرے محبوب پر ایمان لاؤ۔ ورنہ تمہاری ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔



(بقیہ آیت نمبر۱۲۲) اس سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں۔ یعنی اس زمانے میں جتنے لوگ ہوئے۔ ان سب پر بنی اسرائیل کو برتری حاصل تھی۔ اب اس لئے نہیں۔ کہ امت محمدیہ کو خیر امۃ کا لقب دیا گیا ہے۔ یعنی تمام سابقہ امتوں سے اعلیٰ امت اس سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے۔ جیسے حضور ﷺ سارے نبیوں سے اعلیٰ۔ اسی طرح آپ کی امت پہلی تمام امتوں سے اعلیٰ ہے۔

(تشریح آیت نمبر۱۲۳) ایمان لانے کے بعد ڈرو اس دن کے عذاب سے یعنی روز قیامت سے۔ کہ نہیں کام آئے گا۔ کوئی نفس کسی نفس کے کچھ بھی۔ یعنی ایک کی جگہ دوسرے کو نہیں پکڑا جائیگا۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ کوئی کسی کی تکلیف کو دور نہیں کرے گا۔ البتہ اس پر اگر کسی کا کوئی حق ہوا۔ تو وہ ضرور لیا جائے گا۔ اور جو حقوق اس پر دینے لازم ہوں گے۔ وہ اس کی نیکیوں سے ادا کئے جائیں گے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس پر کسی بھائی کے حقوق ہوئے۔ تو اس دن سے پہلے ادا کردے۔ کہ جس دن نہ درہم ہوں گے۔ نہ دینار اور اس کی نیکیاں ہوئیں۔ تو وہی اس کو دی جائیں گی۔ ورنہ اس کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے (بخاری)۔ آگے فرمایا۔ کہ نہیں قبول کیا جائے گا۔ اس کے بدلہ میں فدیہ جو اسے آگ سے نجات دلائے۔ اور نہ اسے کسی کی سفارش فائدہ دے گی۔ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ چونکہ دنیا میں کسی کو سزا سے بچانے کے چار ہی طریقے ہیں۔ جن کی وجہ سے آدمی بچ سکتا ہے: (۱) طاقت ور دوست طاقت استعمال کرکے۔ (۲) فدیہ دے کر جان بچالے۔ (۳) یا خود اتنی طاقت رکھتا ہو کہ اپنے آپ کو چھڑا لے۔ (۴) یا کسی کی سفارش سے جان چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چاروں بے فائدہ ہوں گے۔ (فائدہ مند چیز ایمان اور عمل صالح ہے)۔

نوٹ: اس سے مراد کفار ہیں۔ جن کیلئے یہ چاروں چیزیں غیر مفید ہونگی۔ لیکن مسلمان کیلئے یہ چاروں چیزیں مفید ہوں گی۔ شفاعت بھی ہوگی۔ نیکوں کی سنگت بھی کام آئے گی۔ اور اولاد چھوٹی بھی مددگار ثابت ہوگی۔

ف: ان دونوں آیات میں بنی اسرائیل کو تذکیر بہ نعمت اللہ کی گئی۔ اور ساتھ ہی انہیں عذاب کا ڈر بھی سنایا گیا۔ تا کہ اچھی طرح نصیحت کی جائے۔ ورنہ قصہ سنانا مقصد نہیں ہے۔

وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ

اور جب آزمایا ابراہیم کواس کے رب نے چند باتوں میں تو پورا کیاان کو فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تجھے

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

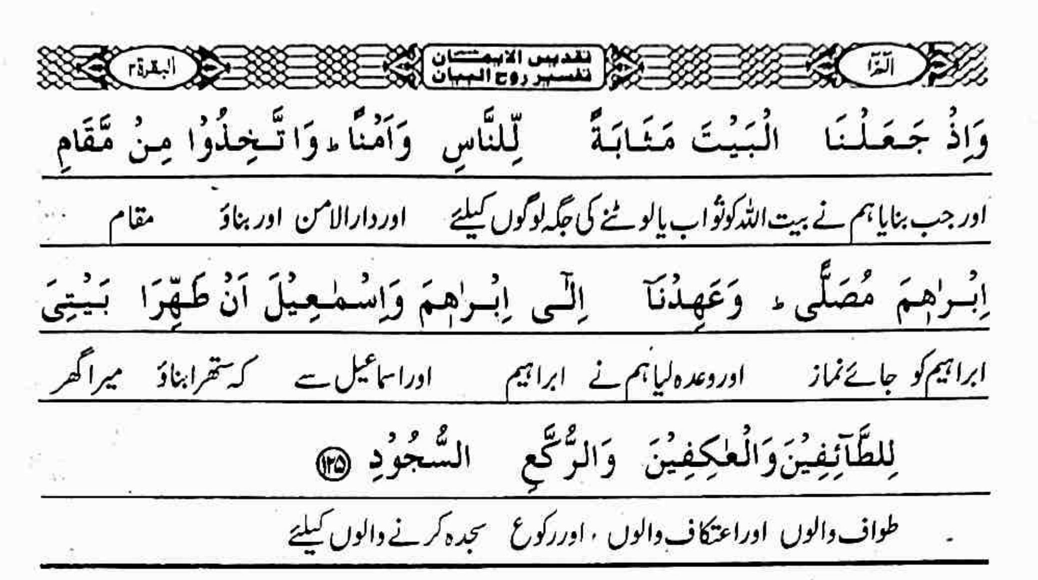
لوگوں کیلئے امام عرض کی اور میری اولاد سے فرمایا نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو

(آیت نمبر۱۲۴) اور یاد کرو جب ابراہیم کی آزمائش کی اس کے رب نے۔ **نوٹ**: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء کا لفظ مجازاً ہے۔ یعنی بندے کو دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا اور دیکھنا کہ بندہ مرضی مولا پر چلتا ہے۔ یا اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ آزمائش سے مقصد اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ نہیں ہے۔ بلکہ آزمائش بندہ کے لئے ہے۔ کہ اگر اللہ کی مرضی پر چلا ہے۔ تو مزے کرے گا۔ ورنہ سزا ملے گی۔ جیسے شیطان کے مردود ہونے کا علم تو اللہ تعالیٰ کو پہلے سے تھا۔ لیکن لعنت اس وقت ہوئی۔ جب وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا۔ آگے فرمایا کہ ابراہیم نبی کو چند باتوں میں آزمایا، اور وہ ان میں کامیاب ہوئے۔ نار نمرود میں صبر کر کے۔ بچے کی قربانی دینے کے معاملے میں۔

ف: کلمات کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ یا تو اس سے مراد وہ سنتیں ہیں۔ جو آج ہماری شریعت میں بھی ہیں۔ جن میں سے پانچ یہ ہیں: (۱) کلی کرنا۔ (۲) ناک صاف کرنا۔ (۳) بالوں میں مانگ نکالنا۔ (۴) مونچھیں کٹانا۔ (۵) مسواک کرنا۔ اور پانچ باقی بدن میں ہیں: (۱) ختنہ کرنا۔ (۲) زیر ناف بال کاٹنا۔ (۳) بغلوں کے بال کاٹنا۔ (۴) ناخن اتارنا۔ (۵) پانی سے استنجاء کرنا۔ تو جب ابراہیم علیہ السلام ہر امتحان میں کامیاب وکامران ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے ابراہیم میں نے آپ کو سب لوگوں کا امام بنایا۔ یعنی تمہاری ان سنتوں کی سب لوگ پیروی کریں گے اور صالحین آپ کی اقتداء کریں گے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانے میں نبی ہوئے۔ اور قیامت تک آنے والوں کے پیشوا ہوئے۔ اسی لئے تمام امتوں والے آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور آج بھی امت مسلمہ اپنی نمازوں میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے بعد حضور ﷺ کی تشریف آوری کے لئے خصوصی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے نماز میں حضور ﷺ کے درود کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود کو ملا دیا۔

حکایت: ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا۔ جس کے ہر درخت پر کلمہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا تھا۔ تو جبریل علیہ السلام نے بتایا۔ کہ اب یہ کلمہ قیامت رہے گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یا اللہ میرا نام بھی امت مصطفیٰ کی زبان پر جاری فرما دے۔



(بقیہ آیت نمبر۱۲۴) تو اللہ تعالیٰ نے نماز میں حضور کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجنے کا حکم دے دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ رحمت الٰہی اتر رہی ہے تو فوراً فرمایا۔ کہ میری اولاد کے سر پر بھی امامت کا تاج رکھا جائے۔ کہ لوگ ان کی اقتداء کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ لیکن میرا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ہے۔ یعنی یہ وعدہ صاحب ایمان لوگوں کے لئے ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم یا بدعمل یا بدعقیدہ ہوا۔ تو وہ نبوۃ یا امامت کے اہل نہیں ہوگا۔

ف: اس سے معلوم ہوا۔ کہ ظالم امامت کا اہل نہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ جسے اللہ تعالیٰ امامت عطا فرمائے۔ وہ اپنے آپ کو اطاعت الٰہی میں لگائے۔ (سید برادری کو اس آیت سے سبق لینا چاہئے۔) جو نماز کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

(تشریح آیت نمبر۱۲۵) اے پیارے حبیب ﷺ وہ وقت یاد کریں۔ کہ جب ہم نے کعبہ شریف کو لوگوں کے لئے بار بار لوٹنے کی جگہ۔ اور امن والی جگہ بنایا۔ یعنی حاجی حضرات اور عمرہ کرنے والے بار بار اس کی طرف لوٹ لوٹ کر آتے ہیں۔ اور امن والا اس لئے ہے۔ کہ وہاں آنے والا اپنے دشمن سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ یا اسے عذاب آخرت سے امن مل جاتا ہے۔ کہ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ تم مقام ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بنالو۔ مقام ابراہیم علیہ السلام وہ پتھر ہے۔ جس پر ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان لگے ہیں۔ جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اسماعیل علیہ السلام نے آپ کی مدد کی۔

نوٹ: حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام جنت کے یاقوت ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اگر کفار و مشرکین کے انہیں ہاتھ نہ لگتے۔ تو مشرق و مغرب ان کے نور سے چمکتے (حاکم، بیہقی وابن حبان)۔ آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں وعدہ دیا یعنی تاکیدی حکم دیا۔ کہ میرے گھر کو بتوں اور پلیدیوں سے پاک کرو۔ یا اس کی حفاظت کرو۔ کہ کوئی اس کے اردگرد گندگی نہ گرائے۔ تاکہ لوگ اس میں عبادت کریں۔ (معلوم ہوا وہاں جوتوں سمیت جانا بھی برا ہے)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس شہر کو امن والا اور رزق دے اس میں رہنے والوں کو

مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

پھلوں سے ان میں جو ایمان لائے اللہ پر اور روز آخرت پر تو فرمایا اور جس نے کفر کیا

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

پس میں نفع دونگا اس کو تھوڑا پھر مجبور کرونگا اس کو عذاب دوزخ کیلئے جو بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۵) طواف کرنے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے۔ یعنی ان لوگوں کے لئے جو ہر وقت وہاں رہتے ہیں۔ یا طائفین سے مراد مسافرین ہے۔ اور اسی طرح رکوع سجدے کرنے والوں کے لئے بھی پاک وصاف رکھو۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ دن رات میں کعبہ پر ایک سو بیس رحمتیں نال ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف والوں کے لئے چالیس نمازیوں کے لئے۔ اور بیس زیارت کرنے والوں کے لئے۔ (طبرانی فی الاوسط)

(تشریح آیت نمبر ۱۲۶) اے حبیب ﷺ یاد کریں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں کہا۔ کہ اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا۔ یعنی یہاں قحط وخوف ومسخ اور زلزلے۔ جنون اور جذام اور برص اور دیگر تکالیف جو اور شہروں میں آتی ہیں۔ وہ یہاں نہ آئیں اور دوسرا یہ کہ ان کو پھلوں سے یعنی کھانے کی وہ چیزیں جو زمین اور درخت سے نکلتی ہیں۔ یعنی طعام اور میوہ جات عطا فرما۔ لیکن یہ نعمتیں صرف انہیں ملیں۔ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے رزق کا قیاس امامت پر کیا۔ اس لئے صرف مومنوں کے لئے سوال کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے میرے ابراہیم علیہ السلام رزق کا تعلق میری رحمت سے ہے۔ اس لئے یہ مومن وکافر سب کو ملے گا۔ البتہ امامت صرف خاص لوگوں کو عطا کروں گا۔ اور رزق عام کر دونگا۔ تا کہ دنیا کی تمام لذتیں وہ حاصل کر لیں۔ کیونکہ وہ چند روز ہوں گی۔ پھر جو کافر ہوگا۔ اسے جہنم کی طرف کھینچ کر لے جاؤنگا۔ عرف میں اضطرار مجبور کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی انہوں نے کفر مرضی سے اختیار کیا۔ اور جہنم میں مجبور کر کے لے جایا جائیگا۔ اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔

سبق: عقلمند وہ ہے۔ کہ دنیا کی زیب وزینت سے دھوکے میں نہ آئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو فائدہ اٹھائے گا گناہ کرے گا۔ تو عذاب ہوگا۔ دنیا کی ٹھاٹھ باٹھ یہاں ہی رہ جائے گی۔



وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اور جب بلند کر رہے تھے ابراہیم دیواریں بیت اللہ کی اور اسماعیل بھی اے ہمارے رب قبول فرما

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

ہم سے بیشک تو ہی سننے جاننے والا ہے

اے محمد ﷺ یاد فرمائیں۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کیا۔ رفع سے مراد بنیاد کے اوپر دیوار کی بنا کرنا۔ اور اسماعیل علیہ السلام بھی اس میں ان کے ساتھ تھے۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر چن کر لاتے۔ اور ابراہیم علیہ السلام اس سے دیوار چنتے تھے۔

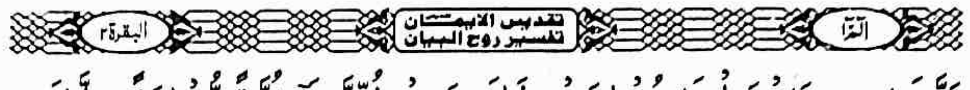
بنائے کعبہ: رفع کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بنیادیں کعبہ کی موجود تھیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے ان بنیادوں پر خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ سب سے پہلے کس نے تعمیر کیا۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ پہلی مرتبہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے تعمیر کیا۔ بالکل بیت المعمور کی طرح اور اس کے نیچے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے اس کی بنیاد آدم علیہ السلام نے رکھی۔ جو طوفان نوح میں مٹ گئی۔ پھر دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر دیواروں کو بلند کیا۔

نوٹ: مروی ہے۔ کعبہ ہی کے مقام سے پانی پر جھاگ اٹھی۔ اسی سے پھر زمین پھیلائی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے سفر کر کے چالیس حج ادا کئے۔

کعبہ کی تعمیر دس مرتبہ:

۱۔ فرشتوں کی تعمیر۔ ۲۔ تعمیر آدم۔ ۳۔ تعمیر شیث علیہ السلام
۴۔ تعمیر ابراہیم (علیہ السلام)۔ ۵۔ عمالقہ کی تعمیر۔ ۶۔ جرہم کی تعمیر۔
۷۔ قصی بن کلاب کی تعمیر ۸۔ قریش مکہ کی تعمیر ۹۔ عبداللہ بن زبیر کی تعمیر
۱۰۔ حجاج بن یوسف کی تعمیر۔ اس کے بعد دو تین دفعہ دیواروں اور چھت کی مرمتی ہوئی۔

موجودہ تعمیر حضور ﷺ کے زمانے کی تعمیر کے مشابہ ہے۔ حطیم کا حصہ کعبہ کے اندر داخل ہے۔ لیکن قریش کے پاس حلال مال کم تھا۔ اس لئے یہ جگہ تعمیر سے رہ گئی۔ حضور ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ حطیم کو داخل کعبہ کروں۔



رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ م

اے ہمارے رب بنا ہمیں فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے ایک جماعت جو فرمانبردار ہو واسطے تیرے

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور دکھا ہمیں عبادت کے طریقے اور مہربانی کر ہم پر بے شک توہی بہت توبہ قبول کرنے رحمت فرمانے والا ہے

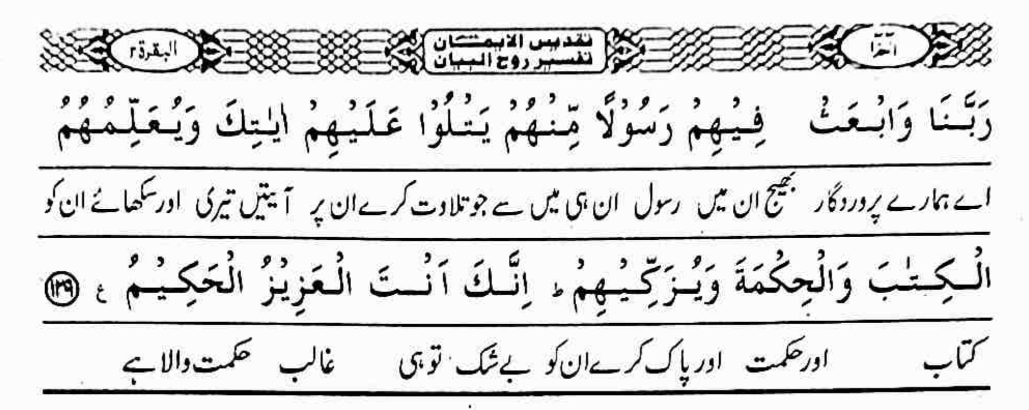
(بقیہ آیت نمبر ۱۲۷) مگر نہ ہو سکی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کو حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق کر دیا۔ جب حجاج انہیں شہید کر کے فارغ ہوا۔ تو کعبہ کو بھی گرا کر دوبارہ آج والی شکل میں تعمیر کر دیا۔ بعد میں ہارون رشید نے خیال کیا۔ کہ میں اسے گرا کر دوبارہ پھر حضرت ابن زبیر کی طرز پر تیار کروں۔ مگر امام مالک نے فرمایا۔ کہ اب اسے رہنے دیں۔ اور کعبہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں۔ کہ اس کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی۔

دعائے خلیل: جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر مکمل فرمادی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ سے عرض گذار ہوئے۔ اے ہمارے رب اسے قبول فرما ہم سے بے شک توہی تمام مسموعات کو سنتا ہے۔ لہذا ہماری دعا کو بھی سن لے۔ اور تو تمام معلومات کو جاننے والا ہے۔ یہاں تک کہ ہماری نیتوں کو بھی تو جانتا ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا۔ کہ نیک کام سے فارغ ہو کر تضرع سے اس کی قبولیت کی دعا بھی کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ معمولی سی لغزش سے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ اور ثواب ضائع ہو جائے۔

(آیت نمبر ۱۲۸) پھر فرمایا۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنا خالص فرمانبردار بنا۔ مسلم سے مراد یہ ہے۔ کہ جو اپنی ذات اور نفس کو اللہ کے لئے خالص کر دے۔ کہ اس کی رضا کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔ تاکہ وہ تیری عبادت میں مخلص ثابت ہوں۔

حدیث: آدمی مر جائے تو عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر جو عبادت گذار اولاد چھوڑ جائے (مشکوٰۃ شریف)۔ جب تک وہ عبادت کرتے رہیں گے۔ ماں باپ کو ثواب ملتا رہے گا۔ اور اولاد کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کہ اے اللہ ہمیں ادا کرنے کے طریقے اور وہ مقامات دکھا۔ جہاں پر احرام باندھا جاتا ہے۔ جہاں عرفات و مزدلفہ میں ٹھہرا جاتا ہے۔ اور طواف اور سعی کی جاتی ہے وغیرہ۔ اور جو کام ہم سے خلاف اولیٰ ہوا۔ اس کی توبہ قبول فرما۔ یہ جملہ بطور کسر نفسی کے ہے۔ بے شک توہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔



رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں رسول ان ہی میں سے جو تلاوت کرے ان پر آیتیں تیری اور سکھائے ان کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؑ ﴿۱۲۹﴾

کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر۱۲۹) اے ہمارے پروردگار بھیج دے ان میں ہماری اولاد (امت مسلمہ) میں سے رسول جو ان ہی میں سے ہو۔ **ف**: مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بتادیا گیا۔ کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ اور وہ نبی آخری زمانہ میں آئیگا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھ دیا گیا۔ جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ عنقریب تمہیں بتاؤں گا امر کے متعلق کہ میں ابراہیم خلیل اللہ کی دعا ہوں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری ہوں اور اپنی امی جان کی خواب ہوں کہ جب ان سے نور نکلا تو ان کیلئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(خصائص کبریٰ، دلائل النبوۃ)

ف: تو اس دعا کی قبولیت کے لئے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو چنا گیا۔ اور ان کی اولاد سے سوائے حضور ﷺ کے اور کوئی نبی نہیں آیا۔ یہ ان کی دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ مروی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بارے میں انہیں اسی وقت خوشخبری سنادی تھی۔ اور نبی پاک ﷺ بھی اکثر یہ بات ارشاد فرماتے تھے۔ کہ میں حضرت ابراہیم ﷺ کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ نبی تشریف لا کر ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب یعنی قرآن کی تعلیم دے اور حکمۃ سکھائے۔ یعنی احکام شریعت کی تعلیم دے۔

ف: جس کلمہ سے نصیحت حاصل ہو۔ جو عزت کو بڑھاتا ہو اور برے اعمال سے روکے اسی کو حکمت کہتے ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ ان کا تزکیہ فرمائے۔ یعنی ان کو شرک کی گندگی اور گناہوں کے غبار اور خرابیوں سے دور کرے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام نے تین دعائیں مانگ کر ثناء الٰہی پر بات کو ختم کر دیا۔ فرمایا کہ بے شک تو ہی غالب ہے۔ کہ جس پر کسی دوسرے کے غلبے کا کوئی امکان نہیں اور وہ حکیم ہے۔ کہ جس کا کوئی کام حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ **ف**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ عزیز وہ ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور اسی کے آگے ہر حاجت پیش کی جائے اور اس تک پہنچنا بہت مشکل ہو۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ

اورکون منہ پھیرے گا دین ابراہیمی سے سوائے اس کے جو بے وقوف ہو دل کا اور البتہ تحقیق

اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

چن لیا ہم نے اسکو دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں قرب خاص والوں میں سے ہے

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

جب کہا اس کواس کے رب نے فرمانبردار ہوجا عرض کی میں فرمانبردار ہوا واسطے رب العالمین کے

(آیت نمبر۱۳۰) اورکون ہے۔ جو دین ابراہیم سے منہ موڑے گا۔ یعنی ان کی شریعت وطریقت سے اعراض کرے گا۔ مگر وہی جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنایا۔ یا اپنے نفس کو ذلیل وخوار کیا۔

شان نزول: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا۔ کہ تورات میں ہے۔ کہ نبی آخر زمان اولاد اسماعیل سے تشریف لائیں گے۔ جن کا اسم مبارک احمد ہوگا۔ جو ان پر ایمان لائے گا۔ وہ ہدایت یافتہ ہے اور ان کا منکر ملعون ہے۔ تو سلمہ نے اسلام قبول کیا اور مہاجر نے انکار کردیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ فرمایا البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو دنیا میں نبوت وحکمت کے لئے چن لیا۔ اور وہ آخرت میں خیر واصلاح والے لوگوں میں ہے۔ لہذا جس کو دنیا آخرت کے لئے چن لیا گیا ہو۔ اس کی اتباع کرنی چاہیئے۔ جو اس کی اتباع سے منہ پھیرتا ہے۔ اس جیسا بے وقوف اور بے عقل کوئی نہیں ہے۔

(تشریح آیت نمبر۱۳۱) جب اسے اس کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہوجا۔ یعنی اپنے دین کو اپنے رب کے لئے خالص کردے۔ اور اس پر ثابت قدم رہ۔

میلاد خلیل: نجومیوں نے نمرود کو بتایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ جو تیری ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اور تیرے دین کو تبدیل کردے گا۔ تو اس نے ہزاروں بچے مروادیئے۔ تاکہ نہ کوئی ابراہیم پیدا ہو۔ نہ میری ہلاکت ہو۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا وقت قریب ہوا۔ تو والدہ نمرود کے خوف سے جنگل میں چلی گئیں۔ جہاں آپ کی پیدائش ہوئی۔ تو والدہ انہیں جنگل میں چھوڑ آئیں۔ آپ رات دن میں اس طرح بڑھے جیسے عام بچے مہینوں میں بڑھتے ہیں۔ جب کچھ بڑے ہوئے۔ تو ایک دن والد سے پوچھا۔ کہ میرا رب کون ہے۔ تو انہوں نے کہا میں ہوں۔ فرمایا تیرا رب کون۔ کہا نمرود۔ فرمایا نمرود کا رب کون۔ باپ نے دھپڑ مار کر کہا۔ کہ خاموش رہو۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ

اور وصیت کی اس کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے (اپنے بیٹوں کو) اے میرے بیٹو بے شک

اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ ﴿۱۳۲﴾

اللہ نے چن لیا واسطے تمہارے دین پس نہ مرنا ہرگز مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۱) پھر آپ نے ستاروں کو دیکھ کر کہا۔ یہ رب ہے۔ جب وہ غروب ہوئے۔ تو فرمایا کہ ڈوبنے والا رب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح چاند اور سورج کے بارے میں بھی فرمایا۔ پھر آپ نے کہا کہ میں فرمانبردار ہوا رب العالمین کے لئے۔ یعنی اس کے لئے اپنے دین کو خالص کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو اس ذات کے سپرد کیا۔ کہ جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اور میں مشرک نہیں ہوں۔

ف: ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو صحیح طور پر مانا۔ اور اسی پر قائم رہے لہذا جو ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء نہیں کرتا۔ اس جیسا کوئی بھی (احمق) بے وقوف نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تفکر کر کے اپنے رب کو پہچانا اور نمرود کو بھی منہ توڑ جواب دیئے۔

(آیت نمبر ۱۳۲) اور اسی بات کی وصیت کی۔ یعنی جب جناب خلیل بڑے ہوئے۔ تو آپ نے دوسروں کو بھی یہی وصیت کی اور خصوصاً اپنے بیٹوں کو۔ بعض کے نزدیک آپ کی نرینہ اولاد آٹھ بیٹے ہوئے۔ ان سب کو آپ نے یہی حکم دیا۔ اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ **وصیت**: اسے کہتے ہیں۔ کہ کسی کے سامنے وہ امر پیش کرنا جس میں قولاً فعلاً اس کی بہتری ہو۔

یعقوب کا معنی ہے۔ بعد والا۔ یعنی آپ اپنے بھائی عیصو کے فوراً بعد پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے ان کا نام ہی یعقوب پڑ گیا۔ یعنی عیصو کے بعد دنیا میں آنے والا۔

عجوبہ بات یہ ہے۔ کہ یہ دونوں بھائی ایک ہی دن پیدا ہوئے۔ اور ایک ہی دن دونوں کی وفات ہوئی۔ اور اپنے والد ماجد جناب اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ان کی قبریں اکٹھی ہیں۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کی قبر بھی وہیں ہے۔ بہر حال دونوں نے اپنی اپنی اولاد کو فرمایا۔ کہ اے میرے بیٹو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین اسلام کو تمام ادیان پر چن لیا۔ اور یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے۔ لہذا تم پر ہرگز موت نہ آئے۔ مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ یعنی توحید میں مخلص ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر اچھا گمان رکھو۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

یا تھے تم حاضر جب آئی یعقوب کو موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے

مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ

میرے بعد کہا انہوں نے ہم عبادت کریں گے تیرے خدا اور تیرے باپ دادا کے خدا کی

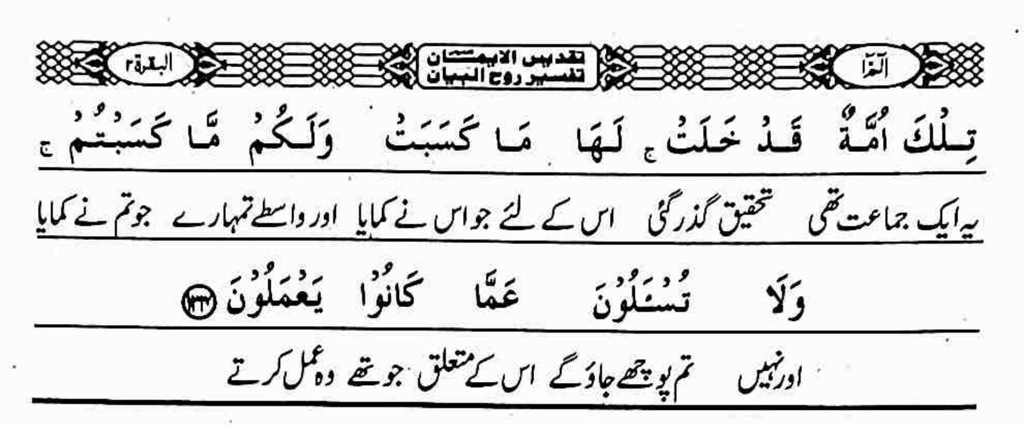
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق جنکا خدا ایک ہے اور ہم واسطے اس کے فرمانبردار ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۲) **امر واقعہ**: یہ ہے۔ کہ آپ نے مصر میں بت پرستی دیکھی تو آپ نے اپنی اولاد کو اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ چونکہ پیغمبر کی اولاد تھے۔ اوران کی اصلاح اس لئے ضروری تھی۔ کہ عام لوگوں کی اصلاح کے وہ موجب ہیں۔ کیونکہ متبوع اپنے احوال میں اچھا ہو جائے۔ تو اس کے تابع بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔
حدیث شریف: میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بھی یہی حکم دیا۔ اپنے قریبیوں کو ڈر سناؤ۔ تو آپ نے اپنے تمام قریبی قبیلوں کو بلا کر نصیحت فرمائی۔ کہ میری رشتہ داری پر ہی بھروسہ کر کے ایمان و عمل میں سستی نہ کرنا۔ (مسلم)
سبق: ہر مسلمان دوسروں کو عموماً اور اولاد کو خصوصاً دین کے معاملہ میں وصیت کرے۔ کہ وہ ہمیشہ دین پر قائم رہیں۔

(آیت نمبر ۱۳۳) کیا تم حاضر تھے۔

شان نزول: یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام فوت ہوئے۔ تو اس سے قبل انہوں نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ کیا تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ حضور ﷺ کے زمانے والے اس وقت تو موجود نہ تھے۔ کہ انہوں نے اپنے کانوں سے سنا ہو۔ کہ یعقوب علیہ السلام نے کیا وصیت فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ کہ انہوں نے وصال کے وقت اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے انتقال کرنے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ اس سے ان کا مقصد انہیں توحید پر ثابت قدم رکھنا تھا۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ کہ یعقوب علیہ السلام کا ارادہ عبادت سے عبادت معروفہ نہ تھی۔ بلکہ ان کا مقصد اولاد کو توحید پر قائم رہنے کا حکم اور ہر عمل خاص اللہ کی رضا کے لئے کرنے کا حکم دینا تھا۔



تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَـكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ

یہ ایک جماعت تھی تحقیق گذر گئی اس کے لئے جو اس نے کمایا اور واسطے تمہارے جو تم نے کمایا

وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

اور نہیں تم پوچھے جاؤ گے اس کے متعلق جو تھے وہ عمل کرتے

(بقیہ آیت نمبر۱۳۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کو اولاد سے بت پرستی کا ڈر تو نہ تھا۔ انہیں دنیوی امور میں منہمک ہونے کا خدشہ تھا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم سے کفر وشرک کا ڈر نہیں۔ لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں لگ جاؤ گے (بخاری)۔ اسی لئے تمام بیٹوں نے بیک زبان کہا۔ کہ ہم تیرے خدا اور ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے خدا کی عبادت کریں گے۔ جس کی الوہیت اور عبادت پر سب کا اتفاق ہے۔

ف: معلوم ہوا۔ کہ اب کا لفظ چچا، تایا، دادا سب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ والد کا لفظ صرف اپنے باپ پر ہی بولا جاتا ہے اور کسی پر نہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ خدا سب کا ایک ہی ہے۔ الہ واحد کہہ کر واضح کیا۔ کہ اول وآخر سب کا ایک ہی الہ ہے۔ اور ہم اسی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

(آیت نمبر۱۳۴) وہ ایک جماعت تھی۔ یعنی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ایک ہی جماعت تھی۔ جماعت کو امت اس لئے کہا۔ کہ شرعی امور سب کے یکساں تھے۔ تو فرمایا۔ کہ وہ گذر گئے۔ یعنی دنیا سے چل بسے۔ اور انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائیگا۔ کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔

شان نزول: یہود نے کہا۔ کہ ہمیں فخر ہے۔ کہ ہم نبیوں کی اولاد سے ہیں۔ اس وجہ اور نسبت سے ہمیں آخرت میں بہت فائدہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا۔ کہ ہمارے ہاں نسب کو نہیں دیکھا جائیگا عمل کو دیکھا جائیگا۔ جس نے آخرت کے لئے زادِ راہ نہیں بنایا۔ اور برائی کی اور نیک عمل بھی کوئی نہیں کیا۔ تو نسب اسے کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ (ایسی ہی آج کل کے بعض سادات بھی یہی امید رکھے ہوئے ہیں کہ ہمیں نمازیں اور روزے کی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ بعض تو یہ بھی کہتے سنے گئے۔ کہ ہم جو بھی گناہ وغیرہ کریں۔ ہمیں معاف ہے۔ استغفر اللہ)۔ (یہی سوچ یہودیوں کی تھی۔ کہ ہمیں کوئی گناہ نقصان نہیں دے گا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ وہ ہر روز ہزار رکعات نفل پڑھتے تھے۔ کیا انہیں معلوم نہیں تھا۔ کہ میں نبی کی اولاد ہوں۔ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور کہا(اہل کتاب نے) ہوجاؤ یہودی یا عیسائی توتم ہدایت پاؤ گےفرمادو بلکہ دین ابراہیم کو

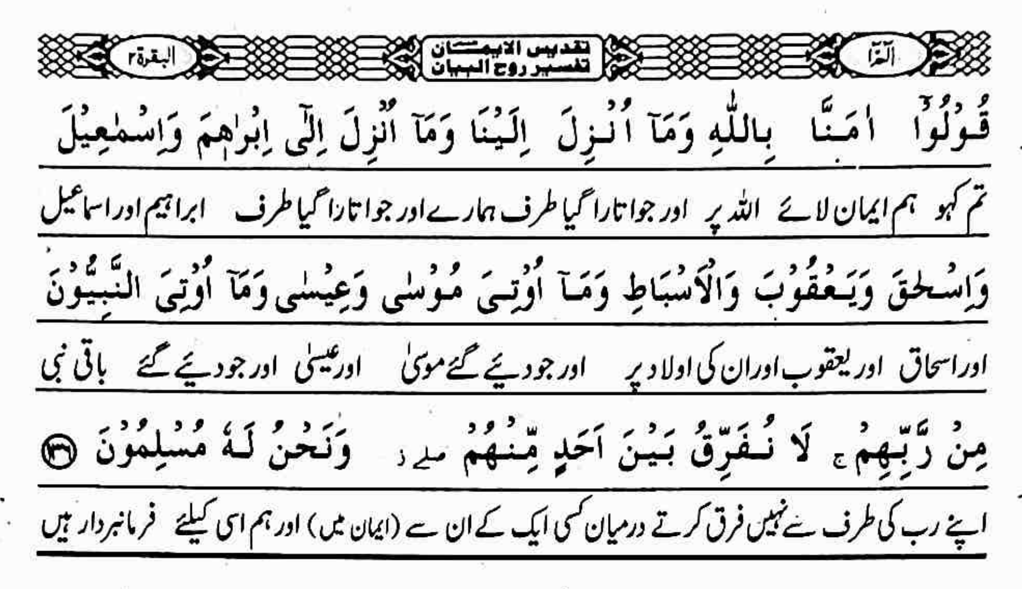
حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

(جوہر باطل سے) الگ ہے اور نہ تھے وہ مشرکوں سے

(آیت نمبر ۱۳۵) اور کہا انہوں نے یہودی ہو جاؤ یا عیسائی۔ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان میں سے جس مذہب پر ہو ہدایت یافتہ ہو گے) بلکہ یہ معنی ہے۔ یہودی کہتے تھے۔ کہ ہدایت یہودیت میں ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں سے افضل ہیں۔ اور ہماری کتاب توراۃ ساری کتابوں سے اعلیٰ ہے۔ اور ہمارا دین سارے دینوں سے اعلیٰ ہے لہذا اس دین پر آؤ تو کامیاب ہو گے۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ اور انجیل اور حضرت محمد ﷺ سے کفر کیا۔ اس لئے صرف موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو ماننا فائدہ نہیں دے گا۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا عیسائی ہو جاؤ۔ ہماری کتاب بھی اعلیٰ نبی بھی سب سے افضل ہے اور ہمارا دین سب سے بہتر ہے۔

لیکن انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ اور حضرت محمد ﷺ سے کفر کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید میں فرمایا۔ اے میرے حبیب آپ فرما دیں بلکہ دین ابراہیم علیہ السلام سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اور ہم تو اس پر قائم ہیں۔ دین حنیف جو ہر باطل دین سے ہٹ کر دین حقہ کی طرف راجع ہے۔ اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) شرک کرنے والے نہیں تھے۔ اور اے یہود ونصاریٰ تم دین ابراہیمی پر نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم مشرک ہو اور نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہتے ہو۔ اور ان کی پوجا کرتے ہو۔

ف: اس جملہ نے ان کے دعوے کا بطلان واضح فرمادیا۔ کہ تمہارا دین اگر صحیح ہے۔ تو تم شرک کیوں کرتے ہو۔ کہ ایک فرقہ حضرت عزیر کو اور دوسرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتا رہے ہو۔ اور ان کی پوجا کر رہے ہو۔
ف: ابراہیم علیہ السلام کے دین پر صرف دین محمد والے ہیں۔ جو کسی نبی کو نہ خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد اہل سنت وجماعت جو قیامت تک توحید پر قائم رہیں گے۔ وہی اصل میں ابراہیم علیہ السلام کے اصل پیروکار ہیں۔ **فائدہ**: اصلی دین کا مرکزی نقطہ توحید پر قائم ہونا۔ اور رب تعالیٰ کی خالص عبادت کرنا ہے۔



قُولُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

تم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اتارا گیا طرف ہمارے اور جو اتارا گیا طرف ابراہیم اور اسماعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ

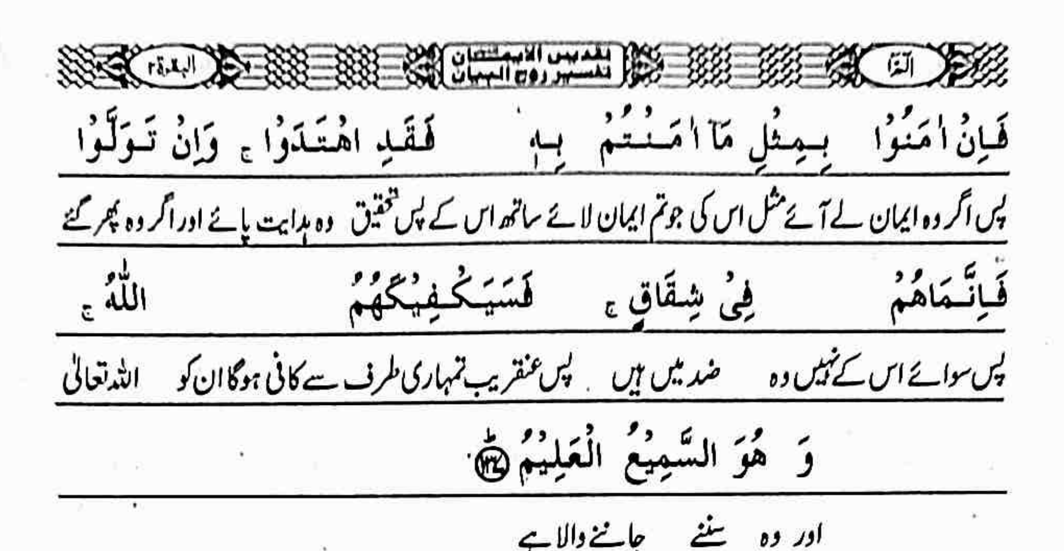
اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور جو دیئے گئے باقی نبی

مِنْ رَّبِّهِمْ ج لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ صلے ز وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اپنے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے درمیان کسی ایک کے ان سے (ایمان میں) اور ہم اسی کیلئے فرمانبردار ہیں

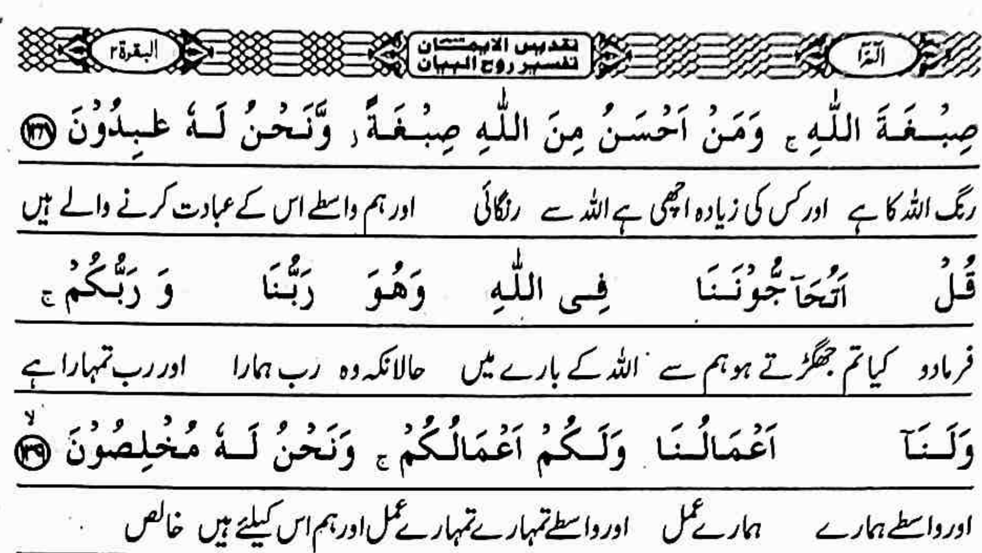
(آیت نمبر۱۳۶) اے اہل ایمان تم ان سے کہو۔ ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ اور اس پر بھی ایمان لائے۔ جو ہماری طرف نازل ہوا۔ اور اس پر بھی ایمان لائے۔ جو صحیفے ابراہیم علیہ السلام پر اترے اور ان احکام پر جو اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر اترے اور ان کی اولاد پر اترے۔ یہاں اسباط سے وہ انبیاء مراد ہیں۔ جن پر صحیفے اترے۔ یا وہ ابراہیم علیہ السلام کے صحائف پر ہی عمل کرتے تھے۔ یعنی تابع اور متبوع کا ایک ہی حکم ہے۔ اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دیئے گئے۔ یعنی ہم توراۃ اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

ف: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا الگ ذکر اس لئے کیا۔ کہ حضور علیہ السلام ڈائرکٹ ان کے پیروکاروں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اور بھی نبیوں پر جو کتب نازل ہوئیں۔ ان پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ تمام نبیوں پر ایمان یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔ خواہ ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ ہم کسی نبی پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی اللہ کے آگے گردن جھکانے والے ہیں۔ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں۔ کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کردیں۔ **فائدہ**: انکار بھی کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم بعض کو مانیں بلکہ کسی ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کرنا ہم پر لازم ہے۔ چونکہ ہمیں حکم دیا گیا۔ کہ تم کہو کہ ہم ان پر ایمان لانے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ کسی ایک سچے نبی کے نہ ماننے سے تو تفریق پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم سے سچے انبیاء کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ (جیسے سچے نبی کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی جھوٹے نبی کا اقرار بھی کفر ہے)۔



(آیت نمبر ۱۳۷) پھر اگر یہود ونصاریٰ ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے۔ اس کے ساتھ تو بے شک وہ حق والے راہ کی طرف ہدایت پا گئے۔ اور حقیقت تک پہنچ گئے۔ اور اگر وہ پھر گئے اس طور سے کہ اس میں خلل پیدا کر دیا۔ کہ کچھ پر ایمان لائے۔ اور کچھ سے کفر کیا۔ جیسا کہ ان کا طریقہ ہے۔ تو پھر سوائے اس کے نہیں وہ بہت بڑے اختلاف میں ہیں۔ اور حق سے بہت دور ہیں۔ لہذا ان سے اتحاد یا اتفاق ہرگز نہ کیا جائے۔ جب تک وہ تمام اسلام کی باتوں کو مان نہ جائیں۔ **فائدہ:** اس سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ مومن وہی ہے۔ جس کا ایمان صحابہ کے ایمان کی طرح ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو تسلی دی۔ اور مسلمانوں کو خوش فرما دیا۔ کہ ان کو نصرت اور غلبہ کا وعدہ دیا گیا۔ اور فرمایا اے محبوب گھبراؤ نہیں۔ عنقریب ان کو اللہ ہی کافی ہے۔ یعنی تمہاری طرف سے انہیں کفایت کریگا۔ تو بہت جلد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ کہ بنو قریظہ اپنی شرارتوں کی وجہ سے قتل ہوئے اور کچھ ان میں قید ہوئے اور بنو نظیر کو شام کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور نصاریٰ نجران کو ذلت کے ساتھ جزیہ دینے کی صورت میں کافی ذلت اٹھانی پڑی۔ اور فرمایا کہ وہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری التجاؤں کو سنتا اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ اگر تم چاہو۔ کہ تمہارے دین کا غلبہ ہو جائے تو وہ بھی تمہارا مقصود پورا ہو جائیگا۔ اور پوری دنیا میں یہ دین پھیلے گا۔ اور سب دینوں پر غالب آ جائے گا۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو اس وقت وہ یہی آیت تلاوت کر رہے تھے اور ان کا خون ان الفاظ پر گرا۔ "فسیکفیکھم اللہ" یعنی انہیں اللہ کافی ہوگا۔ (ابن کثیر وطبقات ابن سعد)



صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

رنگ اللہ کا ہے اور کس کی زیادہ اچھی ہے اللہ سے رنگائی اور ہم واسطے اس کے عبادت کرنے والے ہیں

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

فرمادو کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ رب ہمارا اور رب تمہارا ہے

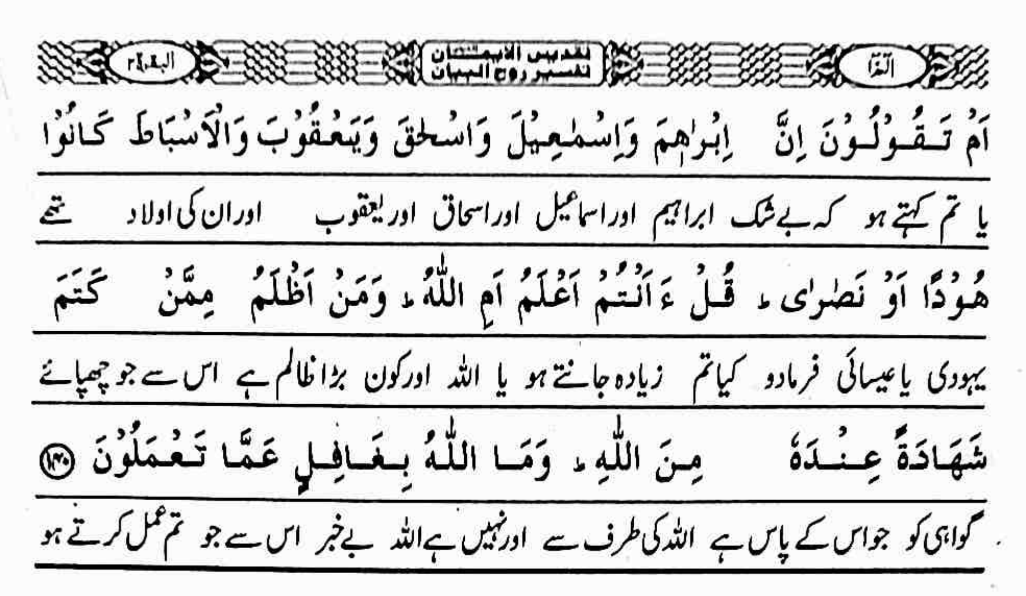
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور واسطے ہمارے ہمارے عمل اور واسطے تمہارے تمہارے عمل اور ہم اس کیلئے ہیں خالص

(آیت نمبر ۱۳۸) رنگ اللہ ہی کا ہے۔ یہ استعارہ کے طور پر ہے۔ یعنی وہ فطرۃ جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ وہی فطرت سلیمہ ہے۔ کہ جس سے انسان کو ایمان اور دیگر عبادات میں استعداد ملتی ہے۔ اور جس سے بندہ حق اور ایمان کو قبول کرتا ہے۔ اور جس رنگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے زیب وزینت مراد ہے۔ چونکہ دین وایمان بھی روحانی زیب وزینت کا سبب ہے۔ اور فطرۃ کو صبغہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ نصاریٰ کے صبغہ (رنگ) کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ کہ نصاریٰ پیدائش کے ساتویں دن بجائے چھٹی وغیرہ کے وہ ایک خاص قسم کا زرد رنگ ڈال دیتے تھے۔ اور اسے معمودیہ کہتے تھے۔ یا کوئی نیا آدمی عیسائی ہوتا۔ تو وہ اس پر زرد رنگ ڈالتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ تمہارا یہ رنگ کرنا یا رنگدار پانی میں غوطہ دینا بے سود ہے۔ اصل تو اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بڑھ کر خوبصورت رنگ کس کا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا رنگ کفر وشرک کو مٹا کر ایمان کا رنگ بھر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایمان کا رنگ سب رنگوں سے اعلیٰ رنگ ہے۔ اور ہم اسی کے عبادت گذار ہیں۔ اس لئے کہ اس ذات نے ہمیں نعمتوں سے نوازا۔ لہٰذا اس کی شکر گذاری کے لئے ہی ہم اس کی عبادت کرتے ہیں، تو جب بندہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کے نفس کو اچھے ایمانی رنگ سے مزین فرماتا ہے۔ اور تمام عیوب سے اسے پاک کرتا ہے۔ **ف**: اصل عابد وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر صرف اس کی رضا چاہنے کے لئے اس کی عبادت کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۹) میرے حبیب آپ فرمادیں۔ کہ کیا تم ہم سے جھگڑتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔

شانِ نزول: یہود ونصاریٰ کا دعویٰ تھا۔ کہ ہم سب سے افضل ہیں کیونکہ انبیاء ہمارے آباء اجداد تھے۔ جو ہمارے ہی دین پر تھے۔ اور ہمارا دین پرانا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔



اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا

یا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد تھے

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

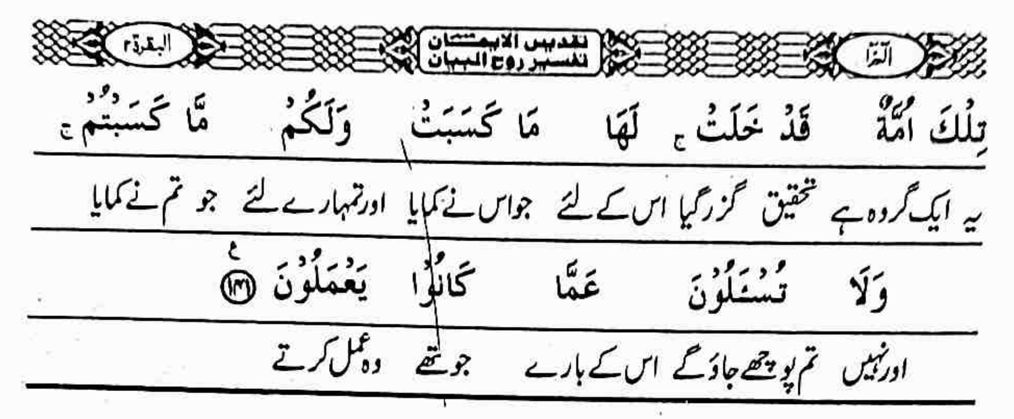
یہودی یا عیسائی فرمادو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جو چھپائے

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو تم عمل کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۹) اے یہودیو تم میرے ساتھ اللہ کے بارے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں جھگڑتے ہو۔ اور اپنے دین کو دین حق سمجھتے ہو اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار سمجھتے ہو۔ اور کبھی کہتے ہو۔ کہ ہمارے مذہب یہودیت۔ یا عیسائیت پر آ ؤ تو ہدایت ملے گی۔ یہاں تو جھگڑے کی کوئی بات ہی نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا تمہارا مالک ہی ایک ہے۔ اور پھر ہمارے اعمال نیک ہمارے لئے ہی ہیں۔ اور تمہاری برائیاں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ وہ سب اعمال تمہارے لئے ہیں۔ اور ہم اس کی عبادت میں مخلص ہیں۔ ہمیں اللہ کے سوا کسی کی چاہت نہیں ہے۔ اور تمہارا دعوی کہ ہمارا دین اچھا ہے۔ حالانکہ تم مشرک ہو۔ ف: اخلاص کا معنی ہے عمل کو شہرت یا ریاکاری سے پاک رکھنا۔

(تشریح آیت نمبر ۱۴۰) یا تم کہتے ہو۔ کہ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پوتے پڑپوتے یہودی تھے یا نصاریٰ تھے۔ یہ تو تم انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی افتراء پردازی کررہے ہو۔ کہ مذکورہ سارے انبیاء یہودی تھے یا عیسائی تھے۔ حالانکہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے وقت میں نہ یہودیت تھی نہ نصرانیت اور اس پر تمہارے پاس کوئی مضبوط حجت اور ٹھوس دلیل بھی کوئی نہیں۔ کہ واقعی تم اپنے گمان کے مطابق حق پر ہو۔ البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کہ تم اپنی اندھی تقلید میں جکڑے ہوئے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور توبیخ کے اس آیت میں فرمایا۔ کہ تم ان مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ وہ تو توراۃ اور انجیل کے نازل ہونے سے بھی پہلے گذر چکے تھے۔ تو وہ کس طرح یہودی یا عیسائی ہوئے۔ آگے فرمایا۔ اے میرے محبوب آپ ان سے فرمائیں۔ کہ کیا تم ان کے متعلق زیادہ جانتے ہو۔ یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اس شخص سے بڑا کون ظالم ہوگا۔ جو حق کو چھپاتا ہے۔ اور سچی گواہی نہیں دیتا۔ اور حق بات نہیں کرتا۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۴۰) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس شہادت ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ وہ شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتاب میں بیان فرمادی ہے۔ جسے تم چھپاتے اور حق کے خلاف کرتے ہو۔ اس لحاظ سے تم سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔ **حدیث شریف:** میں بہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ نے فرمایا۔ شرک اور جھوٹی گواہی دینا اور شہادت کو چھپانا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (بخاری اور مسلم میں کتاب الایمان والنذور)

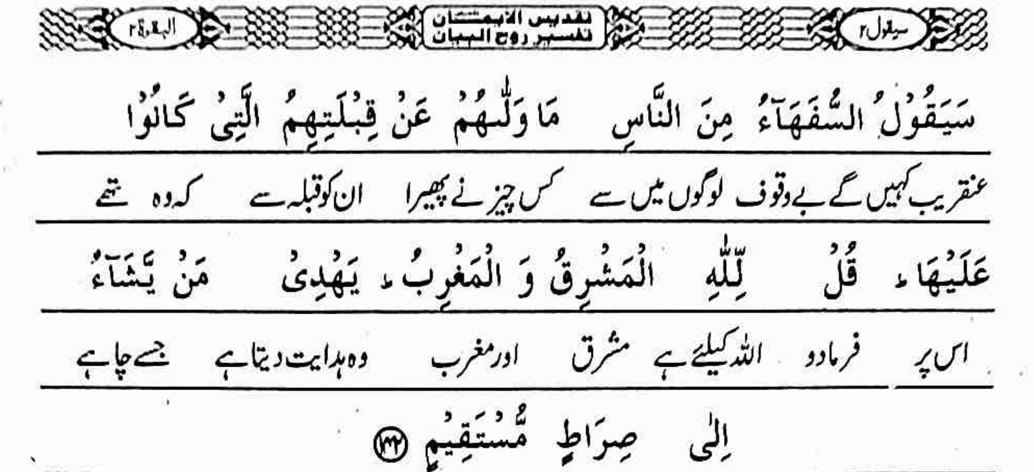
(آیت نمبر ۱۴۱) یہ نبیوں کی جماعت تھی جو تحقیق گذر گئی۔ ان کے اعمال صالحہ ان کے لئے۔ اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ اور تم سے نہیں سوال ہوگا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔ **ف:** اس آیت کو دوبارہ لایا گیا۔ انہیں ڈرسنانے کے لئے۔ جو اپنے باپ دادا کے کردار پر فخر کر رہے تھے۔ انہیں کہا گیا کہ تم اپنے اعمال کا محاسبہ کرو۔ یہ جو نسب پر فخر کر رہے ہو۔ جب صور پھونکا گیا۔ تو نسب کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

خلاصہ: یہ ہے۔ کہ اعمال میں اخلاص ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی صرف خالص عمل کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت جنید قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اخلاص بندے اور رب کے درمیان راز ہے۔ جسے فرشتے بھی نہیں جانتے۔ اور اس کا شیطان کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ اپنے اعمال کو خالص اللہ کیلئے کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول کرتا ہے۔ جو خالص اسی کیلئے ہوں۔ (اخرجہ دار قطنی)

مسئلہ: حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اور لوگوں کی خاطر چھوڑ دنیا بھی ریاء ہے۔ اور اخلاص ان دونوں سے خلاصی دے دیتا ہے۔

ف: نماز کی ابتداء اگر خلوص سے کی۔ بعد میں اگر ریاء آ بھی جائے۔ تو وہ ریاء نہیں ہے۔ (تارتار خانیہ)۔

مسئلہ: ریاکاری یہ ہے۔ کہ اگر نماز لوگوں کے سامنے ہو تو اچھی کر کے پڑھے۔ ورنہ اپنی جگہ اتنی اچھی کر کے نہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ عبادت میں ہمیں اخلاص عطا فرمائے۔ آمین



سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا

عنقریب کہیں گے بے وقوف لوگوں میں سے کس چیز نے پھیرا ان کو قبلہ سے کہ وہ تھے

عَلَیۡہَا ؕ قُلۡ لِّلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ

اس پر فرمادو اللہ کیلئے ہے مشرق اور مغرب وہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۴۲﴾

طرف راستے سیدھے کے

(آیت نمبر۱۴۲) عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو تبدیلی قبلہ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی منافقین اور یہود اور مشرکین وغیرہ ان کو بے وقوف کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کیا۔ اس سے بڑی نادانی اور بے وقوفی کوئی نہیں کہ بندہ رب کے حکم پر اعتراض کرے۔ اور اللہ کے حکم سے روگردانی کرے۔ وہ تو پرلے درجے کا جاہل اور بے وقوف ہی ہے۔ تو ان بے وقوفوں نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے کس چیز نے پھیرا۔ کہ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرلیا۔

شان نزول: مروی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ مدینہ شریف میں جب تشریف لائے۔ تو یہود کی تالیف قلوب کیلئے سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر جب حضور ﷺ کی دلی آرزو پر خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہو گیا (بخاری کتاب الصلوٰۃ)۔ تو مشرکین کے اعتراض پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ آپ فرمادیں۔ کہ مشرق ومغرب تو اللہ کے ہیں۔ یعنی تمام جہتیں اللہ کی ملک ہیں۔ اور کسی ایک جہت کو قبلہ بنانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔ وہ جدھر بھی منہ کرنے کا حکم دے دے۔ بندہ نے تو فرمانبرداری کرنی ہے۔ اسے اغراض وعلل سے کیا مطلب ہے۔ فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اسے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ یعنی کبھی بیت المقدس اور کبھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ یہ اس کی اپنی حکمت ومصلحت پر مبنی ہے۔ اسی لئے اس کو استقامت سے موصوف کیا گیا۔ **ف:** علماء کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہود ونصاریٰ اور منافقین کو بے وقوف کہنے کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ وہ دین اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ اور ان کے عقلوں پر پردے آ گئے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اصل غرض کسی جگہ کی طرف منہ کرنا نہیں بلکہ اصل چیز حکم خداوندی پر عمل کرنا ہے۔ جب توحید کی معرفت ہی ان کے نصیب میں نہیں تھی۔ تو وہ کیسے اس مسئلہ کو سمجھتے۔



وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اوراسی طرح ہم نے بنایاتمہیں امت درمیانی (افضل) تاکہ تم ہوجاؤ گواہ لوگوں پر

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ

اورہوں رسول اوپرتمہارے گواہ اورنہیں بنایاہم نے قبلہ کوجس پر تھےآپ

عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ

مگر تاکہ ہم دیکھیں کون پیروی کرتا ہے رسول کی اور کون ہے جو مڑ جاتا ہے اوپر اپنی ایڑیوں کے

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور بےشک ہے (بات) یقیناً بھاری مگر اوپران کے جن کو ہدایت دی اللہ نے اورنہیں ہے شان الٰہی

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

کہ ضائع کرے ایمان تمہارا بےشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر یقیناً شفقت کرنے والامہربان ہے

(آیت نمبر۱۴۳) جس طرح ہم نے تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت دی۔اسی طرح ہم نے تمہیں پسندیدہ امت بنایا۔ اوسط ہرطرف سے گھیرے میں ہونے کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے۔اس لئے امت بھی محفوظ ہوگئی۔آگے فرمایا۔تاکہ تم قیامت کے دن لوگوں پر گواہ بنو۔کہ واقعی پہلے انبیاءکرام علیہم السلام نے امتوں تک احکام الٰہی پہنچادیئے۔اورمحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں۔یعنی اپنی امت کی تصدیق اور صفائی بیان فرمائیں۔**حدیث** میں ہے۔کہ جب بروز قیامت کفار سے سوال ہوگا۔کہ کیا انبیاء نے تمہیں ہمارا حکم پہنچایا تھا۔تووہ انکارکردیں گے۔کہ ہمارے پاس کوئی بشیرونذیرنہیں آیا تھا۔ انبیاءکرام علیہم السلام ان کا جھوٹا ہونا ثابت کریں گے۔توامت محمدیہ ان سابقہ انبیاءکرام علیہم السلام کے متعلق گواہی دے گی۔کہ انہوں نے احکام پہنچائے۔کفارکہیں گے کہ تمہیں کیا پتہ تم تو بعد میں آئے۔یہ امت کہے گی کہ ہمارے پاس جو کتاب قرآن مجید کی شکل میں آئی۔اس میں اس بات کا ذکر موجود ہے۔تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر اپنی امت کی صفائی پیش کریں گے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حالات واقعات سے پوری طرح واقف ہیں۔۔اس کے بعد کفار کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (رواہ احمد)۔آگے فرمایا۔کہ نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ پہلے تھے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

تحقیق ہم دیکھتے ہیں پھرنا آپ کے چہرے کا طرف آسمان کے تو ضرور بہ ضرور ہم پھیریں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف

تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا

کہ جس پر آپ خوش ہیں ابھی سے پھیرلیں اپنا چہرہ طرف مسجد حرام کے اور (اے مسلمانو) جہاں بھی

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

ہوتم پس پھیرو منہ اپنے طرف اس کے اور بیشک وہ جو دیئے گئے کتاب البتہ جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

بے شک وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

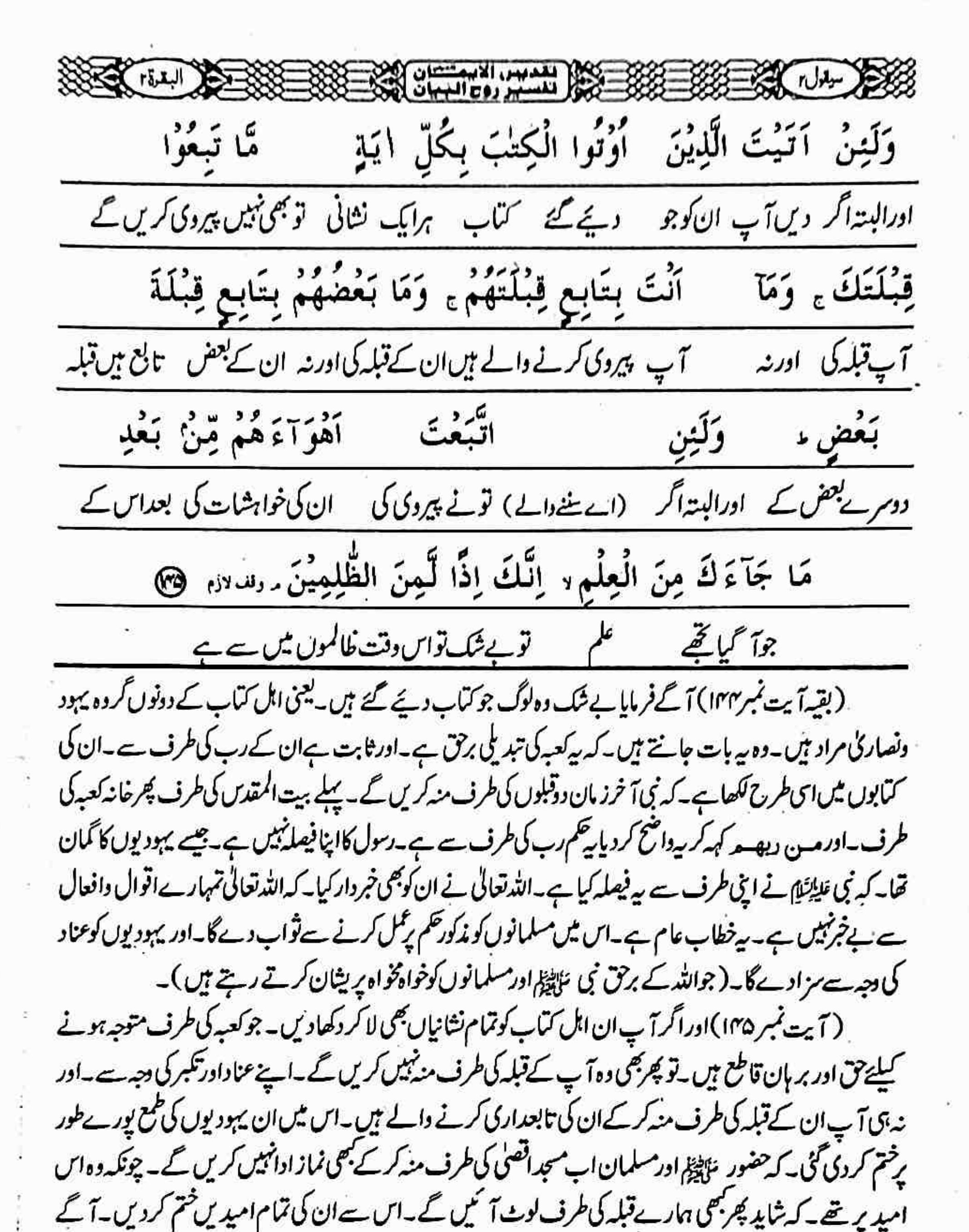
(بقیہ آیت نمبر ۱۴۳) یعنی وہ جہت جس کی طرف ہم نے آپ کو متوجہ کیا ہے۔ وہ تو صرف اس لئے۔ کہ ہم جانچیں کہ کون ہمارے رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون اپنی ایڑیوں پر مڑ جاتا ہے۔ یعنی ہم چاہتے ہیں۔ کہ واضح ہو جائے۔ کہ ان میں صادق الاسلام کون ہے۔ اور متردد کون ہے۔ کہ جو معمولی وجہ سے ہی دین سے پھر جاتا ہے۔ اگر چہ یہ بات بہت بوجھل ہے۔ **ف**: انسان کو ہر وہ بات بوجھل لگتی ہے۔ جس کا وہ عادی ہو۔ اور پھر اس سے اس کو ہٹایا جائے۔ مگر وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ ان لوگوں پر یہ کام بوجھل نہیں ہے۔ چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے عرفان کی دولت دی ہے۔ جتنے بھی احکام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے۔ ان میں حکمت ہے۔ خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ سعادت مند ہے وہ جو اپنے رب حکیم کے احکام کی پیروی کرے اور وہ بد بخت ہے۔ جو نافرمانی کرے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کے اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ **فائدہ**: مسلمانوں کو شک ہوا کہ شاید ہماری سابقہ نمازیں جو مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے وہ ضائع ہو گئیں تو اس کے جواب میں فرمایا۔ اے اہل ایمان تمہاری ثابت قدمی اور احکام کو ماننے کی وجہ سے تمہارا نہ ایمان ضائع نہ عمل ضائع ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۴) تحقیق ہم دیکھتے ہیں۔ یا ہم نے مشاہدہ کیا۔ **شان نزول**: حضور ﷺ کے دل میں یہ حب تھی۔ کہ کاش نماز کے لئے خانہ کعبہ ہمارا قبلہ بن جائے۔ چونکہ آپ کے دادا جان ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا تھا۔ اس کے ساتھ حضور ﷺ کو والہانہ محبت تھی۔ اور آپ کے دل مبارک میں یہ بھی خیال تھا۔

کعبہ کا قبلہ ہونا اہل مکہ کے مسلمان ہونے کے لئے بھی مؤثر ثابت ہوگا۔ اور نمبر ۲ یہ کہ یہود کی مخالفت بھی مقصود تھی۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ مسلمان ہماری مخالفت بھی کرتے ہیں۔ اور نماز میں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے حضور ﷺ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ اس امید پر کہ شاید ابھی حکم آ جائے۔ کہ منہ خانہ کعبہ کی طرف کرلو۔ **فائدہ**: قرآنی احکام میں ناسخ و منسوخ کا یہ پہلا حکم تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آپ کے منہ کو آسمان کی طرف پھرتے دیکھتے ہیں۔ گویا آپ وحی کے منتظر ہیں۔ لہٰذا اے محبوب ہم آپ کو وہی قبلہ عنایت فرمائیں گے یا یہ معنی ہے۔ کہ ہم آپ کو اسی سمت کر دیں گے۔ جس طرف آپ کی رضا ہے۔ پہلے آپ نے ہمیں راضی کیا۔

اب ہم آپ کی رضا چاہتے ہیں۔ اگرچہ حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف بھی منہ کرنے سے کراہت نہ کرتے تھے۔ صرف آپ کا خانہ کعبہ کے ساتھ جو محبت و اشتیاق تھا۔ اس بناء پر یا آپ کا طبعی میلان تھا۔ اور وہ بھی مقاصد دینیہ کی وجہ سے تھا۔ اس لئے وہ جب اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوگیا۔ تو فرمایا۔ کہ آپ اپنا چہرا اس قبلہ کی طرف کر لیجئے جس طرف آپ کی مرضی ہے۔ چہرا کہہ کر تمام بدن مراد لیا ہے۔ کیونکہ انسان کا چہرا ہی اصل ہے۔ اور متبوع کے ذکر سے تابع کا ذکر خود ہی آ جاتا ہے۔ یعنی جب منہ ادھر ہوگا۔ تو تابع یعنی بدن خود ہی اس طرف پھر جائیگا۔ **فائدہ**: مسجد حرام سے وہی مسجد مراد ہوگی۔ جو خانہ کعبہ کے اردگرد ہے۔ جس میں امن ہی امن ہے۔ اور اب تمام مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے۔ کہ نفخ صور یعنی قیامت تک خانہ کعبہ ہی قبلہ رہے گا۔ **نکتہ**: اب پوری دنیا کو مسجد حرام کی طرف اور مسجد حرام والوں کو کعبہ کی طرف منہ کرنا چاہئے۔

رضاء مصطفیٰ ﷺ: اس آیت سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو فرمایا۔ کہ سب میری رضا چاہتے ہیں۔ اور اے محمد مصطفیٰ ﷺ میں خدا تیری رضا چاہتا ہوں۔ اس روایت کو اگرچہ بعض نے سنداً ضعیف کہا ہے۔ وہ لیکن اصول حدیث کا مسلمہ قانون ہے۔ کہ جو روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہو۔ اگر اس کا معنی آیت قرآنی یا کسی دوسری صحیح حدیث سے مؤید ہو جائے۔ تو وہ روایت صحیح کے درجے میں آ جاتی ہے۔ اور حدیث مذکور پر قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں ایک یہ مذکورہ آیت اور اسی طرح سورۂ والضحیٰ میں فرمایا۔ کہ اے محبوب تجھے تیرا رب اتنا دے گا۔ کہ تو راضی ہو جائیگا۔ اور اسی طرح بخاری کی وہ حدیث شفاعت جس میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو فرمائے گا۔ کہ سجدہ سے سر اٹھائیں۔ مانگیں آپ کو دیا جائیگا۔ آپ سفارش کریں۔ آپ کی شفارش کو قبول کیا جائے گا۔ (بخاری، حدیث نمبر ۴۴۷۶) اس سے واضح ہوگیا۔ کہ ع خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد



وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

اورالبتہ اگر دیں آپ ان کوجو دیئے گئے کتاب ہرایک نشانی تو بھی نہیں پیروی کریں گے

قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

آپ قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی اور نہ ان کے بعض تابع ہیں قبلہ

بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

دوسرے بعض کے اور البتہ اگر (اے سننے والے) تو نے پیروی کی ان کی خواہشات کی بعد اس کے

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ وقف لازم ﴿۱۴۵﴾

جو آ گیا تجھے علم تو بے شک تو اس وقت ظالموں میں سے ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۴) آگے فرمایا بے شک وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے دونوں گروہ یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ وہ یہ بات جانتے ہیں۔ کہ یہ کعبہ کی تبدیلی برحق ہے۔ اور ثابت ہے ان کے رب کی طرف سے۔ ان کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ کہ نبی آخر زمان دو قبلوں کی طرف منہ کریں گے۔ پہلے بیت المقدس کی طرف پھر خانہ کعبہ کی طرف۔ اور مــن ربھــم کہہ کر یہ واضح کر دیا یہ حکم رب کی طرف سے ہے۔ رسول کا اپنا فیصلہ نہیں ہے۔ جیسے یہودیوں کا گمان تھا۔ کہ نبی علیہ السلام نے اپنی طرف سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی خبردار کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال وافعال سے بے خبر نہیں ہے۔ یہ خطاب عام ہے۔ اس میں مسلمانوں کو مذکور حکم پر عمل کرنے سے ثواب دے گا۔ اور یہودیوں کو عناد کی وجہ سے سزا دے گا۔ (جو اللہ کے برحق نبی ﷺ اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ پریشان کرتے رہتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۱۴۵) اور اگر آپ ان اہل کتاب کو تمام نشانیاں بھی لا کر دکھا دیں۔ جو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے حق اور برہان قاطع ہیں۔ تو پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی طرف منہ نہیں کریں گے۔ اپنے عناد اور تکبر کی وجہ سے۔ اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے ان کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ اس میں ان یہودیوں کی طمع پورے طور پر ختم کر دی گئی۔ کہ حضور ﷺ اور مسلمان اب مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے کبھی نماز ادا نہیں کریں گے۔ چونکہ وہ اس امید پر تھے۔ کہ شاید پھر کبھی ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اس سے ان کی تمام امیدیں ختم کر دیں۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ دونوں گروہ آپس میں کب متفق ہیں۔ یہ بھی تو آپس میں بعض بعض کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے نہیں ہیں۔ یعنی یہود ونصاریٰ بھی قبلہ کے مسئلہ میں آپس میں متفق نہیں ہیں۔ دونوں کی سمت ایک نہیں ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

وہ کہ جن کو دی ہم نے کتاب پہچانتے ہیں اسے جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں بیٹے اپنے

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ وقف منزل ﴿۱۴۶﴾

اور بے شک ایک گروہ ان میں سے ضرور چھپاتے ہیں حق کو اور وہ جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۱۴۵) **یہود و نصاریٰ کے بھی قبلے الگ تھے:** یہود نے بیت المقدس کی غربی جانب اپنا قبلہ اپنی خواہش کے مطابق بنایا ہوا تھا۔ اس خیال سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسجد اقصیٰ کی غربی جانب شرف وحی وکلام حاصل ہوا تھا۔ اسی طرح عیسائیوں نے مسجد اقصیٰ کی شرقی جانب کو اپنا قبلہ بنایا ہوا تھا۔ اس خیال سے کہ بی بی مریم مسجد اقصیٰ سے شرقی جانب تھیں۔ جب جناب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لیکن یہ ان کا اپنا خیال تھا۔ اللہ کا انہیں حکم نہیں تھا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ان کی آپس میں بھی کوئی موافقت نہیں۔ کیونکہ ہر گروہ اپنے خیالی قبلہ پر مضبوط ہے جب باطل والے اپنے غلط ارادوں سے نہیں ہٹ سکتے۔ تو اہل حق اللہ کے حکم سے کیسے ہٹ سکتے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اے مسلمانو اب اگر تم ان کے خواہشات کی پیروی کرو گے۔ یعنی ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے ان سے موافقت کرو گے۔ وحی کا علم آنے کے بعد تو بے شک تم اس وقت بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہو گے۔ **فائدہ:** اس میں کعبہ کو قبلہ بنانے اور اس پر قائم رہنے پر اور حق پر ثابت قدم رہنے پر زور دیا گیا ہے اور خواہشات نفسانی سے دور رہنے کی بھی اس میں تلقین ہے۔

(آیت نمبر۱۴۶) وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی۔ اور فہم وذکا عطا کیا۔ اس سے وہ علماء مراد ہیں۔ جو مسلمان ہو گئے۔ وہ رسول پاک ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کے اوصاف ان کی کتابوں میں موجود تھے۔ اس لئے انہیں حضور ﷺ کے رسول ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسی لئے عبداللہ بن سلام جو پہلے علماء یہود میں بہت بڑے عالم تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں اپنے بچوں کے متعلق تو شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ہمارے ہیں یا کسی اور کے مگر آپ کی رسالت میں کوئی شک نہیں ہے۔

ف: بچوں کا ذکر کیا اور بچیوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ انہیں بچوں سے ہی زیادہ رغبت تھی اور بچوں سے وہ اپنی پہچان سمجھتے تھے اور بچوں سے ہی زیادہ محبت کرتے تھے۔ اسی لئے یہ بھی نہ کہا کہ جیسے وہ اپنے آپ کو پہچانتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان اپنے جوان ہونے کے بعد والے حصہ کو جانتا ہے۔ لیکن اولاد کے اول وآخر کو جانتا ہے۔ اس لئے اولاد کا ذکر فرمایا۔



اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

حق (وہی ہے) جو تیرے رب کی طرف سے پس نہ ہو ضرور شک کرنے والوں سے

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا

اور واسطے ہر ایک کے سمت ہے وہ مڑنے والا ہے اس کی طرف پس آگے نکلو نیکیوں میں جہاں

تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم ہو لے آئے گا تم کو اللہ اکٹھا کر کے بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۶) اور بے شک ایک جماعت ان سے یعنی جو ان کے اکابر ہیں۔ انہیں حق سے عناد تھا۔ وہ حق کو ضرور چھپاتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ حضور ﷺ اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ ہے۔ اور وہی برحق ہے۔ البتہ جو ان میں سے ایمان لائے۔ وہ حق کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان میں جو پرلے درجے کے جاہل ہیں۔ انہیں نہ کتاب کا علم نہ معرفت کا حصول نہ انہیں اظہار کا پتہ نہ چھپانے سے واسطہ۔ وہ تو اپنے باپ دادا کے مقلد محض بنے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۴۷) اس لئے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی۔ کہ تم اب کسی قسم کا اس میں شک نہ کرنا۔ کیونکہ تم حق پر ہو جو حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ یہ بہ ظاہر حضور ﷺ کو کہا گیا۔ اور امت کو سنا دیا گیا۔ کہ تم نے مذکورہ مسئلے پر کسی قسم کا شک نہیں کرنا۔ بلکہ یقین اور دل سے اطمینان رکھو۔ کہ قبلہ کی تبدیلی حتمی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۸) ہر امت کیلئے ایک سمت ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا یہود و نصاریٰ سے ہو۔ ہر ایک اپنے اس قبلہ کی طرف منہ کرنے والا ہے۔ **ف**: تمام مختلف ادیان والوں کا اپنا قبلہ ہے۔ اور ہر ایک کا قبلہ دوسرے کے قبلہ سے مختلف ہے۔ جب ہر گروہ کا اپنا قبلہ ہے۔ جس کی طرف منہ کر کے وہ عبادت کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے اپنے قبلہ کی طرف منہ کرنے پر اتنے پختہ ہیں۔ کہ وہ حقیقی قبلہ کی طرف منہ کرنے کا نام تک نہیں لیتے۔ خواہ جتنے مرضی ہیں۔ آپ دلائل دیکر انہیں سمجھائیں۔ لہٰذا تم بھی اپنے قبلہ کی طرف منہ کرنے میں ڈٹ جاؤ۔ کہ اب تمہارا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہے۔ یاد رکھو اصل چیز قبلہ نہیں بلکہ نیک اعمال ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرو۔ خیرات میں نیکیوں کی تمام قسمیں آجاتی ہیں۔ یا یہ حکم بھی قبلہ کے ہی متعلق ہے۔ یعنی اللہ کا حکم مان کر دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرو۔ یہ نہ دیکھو کہ دوسری جانب بڑے بڑے مال دار ہیں۔ وہ سب گمراہی کی پیروی کر رہے ہیں اور تم حق کے پیروکار ہو۔ لہٰذا حق پر قائم رہو۔ اور ہمارے ساتھ رہو اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ تم نے بالآخر ہمارے پاس ہی سب نے آنا ہے۔ جہاں نیک اعمال پر اچھی جزاء ملے گی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِنَّهُ

اور جدھر تو نکلے پس پھیر لے منہ اپنا طرف مسجد حرام کے اور بے شک وہ ضرور

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

برحق ہے تیرے رب کی طرف سے اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ بے خبر اس سے جو تم عمل کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۸) **ف**: خیرات سے وہ تمام امور مراد ہیں۔ جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔ کہ وہ نیک کام کرو۔ اور ان غیر مسلموں کے پیچھے نہ چلو جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو قبلہ بنایا ہوا ہے۔ وہ تو احکام خداوندی کو پس پشت ڈال کر شر اور فساد کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ حق کو پس پشت ڈالنے والے کو گمراہی ہی حاصل ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کہ تم جہاں بھی ہوگے۔ خواہ تم ہو یا تمہارے دشمن سب کو اللہ تعالیٰ محشر کے دن جزاء وسزا کیلئے اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ پھر حق اور باطل میں فیصلہ فرمائے گا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی سب کو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے اور اکٹھا کرنے پر وہ قادر ہے۔ **مسئلہ**: اس آیت میں اطاعت گزاروں کو وعدۂ بخشش اور گناہگاروں کو وعید سنائی گئی ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۹) اور جدھر بھی آپ نکلیں۔ یعنی جس مکان یا شہر کی طرف تم سفر کو جاؤ گے۔ تو نماز کے لئے تم اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرنا۔ یعنی خواہ سفر میں ہو یا گھر میں اب تم ہر حال میں نماز کے وقت توجہ کعبہ کی طرف کرنا۔ ہر حالت میں کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ یعنی حالت سفر کا وہی حکم ہے۔ جو گھر میں یا شہر میں رہ کر منہ کرنے کا حکم ہے۔ اور آگے فرمایا۔ کہ بے شک یہ حکم تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور برحق حکم ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ اور حکمت خداوندی کے موافق بھی ہے۔ اور یاد رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کسی بھی عمل سے بے خبر نہیں ہے۔ یعنی جو بھی تم عمل کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ پھر تمہیں اسی کے مطابق ہی جزاء بھی عطا فرمائے گا۔ اور اگر مخالفت کرو گے۔ تو سزا کے مستحق ہوگے۔ **مسئلہ**: اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اچھی جزاء کا وعدہ دیا گیا ہے۔ کہ جب تم ہماری مرضی کے مطابق اعمال کرو گے۔ تو بدلہ ہم تمہاری مرضی کے مطابق دیں گے۔

کیفیت نماز: یاد رہے۔ کعبہ بارگاہ صمدیہ کیلئے ایک مثال ہے۔ کہ اس کی طرف توجہ کرنے سے مطلوب و مقصود ذات حق کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ کہ بندہ نماز میں مسجد حرام کے بجائے ذات حق میں مستغرق ہو جائے۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو ان خود ساختہ قیود سے چھوٹا اس نے ذات حق کو پالیا۔

10
10

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ

اور جدھر تو نکلے پس پھیر لے منہ اپنا طرف مسجد حرام کے اور جدھر

مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

تم ہو پھیرلو منہ اپنے طرف اسکے تا کہ نہ ہو واسطے لوگوں کے تم پر

حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ

کوئی حجۃ مگر وہ جو ظالم ہیں ان میں سے پس نہ ڈروتم ان سے اور ڈرو مجھ سے

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ ﴿۱۵۰﴾

تا کہ میں پوری کروں اپنی نعمت اوپر تمہارے شاید کہ تم ہدایت پاؤ

(آیت نمبر ۱۵۰) اب تو جدھر بھی نکلے یعنی سفر میں یا جنگ کیلئے منزل قریب ہو یا دور بہر حال نماز کیلئے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلو۔ اور اے مسلمانو تم بھی اب جدھر جاؤ اپنے منہ مسجد حرام کی طرف کرلو۔ یعنی زمین کے کناروں میں سے کسی جگہ ہو جب تم نماز پڑھنے لگو۔ تو اپنے چہروں کو پھیرلو مسجد حرام کی طرف۔

مسئلہ: چونکہ قبلہ کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے۔ اس کو بار بار دھرایا جارہا ہے۔ اور یہ بتانا بھی مقصود ہے۔ کہ اب اس کے منسوخ ہونے کا کوئی چانس نہیں اور اس کے تمام تر شبہات ختم ہو گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا۔ کہ اس بات کو بار بار دھرایا جائے۔ تا کہ کسی قسم کا وہم نہ رہے۔ اور اس کو بار بار ذکر کرنے میں اور بھی کئی قسم کے فوائد حاصل ہوئے۔ جو ہر ایک اپنے اپنے مقام پر مستقل حکمت کے تحت ہے۔ ان میں سے بڑی حکمت یہ ہے۔

تا کہ لوگوں کی تم پر کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے یہودیوں کی حجۃ اور اعتراض ختم ہو جائیگا۔ وہ اس طرح کہ ان کی کتاب توراۃ میں لکھا ہے۔ کہ نبی آخر زمان کا پہلا قبلہ مسجد اقصیٰ اور اس کے بعد خانہ کعبہ ہوگا۔ اگر اب قبلہ کی تبدیلی کا حکم نہ ہوتا تو وہ یہی کہتے کہ یہ ابھی تک بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں۔ لہذا یہ وہ نبی آخر زمان نہیں ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اس تحویل قبلہ سے اہل عرب کا اعتراض بھی ختم ہو جائے گا۔ کہ جو

یہ کہتے تھے۔ کہ یہ نبی اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کہتے ہیں۔اور ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے کعبہ کو قبلہ بھی نہیں بناتے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب کے اعتراض ختم ہو گئے۔البتہ ان میں وہ لوگ جو ظالم ہیں۔یعنی ان یہودیوں میں جو ضدی قسم کے لوگ ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے قبلہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اس لئے قبلہ بنایا۔ کہ انہیں اپنی قوم کے دین کی طرف جھکاؤ ہو گیا۔ یا اپنے شہر کی محبت نے انہیں مجبور کیا۔ اس لئے انہوں نے ادھر منہ کیا۔ ورنہ بیت المقدس تو سارے نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔اسے نہ چھوڑتے اسی طرح معاندین اہل مکہ کہنے لگے۔ اچھا ہوا۔اس نبی اب سمجھ آ گئی ہے۔ کہ ہم صحیح ہیں۔اب وہ جلد ہمارے دین پر بھی آ جائیں گے۔ یہ ان دونوں گروہوں کی باطل حجتیں تھیں۔ جو وہ اپنی اپنی جگہ سوچنے لگے۔اور نبی کریم ﷺ کے خیال شریف میں ان میں سے ایک بات بھی نہیں تھی۔

تو فرمایا۔ کہ اے مسلمانو تم ان کافروں کے طعن و تشنیع سے نہ ڈرو۔ وہ تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکتے۔اور نہ وہ تم پر غلبہ پا سکتے ہیں۔اس لئے تم اپنی توجہ کعبہ سے نہ ہٹاؤ۔اور مجھ سے ہی ڈرو۔ یعنی میرے احکام کی فرمانبرداری کرو نافرمانی نہ کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔اور میں چاہتا ہوں۔ کہ میں تم پر اپنی نعمت مکمل کروں۔اس لئے کہ یہ بڑی جلیل القدر نعمتیں ہیں۔اور جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانا اس نے مکمل نعمت حاصل کر لی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترے ہوئے تمام اوامر و تکالیف یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ہیں۔اور ان پر بندے کو ثواب ملتا ہے۔ جیسے کعبہ کو قبلہ بنانا وغیرہ۔

ف: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر نعمت کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسبی۔ (۲) عطائی۔ عطائی وہ ہیں جیسے انسانیت، صحت، سلامتی اعضاء وغیرہ اور کسبی ایمان اور عمل صالح وغیرہ۔ اس لئے فرمایا۔ ان نعمتوں پر شکر یہ ادا کر کے سعادت دارین حاصل کریں تا کہ ہم تمہیں ہدایت سے سرفراز فرمائیں۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں سے پڑھتا ہے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾

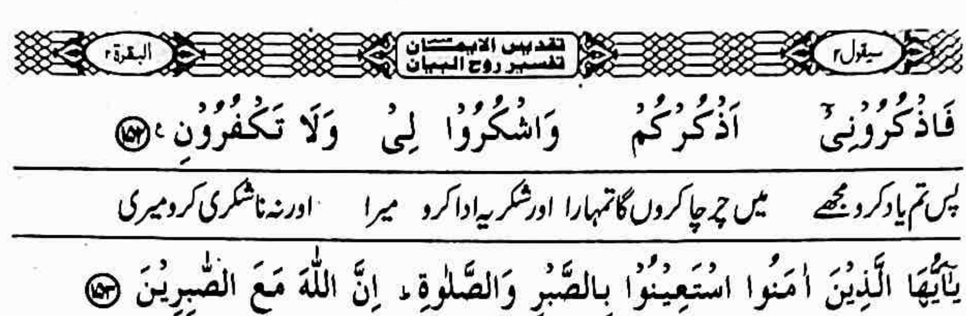
اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تمہیں جو نہیں تھے تم جانتے

(آیت نمبر ۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تم میں اپنا رسول بھیجا جو تم میں سے ہے۔ تاکہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے۔ یہ حکم بھی قبلہ ہی کے بارے میں ہے۔ (یاد رہے کہ رسول ضرور تم میں سے ہے لیکن تم جیسا نہیں ہے۔)

ف: یہاں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ تم میں سے کا مطلب ہے۔ کہ تمہاری ہی قوم سے ہیں اور یہ وہ نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ اور وہ رسول تم پر ہماری آیات یعنی قرآن مجید کی آیات تلاوت کریں گے۔ اور تمہیں ایسے اعمال کے لئے تیار کریں گے۔ جن کی وجہ سے تم گناہوں کی گندی میل سے دھل کر پاک صاف ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ رسولان گرامی علیہم السلام کا کام ہی یہ ہے۔ کہ وہ عوام کو دعوت دیکر ایسے اعمال کیلئے تیار کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان لوگوں کو شرک اور گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہ کام صرف ایک ادھ ملاقات سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ بار باران کے فیوض و برکات اور ان کی صحبت حاصل نہ ہو۔ اور وہ ان کو کتاب سکھائیں۔ یعنی قرآن کے معانی اور شرائع و احکام کی تعلیم دیں۔ جس کی وجہ سے قرآن کے نور اور ہدایت سے موصوف کیا جائے۔

مسئلہ: قرآن پاک کی تلاوت عبادت ہے۔ خواہ نماز میں ہو یا باہر۔ اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ رسول قرآن کے ساتھ حکمت بھی سکھائے۔ حکمت قول و فعل کی درستی کا نام ہے۔ جس میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں وہ حکیم ہوتا ہے۔ اور حکمت عقل کو جہالت اور خطا سے روکتی ہے۔ اور تزکیہ کا دارومدار ہی قرآن پاک پر عمل کرنے میں ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ رسول تمہیں وہ کچھ سکھائیں گے۔ جو تم نہیں جانتے ہو۔

ف: اس سے معلوم ہوا۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جملہ علوم جو بذریعہ وحی ان تک پہنچتے ہیں۔ اور وہاں سے تمام امت تک وہ علوم پہنچتے ہیں۔ ان کا سرچشمہ کتاب و حکمت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کا علم تمام امتیوں کے علم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ نبی ڈائرکٹ اللہ تعالیٰ سے علوم لیتا ہے اور امتی نبی سے علم لیتا ہے۔ لہذا وہبی علم سے کسبی علم ہر لحاظ سے کم درجے میں ہوتا ہے۔



فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

پس تم یاد کرو مجھے میں چرچا کروں گا تمہارا اور شکریہ ادا کرو میرا اور نہ ناشکری کرو میری

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو مدد مانگو ساتھ صبر اور نماز کے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

(آیت نمبر۱۵۲) تم مجھے یاد کرو۔ اطاعت کر کے۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا مطیع ہے۔ خواہ اس کی نماز روزہ تلاوت اتنی زیادہ نہ ہو۔ اور جو اللہ کو یاد نہیں کرتا وہ نافرمان ہے۔ خواہ اس کی نماز اور تلاوت زیادہ ہو۔ (کنزالعمال حدیث نمبر۱۹۲۲)۔ آگے فرمایا کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا یعنی تم پر لطف واحسان اور ثواب اور خیر و برکت کی کثرت کروں گا۔ اور تم پر نیکی بختی کے دروازے کھول دونگا۔ اور تم میرا شکر کرو۔ کیونکہ تم پر میرے بہت انعامات ہیں۔ اور ان انعامات واحسانات کی وجہ ہی سے تم پر شکر لازم ہے۔

ف: صاحب تیسیر فرماتے ہیں۔ کہ "فاذکرونی" میں "قولی" اور "واشکرولی" میں "فعلی" عبادت مراد ہے۔ مزید فرمایا۔ کہ میری ناشکری نہ کرو یعنی نافرمانی نہ کرو۔ ف: معلوم ہوا۔ کہ بندے کو جہاں نیکی کرنا لازم ہے۔ وہاں برائی سے بچنا بھی لازم ہے۔ اور "فاذکرونی" میں تمام طاعات آجاتی ہیں۔

(آیت نمبر۱۵۳) اے ایمان والو جن کاموں کے کرنے اور جن کے چھوڑنے کا حکم ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو صبر کے ساتھ یعنی ان امور کے ساتھ جو نفس پر مشکل ہیں۔ جیسے گناہ کی لذتوں سے بچنا۔ اور دوسرا نماز کے ذریعے سے مدد مانگو جو تمام عبادات کی اصل ہے۔ جو مومنوں کی معراج اور اللہ تعالیٰ کی پیاری عبادت ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ کو جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی۔ تو آپ نماز شروع فرمادیتے تھے (سنن ابوداؤد حدیث نمبر۱۳۱۹)۔ آگے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ف: معلوم ہوا۔ کہ صبر بہت ہی اعلیٰ چیز ہے۔ اس لئے۔ کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن صبر نماز سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اس لحاظ سے معیت صابرین کے ساتھ فرمائی۔ اور اس معیت کو عارف لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں صابرین کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا

اور نہ کہو تم اس کو جو مارا جائے راہ خدا میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن نہیں

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ

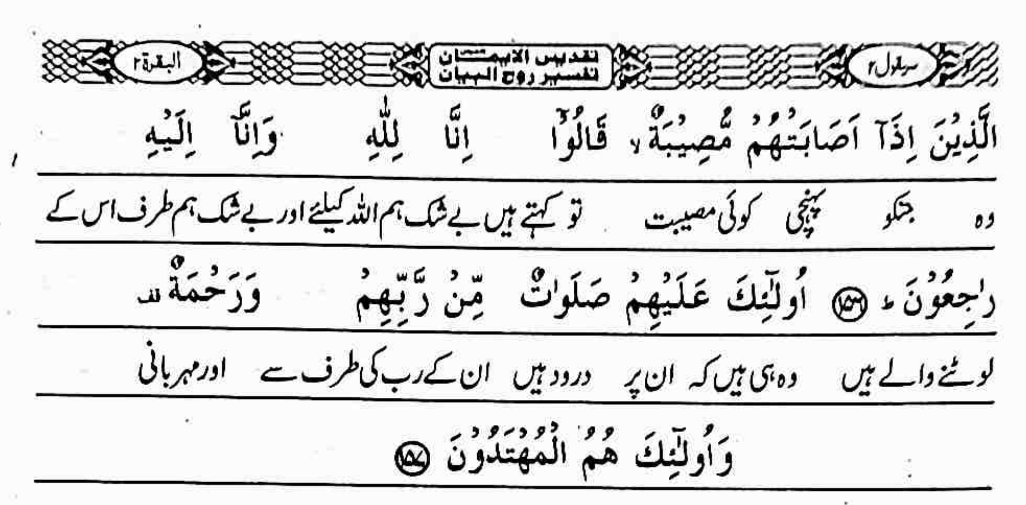
تم سمجھتے اور البتہ ضرور ہم آزمائیں گے تم کو کسی چیز میں کچھ ڈر سے اور بھوک اور نقصان

مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ ﴿۱۵۵﴾

کچھ مالوں سے اور جانوں اور پھلوں میں اور خوش خبری سناؤ صبر کرنے والوں کو

(آیت نمبر ۱۵۴) جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، انہیں مردہ نہ کہو۔ یہ آیت شہداء بدر کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن حکم تمام شہداء کا یہی ہے۔ کہ جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے وہ زندہ ہیں۔ یعنی حکماً وہ زندہ ہیں کہ ان کے اعمال کا ثواب کبھی ختم نہیں ہوتا۔ لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے۔ یعنی شہداء کی زندگی کا علم ان حواس خمسہ کو حاصل نہیں۔ امام قشیری فرماتے ہیں۔ کہ بے شک ان کے اجسام فنا بھی ہو جائیں مگر ان کی ارواح کو بقا مل جاتی ہے۔ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جن کی زندگی نفس تک محدود ہو ان کی روح نکلتے ہی موت شروع ہو جاتی ہے۔ اور جو اپنے رب کی ذات سے زندہ ہے۔ وہ حیات طبعی سے نکل کر حیات اصلی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ **ف:** جو جہاد اصغر سے وفات پائے وہ زندہ ہے تو جو جہاد اکبر یعنی نفس سے جہاد کر کے فنافی اللہ ہو جائے۔ وہ بہ طریق اعلیٰ زندہ ہے اسے بقا باللہ حاصل ہو جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۵) اور قسم ہے ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ تم مصیبت پر صبر کرتے ہو یا نہیں۔ کیونکہ آزمائش ہی تو ایسی کسوٹی ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ فرماں بردار کون ہے اور نافرمان کون ہے۔ اس لئے کبھی دشمن کا خوف دیکر اور کبھی بھوک سے یعنی قحط سے اور مالوں میں نقصان دے کر یعنی مالی خسارہ یا چوری یا لوٹ مار وغیرہ سے اسی طرح جانی نقصان موت قتل یا مرض وغیرہ سے اسی طرح پھلوں میں آزمائش کئی طرح کی آفات بھیج کر یا جہاد کی وجہ سے۔ **ف:** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ خوف سے خوف الٰہی اور جوع سے یعنی رمضان کے روزے اور نقص اموال سے زکوٰۃ و صدقات اور انفس سے امراض اور ثمرات سے اولاد مراد ہے۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کا بچہ فوت ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے دل کا پھل قبض کیا۔ تو میرے بندے نے اس وقت کیا کہا تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے الحمدللہ اور انا للہ پڑھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے اس بندے کے لئے جنت میں محل بناؤ۔ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی شریف)



الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

وہ جنکو پہنچی کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کیلئے اور بے شک ہم طرف اس کے

رٰجِعُوْنَ ۙ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

لوٹنے والے ہیں وہ ہی ہیں کہ ان پر درود ہیں ان کے رب کی طرف سے اور مہربانی

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

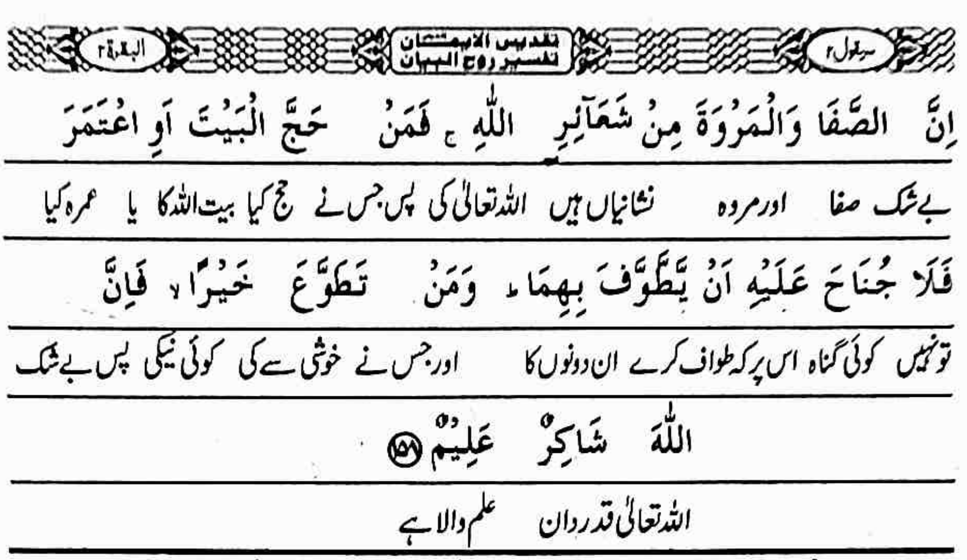
اور وہ ہی ہدایت والے ہیں

(آیت نمبر ۱۵۶) خوش خبری سنایئے ان کو جو صبر کرنے والے ہیں۔ کہ ان پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو وہ صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تو اس وقت وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم بے شک اللہ کیلئے ہیں یعنی اس کے بندے ہیں۔ اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی ایک دن فنا ہونا ہے اور دار آخرت کی طرف جانا ہے۔ جہاں اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندے کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ اور وہ "انا لله وانا اليه راجعون اللهم اجرني من مصيبتي واخلف لي خيرا منها" کہتا ہے۔ تو ان کلمات کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت پر بڑا اجر اور اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز)

(آیت نمبر ۱۵۷) آگے فرمایا: ان صفات سے موصوف جو صابرین ہیں۔ ان پر رحمتیں نازل ہوں گی۔ ان کے رب کی طرف سے۔ یہاں صلوٰۃ اور رحمۃ کو اس لئے اکٹھا کیا ہے۔ کہ ان پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یعنی تا قیامت رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔

ف: صلوات سے آخرت کی تمام برکات اور عنایات مراد ہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اس سے رحمت کی تمام اقسام مراد ہیں۔ اور وہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہی لوگ صحیح طور پر ہدایت پانے والے ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے مصیبت کے وقت ہاتھ ران پر مار دیئے۔ اس نے بے صبری کی۔ اس کے عمل ضائع ہو گئے۔ اس لئے جو بھی تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر آئیں۔ ان پر مسلمانوں کو صبر کرنا چاہئے۔ صبر سے مصائب جلد دور ہوتے ہیں۔

ف: ابتلاء و آزمائش دلوں کی صفائی کا سبب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جتنا میں ستایا گیا۔ اتنا کوئی نبی ستایا نہیں گیا۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۵۸۱۸۔ کشف الغطاء حدیث نمبر ۲۱۸۲)



اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ

بے شک صفا اور مروہ نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی پس جس نے حج کیا بیت اللہ کا یا عمرہ کیا

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ

تو نہیں کوئی گناہ اس پر کہ طواف کرے ان دونوں کا اور جس نے خوشی سے کی کوئی نیکی پس بے شک

اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اللہ تعالیٰ قدر دان علم والا ہے

(آیت نمبر ۱۵۸) بے شک صفا اور مروہ جو مکہ شریف کی دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کی پہاڑی پر جناب آدم علیہ السلام بیٹھے تو ان کے صفی اللہ ہونے کی وجہ سے پہاڑی کا نام صفاء ہو گیا۔ اور مروہ پر ان کی اہلیہ بیٹھیں۔ امرءۃ: عورت کو کہتے ہیں۔ یہ امرءۃ سے مروہ بن گیا۔ یا امرءۃ آدم ہونے کی وجہ سے اس کا نام مروہ پڑ گیا۔ یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیاں بن گئیں۔ اور حاجی حضرات کے دوڑنے سے اطاعت خداوندی کا نشان ہو گئیں۔ کفار نے ان پہاڑیوں پر بت نصب کر دیئے تھے۔ اور لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ اسلام نے آ کر تمام بتوں کو توڑ دیا۔

دوسری وجہ: صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی دوسری وجہ بی بی ہاجرہ کی یاد تازہ کرنا ہے۔ کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے پانی کا چشمہ اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے نکال دیا۔ اب اس مقام پر جو عبادت ہو وہ بھی قبول ہے۔ اور جو دعا ہو وہ بھی قبول ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جو حج یا عمرہ کرے۔ تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔

وہم کا ازالہ: مذکورہ جملے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ کوئی سعی نہ کرے۔ تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اصل قصہ یہ تھا۔ کہ جب حضور ﷺ نے صحابہ کو عمرہ کیلئے بھیجا۔ تو صفا مروہ کے درمیان سعی (دوڑنے) اور وہاں خصوصی دعا کا حکم فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ وہاں تو بت ہیں ہم وہاں سعی کیسے کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اپنی سعی جاری رکھو۔ بتوں کے ہوتے ہوئے بھی تمہارے عمرے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو کوئی اپنے طور پر خوشی سے نیکی کرے محض رضا الٰہی اور قرب خداوندی کیلئے تو بے شک اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کا قدر دان اور ان کو اچھا بدلہ دینے والا ہے اور جاننے والا ہے عبادت گذاروں کو بھی اور ان کی نیتوں کو بھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِمَا بَیَّنّٰهُ

بے شک جو چھپاتے ہیں اسکو جو اتارا ہم نے واضح دلائل میں سے اور ہدایت ہے بعد اس کے جو واضح کر دیا ہم نے

لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

لوگوں کیلئے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۸) **ف**: روزے سے نفس کی صفائی اور زکوٰۃ سے تزکیہ نفس اور نماز سے روحانی معراج اور حج سے واصل الی اللہ کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ **سبق**: عقل مند کو چاہئے۔ کہ وہ خانہ خدا کو جب جائے۔ تو وہ کثرت سے بیت اللہ کی زیارت کرے۔ اگر مالی وسائل نہ ہوں۔ تو نیت کرلے تب بھی اسے ثواب مل جائیگا۔ اور ان شاء اللہ حالات بھی بن جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۵۹) بے شک جو چھپاتے ہیں۔ اس کو جو ہم نے اتارا۔ یہ آیت یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو توراۃ کے مسئلے چھپاتے تھے یا اس سے مراد ہر وہ بندہ ہے۔ جو دین کے احکام چھپاتا ہے۔ کتمان کا معنی ہے۔ جہاں اظہار کی ضرورت ہو وہاں بات کو چھپا دینا۔ جیسے یہودیوں نے توراۃ میں جو حضور ﷺ کی صفات تھیں۔ اس میں سے کچھ مٹا دیں۔ اور کچھ چھپا دیں جو حضور ﷺ کی صدق نبوت پر واضح دلائل تھے۔ اور ان میں ہدایت تھی۔ یعنی حضور کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کیلئے جو آیات راہبر تھیں انہیں توراۃ سے نکال دیا۔

آگے فرمایا۔ کہ یہودیوں نے کتاب میں سے مسائل اور نبی کریم ﷺ کے فضائل چھپانے کا کام کیا۔ اس کے بعد کہ جب ہم نے ان تمام باتوں کو واضح کر کے بیان کر دیا۔ جنہیں ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ تو جنہوں نے اسے چھپایا ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ ان کے حق چھپانے کی وجہ سے اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ **مسئلہ**: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں کی جانے والی لعنت کا اگر کوئی مستحق نہ ہو۔ تو وہ لعنت ان یہودیوں پر لوٹ جاتی ہے۔ جو حضور ﷺ کے اوصاف چھپاتے تھے۔

وضاحت: یعنی جب ان یہودیوں سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا جاتا۔ کہ یہ برحق نبی ہیں۔ یا نہیں۔ تو انہیں کہتے کہ توراۃ میں آخری نبی کی جو صفات بیان ہوئیں۔ وہ ان میں نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اور اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ نبی برحق ہیں۔ جن کی صفات توراۃ میں موجود ہیں۔ **فائدہ**: چونکہ پوچھنے والے ان پڑھ جاہل تھے خود کتاب نہیں پڑھ سکتے تھے جو ان کے مولوی انہیں بتاتے وہ اسی کو سچ سمجھ کر مان لیتے۔ اور انہیں یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ ان کے مولوی ڈنڈی بھی مارتے ہیں۔ صحیح بات نہیں بتاتے۔ حق بات کو چھپا دیتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا

مگر جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی اور خوب بیان کیا تو میں توبہ قبول کروں گا ان کی اور میں

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ کافر تھے

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ ﴿١٦١﴾

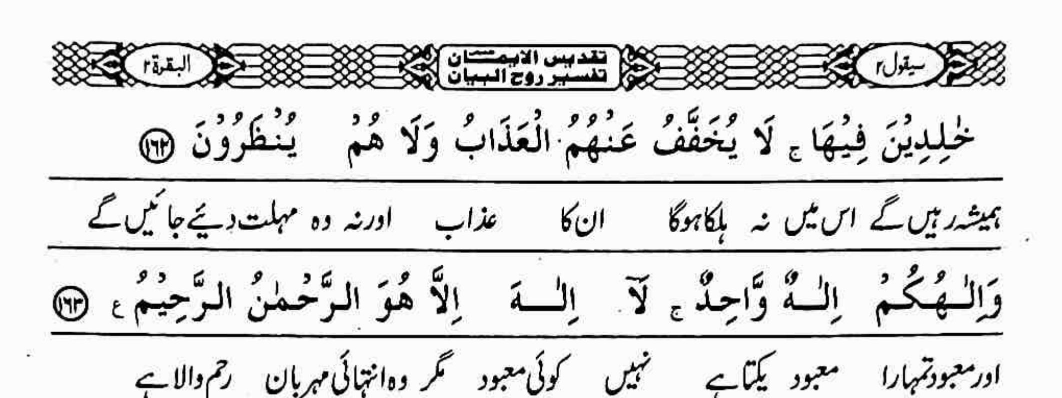
ان ہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں تمام کی

(آیت نمبر ۱۶۰) مگر وہ لوگ جنہوں نے حق چھپانے سے توبہ کرلی۔ اور اپنی اصلاح کرلی۔ یعنی جن باتوں سے لوگوں میں فساد ڈالا اب اس کی اصلاح کرلی۔ چونکہ توبہ کیلئے ضروری ہے۔ کہ جن باتوں میں فساد ڈالا۔ ان کی اصلاح کرلی جائے۔ یعنی جہاں شبہ ڈالا اسے دور کرے اور جہاں حق چھپایا۔ وہاں اسے واضح ظاہر کردے۔ اور اسے بیان بھی کرے۔ تاکہ توبہ مکمل ہو۔ تو فرمایا۔ کہ ایسے لوگوں کی میں توبہ قبول کرتا ہوں۔ اور اپنی رحمت سے ان کے گناہ بھی معاف کرتا ہوں۔ اور میں بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہوں۔ یعنی کتنا ہی بڑا گناہ گار ہو۔ ایک دفعہ سچے دل سے توبہ کرے تو معاف کردیتا ہوں۔

ربط: پچھلی آیت میں زندہ ملعونوں کا ذکر تھا۔ اب اگلی آئت میں مردہ ملعونوں کا بیان ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۱) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ یعنی کفر کرکے اس پر ڈٹے رہے۔ اور حق کو چھپانے میں بھی کمی نہ کی۔ اور پھر توبہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ کہ وہ مر گئے اس حال میں کہ کافر ہی تھے۔ یعنی کفر میں زندہ رہے۔ اور کفر پر مرے۔ اور اپنی کفریہ حالت کو بدل نہ سکے۔ تو ان پر اللہ کی لعنت۔ فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یعنی دنیا آخرت میں ان پر لعنت ہی لعنت ہے۔ یہاں الناس سے مراد اہل ایمان ہیں۔ کیونکہ اصل انسان مسلمان ہی ہیں۔ کافر تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اور اگر الناس سے مراد کافر بھی ہوں۔ تو پھر مطلب یہ ہے۔ کہ کافر جہنم میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ پھر باقی لوگ بھی ان پر لعنت کریں گے۔

مسئلہ: ایسے ملعونوں پر نہ صرف انسان بلکہ حیوان اور موذی جانور بھی لعنت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں۔ کہ اے اللہ بنی آدم کے ان نافرمانوں پر لعنت بھیج۔ جن کی نحوست نے ہمیں بارش سے محروم رکھا گیا (اللہ تعالیٰ ایسے لعنتیوں سے بچائے اور اپنی رحمت عطا فرمائے)



(آیت نمبر۱۶۲) ہمیشہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے۔ یعنی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ لعنت سے مراد یہ ہے کہ وہ رحمت سے دور ہو گئے۔ اوران کے عذاب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جا ئیگی۔ یعنی عذاب ختم ہونا تو درکنار عذاب روز بروز بڑھتا ہی جائیگا۔ اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ یعنی نہ تو انہیں توبہ کرنے کا موقع دیا جائیگا۔ نہ کوئی ان کا عذر قبول کیا جائیگا۔ نہ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی عذاب سے فرصت ملے گی کہ کچھ آرام پا سکیں۔ چونکہ دنیا میں پورا وقت بت پرستی اور گناہوں میں منہمک رہے۔ اس وجہ سے عذاب بھی دائمی ہوگا۔

سبق: گناہگار کو اگر یقینی علم ہو جائے کہ گناہوں کی سزا کیسی ہے۔ تو وہ گناہوں کے قریب بھی نہ جائیں۔ جیسے کسی کو معلوم ہو جائے۔ کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے۔ تو کوئی بھی اس سوراخ میں ہاتھ ڈالنا تو درکنار اس سوراخ کے قریب بھی نہ جائے گا۔

(آیت نمبر۱۶۳) اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کر رہا ہے۔ چونکہ مشرکین نے کئی خدا بنا رکھے تھے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ خدا ایک ہی ہے اس کی عبادت کرو۔ کسی دوسرے سے کوئی امید نہ رکھو نہ کسی سے ڈرو۔ اور آخر میں لفظ ''ھو'' یہ اسم ضمیر ہے۔ جو کہ اسم ذات پر ہی دلالت کرتی ہے۔ آگے فرمایا: اور وہ نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔ یعنی تمام قسم کی نعمتیں وہی عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے عبادت کا بھی وہی مستحق ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں۔ کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ''الھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم'' اور ''اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم'' یہ دونوں اسم اعظم ہیں۔ (الدر المنثور)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بے شک بنانا آسمانوں اورزمین کو اور بدلنا رات اوردن کا اور کشتی

الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ

جو چلتی ہے دریا میں جو دیتی ہے نفع لوگوں کو اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی

فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ

پھر زندہ کیا ساتھ اس کے زمین کو بعد مردہ ہونے کے اور پھیلائے اس میں ہر قسم کے جانور اور گردش

الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ہواؤں کی اور بادل جو لٹکے ہوئے ہیں درمیان آسمان اور زمین کے ضرور نشانیاں ہیں ایسی قوم کیلئے جو عقل رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۱۶۴) بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ **شان نزول**: جب یہ آیت "الھکم الہ واحد" نازل ہوئی تو مشرکین کہنے لگے۔ کہ بھلا ایک ہی خدا سارے کام کیسے کرسکتا ہے۔ اس پر انہوں نے دلیل مانگی (الدر المنثور)۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ آسمان و زمین جیسی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت جس کے سمجھنے سے عقل عاجز ہے۔ آسمان چونکہ سات ہیں۔ اور ہر ایک کی جنس الگ الگ ہے۔ اس لئے سموات جمع کا صیغہ لایا۔ اور زمینیں بھی سات ہیں لیکن جنس ایک ہی ہے یعنی مٹی ہے۔ اس لئے صیغہ واحد کا لایا۔ اور آگے فرمایا۔ کہ رات اور دن کے بدلنے میں۔ یعنی ایک آتا ہے۔ دوسرا غائب ہو جاتا ہے۔ یا ایک روشن ہے۔ دوسرا اندھیرا ہے۔ اور آگے فرمایا۔ کہ وہ کشتیاں جو دریاؤں میں چلتی ہیں باوجود انتہائی بھاری ہونے کے وہ نہیں ڈوبتیں۔ جن میں لوگوں کے فائدے ہیں کہ لوگ سوار ہوتے۔ اور سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے تجارت کو فروغ ملتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو آسمان سے پانی اتارا ہے۔ خواہ آسمان سے اترے یا آسمان کی طرف سے نیچے آئے۔ کیونکہ ہر چیز کے اوپر آسمان ہے۔ بہر حال اس اترنے والے پانی کے ذریعے زمین کو آباد اور بارونق کیا۔ ہر قسم کی سبزیاں پھل اور پھول لگا دیئے۔ زمین کی غیر آبادی کے بعد یعنی خشکی کی وجہ سے سبزے کا نام ونشان نہ رہا تھا۔ گویا زمین مردہ تھی بارش کے بعد زمین کا حسن بڑھ گیا۔ گویا وہ زندہ ہوگئی۔ اور پھر اس زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ حیوان میں عقل والے اور بے عقل سب آجاتے ہیں۔ جن کی زندگی کا دارومدار زمین کی پیداوار پر ہے۔ اور پھر ہوائیں شرق سے غرب تک چلا دیں۔ سرد بھی اور گرم بھی۔ کہیں تیز اور کہیں نرم ہے۔ حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہوائیں اور مکھیاں نہ ہوں تو دنیا بدبو سے بھر جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے سوا کو شریک محبت کرتے ہیں وہ ان سے مثل محبت اللہ کی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

اور جو ایمان لائے وہ سخت محبت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ سے اور کاش کوئی دیکھے ان کو جنہوں نے ظلم کیا

اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

جب وہ (ظالم) دیکھیں گے عذاب بے شک طاقت اللہ کیلئے ساری اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۴) فرمایا کہ وہ بادل جو اللہ کے حکم سے زمین و آسمان کے درمیان لٹکے ہیں۔ وہ ایسے چل رہے ہوتے ہیں۔ گویا کوئی چیز انہیں کھینچے لئے جا رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور حکمت باہرہ اور رحمت واسعہ پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ نشانیاں ہی ذات حق کا پتہ دیتی ہیں۔ لیکن یہ بات ہر ایک کو سمجھ نہیں آتی۔ یہ تو عقل والی قوم جو ان میں غور و فکر کرتے اور دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ان کو سمجھ آتی ہے۔ لہذا ان چیزوں سے ہی اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر دلیل پکڑی جا سکتی ہے۔

اس طریقے سے غور و فکر کر کے رب تعالیٰ کو پہچاننے کا نام ایمان تحقیقی ہے۔ بغیر غور و فکر کے اور سن سنا کے ایمان لانے کا نام ایمان تقلیدی ہے۔ دونوں ایمان مقبول ہیں۔ لیکن ایمان تحقیقی کا مرتبہ زیادہ ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ خرابی ہے۔ اس شخص کیلئے کہ جس نے یہ آیت پڑھی اور تھوک دیا (کنز العمال حدیث ۲۵۷۶)۔ یعنی نہ اس میں کوئی غور و فکر کیا۔ اور نہ اس نے اس پر کوئی یقین کیا۔ گویا اس نے منہ سے باہر پھینک دیا۔ **سبق:** انسان کو چاہئے۔ کہ تقدیر پر ایمان مضبوط رکھے۔ تا کہ اسے اللہ کی معرفت نصیب ہو اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ زمین و آسمان میں جو بھی بنایا گیا۔ وہ انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے بنایا گیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کو پورا کر رہی ہے مگر انسان اپنا مقصد پورا نہیں کر رہا۔

(آیت نمبر ۱۶۵) بعض لوگ وہ ہیں۔ جو اللہ کے سوا کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ وہ اپنے ظن فاسد کی وجہ سے ان (بتوں) کو خدا کے برابر جانتے ہیں۔ اور ان سے نفع و نقصان کی امید رکھتے ہیں اور اپنی حاجتیں ان کو پیش کرتے ہیں۔ اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی ان کی تعظیم کر کے ان کے سامنے جھکتے ہیں۔ ان کی اس طرح پوجا اور خدمت کرتے ہیں جیسے کسی محبوب کی خدمت کی جاتی ہے۔ اور ان کے متعلق کسی قسم کی برائی نہیں سن سکتے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

جب بیزار ہو جائیں وہ جو پیشوا ہوئے ان سے جنہوں ان کی پیروی کی اور دیکھ لیں گے عذاب اور ختم ہو جائیں گے

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

ان کے سب اسباب

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۵) اس لئے فرمایا کہ وہ ایسی محبت ان بتوں سے کرتے ہیں۔ جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہئے تھی۔ وہ ان بتوں کو اللہ کے برابر مانتے تھے۔ اور بتوں سے محبت بہت زیادہ کرتے لیکن جو صاحب ایمان ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور دن رات اسی کو پکارتے رہتے ہیں۔ اور اسی کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں۔ **نوٹ**: غیر اللہ کی محبت عارضی ہے۔ کہ جب بھی مقصد پورا ہوا محبت ختم ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت قائم دائم ہے۔ جو قیامت آنے سے بھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ مشرکین کھانے کی چیزوں کے بت بنا کر ان کو پوج بھی لیتے اور بھوک لگتی تو اسی کو کھا بھی لیتے تھے۔ آگے فرمایا۔ کہ کاش یہ لوگ جنہوں نے جھوٹے خداؤں کو اصلی خدا کی طرح مان کر ظلم کیا یہ جان لیتے۔ کہ جب وہ قیامت کا عذاب دیکھیں گے۔ جو ان کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ تو اس وقت انہیں معلوم ہوگا۔ کہ ساری قوت اور غلبہ اور قدرت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ مبالغہ کا صیغہ اس لئے لایا گیا۔ کہ معلوم ہو جائے۔ کہ آگے کا معاملہ سخت خوفناک ہے۔ اللہ کی قوت کا یہی تقاضا نہیں ہے۔ کہ وہ صرف سخت عذاب ہی دیتا ہے۔ بلکہ اس کی قوت وقدرت کا یہ بھی رنگ ہے۔ کہ وہ جسے چاہے معاف بھی فرما سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے۔ کہ اگر انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ ظالموں کو کتنا سخت عذاب ہوگا۔ تو وہ نادم ہو کر بتوں سے دور ہو جاتے۔

(آیت نمبر ۱۶۶) جب بیزار ہو جائیں گے۔ وہ جن کی پیروی کی گئی۔ ان سے جنہوں نے پیروی کی۔ یعنی قیامت کے روز جب بڑے بڑے جھوٹے پیر اپنے اپنے پیروکاروں کو جواب دے دیں گے۔ کہ دنیا میں جو ہم دعوے کیا کرتے تھے۔ کہ ہم تمہیں چھڑائیں گے۔ اس بہانے سے تمہیں کفر اور گمراہی کی طرف بلاتے رہے۔ ہم خود گمراہ تھے تمہیں بھی گمراہ کیا وہ بڑے بڑے ہمارے سب دعوے باطل تھے۔ اور اپنے تابعداروں سے دور بھاگتے ہونگے۔ بلکہ ان سے نفرت کریں گے۔ اور ان پر لعنت کریں گے۔ جب اپنے سامنے وہ عذاب دیکھیں گے۔ تو اپنے تابعداروں سے کہہ دیں گے۔ کہ ہم خود جہنم میں جا رہے ہیں۔ تمہیں کیسے بخشوائیں۔ تو اس وقت ان کے مرید حسرت سے دیکھیں گے کہ سب چانس ختم ہو جائیں گے۔ اور معافی ملنے کے بھی تمام ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ دنیا کی طرف واپسی بھی ناممکن ہو جائیگی۔ کہ اب جا کر توبہ تائب ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ

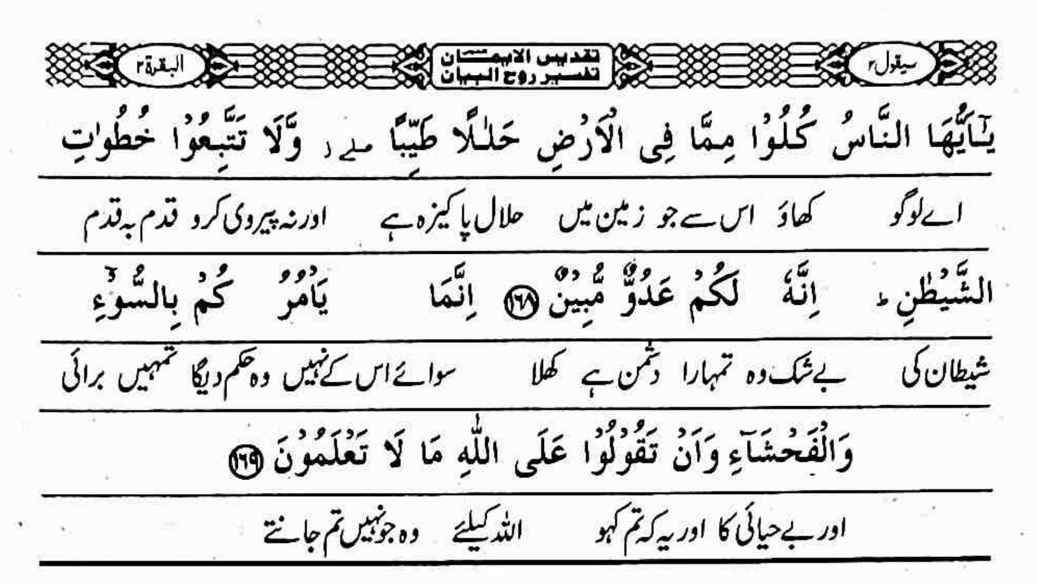
پیروکار کہیں گے اگر بے شک ہو ہمارا لوٹنا (دنیا میں) تو ہم بھی الگ ہو جائیں ان سے جیسے وہ الگ ہوئے ہم سے اسی طرح

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝١٦٧

دکھائے گا ان کو اللہ تعالیٰ ان کے کاموں پر افسوس ہی افسوس اور نہیں ہونگے وہ نکلنے والے آگ سے

(آیت نمبر ۱۶۷) یعنی جن سے پر امید تھے۔ کہ وہ آخرت میں بچائیں گے۔ جب وہ ہی جواب دے دیں گے۔ تو اس وقت کہیں گے کہ کاش ہمیں اب دوبارہ دنیا میں جانا ہو۔ تو ہم بھی ان سے دور بھاگیں۔ جیسے یہ آج ہم سے الگ ہو کر دور بھاگ رہے ہیں۔ تو اس وقت انہیں ان پر سخت افسوس ہوگا۔ اور حسرت ہوگی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال میں حسرتیں اور ندامتیں دکھائے گا۔ یعنی وہ باتیں ان کے سامنے کی جائیں گی۔ جن کی وجہ سے ان کے دلوں کو دکھ جلن اور درد میں اضافہ ہوگا۔ اور وہ اپنی حسرت پر نادم ہو کر رسوا ہوں گے۔ اور جو انہوں نے دنیا میں کوئی نیکی کی ہوگی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے ضائع ہوگئی ہوگی۔ اس پر کف افسوس مل رہے ہوں گے۔ اور ان کے کرتوتوں کی ڈائری بھی الگ کھل جائے گی۔ اس پر اور زیادہ افسوس ہوگا۔ کہ کاش ہم یہ نہ کرتے۔ کیونکہ ان جھوٹے پیدا نہیں دنیا میں انہیں یہی کہتے رہے۔ کہ جو مرضی ہے کرو۔ ہم بخشوا لیں گے۔

سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ انہیں جنت کے باغات و محلات دکھا کر بتایا جائیگا۔ کہ اگر تم دنیا میں اطاعت اور فرمانبرداری کرتے۔ تو یہ درجات تمہیں ملتے۔ لیکن تمہاری نافرمانی کی وجہ سے اب تمہیں نہیں مل سکتے۔ تو اس پر وہ سخت ندامت و افسوس کریں گے۔ اور وہ گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے۔ کہ جن کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہوئے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ جب کفار دوزخ میں جائیں گے۔ تو آگ ان کے ہر عضو سے چمٹ جائے گی (تنبیہ الغافلین)۔ ایک طرف آگ دوسری طرف سانپ بچھو اور وہ بھی جہنم کے اور تیسری طرف فرشتوں کی مار پیٹ۔ جدھر سے سر نکالے گا فرشتہ زور سے چابک مار کے پھر واپس کر دے گا۔ جوں ہی ان کے پہلے چمڑے گل سڑ جائیں گے۔ تو اوپر سے دوسرے چمڑے آجائیں گے۔ تا کہ خوب عذاب چکھیں۔ پیاس سے گھبرائیں گے۔ تو انہیں جہنم کا کھولتا ہوا پانی دیا جائیگا۔ کہ جس سے منہ بھی جل جائیگا۔ پیٹ میں جائیگا۔ تو آنتیں جلا دے گا۔ نہ مریں گے نہ جینے کے لائق ہوں گے۔ نہ جہنم سے نکل سکیں گے۔ تو اس وقت انہیں اپنے کئے پر سخت افسوس ہوگا۔



يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اے لوگو کھاؤ اس سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور نہ پیروی کرو قدم بہ قدم

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ

شیطان کی بے شک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا سوائے اس کے نہیں وہ حکم دیگا تمہیں برائی

وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾

اور بے حیائی کا اور یہ کہ تم کہو اللہ کیلئے وہ جو نہیں تم جانتے

(آیت نمبر ۱۶۸) اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ خوراک ہے وہ کھاؤ۔

شانِ نزول: کچھ لوگوں نے اپنے لئے اچھی خوراک اور خوبصورت پوشاک کو حرام کر لیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ زمین کی وہ چیزیں جو کھانے میں آتی ہیں اور جو حلال طیب ہیں۔ ہر قسم کے شبہ سے پاک ہیں۔ وہ جیسے تمہاری طبیعت چاہتی ہے کھاؤ۔ اور شیطان کے پیچھے مت چلو۔ یعنی اس کے کہنے میں آ کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ کہ اس نے تمہارے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کو منع شدہ چیز کھلا دی اور انہیں جنت سے نکلوا دیا۔ بلکہ درحقیقت اس نے تمہیں جنت سے نکالا۔ اس سے بڑا دشمن کون ہوگا۔ اور اب بھی وہ ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ تم جنت میں جاؤ۔ اس لئے وہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور وہ تمہیں نفسانی خواہشات میں غرق کر کے جہنم تک پہنچانے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کے کہنے پر نہ چلو۔

(آیت نمبر ۱۶۹) سوائے اس کے نہیں۔ وہ تو وسوسے ڈال کر تمہیں اپنے پیچھے چلاتا ہے اور تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ بھی حکم دیتا ہے۔ کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑو۔ کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے کہو یہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور بتوں کے نام پر جانور ذبح کرواتا ہے۔

شیطان کے وسوسے: پہلے تو وہ کفر و شرک پر لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جائے۔ تو ٹھیک ہے۔ اور اگر کفر و شرک پر نہ لگا سکے تو وہ خبیث بری بدعات اور فسق و فجور میں لگا دیتا ہے۔ اگر کوئی اس خبیث کے اس جال سے بھی نکل جائے۔ تو پھر وہ کبیرہ گناہوں پر مجبور کرتا ہے۔ اور ہر طرح کے وعدے دیتا ہے۔ اگر اس سے بھی کوئی اپنے آپ کو بچالے تو پھر وہ صغیرہ گناہوں پر لگا دیتا ہے۔ کہ یہ یہ کام کر لے۔ کہ اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ

اور جب کہا گیا ان کو پیروی کرو اس کی جو اتارا اللہ تعالیٰ نے کہنے لگے بلکہ ہم تو چلیں گے اس پر کہ پایا ہم نے

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾

اپنے باپ دادا کو اگرچہ ہوں باپ دادا ان کے نہ سمجھتے کچھ اور نہ ہدایت پاتے ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۹) کہ چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کہ چھوٹی لکڑیوں سے ہی بڑی لکڑیوں کو آگ لگتی ہے۔ (بخاری و مسلم) اور اگر کوئی چھوٹے گناہوں سے بھی اس کے داؤ سے نکل جائے۔ تو وہ مباح کاموں میں مشغول کر کے بھی ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔ پھر اعمال میں سستی کرا کر غفلت میں ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ یعنی کسی نہ کسی طرح وہ کامیاب ہو کر بہت خوش ہوتا ہے۔ شیطان کے بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ نیک و بد میں تمیز ہو۔ نیک لوگ انبیاء کرام کی پیروی کریں گے۔ اور بد بخت لوگ شیطان کی پیروی کریں گے۔

حکایت: ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھے دکھایا جائے۔ کہ شیطان لوگوں کو وسوسے کیسے ڈالتا ہے۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ وہ آدمی کے دونوں شانوں کے درمیان بیٹھا ہے۔ اور ہاتھی کی طرح اس کی لمبی سونڈھ ہے۔ وہ آدمی کے جسم میں داخل کر کے دل تک لے جاتا ہے۔ اگر وہ بندہ ذکر الٰہی کر رہا ہو۔ تو فوراً وہ سونڈ باہر نکال لیتا ہے۔ اور اگر بندہ غافل ہو۔ تو اس سونڈھ کے ذریعے اس انسان کے دل پر گناہوں کے زہر سے بھرے ہوئے انجکشن لگتا ہے۔ اور بندہ گناہوں کے خیالات میں لگ جاتا ہے۔ (فضائل ذکر)

(آیت نمبر ۱۷۰) اور جب انہیں کہا گیا۔ پیروی کرو۔ اس کی جو اللہ نے اتارا یعنی قرآن کی۔ اس آیت میں ان لوگوں پر حسرت و افسوس کیا جا رہا ہے جو واضح آیات کے مقابلے میں باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔

شان نزول: جب مشرکین عرب اور کفار مکہ کو قرآن اور احکام الٰہی کی دعوت دی گئی۔ اور ان سے کہا گیا۔ کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا۔ تو انہوں نے کہا۔ بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے۔ کہ جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ یعنی وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے لہذا ہم بھی وہی کریں گے۔ وہ حرام کھاتے تھے۔ اور ہم بھی وہی کھائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ کہ کیا کرنا ہے۔ لہذا ہم وہی کریں گے جو وہ کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ان کے باپ دادا پرلے درجے کے جاہل اور بے وقوف تھے۔ اور انہیں گمراہ کرنے والے بہت تھے۔ ہدایت دینے والا کوئی نہیں تھا۔ اور تمہیں ہدایت دینے کیلئے نبی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ تم ان کی پیروی کرو۔

11/11

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ

اور مثال کافروں کی مثل مثال اس کی جو ہنکتا ہے جو نہ سنائی دے سوائے چیخ وپکار کے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۰) کہ وہ اپنے آباؤ واجداد کی پیروی کریں گے اگر چہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ۔ یعنی حق اور دین سے تو وہ کورے تھے اور ان کے پاس کوئی راہ ہدایت نہ تھی۔ یہ تو نہایت ہی قبیح اور غلط بات ہے۔ کہ اس کی تابعداری کی جائے جسے نہ خود عقل ہو کہ دین کو سمجھے نہ صراط مستقیم کی طرف کوئی راہ پاتا ہو۔ نہ اسے کوئی صحیح بات معلوم ہو۔

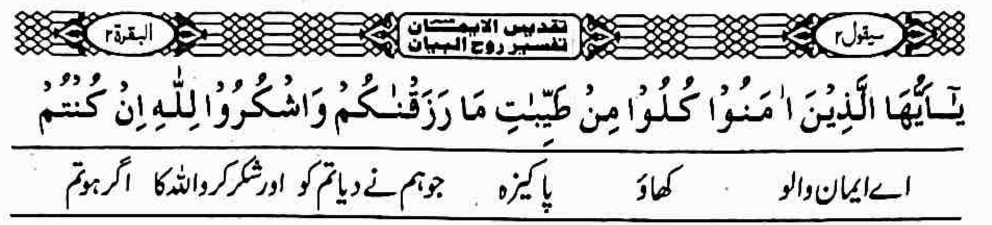
معلوم ہوا تقلید اس کی بری ہے۔ جو راہ مستقیم پر نہ ہو۔ لیکن جو سیدھی راہ پر چلنے والا ہو۔ اس کی تقلید کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "واتبع سبيل من اناب الي" یعنی اس کے پیچھے چل جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔ معلوم ہوا کہ باپ دادا نیک ہوں۔ اور ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو تو ان کے پیچھے چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ "واتبعت ملة آبائي الخ" کہ میں اپنے آباؤ واجداد کے دین کا پیروکار ہوں۔

(آیت نمبر ۱۷۱) مثال ان کی جو کافر ہیں۔ مثل مثال اس گدھے کی جو ہنکتا ہے۔ کہ جس سے کوئی سنائی نہیں دیتا۔ مگر ایک آواز اور پکار جیسے کوا کائیں کائیں کرے یا گدا ہنگے تو کیا پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہی حال کفار کا ہے۔ کہ جہالت میں وہ گدھے ہیں۔ ان کی اقتداء کیسے ہو سکتی ہے۔

دعا اور نداء میں فرق: دعا قریب والے کیلئے اور ندا دور والے کیلئے ہوتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے۔ کہ اے محمد ﷺ آپ ان کفار کو وعظ کرتے اور دعوت الی اللہ دیتے ہیں پھر وہ ہدایت نہیں پاتے تو ان کی مثال اس راعی کی ہے۔ جو بکریوں کو آواز دیتا ہے۔ اور ان کو کہتا ہے۔ کھاؤ پیو۔ تو جانور اس کی بات کیا سمجھیں گے۔ جیسے وہ اس کی کوئی بات نہیں سمجھتے۔ یہی حال ان کفار کا ہے۔ کیونکہ وہ بہرے ہیں کہ حق بات نہیں سنتے۔ اور گنگے ہیں۔ کہ جس کی طرف بلایا جائے وہ نہیں قبول کرتے اور وہ اندھے ہیں۔ کہ قرآنی دلائل سے روگرداں ہیں۔ اور نہ وہ عقل رکھتے ہیں۔ کہ نظر و استدلال ہی سے رب کو پہچانیں۔

ف: آیت میں عقل کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ان کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ کہ انہیں کبھی وعظ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے عقل کو صحیح استعمال نہیں کرتے۔

جلد ۱



يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا رَزَقْنَـٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ

اے ایمان والو — کھاؤ — پاکیزہ — جو ہم نے دیا تم کو اور شکر کرو اللہ کا — اگر ہو تم

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

اسی کو پوجتے

(آیت نمبر ۱۷۲) اے ایمان والو! کھاؤ حلال پاکیزہ رزق جو ہم نے تمہیں دیا۔ چونکہ ہر قسم کا رزق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ خواہ حلال ہو یا حرام۔ لیکن حلال کھانے کا حکم دیا اور حرام سے بچنے کا حکم دیا۔ مومن کو حکم دیا گیا۔ کہ تم صرف حلال رزق کھاؤ۔ اور طیب سے مراد جو لذیذ چیز ہو اور طبع کے موافق ہو۔ طیب کے تین مراتب ہیں:

(۱) شرعاً مباح۔ (۲) وضعاً پاک وصاف۔ (۳) اور طبعاً لذیذ ہو

اور پاکیزہ اشیاء کے کھانے کا حکم اس لئے دیا۔ کہ اس میں تین فائدے ہیں:

۱۔ تا کہ ان پاکیزہ اشیاء کے کھانے میں حکم الٰہی کی تعمیل ہو۔ نہ کہ صرف طبیعت کی وجہ سے کھانا ہو۔

۲۔ تا کہ دیگر حیوانوں سے انسان ممتاز ہو جائے۔ اس لئے کہ حیوان کو حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوتی۔

۳۔ اور نور شریعت کی برکت سے طبیعت کی تاریکی کے حجاب ہٹ جائیں۔ یہ کھانا ثواب میں آ جائے گا اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کھانے عطا فرمائے۔ اور ان کا کھانا بھی حلال فرمایا۔ شکر سے مراد یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر اعضاء کو صرف اس مقصد کیلئے صرف کرنا جن کیلئے وہ پیدا کئے گئے۔

مسئلہ: یہ امر وجوب کیلئے ہے استحباب کے لئے نہیں۔ اس لئے عاقل پر واجب ہے۔ کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھے۔ کہ جس ذات نے اسے پیدا کیا۔ اور پھر بے شمار اور لاتعداد نعمتوں سے نوازا۔ اس بنا پر وہ غایت درجہ کی تعظیم کا مستحق ہے۔ اور اس کا شکر زبان اور دیگر اعضاء سے لازم ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اس ذات کا شکر کرو زبان سے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔ یعنی نماز روزہ ادا کرتے ہو۔ اگر تمہیں اللہ پر ایمان ہے۔ اور عبادت کے لائق اسی کو جانتے ہو۔ تو پھر شکر بھی اسی ذات کا ادا کرو۔ کیونکہ ایمان شکر کو لازم کرتا ہے۔ بلکہ ایمان کے شرائط میں سے ہے۔ کہ بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہی رہے۔

ف: بندے پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا واجب ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ

سوائے اس نہیں حرام کیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور جو جانور ذبح ہو واسطے غیر اللہ کے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

پس جو مجبور ہو تو نہ سرکش بن کر اور نہ حد سے بڑھ کر (کھائے) تو نہیں کوئی گناہ اس پر بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۱۷۳) سوائے اس کے نہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار کو حرام کیا۔ مردار سے مراد یہ ہے۔ کہ جو ذبح کے لائق تھا۔ مگر ذبح کے بغیر مر گیا۔ **مسئلہ**: ذبح کے لائق ہونے کی شرط لگانے سے ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہو گئیں۔

مسئلہ: مردار کی حرمت سے مراد اس کا گوشت کھانا۔ دودھ پینا۔ یا اسے بیچ کر اس سے نفع اٹھانا ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ کا تعلق افعال سے ہوتا ہے۔ اعیان سے نہیں۔ اسی طرح جانور سے ذبح کے وقت بہنے والا خون بھی حرام ہے۔ اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ **مسئلہ**: تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ خنزیر نجس العین ہے۔ اس لئے اس کے جسم کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن میں صرف گوشت کھانے کو اس لئے حرام کہا۔ کہ حیوان سے نفع اٹھانے کی بڑی چیز گوشت ہی ہے۔ اور باقی اجزاء میں یہ اصل ہے۔ اصل کے ذکر سے فرع خود بخود اس میں آ جاتے ہیں۔ اور آگے فرمایا۔ کہ وہ جانور بھی حرام ہے۔ کہ جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ **ف**: بت پرستوں کی عادت تھی۔ کہ جانور ذبح کرتے وقت اونچے آواز سے بتوں کا نام لیتے۔

مسئلہ: اگر جانور مسلمان ذبح کرے اس پر بھی لازم ہے کہ اس پر تکبیر کہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر ذبیحہ حرام ہے۔ اور اگر ذبح تو اس نے بسم اللہ سے کیا لیکن اس سے تقرب غیر اللہ مراد ہو تو بھی علماء نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا۔ یا غیر اللہ سے ثواب یا قربت کا امیدوار ہو۔ تو ذبح کرنے والا مرتد ہے۔ اور ذبیحہ حرام ہے۔ **مسئلہ**: اہل کتاب کا ذبیحہ اگرچہ حلال ہے۔ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے۔ تو وہ جانور حرام ہے۔ (اس مسئلہ کی مزید تفصیلات دیکھنی ہوں۔ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اعلاء کلمۃ اللہ یا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات دیکھ لیں) آگے فرمایا۔ کہ پس جو شخص محتاج ہو اور حرام کھانے پر مجبور ہو جائے۔ کہ اسے سوائے اس حرام کھانے کے کوئی اور چیز میسر نہ ہو۔ اور جان جا رہی ہو۔ تو کھا بھی لے۔ کیونکہ یہ حالت اضطراری ہے۔ لیکن اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے۔ تو پھر کوئی حرج نہیں۔ یہ حالت اضطراری ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اتارا اللہ نے کتاب میں سے اور خریدتے ہیں ساتھ اس کے قیمت تھوڑی

اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

وہی ہیں جو نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ اور نہیں کلام کرے گا ان سے اللہ بروز قیامت

وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾

اور نہ وہ پاک کرے گا ان کو اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۳) **ف**: اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کوئی چیز نہیں کھائیگا تو مرجائیگا۔ یا کوئی عضو ضائع ہوجائیگا۔ یا حرام چیز کھانے کیلئے اس پر جبر کیا گیا۔ کہ اگر نہیں کھائے گا۔ تو قتل کردیا جائے گا۔ تو اس صورت میں کھالے لیکن اس میں بغاوت بھی نہ کرے۔ اور نہ ہی حد سے تجاوز کرے۔

مسئلہ: اضطراری حالت میں حرام چیز صرف اتنی کھائے کہ جس سے جان بچ جائے اور بھوک رفع ہو۔ تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بےشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ اس لئے کہ اس نے مجبوراً کھایا ہے۔ اور اللہ کی دی ہوئی رخصت سے کھایا۔ لہذا قیامت کے دن اس کھانے کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔ **نوٹ**: اس آیت سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ حرام اشیاء صرف یہی ہیں۔ یہ تو اس آیت میں کفار کے غلط رویے اور ان کے باطل اقوال کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ ان اشیاء کو حلال اور جائز سمجھتے تھے۔ ورنہ حرام اشیاء اور بھی ہیں۔

مسئلہ: جو شخص سخت بھوک میں مرگیا۔ حرام چیز استعمال کرنے پر قادر تھا۔ اس کے باوجود نہیں کھائی۔ تو گناہ گار ہوگا۔ **مسئلہ**: حرام چیز سے علاج منع ہے کیونکہ حرام میں شفاء نہیں ہے۔ حرام دوائی استعمال نہیں کی اور مرگیا۔ تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن متاخرین علماء کا کہنا ہے۔ کہ دوائی سے سو پرسنٹ صحت مند ہونے کا یقین ہو تو جائز ہے۔

(آیت نمبر ۱۷۴) بے شک وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جسے اللہ نے اتارا۔ یعنی جو حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ اس کو دنیا کے معمولی عوض میں چھپاتے ہیں اور دنیوی مال حاصل کرتے ہیں۔

شان نزول: یہود نے حضور ﷺ کے اوصاف اپنی کتاب توراۃ سے اس لئے نکال دیئے۔ کہ حضور ﷺ ان کی قوم سے نہ تھے اسی لئے وہ آپ ﷺ کی اتباع کے بجائے مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ تا کہ ان کا جاہ وجلال بھی قائم رہے۔ اور لوگوں سے مال ودولت بھی ملتا رہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ

وہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے تو کتنے ہی صابر نکلے

عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا

وہ اوپر آگ کے یہ اس لئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک وہ جنہوں نے اختلاف ڈالا

فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۚ ﴿۱۷۶﴾

کتاب میں البتہ اختلاف میں دور ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۴) اس لئے انہوں نے کتاب میں سے نعت رسول کو چھپا کر اس کے عوض میں قیمت تھوڑی حاصل کی۔ کتاب اللہ کی آیت چھپانے کے عوض اگر پوری دنیا بھی حاصل کرلے پھر بھی تھوڑی ہی ہے۔ اور انہوں اللہ تعالیٰ کے دین کے عوض جو لوگوں سے حقیر چیز حاصل کی۔ تو گویا وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈال رہے ہیں۔ یعنی اس کے بدلے قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں آگ کے انگارے بھر دیئے جائیں گے۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غضب کی وجہ سے کوئی مہربانی کی کلام نہیں فرمائے گا۔ اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک وصاف فرمائے گا۔ جیسے مومنوں کی مغفرت فرما کر گناہوں سے پاک کیا جائے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۷۵) یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو انتہائی قلیل قیمت میں بیچا اور انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا۔ جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ تو وہ آگ پر کتنے ہی صابر نکلے۔ یہ تعجب بندوں کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تعجب سے پاک ہے۔ یعنی کتنے بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ چند سکوں کے عوض ہزاروں لاکھوں سال جہنم کی آگ میں رہنا گوارا کرلیا۔

(آیت نمبر ۱۷۶) یہ جہنم کا عذاب انہیں دینے کا سبب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب کو نازل کیا حق کے ساتھ۔ جو بھی اس کی تکذیب کرے گا۔ یا وہ حق کو چھپائے گا۔ وہ تو جہنم کے عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا۔ اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا۔ کہ کچھ مضامین پر ایمان لائے۔ اور کچھ سے کفر کیا۔ جیسے جو آیات حضور ﷺ کی شان میں تھیں۔ ان صفات کو بدل کر کفر کیا۔ تو وہ بہت بڑے اختلاف میں ہیں۔

مسئلہ: ان آیات میں سخت وعید ہے۔ ان کے لئے جو دنیوی لالچ میں آ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ اس سے آج کے علماء اور مفتی حضرات بھی سبق حاصل کریں۔ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ آگے موت ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

نہیں ہے نیکی یہ کہ تم پھیرو منہ اپنے طرف مشرق یا مغرب کے لیکن نیک وہ ہے جو ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى

اللہ پر اور دن آخرت پر اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر اور دے مال اس کی محبت میں قریبیوں

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور قائم کرے

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ

نماز اور دے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے وعدے اپنے کو جب وعدہ کرلیں اور صبر کرنے والے تنگیوں میں

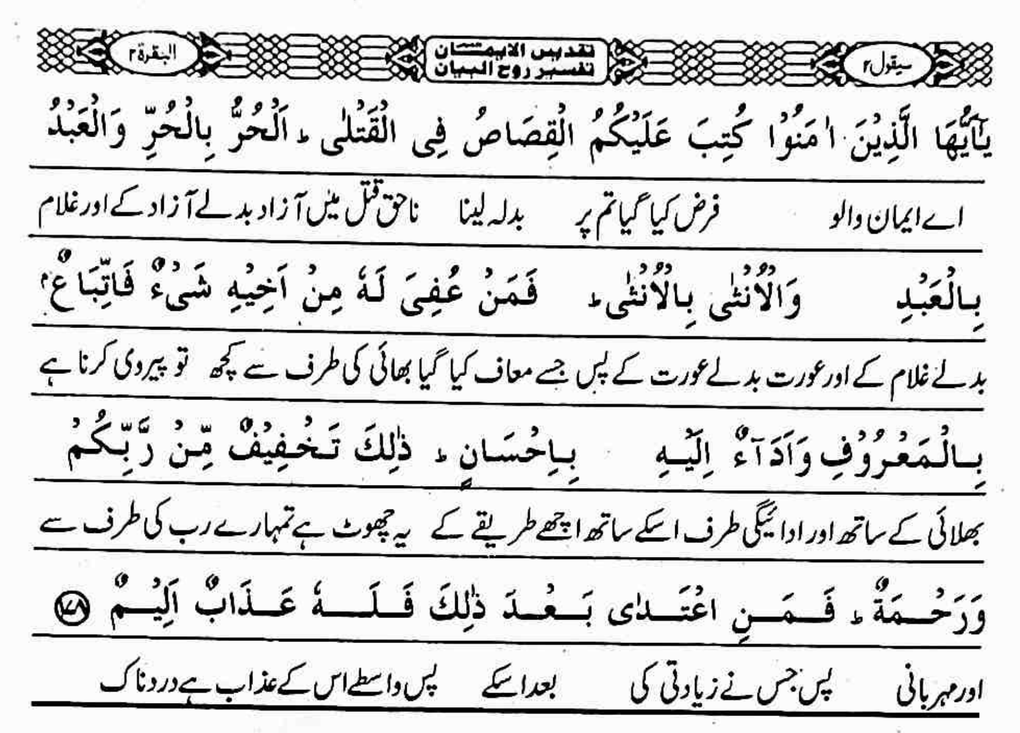
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اور تکلیفوں میں بوقت جہاد وہی ہیں جنہوں نے بات سچی کی اور وہی پرہیزگار ہیں

(آیت نمبر ۱۷۷) یہ کوئی نیکی نہیں۔ کہ تم اپنے منہ پھیرو طرف مشرق یا مغرب کے۔

شانِ نزول: جب حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ کے بجائے کعبہ کو اپنا قبلہ بنایا۔ تو یہود و نصاریٰ اپنے گمان فاسد سے کہنے لگے۔ کہ بیت المقدس کی طرف منہ کئے بغیر عبادت کرنے سے کوئی نیکی حاصل نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ بیت المقدس جب تک ہمارے حکم سے قبلہ تھا۔ اس وقت تک ادھر منہ کر کے عبادت کرنے سے نیکی ملتی تھی۔ اب منسوخ ہونے کے بعد اس طرف منہ کر کے عبادت کرنے سے نیکی نہیں ملے گی۔ بلکہ گناہ ملے گا۔ لیکن حقیقت میں نیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے۔ کہ جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو۔ جیسے یہود عزیر کو اور نصاریٰ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ شرک ہے اسی طرح قیامت پر ایمان لائے کہ وہ دن ضرور واقع ہوگا۔ اس دن اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ اس دن نبی شفاعت کریں گے۔ اور قیامت پر ایمان سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قبول ہونے کا اور رحمت خداوندی پر امید کا اور عذاب کے خوف سے ایمان پر پختگی نصیب ہوگی۔ اسی طرح تمام فرشتوں پر ایمان ہو۔ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معصوم بندے ہیں۔ وہ اللہ کی اولاد نہیں ہیں (معاذ

اللہ) انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی لانے کیلئے واسطہ ہیں اور کتاب پر ایمان یہ ہے کہ چاروں کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید پر ایمان ہو۔ کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمام انبیاء کرام پر ایمان ہو۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے اور وہ خود بھی حق پر قائم رہے۔ اور دوسروں کو بھی اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے رہے۔ یہودیوں کی بدقسمتی کہ انہوں نے کچھ انبیاء کو قتل کیا اور کچھ کی تکذیب کی۔ اسی وجہ سے قرآن میں ان پر لعنت کی گئی۔ **نوٹ**: مذکورہ پانچوں امور دین کی اساس اور عقیدہ کے اصل اصول ہیں۔ آگے فرمایا کہ جس نے اپنی کمائی کا مال اللہ کی محبت میں دیا۔ یا مال کے ساتھ محبت کے باوجود اللہ کی راہ میں دیا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ سے پوچھا گیا۔ کہ سب سے افضل صدقہ کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو اس وقت مال خرچ کرے جب تو صحت مند بھی ہو۔ بخل بھی ساتھ ہو کہ تجھے عیش و عشرت کی خواہش ہو اور محتاج ہونے کا بھی ڈر ہو۔ اس وقت کا صدقہ اعلیٰ ہے یہ نہ ہو کہ جان نکل رہی ہو۔ اس وقت تو کہے فلاں فقیر کو اتنا اور فلاں کو اتنا دینا (بخاری حدیث نمبر ۱۴۱۹، مسلم حدیث نمبر ۹۲ کتاب الزکوۃ) اس کے بعد پہلا حق قریبیوں کا بتایا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنے قریبی رشتہ دار کو دیا جائے۔ اور پھر یتیموں کو جو حاجتمند ہوں۔ اور مسکینوں کو (سنن نسائی حدیث نمبر ۳۵۷۹، ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۸۴۴)۔ وہ (مسکین جو ہر ایک کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے) اسے مسکین اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ جب اسے دوسروں کی طرف سے کچھ ملے تو اسے سکون ملتا ہے۔ اور مسافر کو جو وطن سے دور ہو۔ چونکہ مسافر سفر پر چلتا رہتا ہے۔ اس لئے اسے ابن سبیل کہتے ہیں۔ کہ وہ راستہ کو طے کرتا ہوا آتا ہے اور مانگنے والوں کو دے۔ جنہیں ضرورت نے مانگنے پر مجبور کیا۔ اس لئے اس نے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ سائل کا بھی تم پر حق ہے۔ خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے (موطا امام مالک و ابوداؤد)۔ اور اسی طرح گردنیں آزاد کرنے میں بھی۔ یعنی عبد مکاتب کو جسے مالک نے کہا۔ کہ مجھے اتنی رقم کما کر دے۔ تو تو آزاد ہے۔ یا وہ عبد جنہیں لوگ خرید کر آزاد کرتے ہیں۔ یا وہ قیدی مراد ہیں جن کی طرف سے دولتمند لوگ رقم دے کر انہیں قید سے چھڑاتے ہیں۔ یہی وہ مقامات ہیں اور مصارف ہیں جہاں اللہ کی رضا میں مال خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہودیوں نے ان مصارف میں بھی خیانت کی۔ اور لوگوں سے مال لیکر دین کو انہوں نے بیچ ڈالا۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ انہوں نے نماز فرض ادا کی اور زکوۃ کو اس کے مذکورہ مصارف میں دیا۔ اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا۔ اس کے احکام کو پورا کرنے اور منہیات سے رکنے کا جو وعدہ کیا اس کو وہ پورا کرتے ہیں۔ جب وہ وعدہ کرلیں۔ خواہ اللہ سے وعدہ کیا۔ یا بندوں کے ساتھ یا منتیں مانیں تو اسے ادا کرتے ہیں۔ یا بات کریں تو سچی کرتے ہیں یا امانت انہیں دی جائے تو وہ اسے صحیح طور پر ادا کرتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ جس نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑا تو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میرے وعدہ کو پورا کرو میں تمہارے وعدہ کو پورا کروں گا۔ (قرآن پاک)



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر بدلہ لینا ناحق قتل میں آزاد بدلے آزاد کے اور غلام

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ

بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جسے معاف کیا گیا بھائی کی طرف سے کچھ تو پیروی کرنا ہے

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بھلائی کے ساتھ اور ادائیگی طرف اسکے ساتھ اچھے طریقے کے یہ چھوٹ ہے تمہارے رب کی طرف سے

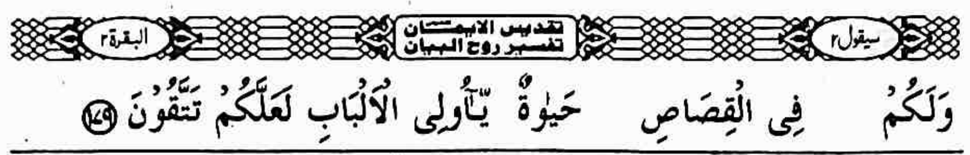
وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

اور مہربانی پس جس نے زیادتی کی بعد اسکے پس واسطے اس کے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر۱۷۷) آگے فرمایا۔ کہ جو محتاجی اور تنگی میں صبر کرنے والے ہیں۔ اور مرض و تکلیف میں اور ہر سختی میں خصوصاً جنگ کی حالت میں بھی صبر یعنی ڈٹ جاتے ہیں۔ جبکہ اہل کتاب ان باتوں میں ناقص ہیں۔ یعنی سخت بزدل ہیں کہ وہ ایسے موقع پر خوف زدہ رہتے ہیں۔ اور مومن ایسے موقع پر صبر کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۷۸) اے ایمان والو! تم پر قصاص میں قتل کی حد فرض ہے۔ یہ خطاب وقت کے حاکموں سے ہے۔ کہ تم پر قصاص کی حدیں قائم کرنا فرض ہے۔ جبکہ ولی الدم اس کا مطالبہ کرے اور اگر یہ خطاب قاتلین سے ہو۔ تو معنی یہ ہے۔ کہ اے جان بوجھ کر قتل کرنے والو تمہیں اپنے قصاص کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا لازم ہے۔ کہ جب تم سے ولی قصاص کا مطالبہ کرے۔ اس لئے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

ف: قصاص یہ ہے۔ کہ کسی نے قتل کیا۔ تو قتل کرنے والے کو اس کے بدلے میں امام وقت قتل کرے۔ اگر آنکھ نکالی تو نکالنے والے کی آنکھ نکالی جائے۔ اور فرمایا کہ آزاد آدمی کو آزاد کے مقابل اور غلام غلام کے بدلے میں اور عورت عورت کے بدلے قتل کئے جائیں۔ **شان نزول**: جاہلیت کے دور میں اونچے قبیلے والے کا غلام مارا جاتا تو مقابلے میں آزاد آدمی کو مارا جاتا۔ عورت کے مقابلے میں مرد اور ایک آزاد کے مقابلے میں دو مرد مارے جاتے۔ جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ عدل وانصاف قائم کرو۔ اور ایک کے مقابلے ایک اور آزاد کے مقابلے میں آزاد کو قتل کیا جائے۔



وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور واسطے تمہارے بدلہ لینے میں زندگی ہے اے عقلمندو تا کہ تم بچو

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۸) غلام بدلے غلام کے اور عورت کے مقابل عورت کو قتل کیا جائے۔ اور جاہلیت کی اس بری رسم کو ختم کیا جائے۔ اور قاتل کے بجائے غیر قاتل سے قصاص نہ لیا جائے۔ آگے فرمایا جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا گیا۔ یعنی قاتل کو مقتول کے وارثوں میں سے کسی نے معاف کر دیا۔ خواہ پورا یا کچھ حصہ معاف کیا۔ تو ان دونوں صورتوں میں قصاص ساقط ہو جائیگا۔ اب مقتول کے وارث جائز طور پر اپنا مطالبہ پیش کر دیں۔ لیکن ان پر تنگی تلخی نہ کریں تو قاتل پر لازم ہے کہ احسان کرے یعنی احسان اور مروت کے طور پر کچھ ادا کرے۔ مال کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے نہ انہیں خراب مال دے اور نہ انہیں کسی طرح پریشان کرے۔

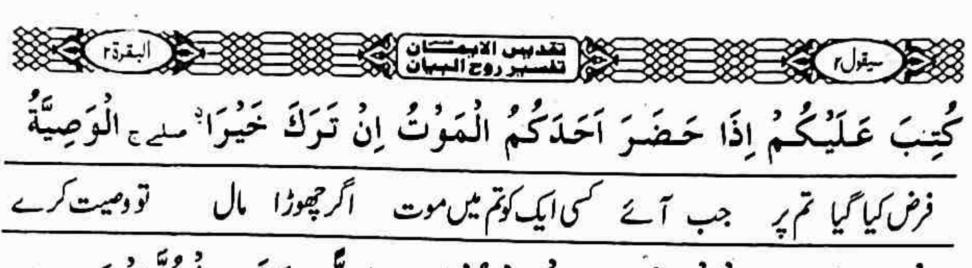
یہ معافی ملنا اور قصاص کی دیت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور وسعت ہے اور اس کی کمال مہربانی ہے۔ اور تین امور میں اختیار دے دیا:

(۱) قصاص۔ (۲) دیت۔ (۳) معافی۔

پہلی امتوں میں یا قصاص تھا یا معافی تھی۔ اور ہماری شریعت میں تین امور روا رکھے گئے۔ اگر وارث قصاص چاہیں تو قصاص لازم اور نرمی کریں تو دیت لازم اور مہربانی اور احسان کریں تو معافی ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کہ اس معافی دینے کے بعد جس نے پھر زیادتی کی۔ کہ اس کے کسی عزیز کو یا خود قاتل کو قتل کیا۔ تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔

شانِ نزول: جاہلیت کے دور میں قاتل سے دیت بھی لے لیتے اور معاف کرنے کے بعد جب بھی موقع ملتا اسے قتل بھی کر دیتے۔ پھر وہ مال ورثاء کو واپس کر دیتے اس لئے اس بات سے انہیں منع کیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۷۹) اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم قصاص میں زندگی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں (آج کی طرح) ایک آدمی کے قتل پر خاندانوں کے خاندان اور پورا پورا قبیلہ ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور فتنہ کی آگ دور تک پھیل جاتی تھی۔ اسلام نے قصاص کو جاری فرما کر لوگوں کو اس بری رسم سے چین بخشا۔ جس میں زندگی ہے۔ اس لئے کہ قاتل کو جب یہ معلوم ہوگا۔ کہ قصاص میں مجھے قتل کیا جائے گا۔ تو وہ کسی کو قتل کرنے سے پہلے سوچ کر رک جائیگا۔ اس طرح دو آدمیوں کی جان بچ جائیگی۔ اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے کمال فصاحت و بلاغت کو بیان فرمایا۔ کہ ایک چیز کو اس کے برعکس چیز کے قائم مقام کھڑا کیا تا کہ ایک کے تحقق سے دوسرے کا خاتمہ ہو۔



كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ صلے ج الْوَصِيَّةُ

فرض کیا گیا تم پر جب آئے کسی ایک کو تم میں موت اگر چھوڑا مال تو وصیت کرے

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ط ﴿۱۸۰﴾

واسطے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے طریقے کے حق ہے اوپر پرہیزگاروں کے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۹) یعنی قصاص جو حیوۃ کے خاتمے کا نام ہے۔ اسے حیوۃ کا سبب بنا دیا۔ یہ بلاغت کا ایک احسن طریقہ ہے۔ فرمایا اے عقل والو جن کی عقل غلط وہم وخیال سے محفوظ ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم دے کر کیسی عجیب حکمت سے نفوس کو بچایا اور فرمایا کہ قصاص پر محافظت سے متقی بن جاؤ گے۔

حدیث شریف: بروز قیامت مقتول قاتل کی گردن میں کپڑا ڈال کر اپنی رگوں سے بہتے خون کے ساتھ حاضر ہوگا۔ اور عرض کرے گا یا اللہ اس نے مجھے بلاوجہ مار ڈالا تھا۔ اللہ تعالیٰ قاتل کو جھڑک کر حکم دے گا۔ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔ (المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۱۰۷۴۲)

(آیت نمبر ۱۸۰) جب تم میں سے کسی ایک کو موت آئے۔ تو تم پر فرض کیا گیا ہے۔ یعنی جب موت کے آثار نمودار ہوں۔ اور اس کا مال ہو جو پیچھے چھوڑ رہا ہے۔ اس کے متعلق وصیت کر جانا فرض ہے۔ یہاں کتاب بمعنی فرض ہے۔ اور خیر بمعنی مال ہے۔ **ف:** دراصل خیر ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف طبیعت رغبت بھی کرے۔ اور نفع مند بھی ہو۔ اور وصیت میں پہلا حق ماں باپ کا پھر تمام ان رشتہ داروں کا جو وراثت کے حق دار ہوں۔

شان نزول: جاہلیت کے دور میں مرنے والا جس کو چاہتا۔ اس کو مال دے دیتا وصیت عام لوگوں کیلئے کر جاتے اور قریبی رشتہ داروں کو محروم کر دیتے۔ خواہ وہ کتنے ہی مفلس و نادار ہوتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس برے طریقے کی اصلاح فرمائی کہ سب سے پہلے والدین پھر والدین کے ساتھ قریبی رشتہ داروں کو۔ پھر دور کے رشتے داروں کو دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حق وصیت ان پر واجب کیا۔ جو مال ضائع کرنے اور رشتہ داروں کو محروم رکھنے سے بچتے ہیں۔ **نوٹ:** یہ ابتدائی حکم ہے پھر میراث کی آیت نازل ہونے سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا اب کسی کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں وراثت کے تمام مسائل کو بیان فرما دیا۔

یعنی اے لوگو اگر خدا کا خوف ہے تو یہ کام نہ کرو۔ کہ کسی کو دو اور کسی کو محروم کر دو۔ یا جسے دینا ہے اسے محروم کر دو۔ یہ حکم ہر اس شخص کیلئے ہے۔ جو تقوی شعار اور طہارت میں پختہ ہے۔

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

پس جس نے بدل دیا بعد اس کے جو اس نے سنا پس سوائے اس کے نہیں گناہ اس کا اوپر ان کے جنہوں بدلا اس کو

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ

بے شک اللہ سننے والا علم والا ہے پس جو ڈرے وصیت والے سے بے انصافی یا گناہ سے پس اصلاح کرے

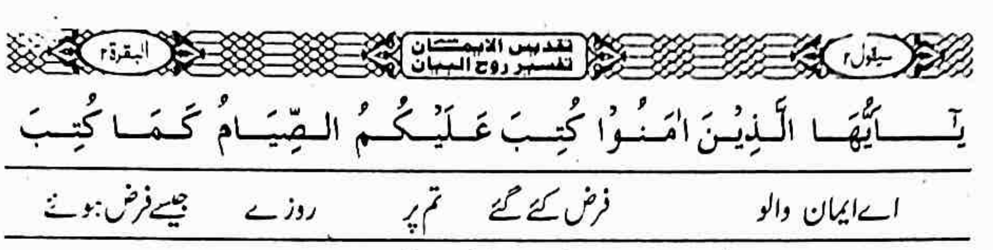
بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

درمیان ان کے تو نہ ہوگا گناہ اس پر بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے

(آیت نمبر ۱۸۱) کہ جس نے وصیت کو بدلا۔ یعنی وصیت کے خلاف تقسیم کا طریقہ اختیار کیا۔ یا وصیت کا مال مستحق کو نہ دیا جائے کسی اور کو دیدیا۔ اس معنی سے آیت کا حکم عام ہوگا۔ اور یہ تبدیلی غور سے سننے کے بعد کی تو یہ گناہ صرف ان کو ہوگا۔ جنہوں نے اس وصیت کو تبدیل کیا۔ چونکہ انہوں نے خیانت بھی کی اور شریعت کی خلاف ورزی بھی کی۔ البتہ وصیت کرنے والا اس سے بری ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وصیت والے کی وصیت کرنے کو سننے اور تبدیل کرنے والے کو جاننے والا ہے۔ اور بروز قیامت ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۸۲) پھر جو ڈرے وصیت کرنے والے سے کہ وصیت کرنے والا وصیت کرنے میں خطا کر رہا ہے۔ یا جو وصیت کی اس پر عمل کرنا گناہ ہے۔ کہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کر رہا ہے۔ تو (مفتی یا قاضی یا وارث) اس میں اصلاح کردے۔ میت کی وصیت میں تبدیلی کر کے شرع کے مطابق کردے۔ تو اس اچھائی کی طرف تبدیلی کرنے پر اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ خیر کی طرف تبدیلی کوئی گناہ نہیں ہے۔ **روحوں کا آنا:** روح دو قسم ہیں: (۱) نعمتوں والے۔ (۲) عذاب والے۔ عذاب والے تو سخت عذاب میں بند ہیں۔ لیکن نعمتوں والے دوسروں کو ملتے ہیں۔ ان کی زیارت کرتے ہیں اور آپس میں باتیں بھی کرتے ہیں جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ یا ہونے والا ہے۔ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔

اسقاط کا ثبوت: وصیت کرنے والا اپنے مال کی ایک تہائی رقم سے وصیت کر سکتے ہیں۔ اسقاط کے طریقے کو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ ہر نماز اور روزے کے بدلے نصف صاع گندم دینے کی وصیت کرے۔ اور جس پر حج یا کفارہ لازمی تھا۔ اسے وصیت کردینی چاہئے۔ کہ وارثوں میں کوئی اس کی طرف سے ادا کردیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی وصیت کو شرع کے مطابق کرنے پر اللہ تعالیٰ مغفرت اور بخشش فرمائے گا۔



ان پر جو تم سے پہلے ہوئے شاید تم پرہیز گار بنو

(آیت نمبر ۱۸۳) اے ایمان والو۔ یہ محبوب کی ندائے محبت ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نداء کی محبت عبادت کی تھکاوٹ کو ختم کر دیتی ہے آگے فرمایا۔ کہ تم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔ اور وہ چند دن ہیں گنتی کے۔ شرع میں روزہ دن کے وقت کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام ہے۔ بشرطیکہ روزہ کی نیت بھی کی ہو۔ اور یہ عوام کا روزہ ہے۔ خواص کا روزہ ہے۔ تمام شرع کی منع کی ہوئی باتوں سے رکنا۔ اور خاص الخاص کا روزہ ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دینا۔ آگے فرمایا کہ تم پر روزے رکھنا۔ ایسے فرض ہوئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے یعنی جناب آدم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر امت پر روزہ فرض رہا۔ اور یہ تشبیہ روزہ میں ہے مقدار میں نہیں۔ فرمایا۔ تاکہ تم گناہوں سے بچ جاؤ۔ اس لئے۔ کہ روزہ شہوات کو توڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جوانو تم میں سے جو ہمت رکھتا ہے۔ وہ نکاح کرے کہ اس سے آنکھ گناہ سے بچ جاتی ہے اور فرج زنا سے۔ اور جسے نکاح کی طاقت نہیں۔ وہ روزے رکھے۔ کہ اس سے شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۹۰۵، مسلم کتاب النکاح۔ ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۸۴۵)

شہوت ختم کرنے کا نسخہ:

۱۔ روزہ رکھنا۔
۲۔ رات کو عبادت کرنا۔
۳۔ شہوات پیدا کرنے والی اشیاء سے دور رہنا۔
۴۔ نفس کو شہوانی۔ خیالات سے دور رکھنا
۵۔ برے خیالات کو فوراً جھٹک دینا۔
۶۔ نفس کو غم والم میں مشغول رکھنا۔
۷۔ موت کا کثرت سے یاد کرنا۔
۸۔ دل کو سمجھانا کہ موت قریب ہے۔ کب تک شہوات میں پڑا رہے گا۔
۹۔ غیر محرم عورتوں کو دیکھنے سے بچنا۔
۱۰۔ نفس پر عبادت کا بوجھ ڈالے رکھنا وغیرہ پھر اس سے کچھ شہوت پر آدمی کنٹرول کر سکتا ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

دن ہیں گنتی کے پس جو ہو تم میں بیمار یا اوپر سفر کے تو گنتی پوری کرے دنوں بعد سے

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

اور اوپر ان کے جو طاقت رکھتے ہوں فدیہ کی (وہ دیں) کھانا ایک مسکین کو پس جو خوشی سے کرے نیکی تو وہ بہتر ہے

لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

واسطے اس کے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تو بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے

(آیت نمبر ۱۸۴) دن گنتی کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نہ تو ہم پر ہمیشہ کیلئے روزے فرض کئے اور نہ بہت زیادہ فرض کئے۔ بلکہ انتہائی رحمت فرماتے ہوئے چند دن مقرر فرمائے۔ اور دوسرا یہ بھی رحمت کی۔ کہ اگر کوئی بیمار ہو جسے روزہ تکلیف پہنچائے۔ یا وہ سفر پر ہو تو گنتی پوری کرے پچھلے دنوں سے۔ یعنی مرض یا سفر کے دن شمار کر رکھے۔ اور رمضان شریف کے بعد چاہے مسلسل یا وقفہ میں ان روزوں کی قضا کرلے۔ یہ قضا تندرست آدمی پر ہے۔ جنہیں طاقت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک طاقت سے مراد وہ لوگ جو مقیم بھی ہوں۔ اور تندرست بھی ہوں وہ روزہ رکھیں۔

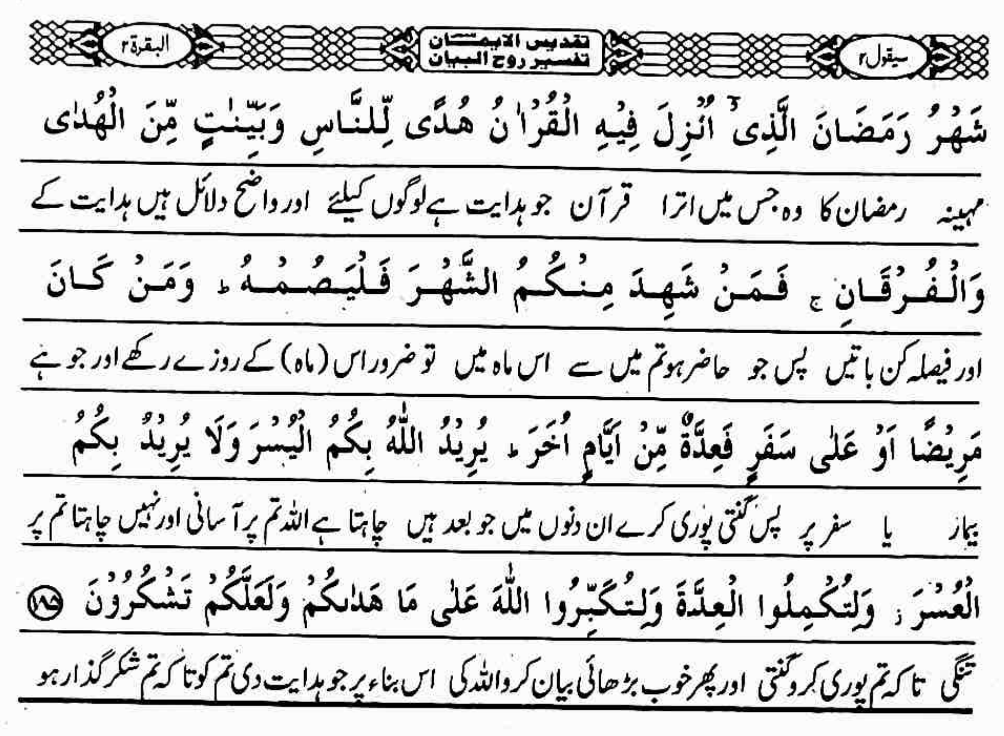
نوٹ: یاد رہے یہ اختیار ابتداء اسلام میں تھا۔ کہ چاہیں تو روزہ رکھیں۔ اور چاہیں تو ایک مسکین کا فدیہ دے دیں۔ ایک صاع جو یا نصف صاع گندم سے۔ فدیہ کا معنی جزاء یا قائم مقام کے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ اختیار اب نہیں ہے۔ ابتداء اسلام میں اس لئے اختیار دیا گیا کہ اس سے پہلے انہیں یوں روزے رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اس لئے کچھ عرصہ انہیں اختیار دیا گیا۔ پھر اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اور اگلی آیت میں فرمادیا۔ کہ جن کی زندگی میں ماہ رمضان آجائے تو ان پر فرض ہے کہ وہ روزے رکھیں۔ پھر فرمایا کہ جو بھلائی کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ فدیہ میں اضافہ کرتا ہے۔ یا وہ کوئی بھی اچھا عمل کرتا ہے۔ تو اس کے لئے بہت بہتر ہے۔ تطوع میں تین وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ ایک کے بجائے زیادہ مسکینوں کو کھانا دے۔

۲۔ یا ایک ہی مسکین کو قدر واجب سے زائد دے دے۔

۳۔ فدیہ بھی دے اور روزہ بھی رکھ لے اور فرمایا۔ کہ اے مسافرو اور وہ جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں۔ اس کے باوجود تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اگر تمہیں روزہ کی قدر و قیمت یا اس کی فضیلت معلوم ہو۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے۔ کہ سفر میں بھی روزہ افضل ہے۔ البتہ اگر زیادہ تکلیف ہونے کا ڈر ہو تو نہ رکھے یا توڑ دے۔



شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

مہینہ رمضان کا وہ جس میں اترا قرآن جو ہدایت ہے لوگوں کیلئے اور واضح دلائل ہیں ہدایت کے

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ

اور فیصلہ کن باتیں پس جو حاضر ہو تم میں سے اس ماہ میں تو ضرور اس (ماہ) کے روزے رکھے اور جو ہے

مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ

بیمار یا سفر پر پس گنتی پوری کرے ان دنوں میں جو بعد ہیں چاہتا ہے اللہ تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر

الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تنگی تاکہ تم پوری کرو گنتی اور پھر خوب بڑھائی بیان کرو اللہ کی اس بناء پر جو ہدایت دی تم کو تاکہ تم شکر گذار ہو

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۴) **مسئلہ**: روزے کی معافی اس مسافر کو ہے۔ جو نماز قصر کر کے پڑھے گا۔ یعنی کم از کم اڑتالیس میل کا سفر درپیش ہو۔ اور بعض کے نزدیک ستاون میل کا سفر ہو۔ بعض لوگ جو چند میلوں کے سفر کی وجہ سے روزہ توڑتے ہیں بالکل غلط کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸۵) ماہ رمضان وہ ہے۔ اس آیت سے مراد ماہ رمضان میں روزوں کی فرضیت مراد ہے۔ اور اشارہ ہے۔ کہ اس ماہ کو دوسرے مہینوں پر خصوصی شان حاصل ہے۔ کہ اس ماہ میں قرآن پاک نازل ہوا۔ بلکہ تمام کتب اس ماہ میں اتریں۔ یکم رمضان کو ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اترے۔ چھ رمضان کو توراۃ اتری اور تیرا کو انجیل نازل ہوئی۔ اور آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو قرآن نازل ہوا۔ جس میں اگلوں پچھلوں کے علوم ہیں۔ اور یہ قرآن لوگوں کو سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ اور اس میں واضح آیات ہیں۔ جن سے یہ (قرآن) حق کی طرف راہ دکھاتا ہے۔ اور حق و باطل میں فرق کی وجہ سے اسے فرقان کہا گیا۔ تو جو آدمی اس ماہ میں گھر میں مقیم و حاضر ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔

یہاں شاہد سے عاقل بالغ اور تندرست مراد ہے۔ کیونکہ بچہ اور دیوانہ موجود بھی ہو۔ تو اس پر روزہ فرض نہیں ہے۔ اور جو بندہ بیمار یا سفر میں ہو۔ وہ ان عذروں کی وجہ سے جتنے روزے نہیں رکھ سکے۔ وہ رمضان کے بعد روزے

رکھ لیں۔اللہ تعالیٰ تم سے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔کہ اس نے تمہیں سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی۔اور تم سے تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔کہ بیماری اور سفر میں بھی حکم دے کہ ہر حال میں روزہ ہی رکھا جائے ایسا نہیں کیا۔یہ اللہ پاک کی انتہائی مہربانی ہے کہ مشکل میں رخصت دے دی۔

ف:امام محمد بن علی الترمذی فرماتے ہیں۔کہ الیسر جنت کے ناموں میں ایک نام ہے اور العسر جہنم کا ایک نام ہے۔مراد یہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ روزے رکھنے سے جنت دینا چاہتا ہے۔اور جہنم سے بچانا چاہتا ہے۔علامہ فضلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے روزے میں دونوں جہانوں کی سعادت رکھ دی ہے۔

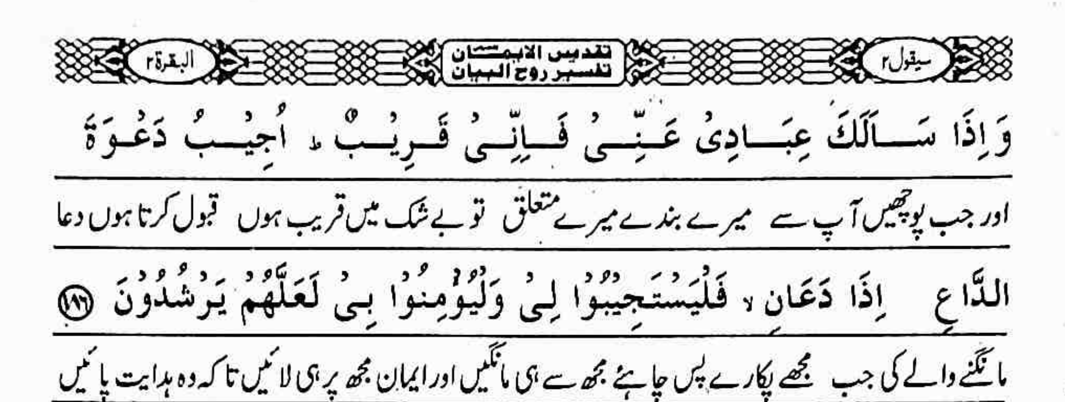
آگے فرمایا۔کہ روزے بھی رکھو۔اور اس کی گنتی بھی پوری کرو۔اور پھر خوب اللہ تعالیٰ کی بڑھائی کو بیان کرو۔جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تکلیفات سے عہدہ برآ ہونے کے جو طریقے بتائے ہیں۔یا جو آسانی فرمائی بیمار اور مسافر کیلئے اس پر تم اس اللہ کا خوب شکر کرو۔زبان سے دل سے اور بدن سے۔

حدیث شریف میں ہے۔کہ بروز قیامت جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا۔کہ روزے داروں کا استقبال کر کے انہیں جنت کی اعلیٰ نعمتوں سے ان کی خواہشات کی تمام چیزیں پیش کرو۔جنہوں نے بھوکے پیاسے رہ کر مجھے راضی کیا۔تو غلمان اور ولدان جو ریت کے ذروں کے برابر ہونگے۔جنت کے پھل لیکر ان کے سامنے رکھ دینگے اور کہا جائے گا۔جو مرضی ہے۔کھاؤ۔یہ اس کا بدلہ ہے۔جو تم نے دنیا میں روزے رکھے۔(درۃ الناصحین فی الوعظ والارشاد)

یاد رہے۔اس سے پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی یہ حکمت بیان ہوئی۔کہ تم متقی بن جاؤ گے۔اور اب اس آیت میں یہ حکمت بیان ہو رہی ہے۔کہ اس ماہ مبارک میں اپنے محسن حقیقی کی شکر گذاری کی جائے۔تا کہ نفس نیک اعمال کا عادی بن جائے۔**روزہ میں نیت**: بہتر یہ ہے کہ نیت رات کو ہی کر لی جائے۔ورنہ صبح سحری کے وقت کر لے۔طلوع آفتاب کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔

تراویح: کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔اس لئے کہ خلفاء راشدین نے یہ نماز ہمیشہ پڑھی ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کئے اور اس کا قیام سنت بنایا۔(نماز تراویح کی بیس رکعات ہیں۔اور اس میں پانچ ترویحے ہیں)۔

چار آدمیوں کی جنت بہت مشتاق ہے: (۱) رمضان مبارک کے روزے رکھنے والا۔(۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا۔(۳) زبان کو بے ہودہ باتوں سے بچانے والا (۴) اور بھوکوں کو کھانا کھلانے والا۔


وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ

اور جب پوچھیں آپ سے میرے بندے میرے متعلق تو بے شک میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا

الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

مانگنے والے کی جب مجھے پکارے پس چاہئے مجھ سے ہی مانگیں اور ایمان مجھ پر ہی لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں

(آیت نمبر ۱۸۶) اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں۔ کہ میں کہاں ملتا ہوں۔ تو ان کو بتا دو۔

شانِ نزول: حضور ﷺ سے ایک اعرابی نے پوچھا۔ کہ ہمارا رب کہاں ہے۔ نزدیک ہے۔ تو مناجات کریں۔ اور دور ہے تو بلند آواز سے پکاریں۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ بے شک میں قریب ہوں۔ کہ بندوں کے تمام افعال و اعمال کو دیکھ رہا ہوں اور اقوال کو سن رہا ہوں۔ اور تمام احوال پر مطلع بھی ہوں۔ اور میں دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جب کوئی مجھ سے دعا کرے۔ حدیث شریف: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ تو ایک وادی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اونچے آواز سے تکبیریں کہنا شروع کر دیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اپنے آپ پر رحم کرو۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔ بے شک تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا قریب اور بالکل تمہارے ساتھ ہے (بخاری)۔ **مسئلہ:** اس آیت میں دعا کے قبول ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ (بعض لوگ اس حدیث سے ذکر بالجہر کی ممانعت ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ ذکر بالجہر تو قرآن سے ثابت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ موقع جنگ کا تھا۔ اور جنگ کے دوران دشمن کو بے خبر رکھا جاتا ہے۔)

قبولیت کی شرائط: ا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ۲۔ تقدیر سے مطابقت ۳۔ کسی محال بات کا سوال نہ ہو۔ ۴۔ اس کیلئے قبولیت مفید ہو۔ **ف:** قبولیت کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جو مانگا وہی ملے۔ بلکہ قبولیت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ بسا اوقات جلد مراد پا جاتا ہے۔ اور کبھی دیر بھی آ جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ مجھ سے ہی قبولیت چاہیں۔ کہ میرے سوا کوئی بھی قبول کرنے والا نہیں۔ اور اس بات میں مجھ پر ہی ایمان کامل رکھو۔ تو جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا۔ اور اس پر ایمان رکھا۔ وہ دین و دنیا کے تمام مصالح میں ہدایت پا گئے۔ کیوں کہ ہدایت پانے والوں کی یہی علامات ہیں۔ دعا کی قبولیت کیلئے لقمہ حلال شرط ہے۔ حرام کھانے والے کی ہرگز دعا قبول نہیں ہوتی۔

مسلمان کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی: تین باتوں سے ایک ضرور ہوتی ہے۔ یا تو جو مانگا وہی مل جاتا ہے۔ یا کسی آنے والی مصیبت کو اس کی وجہ سے ٹال دیا جاتا ہے۔ اور یا اسے آخرت کیلئے ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ

حلال ہوئیں تمہارے لئے راتیں روزوں کی جانا طرف عورتوں اپنی کے۔ وہ لباس ہیں تمہارا اور تم

لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

لباس ہوان کا۔ جان لیا اللہ نے بیشک تم تھے خیانت میں ڈالتے اپنی جانوں کو پس توبہ قبول کی تمہاری

وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔـٰنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

اور معاف کیا تمہیں تو اب صحبت کرو ان سے اور طلب کرو جو لکھا اللہ نے واسطے تمہارے اور کھاؤ اور پیو

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا

یہاں تک خوب ظاہر ہو جائے تمہارے لئے دھاگہ سفید دھاگے کالے سے صبح کو پھر پورے کرو

الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ

روزے رات آنے تک اور نہ مباشرت کرو ان سے اس حال میں کہ تم اعتکاف میں ہو مسجدوں میں۔ یہ حدیں ہیں

اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

اللہ کی پس نہ قریب جاؤ ان کے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کیلئے تا کہ وہ پرہیز گار ہوں

(آیت نمبر ۱۸۷) تمہارے لئے حلال کردیئے گئے رات کے روزے۔ یعنی تمہارا اپنی عورتوں کے پاس جانا اوران سے فحش گفتگو کرنا۔ یہ کنایہ ہے جماع سے۔ ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ رفث ایک جامع کلمہ ہے۔ یعنی مرد اپنی عورت سے جو عمل بھی کرے وہی رفث ہے۔ اشارہ اور بوسہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

شانِ نزول: ابتداءِ اسلام میں افطار کا وقت نماز عشاء تک تھا۔ جب سو جاتے تو اس کے بعد کھانا پینا اور جماع وغیرہ سب حرام تھے یعنی حد نماز عشاء تک تھی۔ ایک روز جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد بیوی سے جماع کرلیا۔ فوراً نفس کو ملامت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اور پورا ماجرا بیان کیا۔ اتنے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔

نکتہ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی غلطی سے امت کی تا قیامت چھٹی ہوگئی۔ اور فرمایا۔ کہ اب رات کو تم اپنی عورتوں سے جماع کر سکتے ہو۔ کہ وہ تمہارا اور تم ان کا لباس ہو۔ یعنی ایک دوسرے کا حال چھپاؤ۔ یا ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاؤ۔ **حدیث شریف:** جس نے شادی کر لی اس نے اپنے دین کا دو تہائی حصہ بچالیا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ف: یہ بات سن کر چند حضرات اور بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسی غلطی کا اقرار کر لیا۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو سب کا حال معلوم ہے۔ کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے رہے۔ یعنی رمضان کی راتوں میں عورتوں سے جماع کر کے خیانت کرتے رہے۔ جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ بھی قبول کر لی۔ اور تمہیں معاف بھی کر دیا۔ یہ اللہ کا فضل واحسان ہے۔ لہذا اب جبکہ حرمت منسوخ ہو چکی۔ اب تم ان اپنی عورتوں سے رمضان کی راتوں میں مباشرت کر سکتے ہو۔ اور تلاش کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے (یعنی اولاد لوح محفوظ میں) لکھ دی ہے۔ (طبرانی)

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ جماع سے نیت یہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے۔ تا کہ حضور ﷺ کی امت بڑھے، نکاح کرنے میں یہی حکمت خداوندی ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ نکاح کر کے نسل انسانی کو بڑھاؤ۔ تا کہ بروز قیامت تمہاری وجہ سے میں تمام امتوں پر فخر کروں (کنز العمال حدیث نمبر ۴۴۴۴۲۔ ترمذی کتاب الصوم)۔ آگے فرمایا کہ رمضان کی راتوں میں کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ خوب واضح ہو جائے تمہارے لئے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے۔ سفید دھاگے سے مراد صبح صادق کے وقت آسمانوں کے کناروں کی سفیدی جو ابتداء میں باریک دھاگے کی طرح پھیلی ہوتی ہے اور کالے دھاگے سے مراد بھی صبح صادق سے پہلے جو آسمان کے کناروں پر سیاہی پھیلی ہوتی ہے۔ جس سے صبح صادق کا نور چیر کر باہر نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فجر کے وقت کی سیاہی اور اس کے بعد سفیدی کو سیاہ اور سفید دھاگے سے تشبیہ دی ہے۔

نوٹ: انگلینڈ میں آج کل جون جولائی کے ایام میں رات کو بعض مولوی ایک بجے اور بعض ڈیڑھ بجے روزے بند کرا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اس آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فجر کا لفظ فرمایا۔ اور ایک بجے پر فجر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دوسرا یتبیـــن باب تفعل سے ہے۔ اس کا معنی ہے۔ خوب فجر واضح ہو جائے۔ تو ایک یا ڈیڑھ بجے فجر کہاں خوب واضح ہوتی ہے۔ یہ سراسر قرآن کے خلاف ہے اور عوام سے ظلم ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ تم پورا کرو روزے کو رات تک۔ یعنی دن کے پورے حصے میں کھانے پینے اور جماع سے رکے رہو۔ یہاں الیٰ غایت کیلئے ہے۔ یعنی رات کے داخل ہوتے ہی روزہ افطار کر لو۔

ف: چونکہ غروب آفتاب کے بعد رات شروع ہو جاتی ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ جب ادھر

سے رات آ جائے۔ اور دن چلا جائے۔ یعنی سورج چھپ جائے۔ تو روزہ دار اپنے روزہ کو افطار کرلیں۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ **مسئلہ**: اس سے وصال کے روزے کی ممانعت ثابت ہوئی۔ غروب آفتاب کے بعد افطاری میں دیری سخت گناہ ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ میری امت اس وقت تک خیریت میں رہے گی۔ جب تک کہ روزہ سورج غروب ہونے کے بعد جلد افطار کرے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

روزے اور اعتکاف میں فرق:

یہاں یہ شک پڑتا تھا۔ کہ روزے میں تو رات کے وقت جماع کرنا جائز ہو گیا۔ تو کیا اعتکاف میں بھی دن کو نہ سہی کیا رات کو جائز ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی وضاحت فرما دی۔ کہ روزے میں تو دن کو جماع حرام ہے۔ رات کو جائز ہے۔ لیکن اعتکاف کی حالت میں جس طرح دن کو نا جائز ہے۔ اسی طرح رات کو بھی منع ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ جب تم مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرے ہو۔ تو عورتوں سے جماع مت کرو۔

مسئلہ: معلوم ہوا۔ کہ اعتکاف والے کا جماع سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ **مسئلہ**: مساجد کے لفظ سے معلوم ہوا۔ کہ ہر مسجد میں مرد کیلئے اعتکاف کرنا جائز ہے۔ لیکن جامع مسجد میں افضل ہے۔ یا جس مسجد میں نماز باجماعت ادا ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا چاہئے۔ **مسئلہ**: عورت گھر میں اعتکاف بیٹھے مسجد میں ہرگز اعتکاف نہ بیٹھے۔ اسی طرح مرد کا اعتکاف گھر میں صحیح نہیں ہے۔

فضیلت اعتکاف: رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے سے اللہ تعالیٰ دو حج اور دو عمروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں (الترغیب والترہیب)۔ جو بندہ کسی بھائی کی مدد کیلئے جائے۔ اسے اللہ تعالیٰ بیس سال کے اعتکافوں کا ثواب عطا فرماتا ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ جو ایک دن کا اعتکاف کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کر دیتا ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ ایک خندق سے دوسری خندق تک مشرق و مغرب تک کا فاصلہ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ حدیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائیں۔ تا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے اس کے احکام کی مخالفت کر کے تجاوز نہ کرے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ تم ان حدوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان سے تجاوز کر جاؤ۔ اور گناہ گار ہو جاؤ۔ ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ ہر چیز کی آڑ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آڑ یہ ہے۔ کہ اس کے منع کئے ہوئے حکموں کے قریب نہ جاؤ۔ جو ان کے قریب جائے۔ وہ پھر اندر بھی لامحالہ چلا جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ اس کے بعد فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو لوگوں کیلئے واضح طور پر بیان فرماتا ہے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچ جائیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا

اورنہ کھاؤمال اپنوں کا آپس میں باطل طریقے سے اور پہنچاؤ اس مال کو حاکموں تک تاکہ کھائے ایک گروہ

مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط

مال لوگوں کا ساتھ گناہ کے حالانکہ تم جانتے ہو پوچھتے ہیں آپ سے نئے چاند کے بارے میں

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

فرما دو وہ اوقات ہیں لوگوں اور حج کیلئے اور نہیں ہے نیکی یہ کہ تم آؤ گھروں کو پچھلی طرف سے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

لیکن نیکی اس کی جو پرہیزگار ہوا اور آؤ گھروں کو دروازوں سے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو

(آیت نمبر ۱۸۸) اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ یعنی (۱) غصب کر کے۔ (۲) چوری کر کے۔ (۳) چھین کر۔ (۴) جھوٹی قسم کھا کر۔ (۵) رشوت لیکر۔ (۶) جوا سے کما کر۔ (۷) کاھن نجومی بن کر۔ (۸) نوحہ کر کے۔ (۹) گانے اور سرود سے۔ (۱۰) غلط حیلوں سے۔ (۱۱) خیانت کر کے۔ (۱۲) یا سینما وغیرہ کی کمائی۔ ان تمام طریقوں کی کمائی حرام ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کہ لوگوں کے مال اور ان کے مالی معاملات کو حاکموں کے پاس اس لئے لے کے نہ جاؤ۔ کہ ایک جماعت کھائے بعض لوگوں کا مال گناہ کے ساتھ جب کہ معلوم ہو۔ کہ جسے مال دلوا رہے ہیں۔ وہ ظالم ہیں۔ یعنی ایسے حکمرانوں کے پاس فیصلے لے کر نہ جاؤ۔ جن کا کام ظلم کرنا اور رشوت لے کر غلط فیصلے کرنا ہو۔ اور تم جانتے بھی ہو کہ وہ ظلماً لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔

سبق: عقلمند کو چاہئے۔ کہ وہ حقوق العباد اور ظلم کے معاملات سے پرہیز کرے۔ **مسئلہ:** اس آیت میں صرف کھانے کی اشیاء مراد نہیں۔ بلکہ اسباب باطلہ کے ذریعے جتنے بھی آمدن کے ذرائع ہیں۔ وہ سب حرام ہیں۔ کھانے کا ذکر عرف عام کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے ہر قسم کے تصرفات مراد ہیں۔ چونکہ اس مال سے اہم اور مقصود اصلی چیز کھانے کی اشیاء ہوتی ہیں۔ اس لئے کھانے کا نام لیا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۸۹) آپ سے چاند کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ہلال پہلی تاریخ والے چاند کو کہتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے چاند کے چھوٹا اور بڑا ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ کہ اس میں کیا حکمت ہے۔

شان نزول : معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری رضی اللہ عنہما نے عرض کی۔ یا رسول اللہ یہ چاند کے بڑے اور چھوٹے ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ ایک ہی حالت پر کیوں نہیں رہتا۔ تو اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "قُلْ" اے میرے محبوب آپ ان کو بتادیں۔ کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے میں لوگوں کے فوائد ہیں، ان کی ضروریات اور مصالح اور معاملات چلانے کیلئے اور خاص کر حج کے لئے تاریخوں اور اوقات کا اس سے تعین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے متعلق کردیا ہے۔ کہ وہ ضروریات اور معاملات چاند کے تغیر و تبدل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ کہ تم گھروں کو پچھلی جانب سے آؤ۔

شان نزول: امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ کہ جاہلیت کے زمانے میں یہ دستور تھا۔ کہ جب حج یا عمرے کا احرام باندھتے تو گھر کے دروازے سے جاتے۔ اور واپسی پچھلی جانب سے دیوار توڑ کر آتے تھے یا پچھلی طرف سیڑھی لگا کر داخل ہوتے۔ عام دروازے سے واپس آنے کو حرام جانتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ جب ہم حج کے لئے نکلے تو اس وقت سخت گناہ گار تھے۔ اب ہم گناہوں سے پاک ہو کر آئے ہیں۔ اس لئے اگر ہم دروازے سے گئے تو گناہ پھر ہم سے چمٹ جائیں گے۔ لہذا مکان کی پچھلی جانب سے گھر کو جائیں اور اس عمل کو وہ بہت بڑی نیکی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی طرح کی خرافات اپنا رکھی تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ نیک وہی ہے۔ جسے اللہ کا ڈر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء اور خواہشات نفسانی سے بچنے کا نام نیکی ہے۔ یہ احرام کے ساتھ گھروں کو پچھلی جانب سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ لہٰذا اب گھروں کو دروازوں کی طرف سے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو تبدیل کرنے اور اس کے کاموں پر اعتراض کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم نیکی پا کر کامیاب ہو جاؤ۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ نیک وہی ہے۔ جو تقویٰ کا عامل ہے۔ اور ماسوی اللہ یعنی بتوں سے دور رہے۔

جاہلیت کے دور میں ڈھنگھو سلے: انصار قبیلے کا کوئی آدمی جب حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتا۔ پھر وہ کسی گھر مکان یا دیوار کے پاس نہ جاتا۔ تاکہ دروازے سے نہ گذرنا پڑے۔ پھر اگر وہ صاحب مکان ہوتا۔ تو وہ مکان کے پچھلے حصے سے نقب لگا کر یا سیڑھی لگا کر واپس گھر میں آتا۔ اور اگر وہ خیموں وغیرہ میں رہنے والا ہوتا پھر تو وہ احرام کھلنے تک وہ باہر ہی رہتا۔ اور اسے وہ بہت بڑی نیکی سمجھتے۔ اور اگر وہ اہل حمس سے یعنی قریشی ہوتا۔ وہ احرام باندھنے کے بعد اپنی تمام عادات اور روٹین کو بدل دیتے۔ جس طرح لباس کو اور خوشبو بدل دیتے۔ حتیٰ کہ کسی قسم کا سایہ بھی حاصل نہ کرتے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی قسم کے ڈھنگھو سلے اپنی طرف سے بنائے ہوئے تھے۔ جن پر سختی سے عمل کرتے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

اورلڑو راہ اللہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

حد سے بڑھنے والوں کواور قتل کروان کو جہاں بھی پاؤتم ان کو اور نکالوان کو جہاں سے نکالا انہوں نے تم کو

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ

اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے اور نہ لڑوان سے نزدیک مسجد حرام کے یہاں تک کہ وہ لڑیں تم سے

فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

اس میں پس اگر وہ قتل کریں تم کوتو تم قتل کروان کو یہی سزا ہے کافروں کی

(آیت نمبر ۱۹۰) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اور سبیل اللہ سے مراد دین بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی دین سیکھنے سکھانے میں پوری کوشش کرو۔ اور اس سے مراد جہاد بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی تم ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ گویا ہر کافر سے نہیں بلکہ صرف ان سے جو تم سے برسرپیکار ہوں۔ لیکن حد سے نہ بڑھو۔ یہ جہاد کے متعلق پہلا حکم ہے۔ پھر حکم دیا تمام مشرکین سے لڑو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر اتری۔ کہ جب صلح ہوگئی اور حضور ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔ تو صحابہ نے کہا کہ جن لوگوں نے عمرہ نہیں کرنے دیا ان سے ہم لڑیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ یعنی احرام باندھ کر حرم شریف میں جنگ وجدال تمہاری طرف سے نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ **ف:** اس آیت میں مظلوموں اور ستم رسیدوں کو اجازت دی جارہی ہے۔ کہ آج تک تم تسلیم ورضا کے پیکر بنے رہے۔ اور کفار کا ظلم وستم سہتے رہے۔ اب طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ جو تم سے لڑنا چاہتے ہیں تم ان سے لڑو۔

(آیت نمبر ۱۹۱) اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو خواہ حل میں یا حرم میں خواہ ماہ حرام ہو۔ اس لئے ماہ حرام کی بے حرمتی ان سے ہی شروع ہوئی۔ یعنی جب وہ حرمت کا خیال نہیں کرتے۔ تو تم بھی ایسا ہی کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو۔ یعنی مکہ مکرمہ سے ہر اس شخص کو نکال دو جس نے اسلام سے منہ پھیرا۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ اس کی تکلیف دائمی ہے۔ یہی فتنہ کفار کو مکہ سے نکالنے کا سبب بنا۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو۔ کفار کو مکہ میں قتل کرنے کے بجائے ان کو مکہ معظمہ سے نکال دو۔ یہی ان کو سزا سخت ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

اگر وہ باز آئیں پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ

وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾

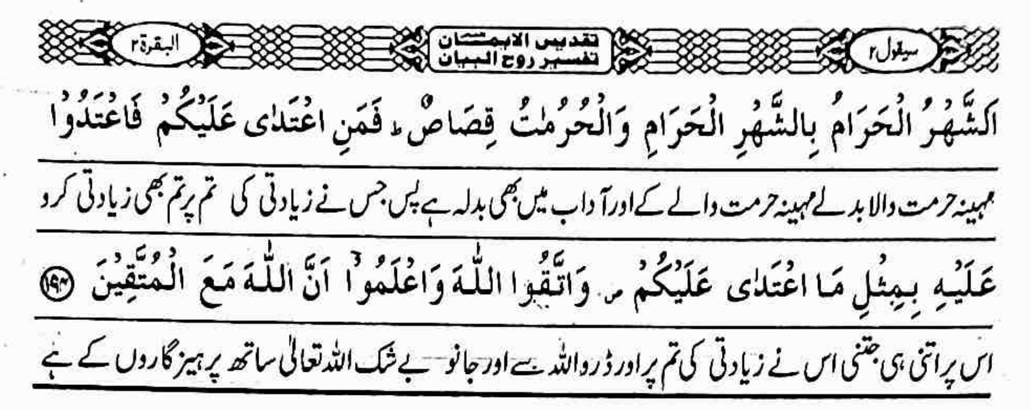
اور ہو جائے دین واسطے اللہ کے پس اگر وہ باز آئے تو نہیں زیادتی مگر اوپر ظالموں کے

(بقیہ آیت نمبر ۱۹۱) **ف**: کسی دانا سے پوچھا گیا۔ کہ کیا موت سے بھی سخت کوئی شیء ہے۔ تو اس نے کہا۔ کہ ہاں فتنہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کہ اس کی وجہ سے موت کی آرزو ہوتی ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ مشرکین کو مسجد حرام کے پاس قتل کرنے میں پہل نہ کرنا جب تک وہ حرم میں قتل یا جنگ کا آغاز نہ کریں۔ اور وہ اگر بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ تو تم بھی کسی بات کی پرواہ کئے بغیر ان سے لڑو۔ پھر یہ مت سوچو کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ یہاں کیسے جنگ کریں اس لئے کہ بیت اللہ میں لڑائی اور اس کی ہتک کا آغاز مشرکین کی طرف سے ہوا۔ لہذا اب وہ سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔ جو سزا کافروں کو دی جاتی ہے۔ وہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ جنگ سے باز آجاتے ہیں یا کفر وشرک سے توبہ کر کے رک جاتے ہیں۔ تو تم بھی رک جاؤ یعنی وہ تم پر ہتھیار نہیں اٹھاتے۔ تو تم بھی ان پر ہتھیار نہ اٹھاؤ۔ لیکن ان سے ہوشیار رہو۔ کہ وہ کسی مکر چکر میں نہ ہوں۔

(آیت نمبر ۱۹۲) اگر وہ اس جنگ سے باز آئیں۔ اور ایمان بھی قبول کر لیں۔ تو پھر بے شک اللہ تعالٰی ان کی سابقہ غلطیوں کو بخش دے گا۔ اور ان پر رحم فرمائے گا۔

ف: مراد یہ ہے۔ کہ ان کو اسلام پیش کیا جائے۔ اگر وہ پورے طور پر بت پرستی سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔

یعنی جب تک وہ مسلمان نہیں ہو جاتے۔ اور ہر طرف دین اللہ کا خالص نہیں ہو جاتا کہ پھر شیطان کا اس میں کوئی حصہ نہ رہے۔ اس وقت تک جنگ جاری رکھو اور اس کے بعد اگر وہ شرک سے یا تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاتے ہیں۔ تو پھر ظالموں کے سوا کسی پر کوئی زیادتی نہ کی جائے جو تم سے جنگ نہیں کرتے۔ یعنی پھر انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ البتہ ظالم پر پوری سختی ہونی چاہئے۔ کیونکہ عدوان ظالموں پر جائز ہے۔ کیونکہ برائی کی سزا برائی سے ہوتی ہے۔



اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

مہینہ حرمت والا بدلے مہینہ حرمت والے کے اور آداب میں بھی بدلہ ہے پس جس نے زیادتی کی تم پر تم بھی زیادتی کرو

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اس پر اتنی ہی جتنی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرو اللہ سے اور جانو بے شک اللہ تعالیٰ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے

(آیت نمبر ۱۹۴) حرمت والے مہینے عوض بنتے ہیں حرمت والے مہینوں کے۔ اور حرمتوں میں بھی بدلہ ہے۔

شان نزول: حضور ﷺ معاہدے کے مطابق سات ہجری کو عمرۃ القضاء کیلئے تشریف لائے تو جوں ہی مسلمان حرم میں داخل ہوئے تو مشرکوں نے انہیں تیروں اور پتھروں کا نشانہ بنالیا۔ صحابہ نے دیکھا کہ مہینہ بھی حرمت والا اور جگہ بھی حرمت والی ہے۔ اس میں لڑائی یا جنگ منع ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری۔

اور فرمایا کہ اس ماہ کی حرمت بعوض حرمت کے ہے۔ یعنی بیت اللہ کی حرمت کا مسئلہ تب ہے۔ جب وہ مشرکین بھی اس ماہ اور جگہ کی حرمت کا خیال رکھیں۔ جب انہوں نے اس کی حرمت کا خیال نہیں رکھا۔ اور تیر چلانے شروع کردیئے تو اب تم بھی تیر چلاؤ اس لئے کہ ان حرمتوں میں بھی بدلہ ہے۔ یعنی ان معظمات کی رعایت اس وقت ہے۔ جب وہ اس کی رعایت کریں۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ اے مسلمانو! مشرکین اب اگر حرم میں داخل ہونے سے روکیں۔ تو تم جبراً اور قہراً اس میں داخل ہوجاؤ۔ اور اگر وہ حرم میں تم سے جنگ یا قتل وقتال کرتے ہیں۔ تو تم بھی بے شک انہیں قتل کرو۔

اور فرمایا۔ کہ جو جنگ کر کے تم پر زیادتی کرتا ہے۔ تو تم بھی اس پر اتنی زیادتی کر سکتے ہو۔ جتنی اس نے تم پر زیادتی کی۔ ف: یاد رہے حرم شریف میں اور ماہ حرام میں اتنی ہی دیر اجازت ہوئی۔ جتنی دیر میں مشرکین شرارت سے باز نہیں آئے۔ اور فتنہ کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ اس کے بعد ہمیشہ کیلئے منع ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور یہ بات اچھی طرح سے جان لو۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ ف: اس معیت سے معنوی قربت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے تمام امور میں ان کی مدد فرماتا ہے۔ اور انہیں فتح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ

اور خرچ کرو راہ خدا میں | اور نہ ڈالو اپنے آپ کو | ہلاکت میں | اور احسان کرو

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو

(آیت نمبر ۱۹۵) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ انفاق بمعنی مال کو دینی ضروریات میں خرچ کرنا۔ اور سبیل سے مراد دین ہے۔ **مسئلہ:** دین کی سربلندی اور اس کو قائم کرنے کیلئے جو بھی خرچ کیا جائیگا۔ وہ اس آیت میں داخل ہے۔ خواہ حج ہو یا عمرہ۔ کفار سے جہاد کا معاملہ ہو یا صلہ رحمی کے متعلق ہو۔ غرباء و مساکین کی مدد کرنا ہو۔ یا اہل و عیال اور آل اولاد کے حقوق کی رعایت ہو۔ الغرض قرب الٰہی کیلئے جو عمل ہو وہ اس آیت میں داخل ہے۔ آگے فرمایا۔ اے لوگو! اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی فضول خرچی کرنا یا معاش کے اسباب ضائع کرنا اچھا نہیں دوسرے مقام پر اہل ایمان کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ وہ لوگ جو خرچ کرنے میں نہ زیادتی کرتے ہیں نہ کمی۔

شان نزول: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کا مطلب جہاد کو چھوڑ دینا ہے۔ جب اللہ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کر دیا۔ تو کچھ مسلمانوں کے دل میں خیال آیا۔ کہ اب جہاد کی ضرورت نہیں۔ تو انہیں بتایا گیا۔ کہ جہاد چھوڑنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ مذکورہ پروگرام انصار نے بنایا کہ اب ہم جہاد کو چھوڑ کر کھیتی باڑی کا کام کریں گے۔ تو اس کے جواب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کہ جہاد کو چھوڑ دو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کیونکہ دشمن مضبوط ہوگا اور تم سست ہو جاؤ گے۔ (جیسے عرب امارات میں ہوا)۔ اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گذاری۔ اور قسطنطنیہ کی جنگ میں ہی شہید ہوئے۔ اور وہیں قلعہ کے نیچے آپ کا مزار ہے۔ جو آج مرجع خلائق ہے۔ اور لوگ اپنی حاجات میں انہیں اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ کہ جس شخص کو موت تک جہاد فی سبیل اللہ کا دل میں خیال تک نہ آیا۔ وہ منافقین میں لکھا جاتا ہے (صحیح مسلم کتاب الامارہ، ابوداؤد کتاب الجہاد)۔ آگے فرمایا کہ احسان کرو غرباء پر اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی جو فقراء اور غرباء کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے۔ **حکایت:** حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے معراج کے موقع پر جہنم میں ایک شخص کو دیکھا۔ جسے آگ کچھ نہیں کہتی۔ جبریل سے پوچھا۔ کہ اس کے قریب آگ کیوں نہیں آتی۔ تو جبریل امین نے بتایا۔ کہ حضور ﷺ یہ حاتم طائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جود و سخا کی وجہ سے اسے جہنم کی آگ سے دور رکھا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا

اور پورا کرو حج اور عمرہ واسطے اللہ کے پھر اگر روکے جاؤ تم تو پھر جو میسر آئے قربانی اور نہ منڈاؤ

رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى

سر اپنے یہاں تک پہنچ جائے قربانی قربان گاہ میں پس جو ہو تم میں بیمار یا اس کو تکلیف

مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ

سر میں پس فدیہ دے روزوں سے یا صدقہ یا قربانی سے پھر جب تم پر امن ہو پس جو فائدہ اٹھائے

بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

عمرہ کو حج سے ملا کر تو پھر جیسی بھی میسر آئے قربانی کرے پس جو نہ پائے (قربانی) تو روزے رکھے تین دن

فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

حج کے (دنوں میں) اور سات (روزے) جب (گھر) پلٹ کر جاؤ یہ دس (روزے) پورے ہوئے یہ (حکم) اس کیلئے جو نہ ہو

اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۧ ﴿۱۹۶﴾

رہنے والا موجود مسجد حرام میں اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے

(آیت نمبر ۱۹۶) حج اور عمرہ کو مکمل کرو۔

شان نزول: اہل عرب حج کیلئے اس لئے جاتے۔ کہ وہاں کافی تعداد میں لوگ جمع ہوں گے۔ ان کو ملیں گے۔ بازاروں میں گھومیں گے۔ یعنی حج اللہ کیلئے نہ تھا۔ نہ عبادت کے طور پر نہ قرب خداوندی کیلئے محض ایک سیر یا کاروبار کیلئے جاتے تھے۔ جیسے آج کل بھی اکثر لوگ محض سیر کی غرض سے جاتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ تم اللہ کا فریضہ سمجھ کر حج کو جاؤ تمام ارکان و شرائط اور مشروع افعال کے ساتھ حج ادا کرو۔ یعنی عبادت سمجھ کر جاؤ۔ کسی قسم کے دنیوی ارادے یا غلط نیت سے نہ جاؤ۔ (یاد رہے۔ عبادت اگر عادت بن جائے تو بھی بے کار ہے)۔ یعنی اس پر کوئی ثواب وغیرہ نہیں ملتا۔

مسئلہ: حج اس شخص پر فرض ہے۔ جو حج کیلئے آنے جانے کا خرچہ رکھتا ہو اور اہل وعیال کیلئے بھی خرچہ دے کر جائے۔ اور عمرہ سنت ہے۔ البتہ عمرہ کی نیت کر کے گھر سے نکل پڑنے سے عمرہ واجب ہو جاتا ہے یا منت پوری کرنے کیلئے عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ جیسے نفل شروع کر دینے سے نفل پورے کرنے واجب ہو جاتے ہیں۔

حج کے ارکان: ا۔احرام۔۔۔۔۲۔عرفات میں ٹھہرنا۔۔۔۔۳۔صفامروہ کے درمیان دوڑنا۔۔۔۔ ۴۔سر کے بال منڈوانا۔ **رکن** سے مراد یہ ہے کہ جس کو ادا کئے بغیر حج مکمل نہ ہو۔ واجب: اسے کہتے ہیں۔ جس کے رہ جانے سے دم لازم آئے۔

عمرہ کے ارکان: ا۔احرام۔۔۔۔۲۔طواف۔۔۔۔۳۔سعی۔۔۔۔۴۔سر منڈوانا

حج کی اقسام: ا۔مفرد۔۔۔۔۲۔تمتع۔۔۔۔۳۔قران۔

تفصیلات فقہ کی کتابوں میں دیکھ لیں۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر تم بیت اللہ تک پہنچنے سے روکے گئے۔ بوجہ بیماری یا دشمن یا خرچ ختم ہونے یا کوئی اور امر مانع ہو گیا۔ جیسے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں روک دیا گیا تھا۔ تو پھر جو بھی قربانی مکمل یا اس کا ساتواں حصہ یعنی کم از کم بکری ہو یا گائے میں ساتواں حصہ کسی جانے والے کو دیا جائے۔ تاکہ وہ وہاں قربانی کر دے مطلب یہ ہے۔ کہ احرام باندھنے کے بعد ایسی رکاوٹ ہو گئی۔ کہ مکہ مکرمہ کو نہ جا سکا۔ تو قربانی خرید کر کسی کو دے یا رقم دے کر بھیج دے کہ جانے والا حرم میں پہنچ کر وہاں اس قربانی کو ذبح کر کے خیرات کر دے۔ جب اس کے پیچھے رک جانے والے کو یقین ہو جائے۔ کہ قربانی ہو گئی ہو گی۔ تو یہ احرام کو کھول دے۔ آگے فرمایا قربانی ہونے سے پہلے نہ احرام کھولو۔ نہ سر منڈاؤ۔ یہاں تک کہ قربانی حرم میں پہنچ کر ذبح کر دی گئی۔ تو پھر بے شک احرام کھول دو۔ (آج کل ٹیلی فون سسٹم ہے۔ اس کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے۔)

مسئلہ: یہ حکم عام ہے۔ کہ حاجی مفرد ہو یا تمتع والا یا قران والا۔ قربانی ادا کرنے سے پہلے وہ سر کو منڈا نہیں سکتا۔ **مسئلہ:** حج یا عمرہ ادا کرنے کے بعد بال کتروانے سے سر منڈانا زیادہ افضل ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ تم میں سے اگر کوئی بیمار ہو۔ جس بیماری کی وجہ سے احرام کھولنا ضروری ہو۔ یا اسے سر میں زخم ہونے کی وجہ سے تکلیف ہو۔ اور مرہم پٹی کرانے کیلئے سر منڈانا ضروری ہو۔ تو فدیہ کے طور پر روزے رکھے تین دن۔ یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے۔ کہ ہر مسکین کو سوا دو سیر گندم کے دانے۔ یا آٹا دیدے۔

قربانی کے درجے: اعلیٰ درجہ جیسے اونٹ۔ درمیانہ جیسے گائے اور ادنیٰ درجہ جیسے بکری وغیرہ۔ آگے فرمایا کہ پھر

جب تم امن میں ہو جاؤ۔ یا تندرست ہو جاؤ۔ یا وسعت حاصل ہو جائے۔ یعنی رکاوٹ ختم ہو جائے۔ تو جو حج سے پہلے عمرہ کر کے نفع پائے تو اس پر دم ہے۔ یعنی پھر جو بھی آسانی سے قربانی ادا کر سکتا ہو ادا کرے۔ ایسے حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔ یعنی حج پر جانے والا پہلے عمرہ ادا کرے پھر احرام کھول دے۔ پھر حج کیلئے حج کے دنوں میں احرام باندھے۔

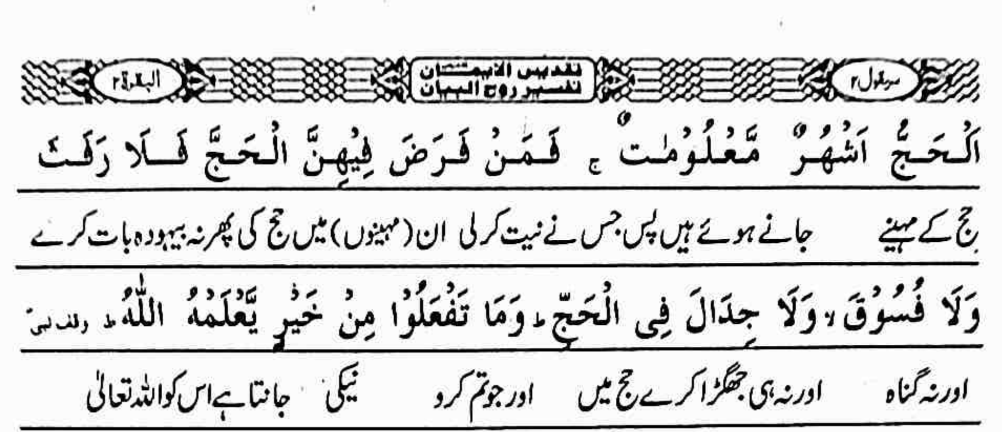
مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قربانی دس ذوالحج کو ادا کرے۔ اور جسے یہ قربانی دینا میسر نہ ہو۔ اسے چاہئے کہ وہ ان حج کے ایام میں ہی تین روزے رکھے۔

مسئلہ: یہ روزے اکٹھے رکھے یا الگ الگ دونوں طرح جائز ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ ساتویں۔ آٹھویں اور نانویں ذوالحج کے روزے رکھے۔

مسئلہ: ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے۔ یعنی دس سے بارہ ذوالحج تک۔ اور فرمایا کہ بقایا سات روزے واپس لوٹ کر یعنی حج کے اعمال سے فارغ ہو کر۔ یہاں رجوع سے مراد حج سے فارغ ہو جانا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ وہ تین روزے جن کا پیچھے بیان ہوا۔ اور یہ سات مل کر پورے دس ہو گئے۔ اس کو الگ الگ اس لئے بیان کیا۔ کہ عرب اتنے حساب کے ماہر نہ تھے۔ ان کی سہولت کیلئے ایسا فرمایا گیا۔ یعنی تمتع والے کو اگر قربانی کرنا میسر ہو تو وہ کرے ورنہ روزے رکھے۔ اور حج تمتع اس کے لئے ہے۔ کہ جو نہ ہو مسجد حرام کے قرب و جوار میں مستقل رہائش پذیر۔ چونکہ باہر سے آنے والے کیلئے ضروری ہے۔ کہ میقات سے احرام باندھے۔ اس لئے اسے عمرہ کا احرام میقات سے ہی باندھنا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ تمتع یا قران کی نیت کرے گا۔ تو اس پر دم لازم آئیگا۔ اور وہ اس کا گوشت نہیں کھا سکے گا۔ گویا حج تمتع اور قران مکہ مکرمہ والوں کیلئے نہیں بلکہ یہ باہر والوں کیلئے ہے۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ سے ڈرو۔ کہ اس کے احکام اور منہیات میں کمی بیشی نہ کرو۔ یا حج کے ارکان کی ادائیگی کے معاملے میں ڈرتے رہو۔ اور خوب جان لو۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے۔

ف: عوام کا حج یہ ہے۔ کہ وہ بیت اللہ شریف کا ارادہ اور اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور خاص لوگوں کا حج یہ ہے۔ کہ وہ رب البیت اور اس کے شہود کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے راہ دکھائے گا۔



اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے جانے ہوئے ہیں پس جس نے نیت کرلی ان (مہینوں) میں حج کی پھر نہ بیہودہ بات کرے

وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ

اور نہ گناہ اور نہ ہی جھگڑا کرے حج میں اور جو تم کرو نیکی جانتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ

وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ۚ وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور توشہ لے کر نکلو پس بے شک بہترین توشہ پرہیزگاری ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو

(آیت نمبر ۱۹۷) حج کے چند مہینے مشہور ہیں: (۱) شوال۔ (۲) ذی قعد۔ (۳) ذوالحج کے دس دن۔ یہ سب لوگوں کو معلوم ہیں۔ کیونکہ ان مہینوں کا علم تواتر اور توارث سے چلا آرہا ہے۔ پھر شریعت میں بھی ان کو اور زیادہ پذیرائی ملی۔ اور ان کو اسی طرح قائم دائم رکھا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کیلئے احرام صرف ان ہی مہینوں میں باندھنا حج کے شرائط میں سے ہے۔ ان کے علاوہ مہینوں میں حج کا احرام مکروہ ہوگا۔ البتہ عمرہ کیلئے احرام باندھا جائے تو حرج نہیں۔

مسئلہ: یہ تینوں مہینے حج کے مہینے ہیں۔ "قل هي مواقيت للناس والحج" سے معلوم ہوا۔ کہ ان دنوں کی ہر گھڑی حج کے اوقات کے ساتھ خاص کردی گئی۔ اور یہ بات تو سب کو معلوم ہی ہے۔ کہ حج خاص دنوں میں ہوتا۔ ان حج کے ایام میں احرام کسی وقت بھی باندھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ احرام عمرہ کیلئے بھی باندھا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ جس پر ان دنوں میں حج فرض ہوگیا۔ تو وہ رفث نہ کرے۔ یعنی وہ باتیں ہرگز نہ کرے جو جماع کا سبب بنتے ہیں۔ جیسے بوس وکنار یا ایسی بے ہودہ گوئی جو شہوت کو ابھارنے وغیرہ سب امور احرام کے بعد حرام ہوجاتے ہیں۔ بلکہ وقوف عرفات سے پہلے اگر ایسا کام کیا۔ تو حج ہی فاسد ہوگیا۔ اور قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں تین امور سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے علاوہ بھی کچھ امور منع ہیں۔ لیکن یہاں ان میں سے چند امور کا ذکر فرمانے سے مبالغہ مطلوب ہے۔ گویا مکلّف کو جب معلوم ہوگا۔ کہ مجھے ان ان امور سے روکا گیا ہے۔ تو وہ خوف خدا کو مدنظر رکھ کر اور بھی زیادہ ان باتوں سے اجتناب کرے گا۔ اور "لافسوق" میں گناہ کی تمام اقسام داخل ہیں۔ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ جیسے گالیاں۔ غیبتیں۔ بری باتیں۔ گندے الفاظ وغیرہ سے پرہیز ضروری

ہے۔اور "لاجـدال" میں ہر قسم کی لڑائیوں اور برائیوں سے منع کر دیا گیا کہ اس سے بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔اور ایک دوسرے سے محبت والفت ختم ہو جاتی ہے۔تو ان باتوں میں حج کے دوران بہت ہی پرہیز چاہئے۔جیسے ریشم پہننا ویسے بھی مرد کیلئے حرام ہے۔لیکن ریشمی کپڑا پہن کر نماز پڑھنا اور زیادہ منع ہے۔علی ہذا القیاس۔آگے فرمایا۔کہ جو بھی تم نیکی کرو گے۔وہ اللہ کے علم میں ہے۔اور وہی اس کا اجر دے گا۔

ف: یعنی اس آیت میں تین کاموں سے منع فرمایا۔اور ہر قسم کی نیکی کرنے کی ترغیب دی۔یعنی بری گفتگو کے بجائے اچھی کلام کرو اور فسق کے بجائے تقوی کا عمل اختیار کرو۔اور جدال کے بجائے اخلاق حسنہ اپناؤ۔اور فرمایا۔کہ اپنے ساتھ گھر سے زادراہ لے کر جاؤ یعنی کھانے وغیرہ کی اشیاء جو بھی حالات کے مطابق ہوں گھر سے نکلتے وقت وہ اپنے ساتھ لے کر حج کو جاؤ اور بہترین توشہ آخرت پرہیز گاری ہے۔

ف:انسان کے دوسفر ہیں: (۱) دنیا کا سفر۔(۲) آخرت کا سفر۔دنیا کے سفر میں زادراہ کھانے پینے کی اشیاء یا اتنے پیسے لے کر جانا ضروری ہے۔اس لئے کہ انسان کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا،اس کی وجہ سے دنیا میں پُرسکون رہتا ہے۔اور آخرت کے لئے زادراہ اطاعت الٰہی ہے۔جس کا ثمر دائمی عذاب سے نجات اور جنت کا ٹھکانہ ہے۔دنیا کا زادراہ فانی اور آخرت کا زادراہ باقی ہے۔

شـان نزول: اہل یمن کا یہ طریقہ تھا۔کہ وہ حج کیلئے گھر سے خالی ہاتھ بغیر زادراہ لئے چل پڑتے۔اور کہتے کہ ہم اللہ کے گھر کو جارہے ہیں۔وہی کھلائے گا۔لیکن راستے میں لوگوں کیلئے بوجھ بنتے بلکہ لوٹ گھسوٹ بھی کر لیتے۔اور چوری کرنا پڑتی تو وہ بھی کر لیتے۔اس لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا۔کہ حج کو جاتے وقت اپنا توشہ ساتھ لے کر جاؤ۔تاکہ نہ لوگوں سے مانگو نہ انہیں تنگ کرو۔اور بہترین راہ لوٹ گھسوٹ سے بچنا ہے اور فرمایا۔مجھ ہی سے ڈرو اے عقل مندو۔اور راہ میں خوف خدا اور تقوی کی عادت ڈالو۔امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔کہ حاجی جب تک تین کام نہ کرے اس کا حج نامنظور ہے:

(۱) ایسی پرہیز گاری جو محارم سے بچائے۔

(۲) وہ حوصلہ جو اللہ کے غضب سے بچائے۔

(۳) راستہ میں صحبت اور دوستی کا حق ادا کرے۔

اگرچہ ہر مسافر کو ان تینوں چیزوں کی اشد ضرورت ہے خاص کر مسافر حاجی کیلئے ان باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ

نہیں ہے تم پر کوئی گناہ یہ کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا پس جب تم پلٹو عرفات سے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ

توذکر کرو اللہ کا نزدیک مشعر حرام کے اور ذکر کرو اس کا جیسے اس نے بتایا تم کو اور بے شک تھے تم

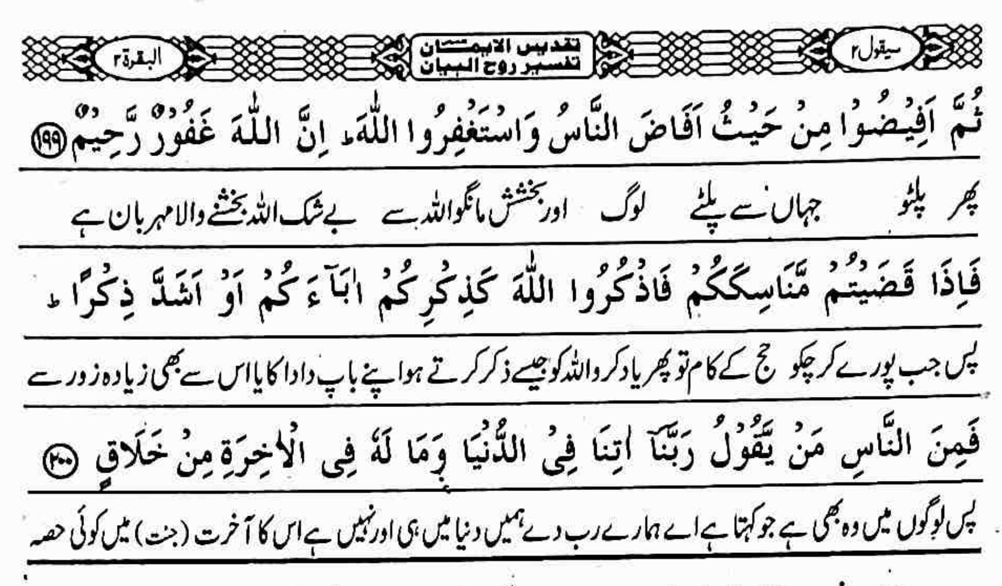
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اس سے پہلے گمراہوں میں سے

(آیت نمبر ۱۹۸) تم پر کوئی گناہ نہیں۔ کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اس سے مراد وہ منافع ہیں جو ایام حج میں تجارت سے حاصل ہوتے ہیں۔ **مسئلہ**: حج کے ایام میں تجارت مباح ہے۔ اگر تجارت نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اصلاح کا تقاضا یہی ہے۔ ان دنوں میں صرف عبادت ہی اچھی ہے۔ لیکن اگر حج کے ایام سے پہلے یا حج سے فراغت کے بعد کاروبار کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آ گے فرمایا پھر جب تم عرفات سے غروب شمس کے بعد واپس مزدلفہ کی طرف لوٹو۔

عرفات: اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں حجاج ذوالحج کی نانویں تاریخ کو پورا دن گذارتے ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق عرفات اس میدان کا نام ہے جہاں آدم اور حوا کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ عرفات کا معنی پہچاننا۔ ان کے پہچان لینے کی وجہ سے اس میدان کا نام عرفات پڑ گیا۔

مسئلہ: عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے۔ اگر وہاں نہ جا سکے تو حج نہ ہوا۔ اگر ایک ساعت کیلئے بھی وہاں پہنچایا وہاں سے گذر گیا خواہ سویا ہوا گذرے اس کا حج ہو گیا۔ آ گے فرمایا۔ کہ مشعر الحرام جو مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے، (جبل قزح) کے قریب وہاں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو۔ یعنی تسبیح۔ تہلیل۔ تحمید اور تلبیہ کہو۔ اگر چہ پورا مزدلفہ ہی ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے۔ لیکن جبل قزح کے قریب ذکر کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جیسے عرفات سارا ہی ٹھہرنے کا مقام ہے۔ مگر جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا زیادہ افضل ہے۔ اسی طرح مشعر الحرام کے پاس زیادہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ جاہلیت میں وہاں آگ جلا کر پوجا ہوتی تھی۔ اس لئے وہاں ذکر کا حکم دیا۔ آ گے فرمایا۔ کہ اللہ کو ایسے یاد کرو۔ جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی۔ یعنی جس یاد کے ساتھ رغبت اور رخوف بھی ہو۔ اور ان مقامات پر ذکر بھی واجب اور شکر بھی ضروری ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ تم اس سے پہلے گمراہی میں تھے یعنی ایمان وعبادت سے لاعلم تھے۔



ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر پلٹو جہاں سے پلٹے لوگ اور بخشش مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

پس جب پورے کر چکو حج کے کام تو پھر یاد کرو اللہ کو جیسے ذکر کرتے ہو اپنے باپ دادا کا یا اس سے بھی زیادہ زور سے

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پس لوگوں میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہمیں دنیا میں ہی اور نہیں ہے اس کا آخرت (جنت) میں کوئی حصہ

(آیت نمبر ۱۹۹) پھر تم واپس لوٹ آؤ جہاں سے لوگ واپس لوٹ آئے یعنی عرفات سے۔

شان نزول: قریش مکہ اور ان کے حلیف مزدلفہ جاتے اور عرفات میں جانے کو اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ اور کہتے کہ عرفات حل میں ہے۔ اور ہم حرم میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔ اور باقی اہل عرب عرفات میں ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے جاتے تھے۔ اس پر حکم الٰہی اترا۔ کہ عرفات میں جا کر واپس مزدلفہ آؤ۔ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش بھی مانگتے رہو۔ تا کہ جو تم سے غلطیاں ہوتی رہیں ان کی بخشش ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اہل عرفات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے خوش ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ اے میرے بندو دور دور سے میلے کچیلے کپڑوں سے آئے ہو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (الترغیب والترہیب باب وقوف عرفہ)

(آیت نمبر ۲۰۰) پھر جب تم مناسک حج کو مکمل کر لو۔ یعنی حج کے تمام افعال کر کے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ جیسے تم جاہلیت میں باپ دادا کو پورے زور سے یاد کرتے تھے۔ یا اس سے بھی زیادہ سخت کر کے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی۔ کہ ذکر بالجہر کرنا جائز ہے۔ **شان نزول:** اہل عرب کی عادت تھی۔ کہ حج سے فارغ ہو کر کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر اپنے باپ دادا کی اونچے آواز میں خوب جھوٹی سچی تعریفیں کرتے۔ تا کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو۔ آگے فرمایا کہ لوگوں میں بعض وہ حاجی ہیں۔ جو حج کے بعد صرف دنیا کا مال و دولت مانگتے ہیں۔ لہٰذا ان کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ انہوں نے اتنی بڑی ذات سے بہت حقیر چیز مانگی اور ان کے حج کا مقصد ہی گویا حصول دنیا تھا۔ اور آخرت کو انہوں نے کچھ نہیں سمجھا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے۔ کہ ان کا آخرت پر ایمان ہی نہیں تھا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا

13/13

اوران میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہمیں دنیا میں اچھائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچا ہمیں

عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

عذاب دوزخ سے۔ ایسوں کیلئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

(آیت نمبر ۲۰۱) اور حج کرنے والوں میں بعض وہ بھی ہیں۔ جو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دونوں جہانوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی (یعنی صحت اور بقدر ضرورت معاش) عطا فرما۔ صاحب تیسیر فرماتے ہیں حسنہ ہر قسم کی بھلائی کو کہتے ہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں بھی بھلائی یعنی ثواب اور رحمت عطا فرما۔ ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں۔ کہ دنیا کی بھلائی نیک بخت زندگی اور شہادت کی موت ہے۔ اور آخرت کی بھلائی سے مراد قبر میں آرام کے ساتھ رہنا اور قبر سے پُرسکون اٹھنا اور پل صراط سے پرامن گذرنا۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اے رب ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یعنی مومن دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور اپنے دامن کو خوب پھیلا کر مانگتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حج میں بہت زیادہ ذکر کرو اور رب سے دونوں جہان کی سعادت مانگو۔

(آیت نمبر ۲۰۲) وہ لوگ جو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں۔ ان سے دنیا میں چونکہ نیک اعمال صادر ہوتے رہے۔ اس لئے ان کیلئے بہت بڑا حصہ ہے۔ یعنی ان کی نیکیوں کے مطابق منافع بہت زیادہ ہے۔ کہ وہ ان نیک اعمال کی ہی وجہ سے ثواب حسن کے مستحق ہوئے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی حساب کے بعد پکڑ بھی ہو سکتی ہے۔ اور عطا بھی ہو سکتی ہے۔ ف: یعنی اللہ تعالیٰ انسانوں کی اتنی بڑی کثرت اور ان کے اعمال کی کثرت کے باوجود ایک لمحہ میں حساب لے لے گا۔ اس لئے کہ اسے نظر وفکر کی کوئی محتاجی نہیں ہے۔ لہذا اے لوگو جس ذات کی اتنی بڑی شان ہے۔ اس کی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرو۔ اور اس بات سے ڈرو کہ قیامت میں حساب بھی ہونے والا ہے۔ ف: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کو یوں یاد کرو۔ کہ جیسے چھوٹا بچہ ماں باپ کو یاد کر کے کہتا ہے۔ ہائے ابا ہائے اماں۔ اسی طرح ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ ہر وقت کہے یارب یارب۔ ایام حج میں بندہ تسبیح وتہلیل اور حمد وثناء میں لگا رہے۔ اور اپنے باطن کے اصلاح کی طرف پوری توجہ رکھے۔ تاکہ اس کا حج حج مبرور ہو جائے۔ **حدیث قدسی** میں ہے: بروز قیامت سب سے زیادہ قابل رشک وہ بندہ ہوگا جس کی دنیا میں آمدنی کم اور عبادت زیادہ ہوگی۔ اور لوگوں سے چھپ کر اطاعت میں سرگرم رہا ہو۔ حدیث میں ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مذکورہ دعا بہت زیادہ مانگتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الذکر والدعا، ابوداؤد حدیث نمبر ۱۵۱۹)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور ذکر الٰہی کرو گنے ہوئے دنوں میں پس جو جلدی کرے دو دن میں نہیں گناہ اس پر اور جو (ایک دن) مزید رہے

فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

پھر بھی نہیں گناہ اس پر اس کیلئے جو تقوی اختیار کرے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بے شک تم طرف اس کے اکٹھے کئے جاؤ گے

(آیت نمبر ۲۰۳) حج کے اعمال ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب بڑھائی بیان کرو۔ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔ یعنی ایام تشریق میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ یوم عرفہ سے لیکر ایام تشریق کے آخری دن تک ہر نماز کے بعد خوب ذکر کرو۔ اور ایام سے مراد ذوالحج کے دن ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ جو شخص جلدی کرتا ہے۔ یعنی منی سے جلد جانا چاہتا ہے۔ یوم نحر کے دو دنوں یعنی ذوالحج کی بارہ تاریخ کو کنکریاں مارنے کے بعد مکہ آ جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اور تیرھویں تک رہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: منی میں تین دن گذارنے ہوتے ہیں۔ دو دن میں رمی جمار (شیطانوں کو کنکر) مار کے نکل جانا چاہتا ہے۔ تو اس میں اسے کوئی بھی گناہ نہیں ہے۔ **مسئلہ**: حاجی کیلئے ضروری ہے۔ کہ ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات منی میں گذارے۔ اور ان دو دنوں میں سورج کے زوال کے بعد اکیس اکیس کنکریاں شیطانوں کو مارے۔ **مسئلہ**: جو شخص پہلے اور دوسرے دن کی کنکریاں مارے۔ اور تیسرے دن کی کنکریاں بھی دوسرے روز مارے اور منی سے جانا چاہے۔ تو اسے شریعت نے جانے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ **مسئلہ**: جو آدمی دوسرے روز غروب شمس تک منی سے نہیں نکل سکا۔ اس کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ تیسری رات بھی منا میں ہی گذارے۔ اور اگلے روز کی کنکریاں مار کر منی سے جائے۔ یہی امام شافعی اور صاحبین کا مذہب ہے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی حجاج کے لئے جلدی جانے اور لیٹ ہونے میں اختیار ہے۔ یہ جلدی یا لیٹ کی اجازت اسے ہے۔ جو دل میں خوف خدا رکھے۔ یعنی ہر قسم کے گناہوں سے بچے اور اصل حاجی بھی وہی ہے۔ جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ اس لئے کہ اللہ متقین سے محبت فرماتا ہے۔ اور ان کے اعمال قبول فرماتا ہے۔ اس لئے پھر فرمایا۔ اللہ سے ڈرو۔ تا کہ تمہیں حج کا پورا ثواب ملے۔ اور یہ بھی جان لو کہ تم قیامت کے دن اپنے اعمال کی جزاء اور سزا کیلئے اکٹھے کئے جاؤ گے۔

ف: ابوالعالیہ فرماتے۔ کہ حاجی قیامت کے دن جب حاضر ہوگا۔ اس کے اعمال میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔ حج مبرور کی علامت یہ ہے۔ کہ حج کے دوران اسے دنیا کی طرف خس برابر بھی خیال نہ آیا ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ

اور لوگوں میں وہ ہے جس کی بھلی لگے بات زندگانی دنیا میں اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ

اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب منہ موڑے تو کوشش کرتا ہے زمین میں کہ فساد کرے اور تباہ کرتا ہے

الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

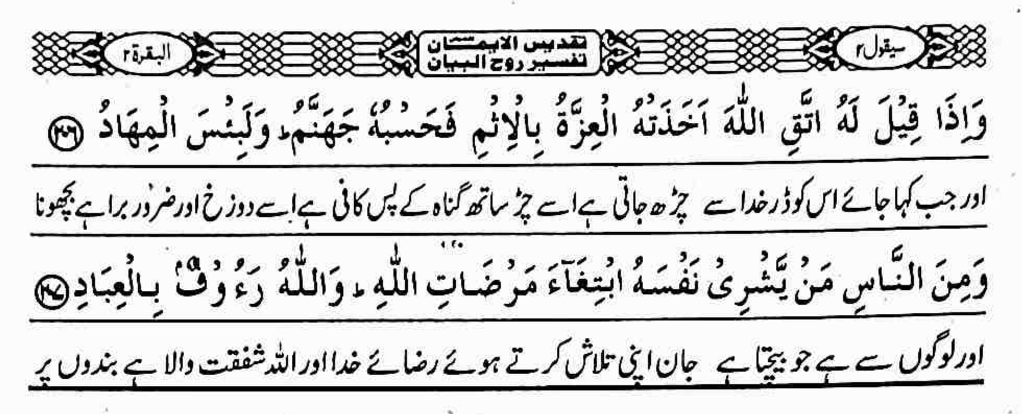
کھیتی اور نسل کو اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کو

(بقیہ آیت نمبر ۲۰۳) جیسے آج کل حجاج حضرات حج کا دھیان کم اور خرید وفروخت اور واپس بھاگنے کا خیال زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا گیا۔ کہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہو۔ بلکہ ہمہ وقت دل آخرت کی طرف لگا ہو۔ **حدیث** میں ہے۔ کہ جو حلال کمائی سے حج کرے۔ اسے ہر قدم پر ستر ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ ستر گناہ معاف اور ستر درجے بلند ہوتے ہیں۔ (مفاتیح الجنان)

(آیت نمبر ۲۰۴) لوگوں میں ایک وہ شخص ہے۔ جس کی باتیں آپ کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ دنیا کی زندگی میں۔ یعنی اس کی باتوں کا تعلق دنیا سے ہے۔ تمہیں اس کی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ان باتوں میں دنیوی طور پر مٹھاس اور فصاحت وبلاغت ہے۔ آخرت میں تو اس کی برائی خود ہی ظاہر ہو جائے گی۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ اپنی باتوں میں اللہ کو گواہ بناتا ہے۔ یعنی اللہ سے محبت اور حضور سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اوپر اوپر سے اسلام کا شیدائی بنتا ہے۔ حالانکہ وہ اندر سے مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت اور دشمنی رکھتا ہے۔ اور وہ سخت قسم کا جھگڑالو ہے۔

شان نزول: یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی۔ جو بظاہر حضور ﷺ سے محبت کا دم بھرتا تھا۔ اور اندر سے سخت مخالف تھا۔ اور مسلمانوں کے بھی خلاف تھا۔ پرلے درجے کا فسادی تھا۔

(آیت نمبر ۲۰۵) وہ جب حضور ﷺ کی مجلس سے واپس جاتا۔ تو وہ زمین میں جدھر سے گذرتا۔ فساد ہی ڈالتا جاتا۔ یعنی جھگڑا اس کے فساد کی علت ہے۔ اور جدھر جاتا۔ لہلہاتی کھیتی کو اجاڑ دیتا تھا۔ اور حیوانوں کی نسل کو تباہ کرتا۔ یعنی حیوان کا کوئی بچہ نظر آتا اسے مار دیتا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ اور جو فساد پسند کرے اس کو بھی اللہ پسند نہیں فرماتا۔ فساد کا لغوی معنیٰ ہے۔ کہ کسی اچھی چیز کو غرض فاسد کیلئے بے کار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے کسی فعل میں بھی غرض فاسد نہیں بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہی ہے۔ اور نہ وہ کسی غرض فاسد کا حکم دیتا ہے۔ نہ اسے پسند کرتا ہے۔



وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب کہا جائے اس کو ڈر خدا سے چڑھ جاتی ہے اسے چڑ ساتھ گناہ کے پس کافی ہے اسے دوزخ اور ضرور برا ہے بچھونا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور لوگوں سے ہے جو بیچتا ہے جان اپنی تلاش کرتے ہوئے رضائے خدا اور اللہ شفقت والا ہے بندوں پر

(آیت نمبر ۲۰۶) اور جب اس فسادی اور منافق کو بطور نصیحت کے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر۔ اور اس منافقت اور فساد وغیرہ سے باز آ۔ جو تو نے ہر طرف شر اور فساد مچا رکھا ہے۔ اور اپنے گندے کرتوت چھوڑ دے کہ جس سے سب لوگ پریشان ہیں۔ تو اسے اپنی بناوٹی عزت سامنے آجاتی ہے جو اسے جاہلیت کے طریقے اور گناہوں پر ابھارتی ہے۔ اور وہ بدزبانی اور بدکلامی شروع کر دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بڑا معزز بناتا ہے۔

فائدہ: آج کل کے واعظ اور جاہل پیر بھی جو چاپلوسی اور عناد میں خوش رہتے ہیں۔ انہیں بھی اگر کسی بات سے روکو تو آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اسے جہنم کی سزا ہی کافی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ سب سے بڑا گناہ گار وہ ہے۔ جسے کوئی کہے اللہ سے ڈر۔ اور وہ اسے کہے کہ تو جا اپنا کام کر (طبرانی فی الکبیر)۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا۔ اللہ سے ڈر۔ تو آپ نے سنتے ہی اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ (آپ نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے کیا)۔

(آیت نمبر ۲۰۷) اور لوگوں میں وہ بھی ہیں۔ جو اللہ کی رضا چاہنے کیلئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتے ہیں (تن من قربان کرتے ہیں) نفس کو بیچنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ بندہ عبادت اور اطاعت یعنی نماز۔ روزہ، حج وزکوۃ اور جہاد جیسے اعمال اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرتا ہے۔ اور اس ذریعے سے ثواب حاصل کرتا ہے۔ تو گویا اس نے اس طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچ ڈالا۔ یہ رضاء الٰہی حاصل کرنے کا اعلیٰ طریقہ ہے۔ اس نے ثواب بھی پایا اور اسے اللہ کا فضل ورحمت بھی حاصل ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ **ف:** رضاء الٰہی حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مال وجان راہ خدا میں دے اور جنت حاصل کرے۔ اس کے باوجود کہ یہ سب چیزیں دی ہوئی بھی اسی کی ہیں۔ پھر بھی بے پایاں فضل ورحمت ان کو عطا کر دیئے۔ **ف:** منافقوں کی اخلاقی پستی کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان خاص کا ذکر فرمایا۔ جو اپنا تن من دھن اور وطن اپنے مولا کی رضا میں قربان کرتے ہیں۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ مال وجان اللہ کی راہ میں لگانے والوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جو مال وجان دے کر جنت خریدتے ہیں۔ (۲) وہ جو مال وجان دے کر رضاء مولیٰ حاصل کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

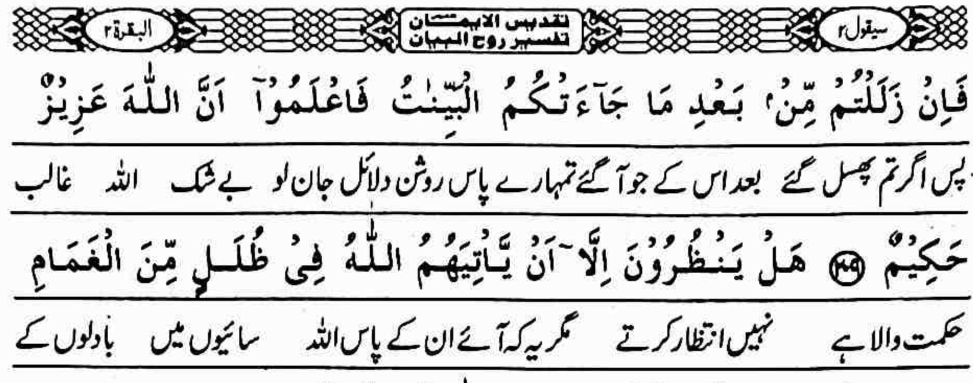
اے ایمان والو — داخل ہو جاؤ — اسلام میں پورے پورے اور نہ پیروی کرو قدموں — شیطان کی

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

بے شک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا مکھلا

(بقیہ آیت نمبر ۲۰۷) **شانِ نزول:** حضرت صعیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہجرت کی غرض سے مکہ شریف سے نکلے۔ تو ان کو مشرکین نے گھیر لیا۔ ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ اور جب ان کے قریب آئے تو ان کی گود میں کافی تیر تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ میں ایک ایک کو تیروں سے چھلنی کر دونگا۔ اور باقی لوگوں کا تلوار سے صفایا کر دونگا۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ ساتھ ہی ان کو لالچ دے کر فرمایا کہ اگر تم نے مجھے مار بھی لیا تو تمہیں کیا ملے گا۔ میں تو ویسے بھی موت کے قریب ہوں۔ تم یوں کر لو کہ مکہ مکرمہ میں میرا جتنا مال ہے۔ جتنے مکان یا جائیداد ہے وہ تم لے لو۔ اور مجھے مدینہ پاک جانے دو۔ تو انہوں نے ان کی بات مان لی اور راستہ چھوڑ دیا اور یہ سیدھے مدینہ طیبہ میں حضور کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اور پہلی ملاقات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ تو انہوں نے حضرت صعیب کو مبارک باد دی اور فرمایا۔ کہ بہت اچھا سودا کیا۔ اور اس تجارت میں تمہیں بہت نفع ہوا۔ اور انہیں اس آیت کا شانِ نزول بھی سنایا۔ **سبق:** بندے پر فرض ہے۔ کہ وہ مخلوق سے کٹ کر حق کی طرف راہ تلاش کرے۔ اور تمام مشکلات سے گذر جائے۔ تاکہ توحید الافعال کے جلوے نظر آ جائیں۔ ع: گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے۔

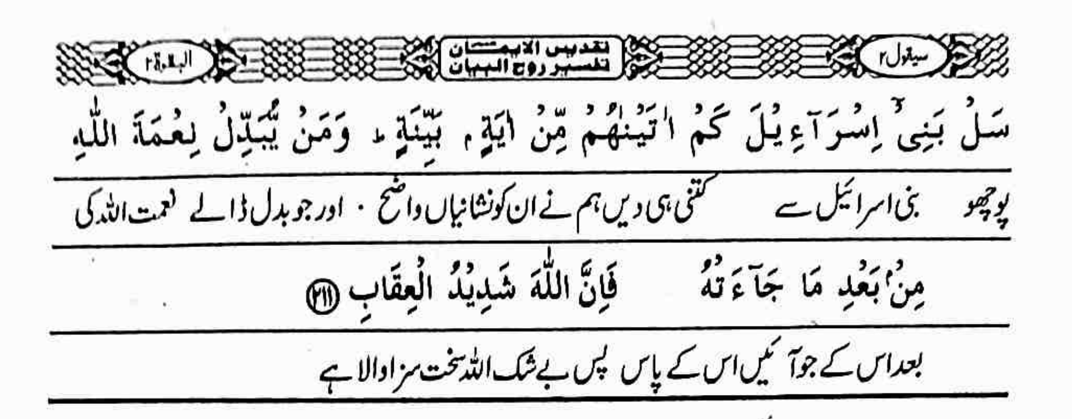
(آیت نمبر ۲۰۸) یہ خطاب زبانی کلمہ گو مسلمانوں سے ہے یا منافقین سے ہے۔ تم اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پورے طور پر بجالاؤ۔ آج کل کی طرح کچھ لوگوں کی عادت تھی۔ وہ مسلمان ہو کر بھی بعض دوسرے مذاہب کی باتوں پر عمل کرتے۔ اور اسلام میں ضروری اعمال سے نفرت کرتے۔ اس لئے انہیں فرمایا کہ شیطان کے پیچھے مت چلو۔ یعنی اس کی اطاعت نہ کرو۔ کہ وہ تمہیں گندے وسوسے ڈال کر گمراہی کی طرف لے جائیگا۔ اور بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے۔ اس لئے وہ تمہیں غلط مشورے دیتا ہے۔ کہ سب مذہبوں والے صحیح ہیں۔ کسی مذہب پر بھی عمل کرو۔ تو تم ٹھیک ہو۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ع: کعبہ کا حج بھی گنگا کا اشنان بھی۔ راضی رہے اللہ خوش رہے شیطان بھی۔۔۔۔ یہ دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے۔ دونوں بیڑیوں پر پاؤں رکھنے والا کبھی کنارے نہیں لگتا۔



(آیت نمبر۲۰۹) پھر اگر تمہارے قدم پھسل گئے۔ یعنی صحیح عقیدے اور اچھے عمل سے تم پھر گئے۔ اس کے بعد کہ تمہارے پاس دلائل اور شواہد بھی آ گئے۔ تو پھر جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ تم سے انتقام لینے میں عاجز نہیں۔ اور حکمت والا ہے۔ **مسئلہ**: اس آیت میں غلط کار لوگوں کو تنبیہ ہے۔ جو اپنے عمل اور عقیدے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ اور جیسے اس آیت میں وعید ہے۔ اس طرح اس آیت میں لفظ حکیم میں وعدہ کریمہ بھی موجود ہے۔ اس سے امید ہے۔ کہ اچھوں کو اچھا انعام واکرام بھی دے گا۔

(آیت نمبر۲۱۰) یہ منافق جو شیطان کے پیروکار ہیں۔ وہ تو صرف یہی انتظار کر رہے ہیں۔ کہ ان کے پاس خود اللہ آئے۔ یا مراد ہے۔ کہ ان پر اللہ کا عذاب آ جائے۔ اللہ تعالیٰ تو آنے جانے سے پاک ہے۔ اس سے مراد عذاب کا آنا ہے۔ **عقیدہ**: اس طرح کی آیات کے بارے میں متقدمین کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ ان کے ظاہر پر ایمان لایا جائے۔ اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ ان میں سکوت اولیٰ ہے۔ یا وہ یہ کہتے یا اس انتظار میں تھے۔ کہ اللہ بادلوں کے سائے میں آئے۔ اور ساتھ فرشتے بھی آئیں۔ گویا ان کی سوچ یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ آ کر کہے یہ میرے نبی ہیں اور فرشتے اس کی تائید کر دیں۔ تو پھر ہم مانیں گے۔

حکایت: حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ یہی آیت پڑھی۔ اور اس میں تدبر اور تفکر کیا۔ تو آہ آہ کرتے کرتے اسی میں وفات پا گئے۔ اور فرمایا۔ کہ جب اللہ اور فرشتے آئیں۔ تو یہ کہاں رہیں گے۔ ان کی ہلاکت اسی وقت ہو جائے۔ آگے فرمایا کہ اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جائیں گے۔ یعنی بروز قیامت اللہ تعالیٰ ہی کے پاس سب بندوں نے حاضر ہونا ہے۔ وہی فیصلہ فرمائے گا۔ وہی نیک لوگوں کو ان کے نیک اعمال پر ثواب اور بروں کو ان کے کرتوتوں پر عذاب دینے والا ہے۔



سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍ ۭ بَیِّنَةٍ ۭ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰہِ

پوچھو بنی اسرائیل سے کتنی ہی دیں ہم نے ان کو نشانیاں واضح ۔ اور جو بدل ڈالے نعمت اللہ کی

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بعد اس کے جو آئیں اس کے پاس پس بے شک اللہ سخت سزا والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۰) **سبق**: مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ کہ پوری زندگی اطاعت الٰہی میں گذارے۔ نافرمانی اور خواہشات نفسانی سے اور شیطان کی پیروی سے بچتا رہے۔ حدیث: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں تیری امت سے شیطان کو دور کرتا ہوں لیکن یہ پھر بھی شیطان کی پیروی کر کے میری نافرمانی کرتے ہیں۔ (بحار الانوار)

(آیت نمبر ۲۱۱) یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے۔ کہ آپ ان بنی اسرائیل سے پوچھیں۔ یا یہ عام خطاب ہے۔ کہ کوئی بھی پوچھے ان بنی اسرائیلیوں سے جو حضور ﷺ کے زمانے والے ہیں۔ کہ ان کے آباء واجداد کو کتنی ہی نشانیاں ان کے انبیاء نے دکھائیں۔ یعنی معجزات وغیرہ۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے عصاء اور ید بیضاء دکھایا۔ پھر عصا سے بے شمار کمالات دکھائے اور ہاتھ کا روشن ہونا بہت بڑا معجزہ تھا۔ یا ان کی دعا سے من سلویٰ اترا۔ تو پھر جو اللہ کی نعمت کو بدل ڈالے۔ چونکہ تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہدایت کا پانا ہے۔ اس افضل نعمت کو گمراہی سے بدل کر وہ کافر ہو جائے۔ اور اس کے بعد کہ جب آیات ان کے پاس آئیں، یعنی قرآن آیا۔ اور نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ اور ان کو پہچان لیا۔ کہ یہ رسول برحق ہیں۔ پھر وہ جان بوجھ کر ان کے منکر ہو گئے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ف: ابن التجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نعمت کو لاعلمی میں بدلنا بھی جرم ہے۔ علم ہوتے ہوئے بدلنا اس سے بھی زیادہ سخت جرم ہے۔ اس لئے جن علماء نے علم ہوتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا۔ انہیں بے علم اور جاہل لوگوں کی نسبت زیادہ سزا ملے گی۔ کہ انہوں نے لوگوں کو جان بوجھ کر گمراہ کیا۔ تو جو لوگ انہیں دیکھ کر گناہ کرتے رہے۔ ان کا بھی ڈبل جرم ہے کہ انہوں نے خود تحقیق کیوں نہ کی۔ اس لئے عذاب انہیں بھی ڈبل ملے گا۔ اسی لئے فرمایا: "لکل ضعف" ہر ایک کو ڈبل عذاب ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا م وقف لازم

زینت کی گئی ان کے لئے جو کافر ہیں زندگی دنیا میں اور ہنستے ہیں ان سے جو ایمان لائے

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

(لیکن) وہ جو متقی ہیں اوپر ہونگے دن قیامت کے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے

(آیت نمبر۲۱۲) کفار کیلئے دنیا کی ہی زندگانی کو مزین بنایا گیا۔ یعنی ان کی آنکھوں میں دنیا بڑی خوبصورت بنائی گئی۔ تاکہ ان کے دلوں میں اس کی محبت خوب راسخ ہو۔ اور وہ اس کی محبت میں اندھے ہوگئے۔ اور وہ پھر غرباء اور فقراء مسلمانوں کو دیکھ کر ان پر ہنسی اور مذاق کرتے۔ اس لئے کہ وہ انہیں گھٹیا سمجھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے۔ حالانکہ ان بندگان خدا نے دنیا کی لذات کو رضا الٰہی کیلئے ترک کیا۔ تو یہ متقی لوگ قیامت کے دن کفار کو جہنم کے عذاب میں مار پٹتی دیکھ رہے ہوں گے۔ کیونکہ ایمان والے بہت بلند مقام یعنی اعلیٰ علیین میں ہونگے۔ اور کفار اسفل سافلین یعنی نچلے درجے میں مار کھا رہے ہوں گے۔ اہل ایمان کو جہنم میں کافروں کو سزا ملتی ہوئی نظر آ رہی ہوگی۔ تو اس وقت وہ تماشا دیکھ کر ہنس رہے ہونگے۔ آگے فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے۔ اس لئے۔ کہ اسے کسی شیء کے ختم ہونے کا کوئی ڈر نہیں۔ اور وہ غنی ہے۔ اپنی حکمت اور وسعت کے مطابق بندوں پر بھی وسعت فرماتا ہے۔ تاکہ انہیں کچھ دن مہلت مل جائے۔

ف: یعنی کفار غریب مسلمانوں عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار، صعیب اور حبیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر ہنستے اور انہیں بہت گھٹیا خیال کرتے اور کہتے کہ انہوں نے دنیا کی لذتوں کو چھوڑا اور اپنے آپ کو عبادات کے عذاب میں مبتلا کیا۔ اپنے آرام کو ضائع کیا۔ تو وہ ان سے طرح طرح کی ہنسیاں مزاخیں کیا کرتے تھے۔ لیکن قیامت کے دن جب ان غریب مسلمانوں کو بہت بڑی کرامات سے نوازا جائیگا۔ اس وقت ان ہنسی مزاق کرنے والے کفار کو پتہ چلے گا کہ جنہیں ہم گھٹیا سمجھتے تھے وہ کتنے بڑے فائدے میں رہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں زیادہ فقراء و مساکین کو دیکھا اور پھر جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا۔ تو اس میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر۱۶۶۶۲)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

تھے لوگ دین ایک پر پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والے اور اتاری ان کے ساتھ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

کتاب برحق تاکہ فیصلہ کرے درمیان لوگوں کے اختلاف کیا انہوں نے جس میں اور نہیں اختلاف کیا اس میں

اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ

مگر انہوں نے جو دیئے گئے وہ بعد اس کے جو آئیں ان کے پاس واضح دلیلیں سرکشی کرتے ہوئے آپس میں پس ہدایت دی اللہ نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

ان کو جو ایمان لائے جس میں اختلاف کیا انہوں نے حق کی طرف اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

طرف راستے سیدھے کے

(آیت نمبر ۲۱۳) لوگ ایک ہی جماعت تھے۔ یعنی ایمان اور حق کے اتباع میں حضرت آدم علیہ السلام سے جناب نوح تک ایک ہی ملۃ واحدہ تھے۔ ان کے درمیان صدیوں کے حساب سے زمانہ گذرا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ یعنی جب لوگوں میں اختلاف ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات میں فیصلہ کریں۔ اور وہ رسول اہل ایمان کو اور حق پر چلنے والوں کو جنت کی بشارت دیں۔ اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اور ان انبیاء علیہم السلام میں بعض پر اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی اتاری۔ ہر نبی کسی نہ کسی کتاب پر عمل کرانے والا ہوا۔ کوئی نبی اگر کتاب لیکر نہیں آیا۔ تو سابق نبی کی کتاب پر عمل کرتے اور کراتے تھے۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دیتے۔ اس حال میں کہ وہ کتاب حق و صداقت پر مبنی ہوتی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس حق کے ذریعے لوگوں میں فیصلہ فرمائے۔ کہ جس میں انہوں نے اختلاف کیا۔

کتاب تو اس لئے دی گئی۔ کہ وہ اختلاف کو ختم کریں۔ لیکن ان لوگوں نے اسی کتاب میں اختلاف کو اور زیادہ سخت کیا۔ اس کے باوجود کہ وہ کتاب کی حقانیت سے بھی پوری طرح واقف تھے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ

یا تم نے خیال کیا کہ تم داخل ہو جاؤ جنت میں اور ابھی نہیں آئی تمہارے پاس روداد ان کی جو گذر گئے پہلے تم سے

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پہنچی انہیں تنگی اور تکلیف اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھے رسول اور وہ جو ایمان لائے

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

اس کے ساتھ کب آئے گی مدد اللہ کی خبردار بے شک مدد اللہ کی قریب ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۳) اور یہ اختلاف انہوں نے واضح دلائل ملنے کے بعد کیا۔ اور ان کے اختلاف کی بنیاد صرف آپس کی بغاوت تھی۔ اور دوسرا دنیا کی محبت میں وہ مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے سے حسد تھا۔ جیسے آج کل کے اختلاف میں بنیاد صرف حسد ہے۔ اور یہ حسد کی بیماری تو ہمیشہ لوگوں میں رہی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حق بات میں اختلاف کرنا دین کا پرانا مسئلہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت بخشی۔ کہ وہ کتاب پر ایمان لائے۔ اور ہدایت عطا کی اس بات میں کہ جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اپنے اذن اور حکم سے۔ یعنی اپنے لطف ورحمت سے ان کیلئے ہدایت کو آسان کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نور توفیق سے حق کو باطل سے الگ کر کے پہچان لیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ پھر اسے گمراہی کی طرف جانے کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ وہ ہدایت پر ہی قائم رہتا ہے۔

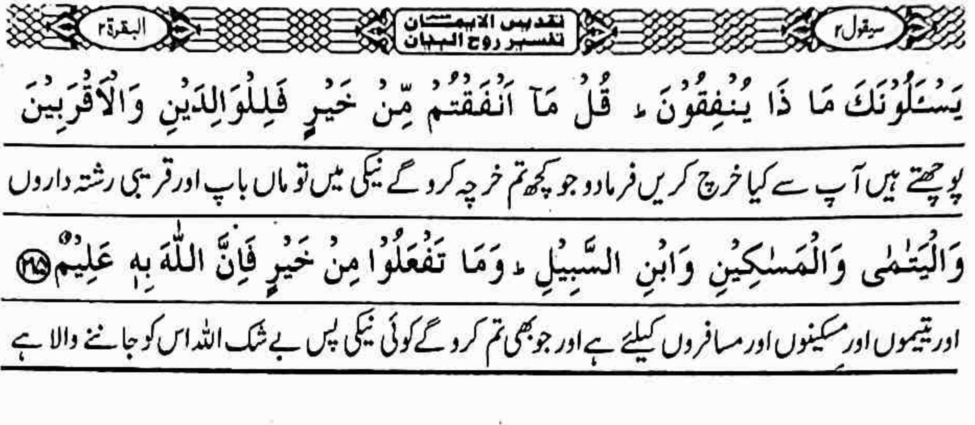
(آیت نمبر ۲۱۴) یا تم نے یہ گمان کر لیا ہے۔ (یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے)۔ سابقہ نبیوں کے زمانے میں لوگوں کے اختلافات کو ذکر کرنے کے بعد اب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب فرمایا تا کہ ان میں قوت وہمت ہو۔ اور وہ کفار کی مخالفت پر صبر کرنے میں ثابت قدمی کا درس سیکھیں۔ اور صبر کا انجام کامیابی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اے مسلمانو تمہارے لئے مناسب نہیں۔ کہ تم ایسے ویسے گمان کرو۔ چونکہ ابھی تمہارے پاس نہیں آئیں مثالیں ان لوگوں کی۔ جو تم سے پہلے گذر چکے۔ یعنی پہلے لوگوں کا حال جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر لوگوں کو ہدایت دیتے تو پھر ان اہل ایمان پر جو مصائب آئے۔ جیسے تم مصائب میں مبتلا ہوئے ہو۔ اس میں کفار کی فضیحت اور شدت کی تمثیل ہے۔ یعنی تمہیں ان کی طرح تکالیف ومصائب نہیں پہنچے جو سابقہ مسلمانوں کو پہنچے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان کا عجیب حال بھی بیان فرمایا۔ کہ انہیں سخت خوف اور فاقے آئے۔ اور تکالیف اور بیماریاں بھی آئیں۔ اور کفار کے

ہاتھوں مسلمان ان سخت قسم کی تکالیف سے اور دردو آلام سے ہلا دیئے گئے اور معاملہ اتنا سنگین ہوا۔ کہ وہ اضطراب کے اظہار پر مجبور ہوگئے۔ یہاں تک کہ رسول بھی فرماتے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملات کو بہت جاننے اور ماننے والے ہوتے ہیں۔ اوران کے متبعین اہل ایمان جو صحیح ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ اوران کے انوار سے چمک پانے والے تھے۔ وہ بھی کہنے لگے۔ کہ یا اللہ تیری مدد کب آئیگی تو نے ہمیں وعدہ دیا ہوا ہے۔ (چونکہ ان کو دکھ اور تکالیف اٹھاتے مدت گذر گئی تھی)۔ دکھ اور تکلیف کا زمانہ تھوڑا بھی طویل معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ خبردار بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔ چونکہ انہوں نے مدد اللہ سے طلب کی لہذا اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی تمنا پوری کی بلکہ اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ یعنی جب یہ ارشاد ہوا کہ مدد اللہ کی قریب ہے۔ لفظ قریب میں قرینہ بتاتا ہے۔ کہ فی الفور ان کی مدد کر دی گئی۔

ف: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جب تک آدمی خواہشات نفسانیہ اور دنیا کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا۔ اور مصائب وتکالیف پر صبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ تک بھی اس کا پہنچنا مشکل ہے۔ **حدیث:** میں آتا ہے۔ حضرت خباب بن ارت فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں کفار کی طرف سے ملنے والی تکالیف کا ذکر کیا۔ تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کو اس سے بھی سخت تکالیف دی گئیں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی کے سر پر آرہ رکھا جاتا۔ اور اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ اور کسی کے جسم پر لوہے کے کنگھے سے اس کے گوشت اور ہڈیوں کو الگ الگ کر دیا جاتا۔ پھر بھی وہ دین پر ڈٹے رہے (تفسیر کبیر امام رازی)۔ لیکن اب وہ وقت بھی دور نہیں۔ کہ جب صنعاء سے حضرموت تک اکیلے مسافر کو کسی کا خوف خطر نہ ہوگا سوائے اللہ کے۔ **ف:** جنگ احزاب کے موقع پر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی ایک ایسا موقع آیا۔ کہ صبر کا جام لبریز ہوگیا۔ انتہائی سخت تکلیف کا موقع درپیش ہوگیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح ونصرت کی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایسی سخت تیز اور ٹھنڈی ہوا بھیجی۔ کہ پھر وہ مزید ایک رات بھی نہ ٹھہر سکے۔ اور ذلیل ہو کر وہاں سے بھاگے۔

سبق: یہ قانون خداوندی ہے۔ کہ سب سے زیادہ مصائب وآلام انبیاء کرام رضی اللہ عنہم پر آئے۔ اور پھر ان کے اتباع میں تمام اولیاء کرام پر کہ جس کا جتنا زیادہ نبوت سے قرب ہوا۔ اسی قدر ان پر مصائب وآلام بھی آئے۔

درس عمل: طالب راہ کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ فقر وفقیری کی راہ میں مصائب کو برداشت کرے۔ تاکہ اسے جمال الٰہی کی جنت اور دار القرار کا داخلہ نصیب ہو۔ جب وہ کثرت جہاد سے صبر کے پہاڑ بنے تو مشاہدۂ جمال اور حجابات اٹھ گئے۔ اور ان کے لئے جمال الٰہی کے انوار روشن ہوگئے۔



يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمادو جو کچھ تم خرچہ کرو گے نیکی میں تو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے اور جو بھی تم کرو گے کوئی نیکی پس بے شک اللہ اس کو جاننے والا ہے

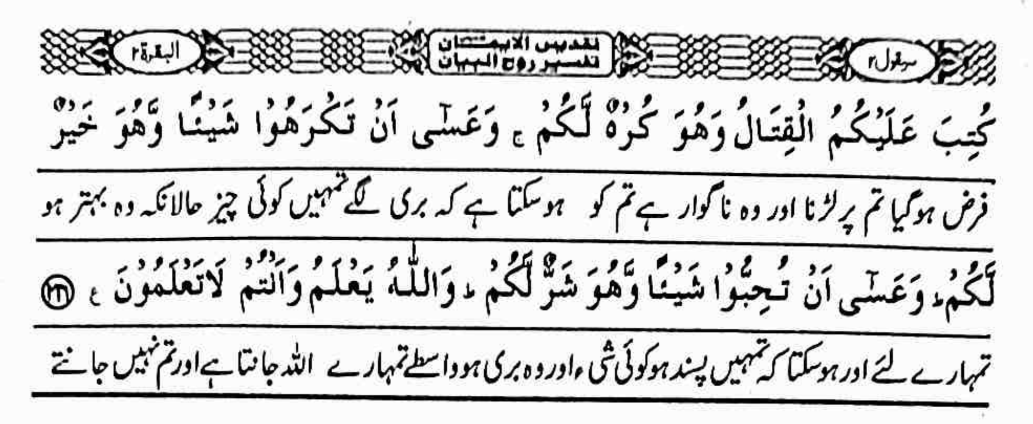
(بقیہ آیت نمبر ۲۱۴) خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ ایمان اور امتحان آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ مومن کا امتحان یہ ہے کہ اسلام کی راہ میں درد وآلام آئیں تو مسلمان کو ان پر صبر اور تحمل سے کام لینا چاہئے۔ اللہ پاک توفیق عطا فرمائے۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ کہ صرف مسلمان ہونے سے فوراً جنت کے دروازے کھل نہیں جاتے۔ بلکہ اس راستے میں مصیبتیں اور آزمائشیں بھی آتی ہیں۔ اس وقت اگر تم ثابت قدم رہے۔ اور صابر ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد یقیناً تمہاری دستگیری کرے گی۔

(آیت نمبر ۲۱۵) آپ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں۔ (مراد یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون سا مال خرچ کریں کیا دیں اور کس کو دیں۔) اس کا جواب اس آیت کریمہ میں دیا گیا۔

شان نزول: نبی کریم ﷺ نے جب صدقہ دینے کی ترغیب دلائی۔ تو عمر بن جموح نے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ ہم اپنے مالوں میں سے کیا خرچ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تمہارے پاس جو بھی مال ہے اس میں سے خرچ کرو۔ (مال کو خیر اس لئے کہا۔ کہ وہ خیر کا سبب ہے)۔ یا مال کو خیر کی جگہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ مال دینے لگو تو سب سے پہلے ماں باپ کو دو جن کا پہلا حق ہے جو کہ صحیح مصرف ہے۔ اس کے بعد قریبی رشتے داروں اور یتیموں کو جو تمہارے مال کے محتاج ہیں۔ اور مسکینوں اور مسافروں کو۔ آگے فرمایا کہ جو بھی بھلائی سے تم عمل کرو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ یعنی اس کا وہ اجر وثواب دے گا۔

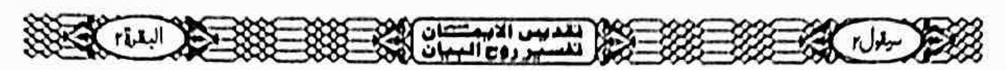
مسئلہ: اس آیت میں والدین کے ساتھ احسان اور قریبیوں کے ساتھ صلہ رحمی اور حاجتمندوں کی حاجت کو پورا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ف: یہ دوسرے مصارف کے منافی حکم نہیں ہے۔ ہر مقام پر جیسا سوال ہوتا ہے۔ ویسا اور اتنا ہی اس کا جواب دیا جاتا تھا۔ (یاد رہے۔ ماں باپ کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی خدمت کی جائے۔ **ف**: تمام مصارف میں ماں باپ پر خرچ کرنے کا ثواب سب سے زیادہ ہوگا۔ اسی لئے سب سے پہلے انہیں مال دینے کا حکم دیا گیا۔



(آیت نمبر ۲۱۶) تم پر جہاد فرض کیا گیا۔ یعنی جہاد حربی کفار کے ساتھ فرض ہے۔ یعنی جو تم سے برسر پیکار ہوں
مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک: (۱) جہاد۔ (۲) جنازہ۔ (۳) سلام کا جواب فرض کفایہ ہے۔ اگر چہ تمہیں شاق ہوگا۔ اور طبیعت پر گراں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں مال اور جان دونوں خرچ ہوتے ہیں۔ (اس سے مراد صرف صحابہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد عام مسلمان ہیں)۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ جہاد سے نفرت کی نہ ان کی طبیعت اس سے گھبرائی۔ یہ بات عام طبیعت کی ہے۔ کہ عموماً ایسا ہوتا ہے۔ کہ جہاد سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔ اور یاد رہے طبعی نفرت مذموم بھی نہیں ہے۔ البتہ اعتقادی صورت میں جہاد کو مکروہ جاننا منافقت ہے۔ آگے فرمایا۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک چیز کو تم مکروہ سمجھو۔ اس سے وہ امور مراد ہیں۔ جن میں تکالیف اور مشقت بہت ہو۔ ان میں جہاد بھی ہے۔ حالانکہ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ یعنی فتح و نصرت اور پھر مال غنیمت کا حصول اور شہادت کے بعد جنت کے درجات و مقامات جو شہداء کیلئے ہیں اور آگے فرمایا۔ کہ قریب ہے کہ تم ایک چیز سے محبت کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اس سے دنیا کے فوائد مراد ہیں۔ جن سے روکا گیا ہے۔ مثلاً جہاد کو اچھا نہ سمجھ کر تم مال غنیمت اور اجر و ثواب سے ہی محروم ہو جاؤ۔ اور اس کا بڑا نقص یہ ہوگا کہ دشمن تم پر غالب آ کر تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ یہ سب باتیں اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ کہ کس چیز میں تمہاری دینی اور دنیوی بھلائی ہے۔

ف: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ چھ چیزیں تباہی کا باعث ہیں:

(۱) عمل میں نیت کی خرابی۔ (۲) جسم کو شہوات میں لگا دینا۔
(۳) موت کا علم ہوتے ہوئے دنیا کی حرص اور آرزو رکھنا۔
(۴) خالق کے بجائے مخلوق کو خوش رکھنا۔
(۵) خواہشات نفسانی سے پیار اور سنت سے دوری۔
(۶) اسلاف کی کمزوری کو دلیل بنانا اور ان کے اچھے طریقے کی مخالفت۔



سبــــق: دانا پر لازم ہے۔ کہ نفس اور طبیعت سے جہاد کر کے خواہشات اور شہوات اور بدعات سے دور ہو جائے۔ اور کتاب وسنت کی محبت کا اس کے دل پر غلبہ ہو۔

حــکــایــت: ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے لکام پہاڑ پر ایک انار دیکھا جس پر بھڑیں بہت تھیں۔ مجھے انار کی خواہش ہوئی۔ ایک انار اٹھایا۔ تو وہ کھٹا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر آگے نکل گیا۔ آگے دیکھا۔ کہ ایک مرد کو بہت سے بھڑ چمٹے ہیں۔ میں نے سلام دیا۔ تو اس نے کہا ابراہیم وعلیکم السلام۔ میں نے کہا آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔ فرمایا کہ جو اللہ کو پہچانے اس پر کچھ مخفی نہیں رہتا۔ میں نے کہا۔ آپ اللہ سے دعا کریں۔ کہ اللہ ان بھڑوں سے آپ کو بچائے۔ تو اس نے کہا۔ کہ آپ دعا کریں۔ اللہ آپ کو انار کی خواہش سے بچائے۔ یاد رکھ بھڑ کے ڈسنے کا درد دنیا میں ہی ہے فقط۔ اور انار کے ڈسنے کا درد آخرت میں ہوگا۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ میں اس ولی کو چھوڑ کر آگے چل دیا۔ (اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ بعض اولیاء کرام احوال کے واقف ہوتے ہیں جب انہیں معرفت الٰہی حاصل ہو جائے۔)

(بقیہ حصہ صفحہ نمبر ۲۲۶ کا) **مسئلہ**: عورت کو غیر کفو میں جانے یا مہر مثل سے کم میں نکاح کرنے سے روکنا اس میں نہیں آتا۔ یہ شرعاً بھی ممنوع نہیں ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ نصیحت کی جارہی ہے۔ ہر اس شخص کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس لئے کہ مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے نفع اٹھاتا ہے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ نصیحت حاصل کر کے اس کے تقاضے کے مطابق اس پر عمل کرنا یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ اور بابرکت اور زیادہ نفع مند ہے۔

اور گناہوں کی میل سے بھی اس میں طہارت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس روکنے کو بھی اور ان کی اصلاح کو بھی اور تم نہیں جانتے۔ اس لئے کہ تمہارے علوم قاصر ہیں۔ اگر معمولی معاملات کو جانتا بھی ہو تو تفاصیل کو تو نہیں جانتا۔ (اور بندوں کے تفصیلی معاملات اور ان کی بہتری کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ف: نصیحت سے وہی نفع اٹھاتا ہے۔ جو حقیقی مومن ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نصیحت کرنا آسان ہے قبول کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ خواہشات نفسانی میں منہمک آدمی نصیحت کو کڑوا گھونٹ سمجھتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ

پوچھتے آپ سے ماہ حرام کے بارے میں لڑائی کا اس میں کیا حکم ہے فرمادیں لڑنا اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

راہ خدا سے اور کفر کرنا ساتھ اس کے اور روکنا مسجد حرام سے اور نکالنا اس میں رہنے والوں کو اس سے بھی بڑا گناہ ہے نزدیک اللہ کے

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

اور فتنہ بڑا گناہ ہے قتل سے اور وہ ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اگر طاقت رکھیں اور جو مرتد ہوا تم میں سے اپنے دین سے پھر مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھا پس ان کے ضائع ہوئے

اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہ ہی ساتھی آگ کے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۲۱۷) آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

شان نزول: حضور ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ بھیجا۔ اور ایک تحریر لکھ کر دی اور فرمایا۔ کہ دو دن چلنے کے بعد اسے کھول کر اس کے مضمون سے ساتھیوں کو مطلع کرنا۔ اور انہیں مجبور نہ کرنا۔ جس کی مرضی ہو ساتھ دے۔ جس کی مرضی نہ ہو نہ دے۔ حضرت عبداللہ دو دن چلنے کے بعد ایک جگہ آرام کے لئے بیٹھے اور حسب ارشاد رقعہ مبارک کھولا۔ تو اس میں لکھا تھا۔ کہ بطن نخلہ میں پہنچو وہاں قریش کا قافلہ ملے گا۔ اس سے امید ہے۔ کہ بھلائی لے کر لوٹو گے۔ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد عبداللہ نے کہا۔ کہ مجھے یہ حکم بہ دل و جان قبول ہے۔ اور ساتھیوں کو حضور کا حکم سنا کر چل پڑے۔ تو باقی حضرات بھی ساتھ ہو گئے۔ کوئی بھی واپس نہ ہوا۔ چلتے چلتے بطن نخلہ میں پہنچ گئے۔ جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ ادھر یہ پہنچے تو ادھر سے قافلہ بھی پہنچ گیا۔ جس کے پاس کافی سارا تجارتی سامان تھا۔ وہ حضور ﷺ کے غلاموں کو وہاں دیکھ کر گھبرا گئے۔ عبداللہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ مشرکین ڈر تو گئے۔ اب اپنے میں سے ایک کا سر مونڈ دو اور وہ ان کے پیچھے پڑ جائے۔ الغرض صحابہ نے جمادی الآخر سمجھ کر کاروائی کی ایک مشرک کو قتل کیا۔ دو کو قید کیا۔ اور ایک ان میں سے بھاگ گیا مسلمان یہ ساز و سامان لے کر مدینہ شریف میں پہنچ گئے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ

بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں وہ امیدوار ہیں

رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

رحمت خداوندی کے اور اللہ بخشنہار مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۷) تو کفار نے شور مچایا۔ کہ محمد ﷺ نے ماہ حرام میں جنگ کو حلال کیا۔ پھر جتنے منہ اتنی باتیں ہوئیں۔ بلکہ کفار نے مکہ میں مسلمانوں کو ستایا اور قتل بھی کیا ادھر حضور ﷺ بھی حضرت عبداللہ کو ناراض ہوئے۔ کہ تم نے رجب میں کیوں جنگ کی تو انہوں نے بتایا۔ کہ ہماری لڑائی دن کو ہوئی۔ اور چاند رات کو نظر آیا۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کو سخت پریشانی ہوئی۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو آپ فرما دیں۔ کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بے شک کبیرہ گناہ ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اللہ کی راہ سے روکنا۔ اور اللہ سے کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے روکنا۔ اور مسجد حرام کے پاس رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا۔ جیسے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو نکالا گیا۔ یہ تو حرمت والے مہینے میں لڑنے سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ مسلمانوں سے قتل تو نادانی میں ہوا ہوگا۔ لیکن تم نے جو یہ بڑے بڑے گناہ جان بوجھ کئے وہ تمہیں یاد نہیں اور ایک معمولی بات پر شور مچا کر فتنہ ڈالتے ہو۔ اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ اے مسلمانو یہ کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں ہمت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے پھرا دیں۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! یاد رکھو۔ جو مرتد ہو کر مرے گا۔ تو اُن مرتدوں کے پہلے والے نیک اعمال سب ضائع ہو گئے۔ یعنی دنیا میں ذلت اور آخرت میں دائمی عذاب ہوگا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ البتہ اگر وہ مرنے سے پہلے توبہ کرلیں تو توبہ قبول ہوگی۔

(آیت نمبر ۲۱۸) بے شک جو لوگ ایمان لائے۔ اور ہجرت بھی کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کیا۔ اور درحقیقت وہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ **شانِ نزول:** یہ آیت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ انہیں اس بات کا غم تھا۔ کہ ہم نے شاید ماہ حرام میں جنگ کی۔ معلوم نہیں کہ اس کی کیا سزا ہو۔ لیکن فضل الٰہی سے انہیں اس آیت میں مژدہ سنایا گیا کہ تمہیں اللہ کی طرف سے نہ صرف معافی ملی۔ بلکہ تمہارا ایمان بھی سلامت اور تمام اعمال بھی سلامت ہیں۔ کیوں کہ تم نے رحمت الٰہی کے حصول کیلئے جدوجہد کی۔ اس لئے ہم نے تمہیں رحمت عطا کر دی۔

14/14

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ

پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمادو ان دونوں میں گناہ کبیرہ اور نفع بھی ہے

لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ۥ قُلِ

لوگوں کے لئے اور گناہ ان کا بڑا ہے ان کے نفع سے اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمادو

الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ ﴿۲۱۹﴾

جو ضرورت سے فالتو ہو اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں تاکہ تم غور وفکر کرو

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۸) بلکہ اُن کے مومن اور مہاجر اور مجاہد ہونے کی گواہی قرآن نے دے دی۔ چونکہ انہوں نے ہجرت اور جہاد راہ خدا میں اور رضائے خدا کیلئے کئے۔ تاکہ اللہ کا دین بلند ہو یہی لوگ امید کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخشش اور ثواب ملے گا۔ اور ان کے اعمال بھی ضائع نہیں ہوں گے۔ چونکہ نجات کا دارومدار اعمال پر ہی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرمانے والا ہے۔ خواہ بندوں سے کتنی ہی کوتاہیاں ہو جائیں۔ اور وہ ایسا مہربان ہے۔ کہ انہیں بے حساب اجر وثواب عنایت فرماتا ہے۔ **ف**: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضور ﷺ کے پسندیدہ لوگ مراد ہیں۔ کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل رجاء فرمایا ہے۔ ف: بندوں پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنے مالک کی رحمت کے امیدوار رہیں۔ اس لئے کہ وہ ایسا مہربان ہے۔ کہ لوگوں کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں تب بھی توبہ کرنے والے کو وہ بخش دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۱۹) اے پیارے محبوب آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے تیرہ مسائل کے متعلق سوال کیا۔ وہ سارے مسئلے قرآن میں آ گئے۔ جن سے مسلمانوں کو بہت نفع ہوا۔ شراب کے بارے میں بھی ان میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ جواب کے قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ حلال وحرام اور گناہ وثواب تو مکلفین کے افعال کے عوارض ہیں۔ ورنہ ذاتی طور پر اشیاء میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ شراب کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے استعمال سے دماغ پر پردہ آ جاتا ہے۔ اور پینے والے کے عقل میں تمیز نہیں رہتی۔ اور میسر کا معنی جوا۔ اور قمار بازی ہے۔

مسئلہ : قمار شطرنج وغیرہ یا شرط لگا کر لوگوں سے پیسے بٹورنے والی تمام اقسام جوا میں آتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا۔ کہ اے محبوب آپ ان سے کہہ دیں۔ کہ ان دونوں (شراب اور جوئے) میں کبیرہ گناہ ہے۔ شراب عقل کو سلب کر لیتا ہے۔ اور جوا مال واسباب کو ضائع کرا دیتا ہے۔ دونوں میں دینی اور دنیوی نقصان ہے۔ اگرچہ لوگوں کے اس میں نفع بھی ہیں۔ کہ ان کی وجہ سے مال ودولت ہاتھ آتے ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ نفع سے بڑا ہے۔ یعنی ان دونوں سے نفع اتنا بڑا حاصل نہیں ہوتا جتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

شراب کا نقصان : ۱۔ آپس میں بغض وعداوت بڑھتی ہے۔ ۲۔ ذکر اور نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ ۳۔ آدمی کو بے عقل بنا دیتا ہے۔ حکایت: ایک بزرگ شرابی کے پاس سے گذرے۔ تو وہ پیشاب سے منہ دھو رہا تھا۔ جیسے وضو کر رہا ہے۔ اگر پی بھی لے۔ اس کا عقل جو درست نہیں رہتا۔ تو اس کو کیا معلوم وہ کیا کر رہا ہے۔

جوا کا نقصان : جو شخص جوئے میں ہار جائے اور اس کا مال جیتنے والے لے جا رہے ہوں۔ تو وہ ان کا جانی دشمن بن جاتا ہے۔ اور وہ مال لینے والے کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہتا۔ مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ شراب کے متعلق چار بار حکم تبدیل ہو کر آیا۔ آخری بار اس کی حرمت آٹھ ہجری میں جنگ احزاب کے چند دن بعد ہوئی۔

حکایت: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ جب مکمل حرمت کا حکم آیا۔ تو تمام لوگوں نے شراب کے مٹکے ہی اٹھا کر گلیوں میں توڑ دیئے۔ یہاں تک کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اور بو سارے شہر میں پھیل گئی۔ وہ دن بھی عجیب ہی تھا۔ **حکمت:** عمرو بن ادھم فرماتے ہیں۔ تعجب ہے اس بے وقوف پر جو پیسے دے کر حماقت خریدتا ہے۔ اور اسے اپنے سر میں ڈال لیتا ہے۔ مسلمان کو چاہئے۔ کہ شراب پینے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

مسئلہ: شراب خور سے قطع تعلق کیا جائے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ کہ اگر میری انگلی سے شراب لگ جائے۔ تو میں انگلی کاٹ دوں گا۔ **مسئلہ:** شراب خور کو بیٹی کا رشتہ دینا اس سے زنا کرانے کے برابر ہے۔ کیا معلوم مستی میں اسے اس نے کتنی بار طلاق دی ہے۔ اسی طرح جوئے سے بھی اجتناب کیا جائے۔ آگے فرمایا۔ کہ آپ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں۔ تو اے محبوب فرما دو۔ کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو یعنی جو تم آسانی سے اللہ کی راہ میں دے سکو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات قرآنی میں مسائل کو واضح بیان فرماتا ہے جو شرعی احکام پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان کو خوب اس لئے واضح کیا۔ کہ تم دنیا اور آخرت کے امور میں ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ اور ان پر عمل کر سکو۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ

دنیا اور آخرت میں اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمادو بھلا کرنا ان سے بہتر ہے

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

اور اگر ملالو ان کو تو وہ بھائی ہیں تمہارے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

اور اگر چاہتا اللہ تو ضرور مشقت میں ڈالتا تم کو بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۹) ف: امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ دنیا کا غور وفکر یہ ہے۔ کہ بندہ جان لے کہ اسے بالآخر زوال وفنا ہے۔ اس لئے اس کی بہت حرص سے دور رہو۔ اور آخرت کی فکر یہ کہ اسے دوام اور بقا ہے۔ لہذا اس میں رغبت کرو۔ **مسئلہ**: اس آیت میں صدقہ کا بیان ہے۔ کہ جو حاجات ضروریہ سے زائد ہو۔ وہ اللہ کی راہ میں دے دیا جائے۔ اور اس کے بعد تمہاری طبیعتوں پر بوجھ بھی نہ ہو۔

(آیت نمبر ۲۰۰) آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں۔

شان نزول: جب یہ حکم نازل ہوا۔ کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ تو مسلمانوں نے یتیموں کو اور ان کے اموال کو اپنے مالوں سے بالکل الگ کر دیا۔ بلکہ اپنے ساتھ کھانا کھلانے سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ اس سے یتیموں کیلئے مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اور یتیموں کا بچا ہوا کھانا بھی خراب ہو جاتا۔ مگر اسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے پاس اتنے مکان تو نہیں کہ یتیموں کو الگ ٹھہرایا جائے۔ اور نہ ان کے لئے الگ الگ کھانے کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ تو اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا۔ کہ اے محبوب ان سے فرمائیں کہ ان کے اموال کی اصلاح بہتر ہے۔ اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا کر رکھو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور بھائیوں کے حقوق میں ان کی اصلاح کرنی چاہئے۔ کہ جس سے انہیں نفع ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے۔ کہ کون فسادی ہے یعنی یتیم کے مال کو برباد کرنے والا ہے۔ اور مصلح کو بھی جانتا ہے۔ جو یتیم کے مال کو نفع والی جگہ لگاتا ہے۔ لہذا تم اصلاح کی فکر کرو۔ اور اگر اللہ چاہتا۔ تو وہ تمہیں بھی مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ کہ وہ وہی فیصلہ کرتا ہے۔ جو حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے شرک والی (آزاد) سے

وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ

اگر چہ وہ اچھی لگے تم کو اور نہ نکاح میں دو مشرکوں کو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور غلام مومن

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ (مشرک) تمہیں بھاتا ہو وہ بلاتے ہیں طرف دوزخ کے اور اللہ بلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۫ ﴿۲۲۱﴾

طرف جنت اور بخشش کے اپنے حکم سے اور وہ بیان کرتا ہے اپنی آیتیں لوگوں کیلئے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں

(آیت نمبر ۲۲۱) مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ ورنہ مسلمان لونڈی خواہ شان میں کم ہے۔ لیکن وہ دین ودنیا کے لحاظ سے اس مشرکہ عورت سے بہتر ہے۔ اگر چہ وہ مشرکہ عورت اپنے حسن وجمال یا مال واسباب یا زیب وزینت کے لحاظ سے تمہیں اچھی لگے۔ اور وہ حریت اور شرافت میں لونڈی سے بلند مرتبہ ہو۔ لیکن مسلمان کیلئے مومنہ عورت ہر لحاظ سے بہتر ہے خواہ وہ لونڈی ہو اور اسی طرح مشرکوں کے نکاح میں مومنہ عورتیں نہ دو۔ خواہ وہ جمال ومال والے ہوں۔ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ البتہ مومن غلام خواہ وہ دنیوی لحاظ سے درجہ میں کم ہے۔ لیکن مشرک آزاد مرد سے بہر حال بہتر ہے۔ اور خواہ وہ مشرک مال وجمال کی وجہ سے تمہیں اچھا لگے۔ یہ بات یاد رکھو کہ یہ مشرکین وغیرہ تمہیں جہنم والی آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی وہ تم سے یا تمہاری اولاد سے اعمال کروانا چاہتے ہیں۔ جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہ باتیں بتا کر جنت میں لے جانا چاہتے ہیں۔ **مسئلہ**: اس آیت میں کفار اور مشرکین کی دوستی اور تعلق سے روکا گیا ہے۔ اور مومنین کے ساتھ دوستی اور تعلق کی ترغیب دی گئی۔

مسئلہ: محیط میں ہے۔ کہ اگر مسلمان کافرہ عورت کے حسن وجمال کو دیکھ کر آرزو کرے۔ کہ کاش کافر ہوتا۔ اور اس سے نکاح کرتا۔ اس آرزو کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہ آرزو ہی اسے جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو کفار کے نہ مال کو دیکھو نہ جمال کو دیکھو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ

اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض والی عورت کے بارے میں فرمادو وہ ناپاکی ہے پس الگ رہو عورتوں سے

فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

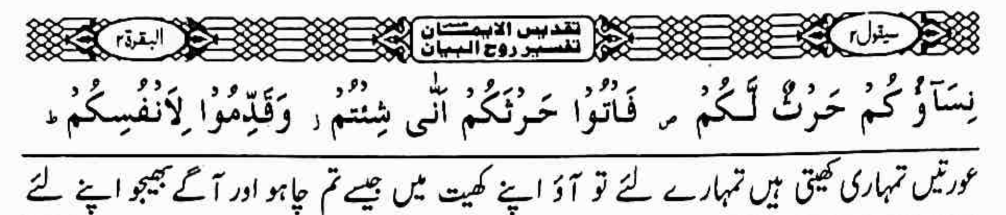
حیض کے دنوں میں اور نہ قریب جاؤان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں جب خوب پاک ہو جائیں پھر جاؤان کے پاس

حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ تعالیٰ نے بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو

(آیت نمبر۲۲۲) آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ **ف**: حیض وہ گندی آلائش ہے۔ جو عورت کے رحم سے عادت کے طور پر خارج ہوتی ہے۔ اور پوچھنے والے کا مقصد یہ تھا۔ کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے میل جول جائز ہے یا نہیں۔ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب انکو بتادیں۔ کہ وہ تکلیف دہ چیز ہے۔ یعنی حالت حیض میں ان سے قربت میں طبعی نفرت کی چیز بھی ہے۔ اور موجب ایذاء بھی ہے۔ مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی۔ (اس سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں)۔

شان نزول: جاہلیت میں لوگ عورتوں کو حیض کے ایام میں گھروں سے ہی نکال دیتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا پینا بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ خاص کر مجوس اور یہودی ایسا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے حضرت ابوالدحداح نے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ حیض کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کرنا کیسا ہے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حیض کے دوران عورتوں کے ساتھ جماع کرنے سے پرہیز کرو۔ **وضاحت**: یہ ہے۔ کہ صرف حیض کی حالت میں ان کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان سے جماع وغیرہ نہ کرو۔ نہ یہ کہ تم انہیں گھروں سے ہی نکال دو۔ یہود کی طرح کہ وہ بالکل ان کو گھروں سے ہی نکال دیتے ہیں۔ اور نہ نصاریٰ کی طرح کرو۔ کہ وہ حیض کے ایام میں بھی جماع کر لیتے ہیں۔ اسلام نے ان دونوں باتوں کا رد کیا کہ نہ گھروں سے نکالو اور نہ حیض کے ایام میں جماع کرو۔ باقی میل جول میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ جو فرمایا۔ کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان سے ان مخصوص دنوں میں جماع نہ کرو۔ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔ اور ان کا حیض ختم نہ ہو جائے اور جب خوب پاک ہو جائیں یعنی حیض ختم ہونے کے بعد غسل بھی کر لیں تو پھر آؤان کے پاس جیسے تمہیں اللہ نے حکم دیا یعنی حلال مقام میں عورت سے جماع کر سکتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ عورت سے وطی فی الدبر حرام ہے۔ کہ اس طرف سے عورتوں کے پاس جانے کا حکم نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی ان لوگوں سے جو بے حیائی اور طبیعت کو نفرت دینے والی اشیاء سے بچتے ہیں۔



نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تمہارے لئے تو آؤ اپنے کھیت میں جیسے تم چاہو اور آگے بھیجو اپنے لئے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو بے شک تمہیں ملنا ہے اس سے اور خوشخبری سناؤ مومنوں کو

(آیت نمبر ۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں۔ **ف**: عورت میں نطفہ ڈالنے کو زمین میں بیج ڈالنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کہ ان دونوں بیوی خاوند میں پیداوار کا مادہ پایا جاتا ہے۔ جو کہ اصل مقصد ہے۔ اس لئے عورت سے جماع کرنے کو فرمایا کہ آؤ اپنی کھیتی میں جیسے تم چاہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان سے دبر میں بھی وطی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ بیج ڈالنے کی جگہ نہیں۔ اور جو جگہ بیج ڈالنے کی نہ ہو۔ اسے کھیتی بھی نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نازک ترین حقیقت کو کتنے احسن پیرائے میں بیان فرمایا۔

شان نزول: وطی فی الدبر کے بارے میں یہود کا یہ خیال تھا۔ کہ ایسا کرنے سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا وطی دبر سے بچہ پیدا ہوتا ہی نہیں اور وطی عورت سے جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عورتوں کے پاس جاؤ۔ لواطت کی مذمت: **حدیث شریف** میں لوطی پر لعنت کی گئی ہے۔ (ابوداؤد کتاب النکاح، مشکوۃ باب المباشرۃ)

مسئلہ: عورت سے بھی لواطت بری ہے۔ تو پھر مرد یا لڑکے سے لواطت اس سے بھی سخت بری ہے۔

مسئلہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے کسی بے ریش لڑکے کو شہوت کے ساتھ بوسہ دیا۔ گویا اس نے ماں سے زنا کیا۔ اور ماں سے زنا کا گناہ ایسا ہے۔ گویا اس نے ستر ہزار عورت سے زنا کیا۔

مسئلہ: لواطت کی سزا یہ ہے۔ کہ اسے اس وقت تک قید کیا جائے۔ جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں۔ کہ اسے زانی کی حد یعنی سو کوڑا مارا جائے۔ اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے۔ آگے فرمایا۔ کہ تم اپنے نفسوں کیلئے اعمال صالحہ کر کے ثواب آگے بھیجو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ذخیرہ ہے۔ اس دن کیلئے کہ جس دن تم اپنے نیک اعمال کے سخت محتاج ہو گے۔ یعنی بروز قیامت جہاں سب کو اپنی اپنی جانوں کے بچانے کی فکر ہو گی۔



وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط

اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کو نشانہ اپنی قسموں کا یہ کہ نیکی کرو اور پرہیزگار بنو اور صلح کرو درمیان لوگوں کے

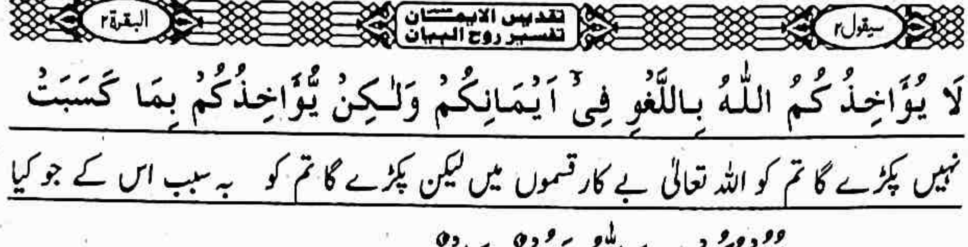
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۲۲۳) دوسرا مطلب یہ ہے: کہ شہوت رانی کیلئے جماع نہ کرو۔ بلکہ اس سے اولاد پیدا کرو۔ اور ان کی اچھی طرح اصلاح کرو۔ تاکہ وہ نیک اعمال کریں اور تمہیں ثواب ملے اور فرمایا۔ کہ اللہ سے ڈرو۔ یعنی گناہوں سے بچو۔ جن کے کرنے سے اللہ اور رسول نے منع کیا ہے۔ اور یہ یقین سے جان لو۔ کہ تم ایک دن اسے ملنے والے ہو۔ اور ایسے اعمال نہ کرو۔ کہ اس دن تمہیں شرم ساری ہو۔ اور اے میرے محبوب تمام مومنوں کو یہ خوش خبری سنا دیجئے۔ یعنی ان کو جو دل و جان سے احکام خداوندی کو مانتے۔ اور قبول کرتے ہیں۔ اور بطیب خاطر ان پر عمل کرتے ہیں۔ ان کو جنت کی بشارت دے دو۔

(آیت نمبر۲۲۴) اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کو اپنے لئے آڑ نہ بناؤ۔

شانِ نزول: بشر بن نعمان انصاری نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ جو کہ عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھی۔ پھر بشر کی مرضی ہوئی۔ کہ اب پھر اس سے نکاح کرلوں۔ لیکن عبداللہ نے قسم کھائی۔ کہ بشر سے سلام کلام بالکل ختم ہے۔ اور اپنی بہن کے بارے اس سے صلح بھی نہیں کریں گے۔ جب انہیں کہا گیا کہ بشر تمہاری بہن سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ میں نے تو قسم کھائی ہے۔ کہ اپنی بہن کو بشر کے نکاح میں نہ دونگا۔ تو اس پر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کو ایسی آڑ نہ بناؤ۔ کہ جو نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ہی رکاوٹ بن جائے۔ یہ قسم کھانا مجاز مرسل ہوگا۔ اس خیر سے جس کی قسم کھائی جارہی ہے۔ یعنی نیکی اور تقوی کیلئے رکاوٹ نہ ہو۔ بلکہ لوگوں میں اصلاح کرو۔ یعنی انہیں آپس میں جوڑ دو اور اللہ تعالیٰ تمہاری قسم کو سننے والا ہے۔ اور تمہاری نیتوں کو جاننے والا ہے۔ اور تم ایسی قسمیں کھانا چھوڑ دو۔ جیسے بعض نادان لوگ قسمیں اٹھاتے ہیں۔ کہ وہ ماں باپ سے نہیں بولیں گے۔ یا اپنے بھائی سے دیگر رشتہ داروں سے اب قطع تعلق کریں گے۔ البتہ اگر ضرورت پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم اور اس کے جلال و اکرام کی وجہ سے قسم کھا سکتے ہو۔ وہ بھی جائز کاموں کیلئے۔ اگر ناجائز کام کی قسم کھائی تو فوراً اسے توڑ دو۔ اور قسم کا کفارہ ادا کردو۔ وہ دس مسکینوں کو کھانا دینا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا ہے اور خدا سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہارے قلوب اور نیات کو جانتا ہے۔



لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

نہیں پکڑے گا تم کو اللہ تعالیٰ بے کار قسموں میں لیکن پکڑے گا تم کو بہ سبب اس کے جو کیا

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے

(آیت نمبر ۲۲۵) اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ (لغو باطل کلام کو کہا جاتا ہے)۔ اور لغو قسم یہ ہے۔ کہ جس میں نہ عقد ہو۔ نہ قصد۔ نہ نیت یا اس نے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر قسم کھائی۔ مگر معاملہ برعکس نکلا۔ لہذا ایسی قسم پر نہ گناہ نہ کفارہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لغو قسم یہ ہے۔ کہ جو بغیر ارادہ زبان سے نکل جائے۔ یا جس قسم کا دل میں خیال تک نہ آئے۔ یا بغیر قصد قسمیہ الفاظ زبان سے نکل گئے۔ جیسے بعض لوگوں کی عادت ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان قسموں پر گرفت نہیں کرے گا۔ جن میں تم اپنے خیال میں سچے تھے۔ یا تمہارا اپنا وہ قصد نہیں تھا۔ جو تمہارے منہ سے نکل گیا۔ لیکن تمہاری پکڑ ان قسموں پر ہوگی۔ کہ جن پر تمہارے دل مرتکب ہوئے۔ یعنی جان بوجھ کر خلاف واقع قسم کھائے۔ جسے یمین غموس کہا جاتا ہے۔ اسے غموس اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ قسم کھانے والے کو گناہ میں غوطہ دیتی ہے۔

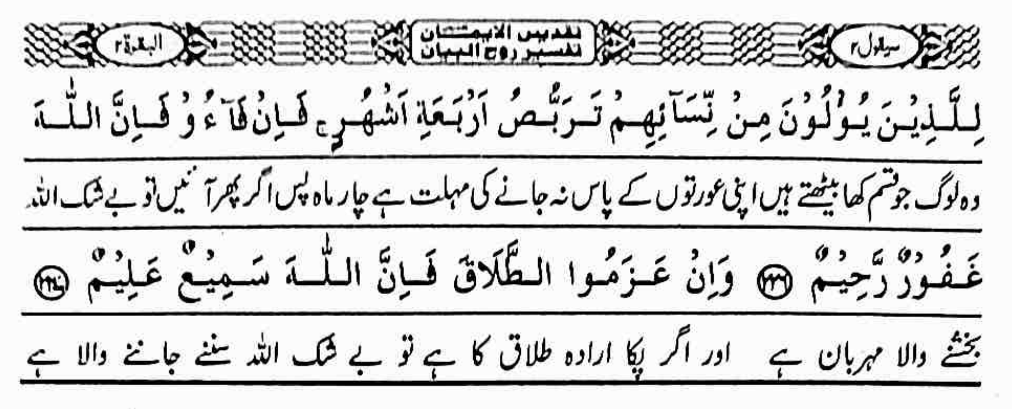
مواخذہ کا مطلب کفارہ ہے۔ یعنی جو قسم تم نے پوری نیت اور ارادے سے کھائی۔ وہ ٹوٹ جائے۔ تو تم پر اس کا کفارہ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یعنی غلطی کو معاف فرماتا ہے۔ اور لغو اقسم پر پکڑ بھی نہیں فرماتا۔ اور بردبار ہے۔ یعنی پکڑ کرنے میں جلدی بھی نہیں فرماتا۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہاں پکڑ سے انجام مراد ہے۔ اس لئے مغفرت اس میں ہے۔ جس میں کفارہ نہیں۔ جس پر کفارہ لازم ہے۔ اس کی مغفرت کفارہ دینے کے بعد ہے۔

قسم کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **یمین منعقدہ**: جو جان بوجھ کر پورے ارادے سے قسم کھائی جائے۔ اس پر کفارہ ہے۔

۲۔ **یمین غموس**: وہ قسم جس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے۔ کہ قسم کھانے والا جان بوجھ کر خلاف واقعہ بات پر قسم کھاتا ہے۔ اس پر گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن کفارہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر بھی کفارہ ہے۔

۳۔ **یمین لغو**: یہ ہے۔ کہ قسم کھانے والا واقعہ سے بے خبر ہو قسم کھاتے وقت اپنے کو سچا سمجھے۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں۔



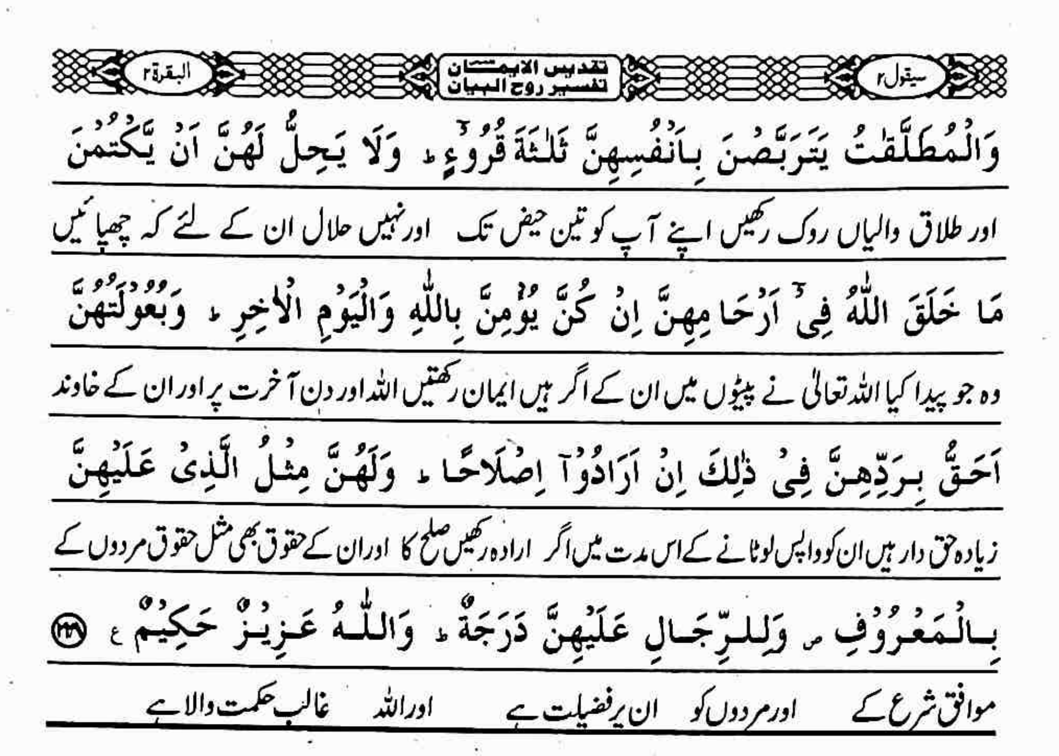
(بقیہ آیت نمبر ۲۲۵) **مسئلہ**: قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھائی جائے یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کی یا صفات میں سے کسی صفت کی ہونی چاہئے۔ غیر خدا کی قسم مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث شریف: جو غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراتا ہے۔ (ترمذی، کتاب النذور۔ مسند احمد بن حنبل) یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی طرح گویا اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اور وہ از قسم شرک ہے۔

(آیت نمبر ۲۲۶) ان لوگوں کیلئے جو اپنی بیویوں سے دور رہنے کی قسم کھاتے ہیں۔ ان کیلئے چار ماہ تک انتظار ہوگا۔ یعنی عورتوں کو چاہئے۔ کہ وہ اس مدت تک انتظار کریں۔ اگر ان کے خاوند نہ رجوع کریں اور نہ طلاق دیں۔ چار ماہ کے بعد خود بخود طلاق پڑ جائے گی۔ یہ طلاق بائن ہے۔ یعنی نکاح ٹوٹ گیا۔ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جاہلیت میں ایلا بھی طلاق کی ایک قسم تھی۔ سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں عورت کو دکھ پہنچانے کیلئے ایک شخص قسم کھالیتا۔ کہ وہ اپنی بیوی سے کبھی جماع نہیں کریگا۔ اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ نہ اپنے پاس رہے نہ کسی اور کے پاس جاسکے۔ اب وہ عورت نہ شادی شدہ سمجھی جاتی نہ غیر شادی شدہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت عطا کر کے عورت پر اپنا فضل و کرم فرمایا کہ عورت اس ضرر سے آزاد ہوگئی۔ اور مرد کیلئے ایلا کی مدت مقرر کر دی گئی۔ اس میں وہ خوب غور و فکر کر لے۔ کہ اب وہ اسے اپنے پاس رکھے گا۔ یا اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے یعنی اس چار ماہ کے اندر رجوع کر لے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے گا۔ کہ جو اس نے ایلا کر کے عورت کو ضرر دیا۔ اب جب رجوع کر لیا۔ تو اللہ بخش دے گا۔

(آیت نمبر ۲۲۷) اور اگر وہ طلاق ہی دینے پر تل گیا۔ اور پوری مدت گذر جانے کے باوجود اس نے نہ جماع کیا اور نہ رجوع کیا۔ تو خود بخود طلاق پڑ گئی۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ **ف**: اس قسم کے ظلم عورت پر دور جاہلیت میں کئے جاتے۔ قرآن پاک نے اس کے قسم کے تمام مظالم کا خاتمہ کر دیا۔ نوٹ: جو عزت اسلام نے عورت کو دی ہے۔ وہ کسی قانون نے نہیں دی۔ یورپ نے تو عورت کو صرف ننگا کر کے ذلیل کیا۔



وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

اور طلاق والیاں روک رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور نہیں حلال ان کے لئے کہ چھپائیں

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَبُعُوْلَتُهُنَّ

وہ جو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے پیٹوں میں ان کے اگر ہیں ایمان رکھتیں اللہ اور دن آخرت پر اور ان کے خاوند

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ط وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ

زیادہ حق دار ہیں ان کو واپس لوٹانے کے اس مدت میں اگر ارادہ رکھیں صلح کا اور ان کے حقوق بھی مثل حقوق مردوں کے

بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ع ﴿۲۲۸﴾

موافق شرع کے اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۲۲۸) اور طلاق شدہ عورتیں اس سے مدخول بہا عورتیں مراد ہیں۔ وہ انتظار کریں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض۔ یہ ان کی عدت کا بیان ہے۔

عدت میں فرق: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "قرء" بمعنی طہر ہے لہذا ان کے نزدیک عدت تھوڑی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرء بمعنی حیض ہے۔ یہ عدت لمبی ہو جاتی ہے۔ (تفصیل فقہ کی کتب میں دیکھ لیں) آگے فرمایا۔ کہ ان عورتوں کیلئے حلال نہیں ہے۔ کہ وہ چھپائیں اس کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں رکھا ہے یعنی بچہ یا بچی ہے۔ وہ اگر حمل والی ہے تو کہے میں حمل میں ہوں۔ یا بتائے کہ حیض میں ہوں۔ جبکہ وہ حیض میں ہو۔ وضع حمل کے انتظار کی وجہ سے حمل کو نہ چھپائے۔ یعنی جب عورت خاوند سے خلاصی چاہتی ہو تو حمل کو اس لئے چھپائے کہ اسے وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے یا اس لئے چھپائے۔ کہ خاوند اپنے بچے ہونے کی لالچ میں رجوع نہ کرے یا وہ حیض کو چھپاتی ہے۔ تا کہ دوسری طلاق جلد واقع ہو۔ ایسا ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور قیامت پر۔ یعنی جب وہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہوں گی۔ تو غلط بات نہیں کریں گی۔ اس میں عورتوں کیلئے سخت وعید ہے۔ اور ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں۔ واپس ان کے پاس جانے کے۔ یعنی آپس میں صلح

صفائی سے پہلے خاوند کے پاس ہی چلی جائے۔تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ان کے حقوق بھی شرع کے موافق ادا کئے جائیں۔ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔اس لئے وہ ان حقوق کا زیادہ خیال رکھیں۔

مسئلہ: خاوند کو بعل اس لئے کہا کہ ابھی من وجہ اس کا نکاح باقی ہے۔اور اس کیلئے حلت ثابت ہے۔لیکن بائنہ طلاق میں شوہر کا کوئی حق نہیں رہتا۔نہ نکاح کا نہ رجعت کا۔تو فرمایا۔کہ ان کے خاوندوں کا زیادہ حق ہے نکاح کا بھی اور رجعت کا بھی اس میں یعنی انتظار کے زمانہ میں۔

مسئلہ: شوہر کو رجعت کا حق اس وقت ہے۔کہ جب عورت عدت میں ہو۔جب عدت ختم تو رجعت کا حق بھی ختم۔فرمایا کہ اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ایک دوسرے کو نقصان دینے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔تو بہتر یہی ہے کہ آپس میں صلح کرلیں آگے فرمایا۔کہ ان عورتوں کے مردوں پر حقوق میں سے یہ ہے۔کہ ان کے ساتھ نیکی کریں جو شرع کے مطابق ہو۔

مسئلہ: عورت کو حق حاصل ہے۔کہ زوج سے حق مہر وصول کرے۔نان نفقہ اور سکونت حاصل کرے۔ اسی طرح مرد کے حقوق میں ہے۔کہ وہ اس کی کماحقہ خدمت کرے۔اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر درجہ حاصل ہے۔

مرد کی فضیلت: مرد کو عورت پر کئی وجہ سے فضیلت ہے۔عقل اور دین کے لحاظ سے اور وہ اس کا ایک قسم کا مالک ہے۔کہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ وہ نہیں رکھ سکتی۔نہ مرد کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھ سکتی ہے۔مرد طلاق دے سکتا ہے۔جب چاہے رجوع کرسکتا ہے۔جبکہ عورت ان امور کی مالک نہیں ہے۔

حدیث شریف بہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم دیتا۔تو عورت کو حکم دیتا۔کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے (رواہ احمد وابن ماجہ)۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے عورت پر بڑے حقوق مقرر فرمائے۔آگے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔یعنی قدرت رکھتا ہے۔کہ جو ان کے احکام کی مخالفت کرے اس سے بدلہ لے۔اور حکیم ایسا ہے۔کہ اس کی شریعت کے تمام امور میں حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔

ف: حقوق زوجیت تب مکمل ہوتے ہیں۔کہ جب دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کریں اور دونوں کو اس بات کا احساس ہو۔کہ ہم نے ایک دوسرے کے احوال کی اصلاح کرنی ہے۔مثلاً: ۱۔طلب اولاد ۲۔تربیت اولاد ۳۔گھر کی حفاظت ۴۔ایک دوسرے کے معاملات کو سلجھانا وغیرہ۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا

طلاق دو تک ہے پس رک جانا ہے ساتھ اچھے طریقے کے یا رخصت کرنا ہے اچھے سلوک سے اور نہیں

يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ

حلال تمہارے لئے یہ کہ تم واپس لو اس میں سے جو تم نے دیا ان عورتوں کو کچھ مگر جب کہ دونوں ڈریں

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ لا

کہ نہیں قائم رکھ سکیں گے حدیں اللہ کی پس اگر تم ڈرو اس سے کہ نہیں قائم رکھ سکو گے حدیں اللہ تعالیٰ کی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ج

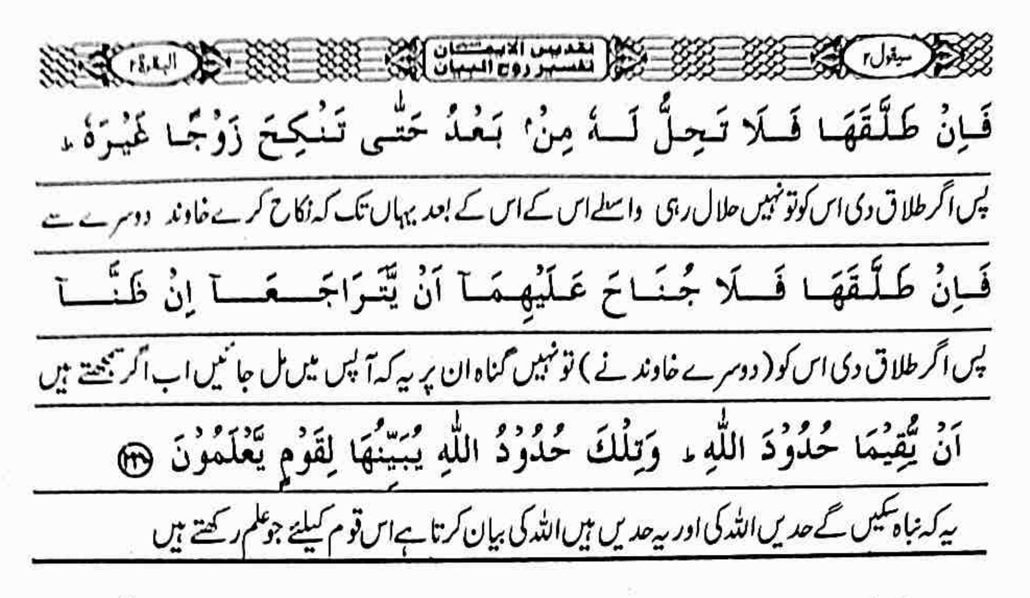
تو پھر نہیں گناہ اوپر ان کے اس میں جو فدیہ دے اس کو یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ آگے بڑھو ان سے

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

اور جو تجاوز کرے گا اللہ کی حدوں سے پس وہ ہی ظالم ہیں

(آیت نمبر ۲۲۹) طلاق دو مرتبہ ہے۔ یعنی طلاق رجعی جس کا بیان ہو چکا۔ جس کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے۔ وہ دو مرتبہ تک یعنی دو طلاق تک عورت سے رجوع ہو سکتا ہے۔ یا دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو یا تین طلاق اکٹھی دینا حرام ہے۔ لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر دو طلاق دی ہیں۔ تو نیا نکاح کر لینے سے عورت اس کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر تیسری طلاق بھی دے گا۔ تو پھر اس کے لئے ہرگز واپس نکاح میں نہیں آ سکتی۔ جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ ہو جائے۔ اور جماع کے بعد طلاق یافتہ نہ ہو جائے۔ اس لئے آگے فرمایا۔ کہ دو طلاقوں کے بعد اگر روکنا ہے۔ تو پھر اچھے طریقے سے یعنی عورت کو روکنا کسی ضرر کیلئے نہ ہو۔ بلکہ اصلاح اور حسن معاشرت کیلئے ہو۔ تو پھر رجوع کرے۔ ورنہ رخصت کرنا یعنی فارغ کرنا ہے تو بھی ساتھ احسان کے زیادہ اچھا ہے۔ اس کے مالی حقوق کو بھی ادا کر دے۔ اور اس کی برائیاں بیان کر کے لوگوں کو نفرت بھی نہ دلائے (کہ کوئی بھی اسے نکاح میں نہ لے) یہ سب باتیں احسان میں آتی ہیں۔



فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ

پس اگر طلاق دی اس کو تو نہیں حلال رہی واسطے اس کے اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے خاوند دوسرے سے

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ

پس اگر طلاق دی اس کو (دوسرے خاوند نے) تو نہیں گناہ ان پر یہ کہ آپس میں مل جائیں اب اگر سمجھتے ہیں

اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ کہ نباہ سکیں گے حدیں اللہ کی اور یہ حدیں ہیں اللہ کی بیان کرتا ہے اس قوم کیلئے جو علم رکھتے ہیں

(بقیہ آیت ۲۲۹) **مسئلہ**: خلاصہ یہ ہے۔ کہ آزاد مرد اپنی عورت کو جماع کے بعد ایک یا دو طلاقیں دے۔ تو اسے عورت کی رضا کے بغیر بھی رجوع کا اختیار ہے۔ بشرطیکہ عورت کی عدت ابھی باقی ہو۔ لیکن اگر مدت ختم ہوگئی۔ یا جماع کئے بغیر طلاق دے دی۔ یا خلع ہوگیا۔ تو پھر نئے نکاح کی ضرورت ہوگی۔ پھر اس میں عورت یا اس کے ولی کی اجازت پر نکاح موقوف ہوگا۔ آگے فرمایا۔ کہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ کہ جو تم نے انہیں دیا اس میں سے کچھ لے لو۔ یعنی حق مہر وغیرہ جو اسے دیا ہے۔ وہ سارا یا اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

شان نزول: یہ ہے۔ کہ جمیلہ نامی عورت حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئی۔ اور عرض کی کہ میری اپنے شوہر ثابت بن قیس سے نہیں بن رہی۔ ہماری آپس میں طبعی موافقت نہیں ہے۔ اس کے دینی دنیوی معاملے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ویسے ہی مجھے ان سے نفرت ہے۔ کہ ان کی شکل وصورت مجھے پسند نہیں ہے۔ اور یہ نفرت بغض کی صورت تک پہنچ گئی ہے۔ لہذا مجھے طلاق ہی چاہئے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس کا لب لباب یہ ہے۔ کہ اگر عورت مرد کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتی۔ تو اسے چاہئے۔ کہ وہ شوہر کو اس کا دیا ہوا مال دیکر اس سے طلاق لے لے۔ اسے خلع کہا جاتا ہے۔ تو جمیلہ کو جو ثابت نے حق مہر میں باغ دیا تھا۔ وہ انہوں نے واپس کر دیا۔

ف: اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا خلع تھا۔ آگے فرمایا۔ کہ مرد لوگ حق مہر میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ مگر یہ کہ بیوی اور خاوند ڈریں اس بات سے کہ نہیں قائم رکھ سکیں گے حدیں اللہ تعالیٰ کی۔ یعنی حقوق زوجیت ادا نہ کر سکیں گے۔ تو اس وجہ سے اگر تم ڈرتے ہو۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدوں کی پابندی نہیں کر سکو گے۔ یعنی نکاح کی وجہ سے جو حقوق

مقرر ہوئے یہ قرائن سے اور طرز حال سے روشن ہوا۔ تو پھران پر کوئی حرج نہیں۔ کہ عورت خاوند کو کچھ مال وغیرہ دیکر اپنی جان خلاصی کرے۔ تو اس صورت میں نہ مرد کو گناہ ہے۔ کہ اس نے عورت سے مال لیکر طلاق دی۔ اور نہ عورت کو مال دیکر طلاق لینے پر گناہ ہے۔ یہ صورت اس وقت ہے۔ کہ جب عورت کی طرف سے زیادتی ہو۔ کہ وہ مال دے کر طلاق لے۔

مسئلہ: اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو۔ تو پھر عورت سے مال لیکر طلاق دینا جائز نہیں۔ مرد کیلئے بھی یہ جائز نہیں۔ کہ وہ عورت کو اتنا مجبور کردے۔ کہ وہ طلاق ہی لینے پر مجبور ہو جائے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ خلع صرف اس وقت جائز ہے۔ جب دونوں کا آپس میں گذارہ مشکل ہو آگے فرمایا۔ کہ یہ حدیں ہیں اللہ تعالیٰ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی ان احکام کی مخالفت نہ کرو۔ اور جو ان حدود سے تجاوز کریں وہ ظالم ہیں۔ یعنی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ کہ اپنے آپ کو عذاب کیلئے تیار کر رہے ہیں۔

سبق: عورتوں کے ساتھ اچھی زندگی گذارنا اور معمولی غلطیوں پر انہیں معاف کرنا یہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے ہے۔

ف: دو طلاقوں کے بعد مرد اگر اپنی عورت کو ایک اور طلاق دے۔ تو اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں رہی۔ ان تین طلاقوں کے بعد اب نہ رجوع کی گنجائش رہی نہ نئے نکاح کی یہاں تک کہ وہ عورت نکاح کرے کسی دوسرے خاوند سے۔

مسئلہ: اس نکاح سے مراد نکاح کے بعد جماع ہے۔ یہ جماع والی قید رفاعہ والی حدیث کی وجہ سے لگائی گئی ہے۔ کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ کہ تو اس مرد عبدالرحمٰن کی مٹھیاس چکھے اور وہ تیری۔ اس کے بعد وہ طلاق دے۔ اس کے بعد عدت گذار کر پہلے خاوند کے پاس جا سکتی ہے۔ تو لذت سے جماع مراد ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر شوہر نے عورت کو ایک ہی طلاق دی۔ تو بیوی خاوند دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ کہ وہ رجوع کرلیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یعنی وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بیوی خاوند کے درمیان مقرر فرمائے۔ جن کی پابندی ضروری قرار دی۔ ان کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ ایسی قوم کیلئے جو جانتے ہیں۔ **ف**: احکام خداوندی سے صحیح فائدہ اہل علم ہی اٹھاتے ہیں۔

نکتہ: طلاق مغلظہ میں حلالہ اور اس کے بعد اسے جماع کی لذت اس لئے رکھی گئی۔ کہ غیرت مند مرد طلاق دیتے وقت زیادہ سے زیادہ دو تک جائے۔ اس کے ذہن میں ہو۔ کہ اگر تین دونگا۔ تو بیوی دوسرے کے پاس جائے گی۔ غیر سے جماع کرائے گی۔ تب واپس آئے گی۔ لہذا وہ طلاق دیتے وقت سوچ کر دے گا۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو تو پھر روک لو ان کو بھلے طریقے سے

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

یا رخصت کرو اچھی طرح نہ روکو ان کو تکلیف پہنچانے کیلئے کہ تم حد سے بڑھو اور جو کرے ایسا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا

پس تحقیق اس نے ظلم کیا اپنی جان پر اور نہ بناؤ ان آیات خداوندی کو مزاح اور یاد کرو

نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ

نعمت اللہ تعالیٰ کی جو تم پر ہے اور اتاری تم پر کتاب اور حکمت تاکہ نصیحت کرو ساتھ اس کے

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بے شک اللہ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۰) **مسئلہ**: حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا فاسد ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ البتہ علماء نے ایک حیلہ بیان کیا ہے۔ کہ عورت نکاح کے وقت طلاق کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ کہ میں جب چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں تو یہ شرط جائز ہے۔ تو اس طریقے سے وہ اپنے آپ کو پہلے خاوند کیلئے جائز کر سکتی ہے۔ **حدیث شریف**: میں حلالہ کرنے اور جس کیلئے حلالہ ہوا دونوں پر لعنت کی گئی۔ (بخاری و ترمذی کتاب النکاح)

(آیت نمبر ۲۳۱) اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں۔ تو اگر طلاق رجعی ہے۔ تو روک لو انہیں اچھے طریقے سے۔ اگر طلاق مغلظہ ہے۔ تو پھر مرد کا حق نہیں۔ کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ لے۔

شان نزول: یہ آیت ثابت بن یسار انصاری کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوئی۔ تو رجوع کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دے دی۔ اس سے اس کا مقصد اسے دکھ پہنچانا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ گھر میں رکھو تو اچھے طریقے سے۔ کہ انہیں کوئی دکھ تکلیف نہ پہنچاؤ۔ معروف

اسے کہتے ہیں۔ جو شرعاً عرفاً اور عادتاً مستحسن ہو۔ آ گے فرمایا کہ اگر انہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑنا چاہتے ہو تو وہ بھی اچھے طریقے سے یعنی باعزت طریقے سے۔ کہ انہیں پریشان نہ کیا جائے۔ اور مکمل فارغ کردیا جائے اور انہیں نقصان اور تکلیف دینے کیلئے نہ روکو۔ کہ تم انہیں تکلیف میں ڈال کر حد سے تجاوز کرو۔ یا ظلم وزیادتی کرو۔ اور جو ایسا کام کرے گا۔ یعنی عورت پر زیادتی کرنے کیلئے اسے روکے گا۔ تو اس نے اپنی ذات پر ظلم کیا۔ یعنی عورت کو ظلم کا نشانہ بنا کر اپنی جان پر ظلم کررہا ہے کہ آخرت میں اس کی بدترین سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھٹھا مزاخ نہ بناؤ۔ آیات سے مراد احکام ہیں۔ یا تمام آیات مراد ہیں۔

ف: کسی مسلمان کو یہ لائق نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ٹھٹھا مزاق کرے۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ اور ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی میں پوری پابندی کرو۔

اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو تم پر ہیں اور آئندہ ہونے والی ہیں۔ کہ اس نے تمہیں دینی اور دنیوی سعادتوں کے حصول کی راہ دکھائی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور ان کے حقوق ادا کرو۔ خصوصاً یہ کہ اس نے تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔ پھر تمہارے لئے جوڑے کا انتظام کیا۔ تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور انہیں بھی سکون پہنچاؤ۔ اور تم پر کوئی تنگی بھی نہیں رکھی۔ اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔ یعنی قرآن اور حدیث عطا کی کہ جس کے ذریعے وہ تمہیں وعظ ونصیحت فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبہ کی محافظت کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ اور اچھی طرح جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی شیء مخفی نہیں ہے۔

مسئلہ: مخلوق کے ہر فرد کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو خصوصاً بیوی خاوند کو چاہئے۔ کہ وہ آپس میں اچھی زندگی گذاریں۔ ایک دوسرے سے ناچاکی یا لڑائی جھگڑا سے پرہیز کریں۔ ایک دوسرے کو دکھ اذیت دیگر ظلم کے مرتکب نہ ہوں۔ کسی پر ظلم کرنے والا درحقیقت وہ اپنے اوپر ظلم کررہا ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن ظالم کی تمام نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائینگی۔ اور مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال کر اسے جہنم رسید کردیا جائیگا۔ تو اس لحاظ سے گویا ظالم اپنے آپ پر ظلم کررہا ہے۔ اسی طرح جو کسی پر احسان کررہا ہے۔ وہ یوں سمجھے کہ وہ اپنی ذات پر احسان کررہا ہے۔ کہ بروز قیامت اس پر اسے اجر عظیم ملے گا۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پھر پوری ہو جائے میعاد ان کی تو پھر نہ روکو ان کو کہ وہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

جب راضی ہو جائیں آپس میں شرع کے مطابق یہ نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو ہے تم میں ایمان رکھتا اللہ تعالیٰ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور روز آخرت پر یہ کام بہت ستھرا تمہارے لئے اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے (مگر) تم نہیں جانتے

(آیت نمبر ۲۳۲) اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو۔ اور وہ عدت ختم کر لیں اس کے بعد تم انہیں مت روکو۔

شان نزول : یہ آیت معقل بن یسار کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ جب اس نے اپنی بہن کو روکا تھا۔ جب وہ اپنے خاوند بداح بن عبداللہ کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ معقل نے کہا۔ میری ناک گھس جائے۔

اگر میں اسے واپس بداح کے نکاح میں جانے دوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے عورتوں کے متولیو۔ تم عورتوں کو مت روکو۔ یہاں روکنے سے مراد یہ بھی ہے کہ اگر وہ شوہر اول نے طلاق رجعی یا بائنہ دی۔ پھر دونوں کا معاملہ درست ہو گیا۔ اور عورت اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے۔ یا نئے شوہر سے عورت زندگی گذارنا چاہتی ہے۔ تم انہیں مت روکو۔

ف: اگر چہ عورت بالغ اپنے نکاح کی خود بھی کفیل ہے۔ لیکن وہ اگر اپنے متولیوں کے ذریعے سے کسی کے گھر جائیں گی۔ تو خاندان کی عزت افزائی ہو گی۔ کوئی انہیں ملامت نہیں کر سکے گا۔

ف: بعض مفسرین کا خیال ہے۔ کہ یہ خاوندوں ہی سے خطاب ہے۔ کہ جو نہ اپنی عورتوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور نہ ہی طلاق دیتے ہیں۔ اور رسم جاہلیت کی طرح ان پر ظلم کرتے ہیں۔ انہیں فرمایا گیا کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر کے جانا چاہیں۔ تو انہیں مت روکو۔ جبکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے راضی وخوش بھی ہیں۔ کہ جب وہ معروف اور شریع شریف کے مطابق عقد صحیح کے ساتھ اور اچھے معاشرہ اور عادل گواہوں کے ذریعے ان کے پاس جا رہی ہیں۔ تو تم انہیں مت روکو معروف وہ شیء ہے۔ جسے شرع اور معاشرہ دونوں اچھا سمجھیں۔ (بقیہ حصہ صفحہ نمبر ۲۰۷)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ

اور مائیں دودھ پلائیں اولاد اپنی کو دو سال پورے یہ اس کیلئے جس کا ارادہ ہے کہ پوری کرے

الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

مدت دودھ پلانے کی اور اوپر بچے والے کے کھانا ان کا اور کپڑے ان کے حسب دستور

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا

نہ تکلیف دی جائے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق نہ ضرر دیا جائے ماں کو بچے کی وجہ سے

وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ

اور نہ بچے والے کو بوجہ اس کے بچے کے اور اوپر وارثوں کے بھی مثل (اس کے حکم ہے) پس اگر

اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

دونوں ارادہ کریں دودھ چھڑانے کا رضامندی سے آپس میں اور مشورے سے تو بھی نہیں کوئی مضائقہ ان پر

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

اور اگر ارادہ کرو تم یہ کہ دودھ پلواؤ (دائیوں سے) اولاد اپنی کو تو نہیں کوئی مضائقہ تم پر جب کہ حوالے کر دیا

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

جو تم نے دیا تھا بھلائی کے ساتھ اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بے شک اللہ جو تم عمل کرو دیکھ رہا ہے

(آیت نمبر ۲۳۳) اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ دو سال پورے۔ اس سے عام مائیں مراد ہیں۔ خواہ مطلقہ ہوں یا غیر مطلقہ ان پر لازم ہے۔ کہ وہ دودھ پلائیں اس لئے۔ کہ بچہ اپنی ماں کا دودھ پی کر اچھی صحت اور بہتر تربیت پاتا ہے۔ بہ نسبت دوسری عورتوں کے دودھ سے۔ (اور اللہ تعالیٰ نے ہر بچہ کی اپنی ماں کے دودھ میں جو طاقت رکھی ہے۔ وہ کسی دوسری عورت میں نہیں)۔ (اور دودھ کا اثر بچے میں ضرور ہوتا ہے اور زندگی بھر رہتا ہے)۔

مسئلہ: اگر بچہ اپنی ماں کے بغیر کسی دوسری عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ یا دوسری عورت ملی ہی نہیں۔ یا وہ رقم زیادہ مانگتی ہے۔ تو ماں پر دودھ پلانا واجب ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ دوسال بھی اس کیلئے ہے۔ کہ جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ :امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ ان کی دلیل سوۃ احقاف کی آیت نمبر ۱۵ ہے۔ اور صاحبین مذکورہ آیت کو دلیل بنا کر مدت رضاعت دوسال بتاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت مدت استحقاق پر محمول ہے۔ یعنی دوسال تک دودھ پلوائیں تا کہ بچہ صحت مند ہو۔

مسئلہ :اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دوسال کے بعد بھی دودھ پلا سکتے ہیں۔ یہ دوسال کی مدت مدت رضاعت ہے۔ یہ شرط نہیں اگر دوسال سے پہلے بھی وہ دودھ چھڑانے پر راضی ہو جائیں۔ تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں۔ **مسئلہ:** مدت رضاعت میں جس عورت کا بھی وہ بچہ دودھ پیئے گا۔ حرمت نکاح ثابت ہو جائیگی۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور اسی پر فتوی بھی ہے۔

ف: اس آیت میں جیسے بچہ کی ماں کو حکم دے کر بچہ کی رعایت فرمائی ایسے ہی بچے کے باپ کو اس کی ماں کی رعایت کا حکم فرمایا۔ تا کہ بچہ کی تربیت صحیح ہو۔ اس لئے عورت کی خوراک لباس رہائش صحیح ہو۔ اور فرمایا کہ جس کا بچہ پیدا ہو۔ اور بچے کا باپ فوت ہو گیا ہو تو وارث پر ضروری ہے کہ بچے کو دودھ پلانے والی مائی کیلئے اچھی خوراک اور لباس مہیا کرے۔ اس لئے کہ دودھ پلانے والی خوراک اچھی کھائے گی۔ تو بچہ کو دودھ بھی اچھا پلا سکے گی۔ اس لئے کہ دودھ غذا سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ کسی نفس کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ یعنی نہ تو ماں کو بچے کی وجہ سے کوئی دکھ تکلیف دی جائے۔ کہ اس سے بچہ چھین لیا جائے جب کہ وہ دودھ دینا چاہتی ہے۔ اور بچہ سے محبت بھی ہے اور نہ بچہ کی وجہ سے باپ کو تکلیف دی جائے۔ کہ بچہ جنتے ہی جواب دے دے۔ کہ میں اسے دودھ نہیں پلاتی۔ یا مطالبات ان کی ہمت سے زیادہ رکھ دے۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کو بچہ کی وجہ سے پریشان نہ کریں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرد کے بھی لائق نہیں۔ کہ وہ عورت کو بچہ کی وجہ سے دکھ پہنچائے۔ اور نہ ہی عورت کو چاہئے۔ مرد کے ساتھ بچہ کی وجہ سے ایسا سلوک کرے۔ بلکہ بچہ کے ساتھ محبت دونوں کے دل میں ہو۔ اس لئے کہ وہ ان دونوں کا لخت جگر ہے۔ اس کی وجہ سے جھگڑے کا سوال بھی نہ ہوگا۔ آگے فرمایا کہ وارث پر بھی یہی حق ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر مرد مر جائے۔ تو یا یہی بچہ اس کا وارث ہے۔ جسے اب دودھ پلانا ہے۔ اس بچے کو دودھ بھی پلانا ضروری ہے تو دودھ پلانے والی کی ضروریات وارث کو ادا کرنی ہونگی لہذا اس کے مال سے ادا کرے۔ یا اس لئے خاص قسم کے وارث مراد ہیں۔ جیسے والدین اور بہن بھائی وغیرہ۔ یعنی اگر باپ ہوتا۔ تو جتنا مقدار بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی کا نان نفقہ اور

لباس وخوراک کا تھا۔ اب اس کی عدم موجودگی میں اتنی ہی مقدار وارثوں پر ہے کہ وہ ادا کریں۔

مسئلہ: نان نفقہ کا وجوب دودھ پلانے والی کیلئے احناف اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں۔

آگے فرمایا پس اگر ارادہ کرلیں ماں باپ دودھ چھڑانے کا۔ یعنی بچہ کی مدت رضاعت پوری ہونے سے پہلے ہی ماں سے دودھ چھڑانے کا پروگرام کرلیں۔ آپس کی رضامندی سے۔ ف: معلوم ہوا کہ ایک کی رضا کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے۔ ایک کی مرضی بچے کو تکلیف دینے کی ہو۔ مثلاً عورت دودھ پلانے سے تنگ ہوگئی ہو۔ یا مرد بخل سے کام لے کر خرچہ نہ دینا چاہتا ہو۔ اس لئے فرمایا کہ پورے غور وخوض کے بعد دونوں کا اس پر اتفاق ہو جائے۔ باپ کی شفقت اور ماں کی محبت مل کر اچھا فیصلہ کریں گے۔ اس صورت حال میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کہ جب دونوں ایک رائے پر متفق ہوں۔ اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کیا۔ کہ اب بچے کا دودھ چھڑانا بہتر رہے گا۔ اس لئے کہ دونوں کی رضا میں ہی بھلائی ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم بچے کے بارے میں ارادہ یہ رکھتے ہو۔ کہ تم کسی اور سے دودھ پلواؤ تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (لیکن پہلی کا خرچہ اسے ادا کرنے کے بعد)۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ کسی غیر عورت سے بچے کو دودھ پلوالے۔ اور بچے کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے۔ بشرطیکہ جب تم دودھ پلانے والی کو دودھ پلانے کی اجرت دینے کا بھی ارادہ رکھتے ہو۔ اور انہیں وہ چیز اجرت میں دو کہ جو شرعاً اور عرفاً اچھی ہو اور مستحسن ہو۔

ف: اسے دودھ پلانے پر کچھ دینا شرط نہیں۔ بلکہ مستحب اور احسان ہے۔ اس لئے۔ کہ دودھ پلانے والی کو اجرت یا عطیہ نقد یا دست بدست دینے سے اسے بچہ کو دودھ پلانے میں آسانی ہوگی۔

ف: حکیم کہتے ہیں۔ کہ فطرت کا تقاضا ہے۔ کہ دودھ پلانے والی اچھے اخلاق اور اچھی عادات والی ہو تو اس کے اخلاق کا اثر بچے پر ضرور پڑتا ہے۔ بہتر ہے کہ نیک عورت سے بچے کو دودھ پلوایا جائے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں بے وقوف اور بداخلاق عورت کا دودھ نہ پلوایا جائے اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ یعنی مذکورہ احکام کی رعایت میں یا دودھ پلانے والی کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

حدیث شریف: قیامت کے دن بندے سے چار قسم کے خرچ کے بارے میں سوال نہ ہوگا: ۱۔ ماں باپ پر خرچ کرنے۔ ۲۔ سحری کھانے۔ ۳۔ اور افطاری کے وقت کھانے میں۔ ۴۔ اور اہل وعیال پر خرچ کرنے والے کا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جو مریں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو روک رکھیں اپنے آپ کو چار ماہ

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

اور دس دن تک پھر جب پوری ہوجائے عدت ان کی تو نہیں کوئی گناہ تم پر اس میں جو کرلیا انہوں نے اپنے معاملہ میں

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

موافق شرع کے اور اللہ کو جو تم عمل کرو خبر ہے

(آیت نمبر۲۳۴) اور وہ جو تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں۔ تو وہ عورتیں انتظار کریں گی چار ماہ اور دس دن۔ یعنی اس مدت میں نہ کہیں جائیں اور نہ وہ کسی سے نکاح کریں۔ یہ مدت مرنے والے کی بیوی کیلئے عدت ہے۔

نکتہ: اس میں یہ ہے۔ کہ اگر پیٹ میں بچہ ہوا تو وہ تین ماہ میں حرکت کرنے لگے گا۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو چار ماہ میں حرکت کرے گی۔ اور دس دن مزید بڑھائے۔ تا کہ پورا یقین ہو جائے۔ کہ اس کے پیٹ میں کچھ ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ بعض دفعہ بچہ پیٹ میں کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا۔

ف: ابتداء اسلام میں ایسی عورت کی عدت سال تھی۔ جس کا ذکر آگے ہے۔

اس آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر جب وہ اپنے اجل کو پہنچ جائیں یعنی عدت پوری کرلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ کہ اب اگر وہ کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہیں یا اس کے بارے میں جو انہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا یعنی سابقہ خاوندوں کے گھر میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ ان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ کوئی اقدام شرع کے خلاف نہ کریں یا اخلاق سے گرا ہوا نہ ہو۔ کہ جس سے ان کی ناموس داغدار ہو۔ یا فوت شدہ خاوند کی بدنامی ہو یہ (من معروف) کی قید سے معلوم ہوا آگے فرمایا۔ کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔ لہذا ناجائز امور سے بچنے کی کوشش کریں۔ تا کہ بروز قیامت رسوائی نہ ہو۔

ف: اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں: ۱۔ عدت کے دوران کسی سے نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔ ۲۔ جہاں خاوند فوت ہوا وہیں عدت گذارنا واجب ہے۔ ۳۔ اس عدت کے دوران زیب وزینت نہ کرے۔ ف: فوتگی والی عدت میں نان نفقہ واجب نہیں۔ طلاق والی عدت میں واجب ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ

اور نہیں گناہ تم پراس میں جو بھیجا تم نے پیغام نکاح کا عورتوں کو یا چھپا رکھا تم نے اپنے دلوں میں

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا

جانتا ہے اللہ کہ بے شک عنقریب تم ذکر کرو گے ان سے لیکن نہ تم وعدہ لو ان سے چھپ کر مگر یہ کہ کہو تم بات

مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ

اچھی اور نہ تم پکی کرو گرہ نکاح کی یہاں تک کہ پہنچ جائے لکھت اپنی میعاد کو اور جان لو کہ بے شک

اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس بچو اس سے اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۴) حدیث شریف: حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو عورت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے۔ اسے حلال نہیں۔ کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے (بخاری و مسلم کتاب الجنائز)۔ البتہ اپنے شوہر کیلئے چار ماہ دس دن تک انتظار کرے اس میں وہ سوگ میں رہے۔ اس لئے کہ اگر وہ اس عرصے میں کوئی زیب و زینت کرے گی۔ تو وہم ہوگا کہ یہ نکاح کی طالبہ ہے۔ اور دوسرا یہ معلوم ہوگا۔ کہ اسے خاوند جیسی نعمت چھن جانے کا افسوس نہیں ہے۔ ف: طلاق والی عدت میں کہیں نہیں جا سکتی۔ فوتگی والی اپنی عدت میں دن کے وقت جا سکتی ہے۔

(آیت نمبر ۲۳۵) اور تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یعنی جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ اور وہ عورت صاحب مال ہے۔ یا اس میں حسن و جمال ہے۔ جس کی وجہ سے تمہیں اس کے ساتھ نکاح کی رغبت ہے۔ تو اسے پیغام نکاح بھیجو۔

ف: رجعی طلاق والی عورت کے سوا باقی عورتیں جو عدت گذار رہی ہیں۔ انہیں عدت کے دوران پیغام نکاح بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر اس سے پہلے کسی اور نے اسے پیغام بھیجا ہے۔ تو اس کی حق تلفی نہ کی جائے۔ کیونکہ اس بات سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا (بخاری و مسلم، کتاب النکاح)۔ آگے فرمایا۔ کہ یا تم نے نکاح کا پیغام تو نہ بھیجا۔ لیکن اپنے دل میں ان سے نکاح کرنے کا پروگرام چھپا رکھا ہے۔ ابھی زبان پر نہ لائے۔ سوائے اشارے

کنائے کے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عدت کے دوران اشارہ وکنایہ سے پیغام نکاح کی اباحت بتا کر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے ہی معلوم ہے۔ کہ تم ضرور اس کا ذکر کرو گے۔ اس لئے۔ کہ تمہیں اس سے رغبت ہے۔ اس لئے عدت کے دوران ہی تم اس کو اشارہ یا کنایہ یا صراحت سے کہیں بیان کر دو گے۔ بے شک ان سے نکاح کی رغبت کا اظہار کرو۔ لیکن عدت ختم ہونے تک ان سے نکاح کا وعدہ نہ لو۔ نہ ظاہر نہ چھپ کر۔ بس جس قدر تمہیں اجازت دی گئی ہے۔ اسی پر اکتفاء کرو۔ یعنی دل میں بات رکھو۔ اگر نکاح کی بات اشارے سے کرنی ہو۔ تو بھی ایک اچھے انداز سے مثلاً یہ کہ میں اچھے اخلاق کا مالک ہوں۔ معاشرے میں میرا ایک مقام ہے۔ اور ایسے شائستہ طریقے سے بات کرے۔ کہ جس سے وہ سمجھ جائے۔ کہ اسے میرے ساتھ نکاح کی رغبت ہے۔ تا کہ وہ کسی اور سے نکاح کا وعدہ نہ کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تم ان سے معروف بات یعنی وہ بات کر سکتے ہو جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ یا اس سے اچھے انداز سے گفتگو کرو۔ تا کہ اس کا دل نہ دکھے۔ ایک تو پہلے ہی اسے اپنے خاوند کے فوت ہونے کا افسوس ہے۔ اور غم واندوہ کی ان گھڑیوں میں جبکہ اس کا گھر بے چراغ ہو گیا ہے تو اس کے سامنے جشن شادی کی باتیں کرنا اس کا دل دکھانے کے مترادف ہے۔ البتہ شادی کا پیغام بھیج دو۔ یا اشارے کنائے سے بتلا دو کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ممانعت اصل میں یہ ہے۔ کہ عقد نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو۔ عزم اصل میں دلی ارادہ پختہ کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسا ارتباط جو عاقدین سے مثل نکاح ہو وہ نہ کرو۔

مسئلہ: گویا اس میں سخت مبالغہ کیا گیا ہے۔ کہ جب عزم نکاح ناجائز ہے۔ تو نکاح کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ کیونکہ عزم تو فعل سے مقدم ہوتا ہے۔ جب مقدم کی نفی کی تو شیء کی نفی خود ہی ہو گئی۔ آگے فرمایا۔ کہ اس وقت تک نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ کتاب اپنی میعاد کو پہنچ جائے۔ یعنی عدت کی مدت پوری ہو جائے۔

کتاب کا مطلب جو اللہ نے فرض فرمایا۔ یعنی مقررہ عدت پوری ہو جائے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ بھی جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یعنی تمہارے شرعاً ناجائز ارادہ کو وہ جانتا ہے۔ لہذا اس بات سے ڈرو۔ اور اس معاملے میں برے ارادے نہ رکھو۔ اور یہ بھی جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ تمہارے دلوں میں جو ارادے آئے یا ابھی خیال میں ہیں۔ اور وہ بردبار ہے کہ وہ جلد سزا نہیں دیتا۔ لہذا جن امور کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ان پر کاربند رہو۔ اور اپنی زندگی کو غنیمت جان کر حکم الٰہی مانو۔ اور اس پر عمل کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

سبق: عقل مند کیلئے لازم ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دے۔ اور دنیا بلکہ ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا

نہیں کوئی مطالبہ تم پر اگر تم طلاق دو عورتوں کو جب تک نہیں تم نے ہاتھ لگایا ان عورتوں کو یا مقرر کر لیا

لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

ان کیلئے کوئی مہر اور نفع دو ان کو اور وسعت والے کے لئے اس کے لائق اور تنگدست پر

قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اس کے حسب لائق نفع دینا ہے موافق دستور حق کے اوپر بھلے لوگوں کے

(آیت نمبر ۲۳۶) اور تم پر کوئی گناہ نہیں۔ کہ اگر تم نے عورتوں کو طلاق دی اس صورت میں کہ ابھی تم نے ان سے جماع نہیں کیا اور تم نے ان کے لئے حق مہر مقرر نہیں کیا۔ پھر جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہوگئی۔ تو عورت حق مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اگر حق مہر مقرر ہو گیا۔ تو پھر نصف حق مہر دینا لازمی ہے۔

مسئلہ: اگر حق مہر مقرر نہیں۔ تو اس کو کپڑے وغیرہ دیئے جائیں۔ جس سے اس کو فائدہ ہو۔

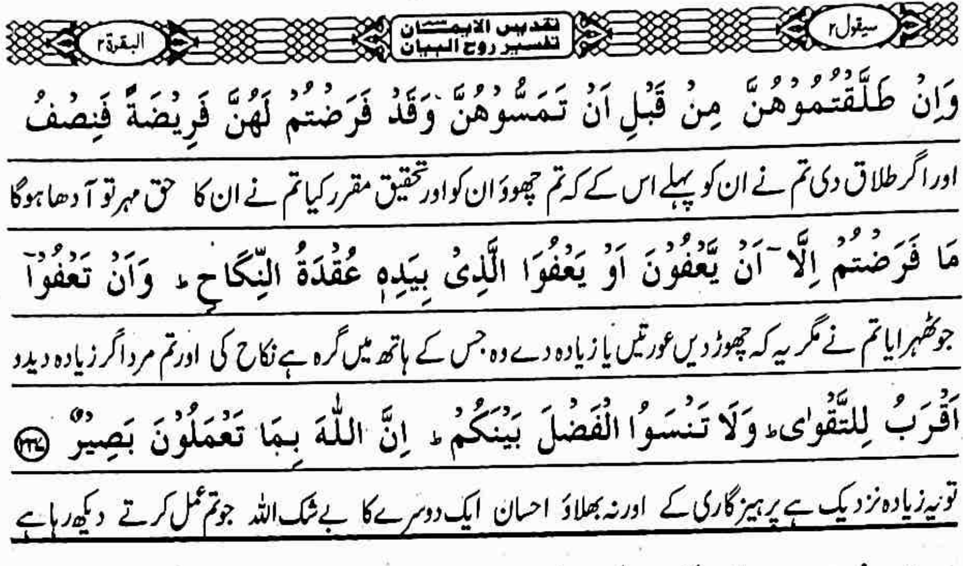
ف: اس لئے کہ مرد نے طلاق دیکر اسے وحشت میں ڈال دیا ہے۔ تو شریعت نے اسے نفع کی چیز دے کر اس کی پریشانی کو دور کیا۔ متع: کی تفسیر میں تین کپڑے بیان ہوئے:

۱۔ درع یعنی بڑی چادر جو تمام بدن کو ڈھانپ لے۔

۲۔ ملحفہ جو برقع کی طرح کر کے گھر سے باہر نکلے۔

۳۔ دوپٹہ جو سر کو ڈھانپ لے۔

آگے فرمایا کہ مالی طور پر وسعت والے کیلئے اس کے مال کے حساب سے یعنی اسے کپڑوں کے علاوہ پیسے وغیرہ بھی دے۔ اور تنگدست اپنی غربت کے حساب سے عورت کو نفع دے جو معروف یعنی شرع کے لحاظ سے اور مروّت کے لحاظ سے بھی مستحسن ہو۔ یہ نیک لوگوں پر حق واجب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جلدی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے مرد اس فضیلت کو مدنظر رکھیں۔



وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور اگر طلاق دی تم نے ان کو پہلے اس کے کہ تم چھوؤ ان کو اور تحقیق مقرر کیا تم نے ان کا حق مہر تو آدھا ہوگا

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا

جو ٹھہرایا تم نے مگر یہ کہ چھوڑ دیں عورتیں یا زیادہ دے وہ جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی اور تم مرد اگر زیادہ دیدو

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تو یہ زیادہ نزدیک ہے پرہیزگاری کے اور نہ بھلاؤ احسان ایک دوسرے کا بے شک اللہ جو تم عمل کرتے دیکھ رہا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۶) **مطلقہ کے احوال:**

۱۔ طلاق سے پہلے نہ دخول ہوا نہ حق مہر مقرر رہوا۔

۲۔ دخول بھی ہوا حق مہر بھی مقرر رہوا۔

۳۔ دخول ہوا لیکن حق مہر مقرر نہ ہوا۔

۴۔ دخول نہیں ہوا مگر حق مہر مقرر رہوا۔

ان مذکورہ صورتوں میں سے پہلی صورت میں متاع یعنی نفع دینا ہے۔ کیونکہ وہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس کا حق اتنا ہی بنتا ہے۔ باقی صورتوں میں حق مہر ہے۔ اس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔

(آیت نمبر ۲۳۷) آگے فرمایا۔ کہ اگر تم نے ان کو طلاق دی جماع سے پہلے اور تم نے ان کا حق مہر مقرر کیا تھا۔ تو ان کے مقرر کردہ مہر سے نصف اسے دو۔

مسئلہ :اگر مقرر رہوا۔ اور دخول بھی ہوا۔ تو حق مہر پورا دینا ہوگا۔ اگر مقرر نہیں ہوا تو مہر مثل دینا پڑے گا۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں۔ یعنی اگر مطلقہ عورتیں حق مہر معاف کر دیں۔ تو معاف ہو جاتا ہے۔ یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اس سے مراد یا (ولی ہے) یا خاوند ہے۔ اگر خاوند ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ آدھا تو اس پر واجب تھا۔ اور دوسرا آدھا بھی اس کو دے دے تو کیا حرج ہے۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی۔ کہ نکاح کے ساتھ ہی حق مہر ادا کر دیتے لیکن اگر قبل از دخول طلاق ہوگئی۔ تو مرد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ آدھا واپس کر لے۔ اور واپس کرتے وقت مرد عورت کو پورا ہی واپس کر دیتا۔ تو اسے عفو سے تعبیر کیا گیا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اگر تم عفو کر دو۔ یعنی واپس نہ لو۔ تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۝ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝۲۳۸

پابندی کرو اوپر نمازوں کے اور (خاص کر) نماز درمیانی اور کھڑے ہو اللہ کیلئے ادب سے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۷) **حدیث** میں ہے۔ کہ مرد کے بخیل ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ وہ کہے۔ کہ میں اپنا حق کیوں چھوڑوں۔ میں تو پورا ہی لوں گا۔ (اخرجہ الحاکم، اسنادہ صحیح) آگے فرمایا۔ کہ آپس کی فضیلت کو مت بھولو۔ یا اللہ تعالیٰ کا جو تم پر فضل ہے اسے مت بھولو۔ یا مراد یہ ہے۔ کہ مرد کو چاہئے کہ وہ عورت پر جو مال بنتا ہے وہ نہ لے۔ اس لئے کہ اسے فضیلت حاصل ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ یعنی وہ تمہارے عمل کے مطابق تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

(آیت نمبر ۲۳۸) نمازوں کی محافظت کرو۔ یعنی تمام نمازیں اپنے وقت میں ادا کرو۔ دن رات میں پانچ نمازیں جو قرآن واحادیث سے ثابت ہیں۔ اور اس آیت سے بھی مفہوم پانچ نمازیں بنتی ہیں۔ کیونکہ صلوٰۃ وسطیٰ کیلئے دونوں طرف دو دو عدد ہوتے ہیں۔ بہر حال پانچوں نمازوں کی پابندی از حد ضروری ہے۔ لیکن درمیانی نماز کی بہت زیادہ پابندی پر قرآن وحدیث میں زور دیا گیا ہے۔

درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے:

۱۔ اس سے پہلے بھی دو نمازیں اور بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

۲۔ اسی نماز کے فوت ہونے پر احزاب کے موقع پر حضور ﷺ نے کفار کیلئے بددعائیں کیں۔

۳۔ اس وقت میں کاروبار ختم کرنے اور سمیٹنے میں نماز کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

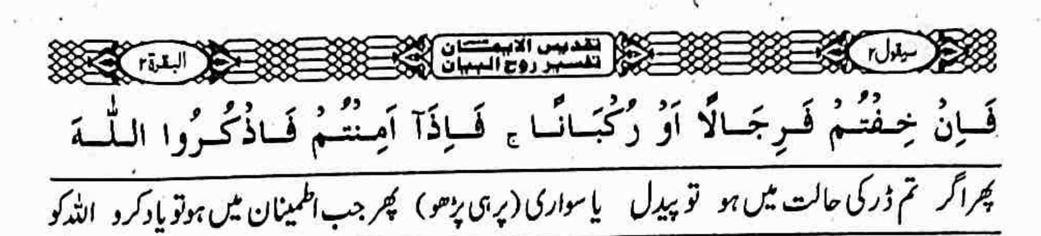
۴۔ اس وقت میں رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

۵۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس کی نماز عصر رہ گئی۔ گویا اس کا مال وآل سب لٹ لیا۔

(نسائی حدیث نمبر ۴۷۵، الترغیب والترہیب)

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد لی ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ فرمانبردار ہو کر۔ یعنی نماز میں صرف اللہ کا ہی ذکر کرو۔ یا قنوت کا معنی خشوع خضوع ہے۔ یعنی نماز خشوع خضوع سے ادا کرو۔

روایات میں آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز میں کھڑے ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر غالب ہوتا۔ کہ نہ وہ آنکھیں پھراتے۔ نہ ادھر ادھر دیکھتے۔ نہ نماز میں کبھی کوئی دنیا کا خیال آتا۔ آخر تک یہی کیفیت رہتی۔



فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر اگر تم ڈر کی حالت میں ہو تو پیدل یا سواری (پر ہی پڑھو) پھر جب اطمینان میں ہوتو یاد کرو اللہ کو

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

جیسا سکھایا اس نے تم کو جو نہ تھے تم (پہلے سے) جانتے

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۸) صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس نماز کے متعلق مبالغہ فرمایا۔ وہ نماز عصر ہی ہے۔ کعب احبار فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔ میرے موسیٰ میرے محبوب احمد ﷺ اوران کی امت چار رکعت نماز عصر پڑھے گی پھر جو مجھ سے مانگیں گے میں انہیں دونگا۔

جیسا کہ ایک **حدیث** میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔ (مسلم شریف حدیث نمبر ۳۸۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، ترمذی حدیث نمبر ۲۹۵۳) اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم نمازوں کی محافظت کرو۔ اور میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ توفیق اور اجابت اور قبول کر کے اور اس پر ثواب دینے سے۔ اور تم نماز پر محافظت کرو۔ صدق اور اخلاص سے۔ حضور قلب اور خشوع خضوع سے اور عجز وانکساری کے ساتھ مناجات کر کے اور مجھ سے استعانت اور ہدایت طلب کرو۔ صوفیاء کرام نے صلوٰۃ وسطیٰ کو صلوٰۃ القلب بھی کہا جاتا ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں۔ کہ جس نماز کی محافظت کا حکم ہے۔ وہ یہی صلوٰۃ القلب ہے۔

(آیت نمبر ۲۳۹) پھر اگر تم کو ڈر ہو دشمن کا یا کسی اور چیز کا۔ یعنی جنگ وغیرہ کی حالت میں ہوتو پھر خواہ نماز پیدل چلتے ہوئے ادا کرو یا سوار ہوکر۔ (یہ جنگ کے موقع پر ہے) ورنہ پیدل نماز جائز نہیں ہے (جیسا کہ پچھلی آیت سے معلوم ہوا) آگے فرمایا۔ کہ جب تم امن میں ہو۔ یعنی کسی قسم کا خوف نہ رہے۔ تو اللہ کو یاد کرو۔ اس طرح جیسے اس نے تمہیں تعلیم دی۔ یعنی نماز اس طریقے سے پڑھو جس طرح پڑھنے کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ اس لئے کہ اصل اللہ کا ذکر نماز ہی ہے۔ اور نماز کا معظم بالشان رکن ہی ذکر الٰہی ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اللہ کا ذکر کرو۔ جیسے کہ اس نے تمہیں تعلیم دی۔ جو کہ تم اس سے پہلے نہیں جانتے تھے۔ یعنی اس سے پہلے تمہیں نماز کی کیفیت معلوم نہ تھی۔ اس میں یہ اشارہ ہے۔ کہ نماز ایسی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے مطابق ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ "اذکروا اللہ بمعنی اشکروا اللہ" ہو۔ کہ اللہ کا شکر کرو ان نعمتوں کے بدلے میں جو اللہ نے دی ہیں اور تمہیں شرع نے بتائی ہیں۔ کہ تم انہیں پہلے نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

اور وہ جو فوت ہوگئے تم سے اور چھوڑ گئے بیویاں وصیت کریں اپنی بیویوں کیلئے نفع اٹھائیں

اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ

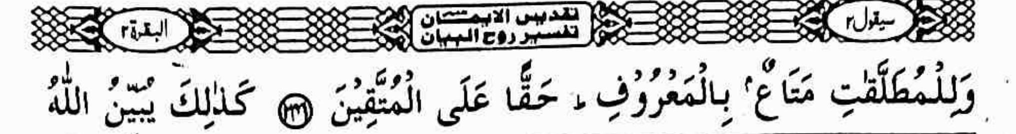
سال تک بغیر (وہاں سے) نکالے پس اگر وہ خود ہی نکل جائیں تو نہیں کوئی گناہ تم پر اس میں جو کیا

فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

اپنے متعلق انہوں نے مناسب طور پر اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۲۴۰) اور وہ جو تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی بیویوں کیلئے وصیت ہے۔ یعنی وہ اپنی بیویوں کو وصیت کر جائیں۔ کہ وہ سال تک وہیں نفع اٹھائیں۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ ان کی بیویوں کو سال تک نفع دو۔ اب معنی یوں کریں گے۔ کہ فوت ہونے والوں کیلئے ضروری ہے۔ کہ مرنے سے پہلے اپنی بیویوں کیلئے وصیت کر دیں۔ کہ ہمارے مرنے کے بعد ایک سال تک ہمارے گھر میں ہی رہیں۔ انہیں نان نفقہ بھی دیا جائے۔ اور گھر سے نکالا بھی نہ جائے۔ بلکہ باعزت طور پر انہیں گھر میں رکھا جائے۔

شان نزول: یہ آیت کریمہ حکیم بن حارث کے حق میں نازل ہوئی۔ جو طائف کا رہنے والا تھا۔ ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچا۔ وہیں فوت ہوا۔ تو حضور ﷺ نے میراث اس کے والدین اور اولاد میں تقسیم کر دی۔ اور عورت کو کچھ نہ دیا۔ اور حکم دیا۔ کہ اسے سال بھر رکھ کر اس کو خرچہ دیں۔ اور گھر سے نہ نکالیں۔ ف: ابتداء اسلام میں جس عورت کا خاوند فوت ہو جاتا۔ اس کی عدت سال تھی۔ اور سال بھر کا خرچہ شوہر کے مال میں سے واجب تھا۔ اور اسے گھر سے نکالنا حرام تھا۔ ہاں اگر وہ خود گھر سے چلی جائے۔ تو پھر اسے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ وراثت میں اس کا ویسے ہی کوئی حصہ نہ تھا۔ پھر جب آیت میراث نازل ہوئی تو عورت کا وراثت میں حصہ مقرر ہوا۔ یعنی اگر خاوند کی اولاد ہو۔ تو آٹھواں ورنہ چوتھا حصہ اسلام نے دیا۔ پھر جب آیت نمبر دو سو چوبیس اتری تو عدت بھی کم ہو کر چار ماہ دس دن رہ گئی۔ اور یہ آیت بطور تلاوت موجود ہے۔ حکماً منسوخ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر وہ عورتیں اپنے خاوندوں کے گھر سے خود ہی اپنے اختیار سے کہیں چلی جائیں۔ تو اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ جو انہوں نے کیا اپنے دل میں بھلائی سوچ کر کیا ہوگا۔ مثلاً سوگ ختم کر دیا۔ یا زیب و زینت کر لی۔ خوشبو لگالی۔ یا کسی نکاح کے خواہش مند سے کوئی بات کر لی وغیرہ۔



وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اور طلاق والیوں کیلئے نان نفقہ مناسب طور پر حق واجب ہے اوپر پرہیزگاروں کے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؏ ﴿۲۴۲﴾

تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھو

(بقیہ آیت نمبر ۲۳۹) **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا۔ کہ فوت شدہ شوہر کے گھر میں ہی رہنا کوئی فرض نہیں تھا۔ البتہ انہیں اختیار تھا۔ کہ وہیں رہیں۔ تو نان نفقہ وہیں سے حاصل کریں۔ خوشی سے چلی جائیں۔ پھر کوئی مطالبہ نہیں کرسکتیں آگے فرمایا۔ کہ اللہ غالب ہے۔ اپنا حکم نافذ کرنے میں اور حکمت والا ہے۔ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے متعلق۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔

(آیت نمبر ۲۴۱) اور مطلقہ جو مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ان کو نفع دو۔ وہ نفع جو شرع کے مطابق ہو۔ یا جسے لوگ اچھا سمجھیں۔ جیسے کہ پیچھے بیان ہو چکا۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ متقی لوگوں پر حق ہے۔ یعنی واجب نہیں۔ البتہ تقوی کے شرائط میں سے ہے۔ تاکہ طلاق سے جو اسے وحشت ہوئی۔ اس تبرع اور احسان سے اس کے دل کو تسلی ہو جائے۔

(آیت نمبر ۲۴۲) آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح بیان فرماتا ہے۔ اپنی آیات کو تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی معاش اور آخرت کے لحاظ سے ہماری ضرورت کی تمام باتوں کو قرآن میں واضح بیان فرمادیا۔ **سبق**: عقل مند کو چاہئے۔ کہ وہ دنیا کی رنگینیوں کو نہ دیکھے۔ اور نہ ان پر مست الست ہو۔ بلکہ اس کے منافع اور اغراض سے تیزی سے گذر جائے۔ بلکہ طریق حق کیلئے تکالیف کو برداشت کرے۔ تاکہ حقیقی لذات تک پہنچ سکے۔

حکایت: ایک دفعہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کو عبادت کرتے تین دن گذر گئے۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ نہ کھانے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گئے تو دعا کی یا اللہ مجھے کھانا دے۔ ابھی دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ایک شخص پاس کھڑا آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا شیخ میرے ساتھ چلیں۔ شیخ اس کے ساتھ چل پڑے۔ جب اس شخص کے گھر میں پہنچے دیکھا تو وہاں طرح طرح کے کھانے پڑے تھے۔ نوکر اور غلام کثیر تعداد میں تھے۔ جب شقیق کھا کر فارغ ہوئے اور واپس جانے لگے۔ تو اس شخص نے عرض کی۔ جناب میں آپ کے والد صاحب کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھے کاروبار پر لگایا۔ تو یہ سب کچھ ان کا ہے۔ اور میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو میں سب کچھ آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ میں ان بکھیڑوں میں پڑ کر اپنی عبادت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (سبحان اللہ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ

کیانہیں آپ نے دیکھا طرف ان کے جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے ڈر موت سے تو فرمایا ان سے اللہ نے

مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

مرجاؤ پھر زندہ کیا انہیں بے شک اللہ بہت بڑے فضل والا ہے اوپر لوگوں کے مگر زیادہ لوگ ناشکرے ہیں

(آیت نمبر ۲۴۳) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ قرآن میں جہاں بھی "الم تر" آیا ہے۔ اگر چہ وہ واقعہ حضور نے ظاہراً نہیں دیکھا۔ لیکن باطناً وہ واقعہ حضور کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ابن التجید اپنے حواشی میں فرماتے ہیں۔ کہ "الم تر" سے کبھی وہ شخص مخاطب ہوتا ہے۔ جسے اس قصہ کا پہلے علم ہو کبھی وہ ہوتا ہے جسے علم نہ ہو تو پھر اس بات کی تعریف کرنا مقصود ہوتی ہے۔

ف: یہاں مخاطب وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اس کا پہلے سے علم تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ بہت مشہور چلا آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں عبرت دلائی ہے۔ اور فرمایا کہ وہ تھوڑے نہیں تھے۔ بلکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مفسرین نے ان کی تعداد دس ہزار تک بتائی ہے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ لوگ موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل گئے۔ جہاں پہنچ کر سمجھے کہ اب مرنے سے بچ گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے فرمایا مرجاؤ۔ تو وہ فوراً مر گئے۔ پھر ان کو کچھ عرصہ بعد زندہ فرمایا۔ اور انہوں نے بقایا زندگی اسی حال میں گذاری۔

واقعہ: بنی اسرائیل سے ایک قوم علاقہ واسط کے داوردان نامی گاؤں میں رہائش پذیر تھی۔ وہاں طاعون آیا۔ تو امیر کبیر لوگ وہاں سے بھاگ کر نکل گئے۔ اور غریب غرباء کہیں نہ جا سکے۔ جن میں اکثر طاعون کی وجہ سے مر گئے۔ اور جو بھاگ کر نکل گئے تھے وہ صحیح سالم واپس آئے۔ تو یہ بڑے پچھتائے اور کہا کہ اب اگر طاعون آیا تو ہم بھی گھروں کو چھوڑ کر نکل جائیں گے۔ دوسرے سال پھر طاعون آ گیا۔ تو امیر غریب سب گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اور ایک وادی میں جا اترے۔ جہاں ان کا خیال تھا کہ موت سے بچ گئے۔ تو حکم الٰہی سے ایک فرشتے نے وادی کے اوپر سے اور دوسرے نے نیچے سے آواز دی۔ کہ مرجاؤ۔ تو حکم الٰہی سے وہ سب کے سب مر گئے۔ یہاں تک کہ جو جانور بھی ان کے ساتھ تھے وہ بھی مر گئے۔ آٹھ دس دنوں کے اندر اندر پھول پھٹ گئے۔ چونکہ تعداد بھی بہت بڑی تھی۔ اور اوپر سے گرمی بھی سخت تھی۔

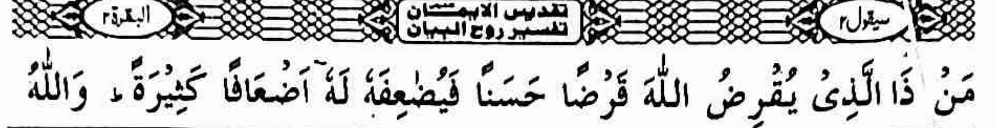
وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور لڑو راہ خدا میں اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۴۳) اور پورے علاقے میں بد بو پھیل گئی۔ علاقے کے لوگوں نے دفن کرنا چاہا۔ لیکن بد بو کی وجہ سے دفن نہ کر سکے البتہ ان کے گرد چار دیواری کھڑی کر دی تا کہ کوئی درندہ انہیں مزید خراب نہ کرے۔ کچھ ہی عرصہ میں جسم گل سڑ گئے اور ہڈیاں گوشت سے الگ ہو گئیں۔ اتفاقاً وہاں سے حضرت خزقیل علیہ السلام گزرے۔ اور ہڈیوں کو دیکھ کر حیران تھے۔ کہ انہیں کیا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان کے قریب کھڑے ہو کر کہو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاؤ۔ اتنا کہنے کی دیر تھی۔ کہ وہ سب زندہ ہو گئے۔ اور خزقیل علیہ السلام کو پورا واقعہ بتایا۔ اب زندہ تو ہوئے۔ لیکن نہ گوشت پوست اور نہ خون بہنے والی رگیں تھیں۔ خالی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔ اور انہوں نے پڑھا: "سبحانك اللھم وبحمدك لا اله الا انت" اس کے بعد وہ گھروں کو لوٹ آئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ معلوم ہوا موت سے بھاگنا بے فائدہ ہے۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے زندہ فرمایا۔ کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور یہ بات جان لیں کہ ہم نہ موت سے بچ سکتے ہیں نہ بھاگ سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ رب تعالیٰ جب چاہے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۴۴) اور لڑو اللہ کی راہ میں۔ یہ خطاب امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اس کے دین کی سربلندی کیلئے راہ خدا میں جہاد کرو۔ اور یہ بھی یقین رکھو۔ کہ موت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تقدیر میں لکھ دیا وہ ہو کر رہے گا۔ اور یہ بھی یقین کے ساتھ جان لو بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے یعنی وہ اس کی بات کو سن رہا ہے۔ جو کسی کے کہنے سے جنگ میں گیا۔ اور جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو۔ مجاہد کے جہاد کو اور اس کی غرض ونیت کو بھی جانتا ہے۔ **مسئلہ**: تقدیر مبرم ہو کر رہتی ہی۔ اس کے سامنے تدبیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔ البتہ تقدیر معلق صدقہ ودعا وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔

حکایت: کہا جاتا ہے کہ عبدالملک طاعون سے بھاگا اور پوری رات گھوڑے پر سفر کرتا رہا۔ اس کے ساتھ غلام بھی تھا۔ وہ اپنے جانور پر ہی نیند کر لیتا تھا۔ غلام سے کہا کوئی بات سنا۔ اس نے کہا میں اس قابل کہاں کہ آپ کو کوئی بات سناؤں۔ اس نے کہا بہر حال کچھ ضرور سنا تو غلام نے کہا کہ ایک لومڑی نے شیر کی خدمت کی تا کہ وہ اسے ہر طرح کی مصیبت سے بچائے۔ تو جو بھی کوئی چیز اس کے قریب آتی شیر اسے بچالیتا۔ ایک دفعہ ایک عقاب آیا اور لومڑی کو اٹھا کر لے گیا۔ لومڑی نے کہا۔ اے شیر میری فریاد کو پہنچ اور اپنا وعدہ پورا کر۔



مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ

کوان ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن تو بڑھادے اس کو اس کیلئے بڑھانا بہت اور اللہ ہی

یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

تنگ کرتا اور کھولتا ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے

16

(بقیہ آیت نمبر۲۴۴) تو شیر نے کہا زمین کی بلاؤں سے تو میں بچا سکتا تھا۔لیکن آسمانی بلا تک پہنچنا میرے بس میں نہیں تو عبدالملک نے کہا کہ کیا خوبصورت وعظ کیا تو نے۔اب میں اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہوں۔اور وہیں سے گھر واپس آ گیا۔

(آیت نمبر۲۴۵) کون ہے۔جو اللہ کو اچھا قرض دیتا ہے۔جو اخلاص خوشی اور رضا سے ہو۔حسن کا معنی جو طیب اور حلال کمائی سے ہو۔اور خوشی سے دیا جائے۔تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر یعنی سات سو گنا تک بڑھا کر واپس دے گا۔ف: امام بیہقی فرماتے ہیں۔کہ یہ بڑھانا کئی گنا تک یہ فضل الٰہی سے ہوگا۔حتیٰ کہ بندہ بہشت میں بھی فضل الٰہی سے داخل ہوگا۔آگے فرمایا۔کہ یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔جو توفیق ربانی کے بغیر ناممکن ہے۔اللہ تعالیٰ ہی رزق بند بھی کرتا ہے۔اور کھولتا بھی ہے۔جس کو زیادہ دینے کیلئے اس کی مشیت کا تقاضا ہو جائے۔اسے اسی قدر زیادہ عطا فرماتا ہے۔رزق میں کمی یا زیادتی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔نیز اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اس کی حکمت اور مصلحت ہے۔جب بندے میں یہ یقین آ جائے۔کہ روزی رساں اللہ ہی کی ذات ہے۔اور جو کچھ میں اللہ کی راہ میں دونگا۔آخرت میں مجھے اس کا اچھا اجر ملے گا۔تو اسے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مناظرہ: ایک جگہ مالدار اور فقراء جمع ہوئے۔تو امیروں نے کہا۔کہ ہمارا مرتبہ بلند ہے۔اس لئے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے قرض حسنہ کا مطالبہ کیا۔تو فقراء نے کہا۔پھر ہمارا درجہ زیادہ بلند ہے۔اس لئے کہ قرضہ لیا کسی سے بھی جا سکتا ہے۔لیکن صرف اپنوں کو دیا جاتا ہے۔لہٰذا ہم اللہ کے زیادہ پیارے ہوئے کہ اس نے تم سے لیکر ہمیں دے دیا۔

ربط: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا اور جہاد کیلئے چونکہ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے اس حسن بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایا راہ خدا میں قربان کرنے کا شوق دلایا جا رہا ہے۔اور بتایا گیا۔کہ یہ نہ سمجھنا کہ رقم خرچ ہوگئی معلوم نہیں واپس ملے گی یا نہیں۔تو اس کے جواب میں فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ تو تمہیں کئی گناہ بڑھا کر اس کا معاوضہ دے گا۔جتنا خلوص زیادہ ہوگا۔اتنا اجر بھی زیادہ ہوگا۔یہاں تک کہ ایک درہم کے بدلے میں پہاڑوں کے برابر اس کا اجر دیا جائیگا۔

جلد ۱

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ

کیا نہیں آپ نے دیکھا طرف ایک گروہ بنی اسرائیل کے جو بعد ہوا موسیٰ علیہ السلام کے جب کہا انہوں نے نبی

لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ

اپنے سے مقرر کریں ہمارے واسطے کوئی بادشاہ تا کہ لڑیں راہ خدا میں۔ فرمایا ہوسکتا ہے اگر فرض ہو گئی تم پر لڑائی

اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ

تو نہ لڑو بولے کیا ہوا ہمیں کہ نہ لڑیں ہم راہ خدا میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے وطن سے اور اپنی اولاد سے

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

پھر جب فرض ہو گیا ان پر جہاد تو وہ پھر گئے مگر تھوڑے ان سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو

(آیت نمبر ۲۴۶) کیا تو نے نہیں دیکھا۔ بنی اسرائیل کے سرداروں کو۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہ جب انہوں نے اپنے نبی ﷺ سے کہا (اس سے مراد جناب شموئیل علیہ السلام ہیں)۔ کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کریں۔ جو ہمارا مقتداء ہو۔ جس کے ماتحت ہم کفار سے جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ جیسے ہمارے حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی۔ کہ جنگ میں کسی کو امیر لشکر مقرر فرمادیتے تھے۔ کہ جس کی سرپرستی میں جنگ لڑی جاتی تھی۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے امت کو بھی حکم فرمایا۔ کہ جب تم سفر پر بھی جاؤ تو اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر کرلو (ابوداؤد کتاب الجہاد)۔ آگے فرمایا۔ کہ قوم کے مطالبہ کرنے پر نبی علیہ السلام نے ان کو فرمایا۔ ہوسکتا ہے۔ کہ اگر تم پر جنگ فرض ہو جائے۔ تو تم اپنے امیر کے ساتھ مل کر نہ لڑو۔ گویا نگاہ نبوت سے جان لیا اور فرمایا۔ کہ توقع یہ ہے۔ کہ تم جنگ نہیں کرسکو گے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ کیا ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے اور بیٹوں سے جدا کئے گئے۔ یعنی ہمیں ان سے الگ کر کے جلاوطن کیا گیا۔

واقعہ : موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے تقریباً تین سو سال بعد بنی اسرائیل میں ہزار ہا خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نظر انداز کر دیا۔ بلکہ بت پرستی میں لگ گئے۔ اس دوران کافی انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے۔ ان کو ہدایت دینے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ اور رفتہ رفتہ ان کی غلط کاریوں کی وجہ سے ان پر دشمن کا غلبہ ہونے لگا۔ قوم جالوت جو بحر روم کے ساحل پر مقیم تھے۔ یہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے۔ اور ان کی

جائیدادیں بھی اپنے قبضہ میں کرلیں۔اوران کے تمام نوجوانوں کوقید کر کے غلام بنالیا۔اوران کے بادشاہوں کی تعداد چارسو سے زیادہ تھی۔ان پر جزیہ لگادیا۔اور بنی اسرائیل کوطرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کردیا۔اس وقت ان کے پاس کوئی نبی بھی نہ تھے۔جوان کی اصلاح کرتے۔اتفاق سے ان میں ایک بی بی صاحبہ تھیں جوامید سے تھیں۔بنی اسرائیل بھی چاہتے تھے۔کہ کوئی نبی تشریف لائے یاہماری قوم سے پیدا ہو جو ہماری راہبری کرے۔اور بی بی صاحبہ بھی ہمہ وقت دعا گو تھیں۔کہ اللہ تعالیٰ فرزند عطا فرمائے تاکہ بنی اسرائیل کے حالات درست ہوجائیں۔تو اللہ تعالیٰ نے اس بی بی کی دعا کو قبول فرمایا۔اور انہیں صاحبزادہ عطا فرمایا۔جس کا نام شموئیل رکھا گیا۔یہ نام عبرانی زبان میں اسماعیل کے معنی میں آتا ہے۔جب وہ بچہ جوان ہوااور بیت المقدس میں استاذ کے پاس توراۃ سیکھنے کیلئے چھوڑا گیا۔اور شیخ نے اسے اپنا بیٹا بنا کر اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔تو ایک دن وہ لیٹے ہوئے تھے۔کہ جبریل امین نے آکر ان کا نام لیکر آواز دی۔شموئیل نے سمجھا کہ استاذ نے آواز دی۔تو وہ دوڑتے ہوئے استاذ صاحب کے پاس آئے اور پوچھا۔کہ آپ نے کیوں بلایا ہے۔استاذ نے سوچا۔کہ اگر میں نے کہا۔کہ میں نے نہیں بلایا۔تو یہ گھبرا جائے گا۔تو شیخ نے فرمایا۔کہ جاؤ آرام کرو۔وہ جاکر سوگیا۔جبریل امین نے دوبارہ پھر آواز دی اے شموئیل۔وہ پھر استاذ کے پاس پہنچے۔انہوں نے پھر حکم دیا۔جاؤ سوجاؤ۔اگر پھر میں بلاؤں تو جواب نہ دینا چنانچہ تیسری بار آواز کے ساتھ خود بھی جبریل علیہ السلام سامنے ہوگئے۔اور فرمایا۔کہ جاؤ تم اپنی قوم کے نبی بنادیئے گئے۔تو وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے۔قوم کہنے لگی۔ابھی تو تو بچہ ہے۔تیری نبوت کا ابھی وقت نہیں ہے۔وغیرہ وغیرہ۔اگر آپ واقعی نبی ہیں۔تو پھر ہمارا کوئی بادشاہ مقرر کیجئے۔جس کی سرپرستی میں ہم کفار سے جنگ کریں۔یہی آپ کی نبوت کی علامت ہوگی۔شموئیل علیہ السلام نے پہلے ہی خدشہ ظاہر کردیا کہ ہوسکتا ہے کہ جہاد فرض ہوتو تم نہ لڑو پھر وہی ہوا۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کہ جب ان پر جنگ فرض ہوگئی۔شموئیل علیہ السلام نے ان کو بتایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کردیا تو وہ بگڑ گئے۔یعنی جہاد سے منہ پھیرلیا۔اور اللہ تعالیٰ کے حکم کوانہوں نے ٹھکرادیا۔حالانکہ انہوں نے دشمن سے ہزاروں دکھ سہے۔اور تلخیاں برداشت کیں۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کردی۔مگر تھوڑے ان میں وہ تھے۔جنہوں نے جہاد کیا۔جو اللہ کا حکم مان کر نہر کا پانی پینے سے رک گئے تھے جن کی تعداد بدر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برابر یعنی تین سوتیرہ تھی۔آگے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کوخوب جانتا ہے۔یعنی جنگ سے روگردانی کرنے والوں کووہ جانتا ہے۔اس آیت میں ان کووعید سنائی گئی ہے۔

ف: اس آیت سے ثابت ہوا۔کہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور خالص بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔جو اللہ کے شکر گذار ہوں۔اور یہ قاعدہ ہے۔کہ اچھی چیز کمیاب ہوتی ہے۔اور وہ قیمت میں اعلیٰ ہوتی ہے۔**ف:** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے۔کہ سواد اعظم وہی جماعت ہے۔جو حق پر قائم ہو۔اگرچہ تھوڑی ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا

اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے بھیجا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بولے

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ

کیسے ہوسکتی ہے اس کی بادشاہی ہم پر حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں بادشاہی کے اس سے اور نہیں دیا گیا

سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ

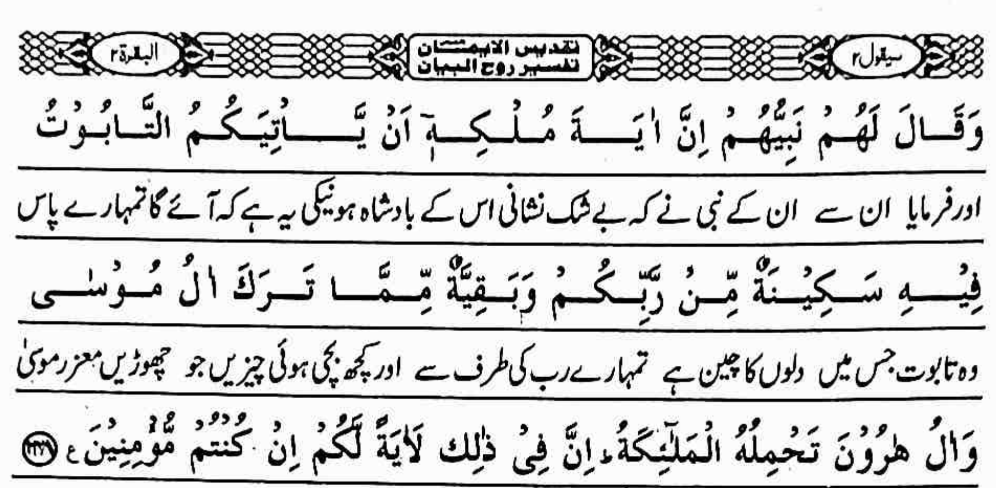
وسعت مال سے فرمایا بے شک اللہ نے چن لیا اس کو تم پر اور زیادہ دی کشادگی اس کو علم میں

وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے ملک اپنا جسے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

(آیت نمبر ۲۴۷) قوم کے مطالبہ پر ان کے نبی علیہ السلام نے ان کو بتایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ جو ایک غریب باپ کا بیٹا تھا۔

واقعہ: حضرت شموئیل علیہ السلام کو وحی ہوئی۔ کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص آپ کے پاس آئے گا۔ تو اس وقت آپ کے پاس پڑا ہوا تیل ابلنے لگے گا۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ اس کا قد آپ کی عصا کے برابر ہوگا۔ تو یہ تیل اس کے سر پر لگا دینا اور بنی اسرائیل میں اس کی بادشاہی کا اعلان کر دینا۔ چنانچہ طالوت کے والد کے اونٹ گم ہو گئے۔ تو اس نے طالوت کو نوکر کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ تلاش کر کے لاؤ۔ وہ تلاش کرتے ہوئے حضرت شموئیل کے گھر کے پاس سے گذرے۔ تو خیال کیا۔ کہ کیوں نہ نبی سے ہی عرض کریں۔ کہ وہ دعا کریں تو اونٹ جلد مل جائیں چنانچہ وہ حاضر ہوئے اور اونٹ کی بات شروع کر دی۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ تیل جوش مارنے لگا۔ حضرت شموئیل علیہ السلام اٹھے اور اپنی عصا کو طالوت کے قد کے ساتھ برابر دیکھا۔ تو اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہی میرے رب کا حکم ہے۔ طالوت نے پوچھا کہ میرے بادشاہ ہونے کی نشانی کیا ہے۔ تو فرمایا۔ کہ نشانی یہ ہے۔ کہ اونٹ تمہارے گھر میں پہنچ گئے ہیں۔ ادھر قوم سے فرمایا کہ طالوت کو اللہ نے تمہارا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس کی اطاعت کرو۔ اچانک وہ یہ اعلان سن کر منکر ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اس کو کیسے ہمارے اوپر بادشاہی ہو سکتی ہے۔ وہ تو اس کا اہل ہی نہیں۔ اس کی نسبت ہم بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہمارے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ اور اس کے پاس تو مال و ثروت ہی نہیں۔ اس لئے کہ مال ہی ایسی چیز ہے۔ کہ لوگ مالدار آدمی کی عزت کرتے ہیں۔ غریب آدمی اس قابل کہاں ہوتا ہے۔



وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ

اورفرمایا ان سے ان کے نبی نے کہ بے شک نشانی اس کے بادشاہ ہونیکی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ

وہ تابوت جس میں دلوں کا چین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں جو چھوڑیں معزز موسیٰ

وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۲۴۸

اورمعزز ہارون نے اٹھا کر لا رہے ہیں اس کو فرشتے بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر ہو تم ایمان والے

(بقیہ آیت نمبر ۲۴۷) کہ جس کی وجہ سے شاہی چل سکتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ عادی مجرم ہوگئے تھے۔ کہ نبی کی بات کا انکار ان کے لئے معمولی بات تھی۔ تو شموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ چناؤ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجہ فضیلت مال نہیں ہوتا۔ بلکہ بادشاہی چلانے کیلئے دو چیزیں چاہئیں۔ علم اور جسمانی قوت یہ دونوں چیزیں۔ اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور خاص بات یہ ہے۔ کہ بادشاہی ایک عطیہ الٰہی ہے۔ وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اسے تمہارا بادشاہ چنا اور وہ تمام مصلحتوں کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علمی اور عملی خوبیوں سے نوازا ہے۔ اور وہ جنگی مہارت میں بھی قابلیت رکھتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ وہ اپنا ملک جسے چاہے۔ عطا فرما دیتا ہے کہ وہ حقیقی مالک ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے یعنی شاہی کے اہل کو بھی جانتا ہے نااہل کو بھی۔ **نکتہ**: دراصل قوم کی نگاہ اس کے ظاہر پر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو دیکھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر پتھر پر بھی ہو جائے۔ تو اسے گوہر بنا دیتی ہے۔ لہذا اس کے کسی فعل پر بندے کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن وہ اعتراض کرنے کے عادی مجرم تھے۔ اب انہوں نے نشانی مانگی۔ کہ واقعی طالوت کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا۔

(آیت نمبر ۲۴۸) تو اشموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس کی بادشاہی پر نشانی یہ ہے۔ کہ تمہارے پاس تابوت آرہا ہے۔ اس سے وہ صندوق مراد ہے۔ جس میں وہ تورات رکھتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اب نبی علیہ السلام نے انہیں بتایا۔ وہ صندوق اب فرشتے لا رہے ہیں۔

ف: بعض مورخین کا خیال ہے۔ کہ یہ صندوق جو شمشاد لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اس میں انبیاء کی تصاویر تھیں جو آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد میں چلا آرہا تھا۔ بعض کا خیال ہے۔ یہ وہ صندوق ہے۔ جس میں موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں رکھ کر دریا میں ڈالا گیا تھا۔ اور فرعون نے نکلوا کر موسیٰ علیہ السلام کو گھر میں پالا تھا۔ (تابوت کا بقیہ حصہ آیت نمبر ۲۵۲ کے بعد)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ

پھر جب (شہر سے) جدا ہوا طالوت لشکر لیکر فرمایا بے شک اللہ تمہیں آزمانے والا ہے ایک نہر سے

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ

تو جس نے پیا پانی اس نہر سے وہ نہیں ہے میرا اور جو نہ پیے اس سے بے شک وہ میرا ہے مگر وہ جو

اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ

پی لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے تو پیا سب نے اس سے مگر تھوڑوں نے ان سے پس جب پار ہوئے اس نہر سے

هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ

وہ اور جو مسلمان تھے اس کے ساتھ بولے نہیں رہی طاقت ہم میں آج (لڑنے کی) جالوت

وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ

اور اس کے لشکر سے تو کہا انہوں نے جنکو یقین تھا کہ وہ ملیں گے اللہ سے کتنے ہی گروہ چھوٹے غالب ہوجاتے ہیں

فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

گروہ بڑے پر ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

(آیت نمبر ۲۴۹) پھر جب طالوت اپنے لشکر کو شہر سے لیکر نکلے۔ قوم عمالقہ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے۔

ف: روایات میں آیا ہے۔ کہ جب انہیں صندوق ملا۔ تو انہیں اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا۔ اور جہاد کیلئے نکل پڑے۔ طالوت نے کہا کہ میرے ساتھ نہ کوئی بوڑھا جائے نہ بیمار اور نہ وہ جس کی حال ہی میں شادی ہوئی۔ اس کے باوجود اسی ہزار جنگجو ساتھ ہوگئے۔ آگے گئے تو سب کو پیاس نے پریشان کردیا۔ تو نبی کے بتانے سے طالوت نے کہا۔ آگے نہر آرہی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس نہر پر تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کون مخلص ہے۔ اور کون نہیں۔ لہذا جو اس نہر سے پانی ایک چلو سے زیادہ پیے گا۔ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یعنی ہمارے مومنین کے گروہ سے نہیں ہے۔ اور جو نہیں پیے گا۔ بے شک وہ مجھ سے ہے۔ یعنی میرے دین پر بھی ہے۔ اور جنگ میں میرا ساتھی بھی ہے۔ البتہ جو صرف ایک چلو پیئے گا۔ اس کی پیاس بھی اتر جائے گی۔ اور اسے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ جانے کی ہمت

بھی دے گا۔ **ف**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ ایک چلو میں رب نے ایسی برکت رکھی تھی۔ کہ جو صرف ایک ہی چلو پی لیتا۔ اس کی پیاس ختم ہو جاتی۔ اور صرف ایک بار اس نہر سے لینے کی اجازت تھی۔ خواہ اس میں جتنا پانی اٹھا لیتے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن ایک گھونٹ بھی (خواہ انسان خواہ جانور) جس کے بھی منہ میں گیا۔ وہ سیراب ہو گیا۔ گویا یہ نبی کا ایک معجزہ تھا لیکن ان میں سے اکثر نے پیا اور سیر ہو کر پیا۔ گھٹنے ٹیک کر منہ پانی پر رکھ لیا۔ اور پیتے ہی چلے گئے۔ پیٹ سوجھ اور پھٹ گئے۔ مگر پیاس ان کی بڑھتی ہی چلی گئی۔ ان میں تھوڑے لوگ وہ تھے جن کی تعداد بدر کے صحابہ کے برابر تھی۔ انہوں نے حکم مان کر صرف ایک چلو پیا اور سیر ہو گئے۔ اس سے اپنے موافق اور مخالف کی پہچان ہو گئی۔ جنہوں نے نبی کا حکم نہیں مانا۔ اکثر وہیں مر گئے۔ اور جو اللہ اور اس کے نبی کے حکم پر چلے وہ صحت مند بھی ہوئے۔ جنگ بھی کی اور فتح یاب بھی ہوئے۔

جب طالوت بمع مسلمانوں کے نہر کو عبور کر گئے۔ چونکہ اب تھوڑے ہی رہ گئے تھے۔ جو مخلص نکلے اور مخالفت نہ کی۔ معلوم ہوا اللہ نبی کا نافرمان دنیا اور آخرت میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ بہر حال نہر عبور کرنے کے بعد صورت حال بدل گئی۔ چونکہ تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ ان میں بھی کچھ وہ تھے جو موت سے گھبرا رہے تھے۔ اور ان کی طبع پر خوف غالب تھا۔ وہ کہنے لگے۔ کہ آج جالوت اور اس کے لشکر کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کی ہمیں ہمت نہیں ہے۔ چونکہ جالوت خود بھی بڑا طاقتور تھا۔ اور پھر بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا ہوا تھا اور جنگی ساز و سامان بھی ان کے پاس بہت تھا۔ اس لئے وہ تو دیکھتے ہی گھبرا گئے۔ لیکن ان کے ساتھ دوسرا گروہ وہ بہادر قوی القلب جنہیں موت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اور بطیب خاطر طالوت کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو گئے۔ ان لوگوں نے کہا جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا۔ اور اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا۔ کہ کتنی دفعہ چھوٹے گروہ بڑے گروہ پر غالب آئے اللہ کے حکم سے۔ تمام معاملات میں کامیابی کا دارومدار تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ اس لئے کہ جس کا اللہ حامی و ناصر ہو وہ تھوڑے ہو کر بھی زیادہ پر غالب آ جاتے ہیں۔ اور جسے اللہ ذلیل کرنا چاہے۔ لشکر خواہ بہت بڑا ہو۔ ہر طرح کے اسلحہ سے لیس بھی ہو۔ لیکن وہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ اور جسے اللہ عزت دے وہ تھوڑے ہوں بے آسرا ہوں بشرطیکہ حق پر قائم ہوں وہ کامیاب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے خصوصاً جب وہ دشمن کے مقابلہ پر ہوں۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ کہ جو میں چاہتا ہوں۔ وہ تم بھی چاہتے ہو یا نہیں یاد رکھو۔ اگر تم میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کر دو گے۔ تو پھر میں ویسے کروں گا۔ جیسے تم چاہو گے۔ اور اگر میری رضا پر راضی نہ ہوئے۔ تو میں تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دونگا اور آخر کار وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ (ذکرہ حکیم ترمذی فی نوادر الاصول)

برکات اولیاء: حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب بھیجنا چاہتا ہے۔ لیکن پھر اپنے پیاروں کو دیکھ کر ان سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

اور جب سامنے ہوئے جالوت اور اس کے لشکر کے تو کہا اے ہمارے رب ڈال دے ہم پر صبر اور ثابت قدم رکھ ہمیں

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

اور مدد فرما ہماری اوپر قوم کافروں کے پس شکست دی ان کو ساتھ حکم اللہ کے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اور دی اسے اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہٹاتا اللہ تعالیٰ لوگوں میں

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

بعض کو بعض سے تو ضرور تباہی پھیلتی زمین میں مگر اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے سارے جہاں پر

(آیت نمبر ۲۵۰) اور جب مسلمان جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آ گئے۔ تو مسلمانوں نے بڑی عجز وانکساری کے ساتھ دعا مانگی۔ کہ اے ہمارے رب ہمارے اندر صبر ڈال دے یعنی جنگ کی تنگی اور سختی میں ہمیں صبر کے ساتھ ڈٹنا نصیب فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ کہ جنگ کی سختی میں بھی ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں۔ اور ہمیں کافروں پر فتح اور غلبہ عطا فرما اور کفار کو شکست فاش دے۔ یعنی انہوں نے دعا میں پوری عجز وانکساری ظاہر کی۔

ف: اس دعا میں کتنی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا۔ کہ پہلے اپنے صبر کو رب سے مانگا۔ اس کے بعد ثابت قدمی کا سوال کیا۔ جس پر کامیابی کا انحصار ہے۔ اس کے بعد کفار پر فتح ونصرت مانگی۔ اسی لئے قبولیت میں بھی دیر نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً فتح عطا فرمادی۔

(آیت نمبر ۲۵۱) پھر جلد ہی جالوت کے لشکر کو طالوت کی جماعت نے شکست دے دی۔ اللہ کے حکم اور تائید سے یعنی ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ حالانکہ جالوت بڑا طاقتور اور سخت جنگجو تھا۔ بڑے بڑے لشکروں کو منٹوں میں شکست دے دیتا تھا۔ تین سو رطل کے وزن کی تو اس کی تلوار تھی۔ اور اس قدر لمبا تڑنگا تھا لمبا کہ میل تک تو اس کا سایہ جاتا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام جن کے والد کا نام ایشی تھا۔ جو نہر عبور کر کے لشکر کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹے بیٹے داؤد علیہ السلام تھے۔ جو بکریاں چراتے تھے۔ اور شکار کیلئے

ان کا نشانہ زبردست تھا۔ کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔

واقعہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت اشموئیل علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ کہ داؤد بن ایشی ہی جالوت کو قتل کریں گے۔ لہذا انہیں بلوالیں۔ تو انہوں نے جناب داؤد کو بلالیا۔ جب داؤد علیہ السلام جنگ کیلئے چلے۔ تو راستے میں ایک پتھر نے درخواست کی آپ مجھے ساتھ لے جائیں۔ بہر حال راستے میں اور بھی کئی پتھروں نے درخاستیں کیں۔ ہمیں بھی ساتھ لے جائیں تو آپ نے سب کو اٹھالیا۔ اور کشکول بھرلیا۔ نشانہ تو ویسے بھی آپ کا مشہور تھا۔

میدان جنگ میں سب سے پہلے جالوت باہر نکلا اور کہا۔ کہ میرے مقابلے میں کون آئیگا۔ اس کے قد اور ہیوی شکل کو دیکھ کر کوئی مقابل نہ ہوا۔ اس نے دوبارہ پھر للکارا۔ تو داؤد علیہ السلام میدان میں نکلے۔ طالوت نے کہا۔ کہ اگر آپ کامیاب ہوئے۔ تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دوں گا۔ جب جناب داؤد علیہ السلام جنگی لباس پہن کر میدان میں نکلے۔ طالوت نے اپنا گھوڑا دیا۔ جس پر سوار ہو کر گئے لیکن میدان کا چکر کاٹ کر واپس آئے۔ اور گھوڑا اور جنگی ہتھیار طالوت کے حوالے کر کے کہا۔ کہ اگر اللہ نے فتح میرے ہاتھ سے لکھی ہے۔ تو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ پھر اپنی فلاخن اور کشکول میں پتھر لے کر پھر میدان میں پہنچ گئے۔ جالوت نے کہا۔ کہ اپنی جوانی پر ترس کھا اور واپس چلا جا۔ جھولی میں پتھر دیکھ کر کہنے لگا ایسے معلوم ہوتا ہے۔ کسی کتے کو مارنے آیا ہے۔ تو داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہاں میں تجھے کتے کی طرح مار کر ہی واپس جاؤنگا۔ داؤد علیہ السلام نے اپنی فلاخن میں پتھر رکھ کر کہا۔ کہ اے ابراہیم اور اسحاق کے خدا مدد فرما۔ یہ کہہ کر پتھر فلاخن میں رکھ کر ایسا مارا۔ کہ اس کے سر میں گدی کی ایک جانب سے داخل ہوا۔ اس کے لوہے کے خود کو چیرتا ہوا دماغ میں پہنچا اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ اس سے مسلمانوں کو از حد خوشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ملک اور حکمت عطا فرمائی۔ طالوت چالیس سال بادشاہی کرنے کے بعد مارا گیا۔ اور بنی اسرائیل نے مل کر داؤد علیہ السلام کو بادشاہ بنادیا۔ پھر داؤد علیہ السلام نے ستر سال تک بادشاہی کی۔ جو بادشاہی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔ **ف:** یہ پہلی ہستی ہے جو نبی بھی تھے۔ اور بادشاہ بھی ورنہ اس سے پہلے یہ اتفاق نہ ہوا تھا۔ حکمت سے مراد بھی نبوت ہے۔ **ف:** داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔ جس کی ایک سو چوبیس سورتیں تھیں۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام کو جو چاہا سکھادیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مبارک میں معجزہ رکھ دیا کہ معاش کیلئے کئی قسم کی لوہے کی چیزیں بنانے کی مہارت دے دی اور لوہا آپ کے لئے آٹے کی طرح نرم کر دیا۔ جس سے جنگی سامان وغیرہ بہ آسانی بنالیتے تھے۔ اور بیچ کر گھر کی گذر بسر کرتے۔ اور آگے فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو زمین میں فساد آجاتا۔ اور اس کے منافع ختم ہو جاتے۔ بعض بزرگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ذریعے کفار کو دفع کیا۔ اور فاجروں کو نیکوں کے ذریعے ختم کیا ورنہ زمین سخت خراب ہو جاتی۔ اور زمین میں ہر طرف فساد برپا ہو جاتا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں آپ پر ٹھیک ٹھیک اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۲۵۱) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی وجہ سے اس کے پڑوس میں چالیس گھروں تک بلاؤں اور مصیبتوں کو دور فرماتا ہے (اخرجہ ابن جریر وابن عدی)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے کہ اس کے فضل کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا جو تمام جہانوں پر محیط ہے۔ جس کی وجہ سے پوری کائنات کا نظم ونسق صحیح طور پر چل رہا ہے۔

(آیت نمبر۲۵۲) یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ جو ہم جبریل کے ذریعے آپ پر پڑھتے ہیں جو کہ بالکل حق ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ جیسے باقی رسول امتوں تک پیغام پہنچاتے رہے۔ اسی طرح آپ بھی ہمارے احکام لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ (رسولوں میں سے ہیں۔ رسولوں جیسے نہیں ہیں یعنی عظمت وشان کے لحاظ سے سب پر بلند مرتبہ رکھتے ہیں)۔

(بقیہ آیت نمبر۲۴۸) **تابوت کی واپسی:** اور موسیٰ علیہ السلام اس تابوت کو جنگ میں آگے رکھ کر دعا کرتے۔ جس کی برکت سے فتوحات حاصل ہوتیں۔ پھر بنی اسرائیل بھی جنگوں میں لشکر کے آگے رکھتے۔ اور اس کے وسیلہ سے فتح پاتے پھر جب ان میں نافرمانی اور شر وفساد عام ہوا۔ تو قوم عمالقہ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کر دیا۔ وہ ان سے صندوق چھین کر لے گئے۔ اور گندگی کے ڈھیر پر اسے رکھ دیا۔ اور لوگ اس پر پیشاب کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بواسیر کی ایسی بیماری مسلط کی۔ کہ کئی بستیاں ویران ہو گئیں۔ تو بادشاہ کو ان کے بڑوں نے بتایا۔ کہ ہم نے اس صندوق کی بے ادبی کی۔ کیونکہ اس صندوق میں انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات ہیں۔ اس وجہ سے ہم اس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اگر ہم نے واپس نہ کیا۔ تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے۔ اس صندوق کو نکال کر بنی اسرائیل کے حوالے کیا جائے۔ تو انہوں نے وہ صندوق نکال کر دو بیلوں کے پیچھے ریڑھا باندھا اور اس پر رکھ کر روانہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر چار فرشتے مقرر فرما دیئے۔ جو انہیں ہانکتے ہوئے بنی اسرائیل کے پاس لے آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تابوت تمہارے پاس آ رہا ہے۔ جس میں تمہارے لئے سکون ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اس میں وہ بقایا تبرکات ہیں آل موسیٰ اور آل ہارون کے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی عصا اور کپڑے اور نعلین شریف تھی۔ اور حضرت ہارون کی دستار اور تورات کے چند اوراق تھے۔ تو فرمایا۔ کہ فرشتے اسے اٹھا کر لا رہے ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔ کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے ہی بادشاہ بنایا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے حکم کو مانو۔ معلوم ہوا۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات کا ادب کیا جائے۔ ورنہ ہلاکت کا خوف ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

یہ رسول ہیں کہ ہم نے افضل بنایا بعض کو اوپر بعض کے ان میں وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ نے

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور بلند کئے ان میں سے بعض کے کئی درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور مدد کی ہم نے ان کی ساتھ روح پاک کے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ نہ لڑتے وہ جو بعد ہوئے ان کے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ

اس کے بعد جو آئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں کوئی ایمان لایا

وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۞ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ؏ ﴿۲۵۳﴾

اور ان میں سے کسی نے کفر کیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے

(آیت نمبر ۲۵۳) سارے نبی نبوۃ کے لحاظ سے تو برابر ہیں۔ البتہ درجات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ جیسے خلّت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی۔ کسی دوسرے کو نہیں۔ داؤد علیہ السلام کو بادشاہی کے ساتھ خوش لحانی ملی یہ اور کسی کو نہیں ملی اور سلیمان علیہ السلام کیلئے انسانوں اور جنوں کے علاوہ چرند پرند پر حکومت ملی۔ یہ چیز اور کسی کو نہیں ملی علی ہذا القیاس ہمارے حضور کو پوری کائنات کا رسول بنایا گیا۔ یہ منصب کسی اور کو نہیں ملا۔ (اس طرح ہر نبی کو کوئی نہ کوئی وصف باقی انبیاء علیہم السلام سے الگ ملا۔ اور ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ جتنے اوصاف تمام انبیاء علیہم السلام کو ملے۔ وہ سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ) پھر ان میں ایک وہ ہستی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام کیا۔ اسی لئے ان کو کلیم کہا جاتا ہے۔ اور ان میں بعض کو درجات پر فائز کیا۔ یعنی ان کے ایسے درجات بلند کئے۔ کہ وہ درجات کسی اور کو نہ ملے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جو ان تمام درجات پر فائض ہوئے اور عرش علی تک پہنچ گئے۔

اس لئے۔ کہ آپ کو جو کمالات ملے۔ ان کی تعداد تین ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ سب سے بڑی فضیلت تو آپ کو قرآن پاک جیسی کتاب کا ملنا ہے۔ اس لئے کہ یہ معجزہ قیامت تک لوگوں کے سامنے ہے۔ (جس کا جواب لانے

والوں سے آج تک نہ ہو سکا۔ اور قیامت تک ہونا مشکل ہے) بہرحال حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے دیگر انبیاء پر چھ باتوں میں افضلیت حاصل ہے:

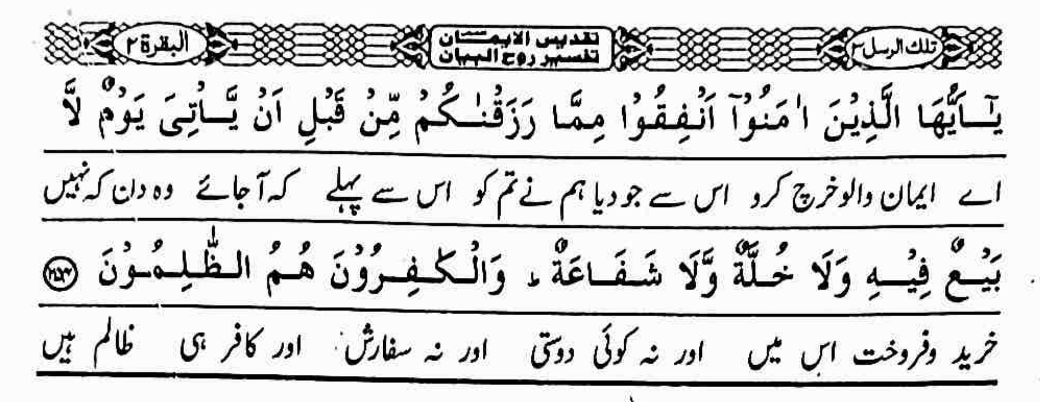
۱۔ میں جوامع الکلم دیا گیا۔
۲۔ رعب سے مجھے نوازا گیا۔
۳۔ میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں
۴۔ میرے لئے پوری زمین مسجد اور پاک کر دی گئی۔
۵۔ مجھے تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا۔
۶۔ اور ختم نبوۃ کا تاج پہنایا گیا۔ (بخاری و مسلم)

اور آگے فرمایا۔ کہ عیسیٰ بیٹے مریم کو ہم نے بینات یعنی معجزات عطا فرمائے۔ جیسے مردے زندہ کرنا۔ بیماروں کو شفا دینا۔ مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو ٹھیک کرنا۔ اور غیبی خبریں دینا اور انجیل عطا فرمائی۔ اگرچہ معجزات تو سب انبیاء کو عطا ہوئے۔ مگر یہاں صرف عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معجزات کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ یہودی ان کے نام سے جلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کے ساتھ ان کے کمالات کا ذکر کیا۔ تاکہ یہودیوں کی تحقیر ہو۔ اور عیسائیوں کو بھی بتایا۔ کہ وہ خدا کے بیٹے نہیں۔ جیسے تمہارا خیال ہے، بلکہ اس کے نبی ہیں۔ اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس سے یعنی وہ دیگر لوگوں کی طرح نہ اصلاب میں رہے نہ ہی ارحام میں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد جبریل کے ذریعے یوں کی کہ ان کو بہت سے علوم بھی سکھائے۔ اور دشمنوں کے شر سے بھی بچایا۔ اور یہودیوں نے جب قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ تو جبریل امین ان کو اٹھا کر آسمانوں پر لے گئے۔ اور جو منافق عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے گیا۔ اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کر دی۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر صولی پر چڑھا دیا۔

ان لڑنے والوں سے مراد مختلف امتیں ہیں۔ اگر اللہ چاہتا۔ تو وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرتے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے اور ان کے ارشادات حقانیہ پر متفق ہو جاتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے واضح دلائل اور معجزات جو بالکل حقائق پر مبنی تھے ان کو مان کر بھائی بھائی بن جاتے۔ لیکن ان لوگوں نے ان کے طریقہ کو چھوڑا۔ اور جنگ و جدال میں لگ گئے۔ اور وہ مختلف گروہ ہوئے اور حد سے بھی بہت آگے بڑھ گئے۔ بعض وہ تھے۔ جنہوں نے رسل عظام کے لائے ہوئے دلائل کو مانا۔ اور ان پر عمل کیا۔ اور بعض ان آیات بینات کا انکار کر کے کفر میں ایسے پھنسے۔ کہ وہاں سے واپس لوٹنا ناممکن تھا۔ یاد رہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو نہیں تھی کہ وہ لڑیں لیکن ان کے احوال و اعمال کا تقاضا ہی ایسا تھا۔

اپنے کرتوتوں کی نحوست سے وہ آپس میں لڑے بلکہ اس کے بعد لڑنے کی عادت بن چکی تھی۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے تکبر کی رگ نہ بھڑکتی یہ باتیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ہو جائے۔ وہ وہی کرتا ہے۔ کہ نہ کوئی موجب اسے مجبور کر سکتا ہے۔ نہ کوئی مانع اسے روک سکتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ کہ تمام حوادث اس کی مشیت کے تحت ہیں۔ خواہ خیر ہو۔ یا شر یا ایمان ہو کہ کفر۔ کیونکہ ہر انسان کا دل اللہ رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہے۔ وہ جدھر چاہے۔ ادھر ہی پھرا دیتا ہے۔



يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَـٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا

اے ایمان والوخرچ کرو اس سے جو دیا ہم نے تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن کہ نہیں

بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَـٰعَةٌ ۗ وَالْكَـٰفِرُونَ هُمُ الظَّـٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

خرید وفروخت اس میں اور نہ کوئی دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں

(آیت نمبر۲۵۴) اس خرچ سے مراد زکوٰۃ واجبہ ہے۔ جیسا کہ آگے وعید بتا رہی ہی۔ چونکہ روز جزاء وسزا میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی۔ کہ کوئی کمی والا اپنی کوتاہی کا نقصان آج پورا کر لے۔ یوں ہی بروز قیامت نہ کوئی دوستانہ اور نہ ہی یارانہ ہوگا۔ کہ کوئی دوست میل ملاپ کر کے معاف کرا سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اس دن تمام دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ مگر اللہ والوں سے دوستی قیامت کے دن قائم بھی رہے گی اور کام بھی آئے گی۔

وھم کا ازالہ : یہ کافر کے حق میں ارشاد ہوا۔ کہ ان کے لئے سفارش ہوگی ہی نہیں اگر ہوئی تو قبول نہ ہوگی۔ یا اس سے مراد وہ شفاعت ہے۔ جو اللہ کی مرضی کے بغیر ہوگی۔ یا یہ جملہ اس لئے ارشاد فرمایا۔ کہ لوگ عبادت چھوڑ کر صرف شفاعت پر ہی بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بہر حال کفار ومشرکین کیلئے کوئی سفارش نہیں۔ جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے۔ اور اہل ایمان کی شفاعت ہوگی۔ جس کے متعلق دلائل آگے آرہے ہیں۔ اور کافر ہی ظالم ہین۔ یہاں کافر سے مراد تارک زکوٰۃ ہے۔ معلوم ہوا زکوٰۃ کا انکار کفر ہے۔ تو جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کر کے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنایا۔ ان جیسا کون ظالم ہے۔

حکایت : ایک اللہ والے کی شیطان سے ملاقات ہوئی تو شیطان نے کہا کہ مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیسے گمراہ کرتا ہوں۔ تو اس عابد نے کہا ضرور بتائیں تو اس نے کہا کہ تین چیزوں سے میں گمراہ جلدی کر لیتا۔ بخل۔ غصہ کی تیزی اور نشہ۔ اگر وہ بخیل آدمی ہے تو پھر میں اسے اس کا مال خواہ کتنا زیادہ ہو۔ میں اس کی آنکھوں میں اسے بہت کم کر کے دکھاتا ہوں اور دوسروں کا مال لوٹ لینے کی ترغیب دیتا ہوں اور اگر غصے والا ہے پھر تو غصے کے وقت میں اسے گیند کی طرح گھماتا ہوں اور اگر نشے والا ہو۔ پھر میں اسے شہوتوں پر لگا دیتا ہوں۔ اگر چہ وہ اتنے نیک ہوں کہ دعا سے مردے بھی زندہ کرتے ہوں۔ میں ان سے ناامید نہیں ہوتا۔ ایک نہ ایک دن ان کو گمراہ کر ہی لیتا ہوں۔

سبق: لہذا مسلمان کو آخری سانس تک شیطانی خطرات کا سامنا ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہمہ وقت شیطان مردود کے حملوں سے ہوشیار رہے اور تعوذ پڑھتا رہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا

اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہ زندہ سب کو قائم رکھنے والا ہے نہیں آتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اس کا ہے جو

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ

آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کرے اس کے ہاں سوائے اس کی اجازت کے

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ

وہ جانتا ہے جو آگے ہے ان کے اور جو پیچھے ہے ان کے اور نہیں پاتے کوئی چیز اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے

وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور سمائے ہیں اس کی کرسی میں آسمان اور زمین اور نہیں تھکاتی اس کو حفاظت ان کی اور وہ بلند بڑا ہے

(آیت نمبر ۲۵۵) اللہ تعالیٰ کے مشہور ننانوے نام ہیں۔ان میں یہ نام مبارک ذاتی ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔ یہ اسم ذات تمام صفات الٰہیہ پر دلالت کرتا ہے۔اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے۔

اسم اللہ میں عجوبہ: اس اسم میں سے اگر کوئی حرف ہٹا بھی دیا جائے۔تو معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔مثلاً الف گرادیں تو "للہ" بن جائیگا۔یہ لفظ بھی قرآن میں کئی جگہ استعمال ہوا۔اور اگر لام بھی گرادیا جائے۔تو "لہ" رہ جائیگا۔یہ بھی قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لئے کئی جگہ آیا۔اور اگر دوسرا لام بھی گرادیا جائے۔"ہ" رہ جائے گا۔یہ بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔**فائدہ:** تمام اسماء الٰہیہ اپنے اندر تاثیر رکھتے ہیں۔خصوصاً لفظ اللہ کی تاثیرات تو بے حد وبے حساب ہیں۔اور "لا الہ الا ہو" یہ قطب الاقطاب کی تسبیح ہے۔یاھو یا من ھوھو یا من لا الہ الا اللہ ھو۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ فرماتے ہیں علماء عارفین کے نزدیک "لا الہ الا اللہ" کہنا اللہ اللہ کہنے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ صرف اللہ میں اثبات ہے۔اور "لا الہ الا اللہ" میں نفی اثبات دونوں ہیں۔جو کہ علم وعرفان کو جامع ہیں۔اور الحی وہ ہے۔جس میں حیات ہو۔جب اس صفت سے اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا جائے۔اور کہا جائے کہ وہ حی ہے۔تو اس سے مراد یہ ہے۔کہ وہ قائم وباقی ہے۔اس پر موت وفنا کا شائبہ بھی نہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ حی فعال اور دراک کو کہتے ہیں۔یعنی بہت زیادہ کام کرنے اور پالینے والا۔جس کا کوئی فعل اور ادراک نہ ہو۔وہ تو میت کے

درجے میں ہے۔ کامل اور مطلق حی وہ ہے۔ کہ تمام مدرکات اور تمام موجودات اس کے ماتحت ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ حیی مطلق ہے۔ باقی مخلوق صرف حی ہیں۔ اور القیوم قائم کا مبالغہ ہے۔ کہ وہ ذات ہر شیء پر قائم دائم ہے۔ جو تمام امور کی تدبیر میں تخلیق و ترزیق میں اور اشیاء کو مناسب مقام تک پہنچانے اور اس کی حفاظت پر بھی قائم ہو۔ بعض علماء نے "الحیی القیوم" کو بھی اسم اعظم مانا ہے۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے وقت ''یا حیی یا قیوم'' کا وسیلہ پیش کرتے۔ مشہور ہے۔ کہ سمندری مخلوق کا وظیفہ بھی ''یا حیی یا قیوم'' ہے۔ اسی دعا کی بدولت وہ ڈوب مرنے سے بچ جاتے ہیں۔

حکایت: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ بدر کی جنگ جب پورے زور پر تھی۔ تو میں نے نبی کریم ﷺ کو جا کے دیکھا۔ تو آپ سجدہ میں "یاحیی یاقیوم" ہی پڑھ رہے تھے۔ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بدر میں اسلام کو فتح عطا فرمائی۔ اس سے "الحیی القیوم" کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آیت الکرسی عظیم الشان آیت ہے اور فرمایا۔ کہ جو اس آیت کریمہ کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھے۔ اسے مرنے کے بعد جنت میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

شان حبیب کبریا: آخر میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اسم اعظم عبارت ہے۔ حقیقت حقہ محمدیہ سے جسے یہ حقیقت نصیب ہو جائے۔ اسے اسم اعظم بھی مل گیا۔ اسی کے ذریعے ساری مخلوق میں فیض تقسیم ہوتا ہے۔ لہذا جس نے اس بات کو اچھی طرح یاد رکھا۔ اسے کامیابی نصیب ہوگی۔ اور روحانی فیض بھی اسے حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں حالتوں سے پاک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں حالتوں سے منزہ و پاک ماننا ضروری ہے۔ یعنی وہ ایسا حی و قیوم ہے۔ کہ موت تو درکنار اسے اونگھ تک بھی نہیں آتی۔

عقیدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جس طرح صفات کمال کا ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح صفات نقصان سے مبرہ ماننا بھی ضروری ہے۔ ایک **حدیث شریف** میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ سو جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ: اے وہ شخص جو ہر وقت نیند میں غرق رہتا ہے۔ اس غلام کی کیا نیند جس کا آقا جاگ رہا ہے۔ کیا اپنے آپ کو گناہ گار کہنے کا عذر کافی ہو جائیگا۔ اور ساری رات میٹھی نیند کے مزے لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حی و قیوم ہونے کی دلیل ہی یہ ہے۔ کہ زمین و آسمان میں جو ہے اسی کا ہے۔ سب اسی نے ہی بنایا ہے۔ کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ہاں کوئی بھی کسی حال میں کسی کی بھی شفاعت نہیں کرسکتا۔ صرف وہ سفارش کرسکتا ہے۔ کہ جسے اس بات کی اجازت حاصل ہوگی۔

فائدہ: چونکہ مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ یہ بت ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن سفارش

کر کے بخشوالیں گے۔ تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ سفارش تو قیامت کے دن وہی کرے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔ (یعنی انبیاء واولیاء) اس میں معتزلہ کا رد ہے۔ جو مطلق شفاعت کے منکر ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں تو شفاعت کا ثبوت موجود ہے۔ شفاعت کے متعلق قرآن مجید میں درجنوں آیات اور سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ جو دیکھی جاسکتی ہیں۔ حضور ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔ پھر دیگر انبیاء واولیاء اور فرشتے شفاعت کریں گے۔ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمانی شان سے شان کریمی کا مظاہرہ فرمائیں گے۔ کہ ان لوگوں پر رحمت فرمائیں گے۔ جو ایمان تو نہ لائے۔ لیکن شرک میں بھی مبتلا نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بخش دیں کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ کون مستحق شفاعت ہے اور کون نہیں ہے۔

یا یہ معنی ہے۔ کہ لوگوں کے امور دنیا اور امور آخرت کو وہ جانتا ہے۔ اور اس کی معلومات کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا ہے۔ مگر جس کے متعلق وہ خود چاہے۔ اس میں حضور ﷺ کے علم کا استثناء کردیا۔ تاویلات نجمیہ میں ہے۔ کہ حضرت محمد ﷺ جانتے ہیں۔ ان امور کو جو پہلے ہوئے جبکہ ابھی مخلوق نہیں بنی تھی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ "من علمه" میں ہوسکتا ہے۔ کہ ضمیر حضور ﷺ کی طرف لوٹتی ہو۔ پھر مطلب یہ کہ حضور ﷺ حکم الٰہی سے ان کے احوال پر شاہد ہیں۔ اور اس ذات کے علم کی طرح اس کی کرسی بھی زمین وآسمان سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے۔ ورنہ اس کی کرسی دنیوی کرسیوں کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے کعبہ کو اپنا گھر کہا۔ مگر وہ اس میں رہتا نہیں ہے۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اور زمین وآسمان کی نگرانی سے کوئی اسے تھکان بھی نہیں۔ جس طرح بنانا آسان ہے اسی طرح حفاظت کرنا بھی اس کے لئے آسان ہے۔ اس لئے۔ کہ وہ اتنی بلند عظمت والا ہے کہ اس کیلئے قلیل وکثیر بعید وقریب سب برابر ہے۔ آیۃ الکرسی کی بہت بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ساری کلاموں کا قرآن سردار ہے۔ قرآن میں سورۃ بقرہ سردار اور سورہ بقرہ میں آیۃ الکرسی سردار ہے (مسلم شریف)۔ جو اس آیت کو پڑھے تو فرشتے دوسرے دن تک اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھتا رہتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے اسماء جتنے اس آیۃ میں ہیں اتنے کسی آیۃ میں نہیں۔ (۴) جس گھر میں یہ آیت پڑھی جائے۔ تیس دن تک اس گھر میں شیطان نہیں آتا نہ کوئی جادو کرسکتا ہے۔ (۵) جو ہر فرض نماز کے بعد اس آیت کو پڑھے۔ اس کے اور جنت کے درمیان فاصلہ صرف موت کا رہ جاتا ہے۔ یعنی مرتے ہی وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ (۶) جو آدمی سونے سے پہلے اس آیت کو پڑھے وہ اور اس کے اردگرد کے تمام پڑوسی کئی گھروں سمیت امن میں ہوجاتے ہیں۔ تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ آیت کی بے شمار تاثیرات ہیں۔ کئی بیماریوں سے شفاء ملتی ہے۔ لیکن لوگ اس سے غافل ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

نہیں زبردستی دین میں تحقیق واضح ہوگئی ہدایت گمراہی سے پس جو نہ مانے شیطان کو

وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ

اور مانے اللہ کو پس تحقیق تھام لی اس نے گرہ مضبوط نہیں ہے ٹوٹنا اس کا اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

سننے جاننے والا ہے اللہ ہی ولی ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے طرف

النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى

نور کے اور وہ جو کافر ہیں حمایتی ان کے شیطان ہیں جو نکالتے ہیں ان کو نور سے طرف

الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اندھیروں کے وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۲۵۶) اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کیلئے کسی پر جبر نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے کہ ہدایت تو واضح ہو چکی اور کفر بھی واضح ہو گیا۔ لہذا اب جو اللہ پر ایمان لائے اور شیطان کا انکار کرے۔ گویا اس نے مضبوط رسی پکڑ لی۔ جس کا ٹوٹنا محال ہے۔ یہ کلام بھی تمثیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ تمہاری باتوں کو اور جانتا ہے۔ تمہارے ارادوں کو اور سب لوگوں کے عقائد کو۔

وھم کا ازالہ : بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب اسلام میں جبر نہیں۔ تو پھر شرابی زانی وغیرہ کو اتنی سخت سزا کیوں دی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو دین میں جبراً داخل نہیں کیا جائیگا۔ لیکن جو داخل ہو۔ اسے اس کے قوانین پر عمل کرایا جائیگا۔ تا کہ زمین پرامن وسکون ہو۔

(آیت نمبر ۲۵۷) اللہ محبّ ہے۔ ان کا جو ایماندار ہیں۔ اور ان کو نکالتا ہے۔ کفر وشرک کے اندھیروں سے نور ایمان ویقین کی طرف۔ اور کافروں کے ولی شیطان ہیں۔ جو طرح طرح کے وسوسے ڈال کر سیدھی راہ سے بھٹکاتے ہیں۔ یعنی فطری ایمان سے نکالتے ہیں۔ اور کفر وفساد کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ جو اپنے جرائم کے نتیجہ میں داخل جہنم ہونگے۔ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ م وقف لازم

1/17

کیانہیں آپ نے دیکھا طرف اس کے جو جھگڑا ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں یہ کہ دی اس کو اللہ نے بادشاہی

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ لا قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ط قَالَ

جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں فرمایا

اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

ابراہیم نے بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے تو لے آ اس کو مغرب سے پس مبہوت ہوا

الَّذِىْ كَفَرَ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ج ﴿۲۵۸﴾

وہ جس نے کفر کیا۔ اور اللہ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہیں۔

(آیت نمبر ۲۵۸) اس آیت کریمہ میں نمرود بن کنعان بن سام بن نوح کا ذکر ہے۔ کہ جس نے سرکشی کر کے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دی لیکن اس نے اس نعمت پر شکر کرنے کے بجائے۔ حجت بازی شروع کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کی اسے بادشاہی دی تھی لیکن وہ مال کی کثرت اور خوش حالی دیکھ کر تکبر میں آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی وہ طرح طرح کی حجتیں کرنے لگ گیا۔

حکایت: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے بت توڑے (تاکہ وہ سمجھیں کہ اگر وہ کچھ کر سکتے تو اپنے آپ کو ہی بچا لیتے) لیکن اس دلیل کو بھی وہ گدھا نہ سمجھا۔ الٹا ابراہیم علیہ السلام کو جیل میں ڈالا پھر آگ میں ڈال دیا۔ آگ میں ڈالنے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ کیا اور کہنے لگا آپ کا خدا کون ہے تو آپ نے فرمایا۔ میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے۔ اور مارتا ہے اس نے کہا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اس نے اپنے دو قیدیوں میں سے ایک کو مار دیا دوسرے کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا منشا تو یہ نہ تھا۔ مگر اس نے عوام کو دھوکا دیا۔ تو آپ نے اسے دوسری دلیل سے ایسا لاجواب کیا۔ کہ اس کی بولتی بند کر دی۔ فرمایا میرا رب وہ ہے جو سورج مشرق سے لاتا ہے۔ تو بھی رب ہے یا تجھ میں کچھ قدرت ہے۔ تو سورج کو مغرب سے نکال کر مشرق کی طرف لے آ۔ اب وہ مبہوت الحواس ہو گیا۔ کوئی اس سے جواب نہ بن سکا۔ **نکتہ:** ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سورج کو مغرب کی طرف سے نکالے گا تاکہ یہ کوئی نہ کہے کہ نمرود یہ کام نہیں کر سکا۔ تو شاید کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

یا مثال اس کی جو گذرا اوپر ایک بستی کے اور وہ مسمار پڑی تھی اوپر چھتوں کے کہا کیسے زندہ کریگا اس کو اللہ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا

بعد مرنے کے پس اس پر موت طاری کی اللہ نے سو سال پھر زندہ کیا اس کو فرمایا کتنے رہے تم یہاں فرمایا ٹھہرا میں دن بھر

اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ

یا کم دن سے فرمایا بلکہ تو ٹھہرا یہاں سو سال پس دیکھ طرف اپنے کھانے اور پینے کے نہیں ہوا بدبودار

وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ

اور دیکھ طرف گدھے کے تا کہ ہم بنائیں تجھے نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھ طرف ہڈیوں کے کیسے ہم اٹھاتے ہیں پھر

نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

چڑھاتے ہیں ان پر گوشت جب ظاہر ہو گیا ان کو تو فرمایا میں جان گیا کہ بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۵۸) کہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو قطعی دلائل کا بھی انکار کرتے ہیں۔

حکایت: نمرود کی سرکشی جب انتہاء کو پہنچی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مچھروں کا عذاب دیا۔ پھر ایک مچھر اس کے ناک کے ذریعے دماغ تک پہنچ گیا۔ چار سو سال تک وہ جوتے کھاتے کھاتے ذلیل ہو کر مر گیا۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس ظالم متکبر نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی تیر پھینکے کہ میں نے خدا کو بھی مار دیا۔ (معاذ اللہ) اسی لئے وہ جوتے کھاتے کھاتے مرا۔

(آیت نمبر ۲۵۹) **واقعہ عزیر علیہ السلام:** بنی اسرائیل جب شر و فساد میں حد سے گذر رے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ جس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، مسجد اقصیٰ کو بھی مسمار کر دیا۔ بلکہ پورے شہر کا یہی حال کر دیا اور اس درندہ صفت انسان نے لوگوں کا بے دریغ قتل کیا اور بنی اسرائیل کے تین حصے کئے۔ ایک گروہ قتل کیا۔ ایک کو قید کیا۔ اور ایک گروہ کو چھوڑ دیا۔ جن کو قید کیا۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ تو جناب عزیر

علیہ السلام ایک دن اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس کے پاس سے گذر رہے تھے۔ تو آپ نے بیت المقدس کی زبوں حالی دیکھ کر فرمایا کہ کیا اس ویرانی کے بعد اللہ تعالیٰ اس شہر کو پھر دوبارہ اسی طرح آباد فرمائے گا۔

ازالہ وہم: یہ ہرگز خیال نہ آئے۔ کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس بات کو بعید سمجھا۔ کیونکہ ہر پیغمبر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پورے طور پر قائل ہوا۔ بلکہ آپ کے دل میں ایک عام آدمی کی طرح سوچ پیدا ہوئی کہ اتنی بڑی ویرانی کے بعد کبھی پھر پہلے کی طرح یہاں آبادی ہو جائے گی۔

حکایت: یہ بات کہنے کے بعد آپ ایک درخت کے پاس آ کر گدھے سے اترے۔ گدھا درخت کے ساتھ باندھا۔ اور کھانا درخت سے لٹکا دیا۔ اور آرام کیلئے آپ اس درخت کے نیچے سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند میں ہی ان پر موت طاری کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نظروں سے انہیں ایسا پوشیدہ کر دیا۔ کہ مخلوق میں سے کسی نے انہیں نہ دیکھا۔ ادھر بخت نصر مر گیا۔ اور بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو پہلے سے زیادہ بہتر آباد کر لیا۔ یوں سو سال پورا ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو دوبارہ زندہ فرما کر پوچھا۔ کہ تمہیں یہاں کتنا وقت گذرا۔ اصل میں اللہ تعالیٰ حضرت عزیر کو دکھانا چاہتے تھے۔ کہ اگر سو سال کے بعد تمہیں زندہ کر سکتا ہوں۔ تو یہ بھی مجھے قدرت ہے۔ کہ بیت المقدس کو بھی دوبارہ آباد کر سکتا ہوں۔ اور دنیا والوں کو بھی اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے تھے۔ کہ جو ذات سو سال کے مرے ہوئے کو زندہ کر سکتی ہے۔ وہ قیامت کے دن بھی زندہ کر سکتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر عرض کیا کہ میں یہاں دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہیں تم تو یہاں سو سال ٹھہرے ہو۔ اب ہماری قدرت کا نظارہ کریں۔ کہ کھانا پینا آپ کا بالکل تر و تازہ ہے۔ جو چیز ایک دن میں خراب ہو سکتی تھی۔ اسے ہم نے سو سال تک سلامت رکھا۔

اب دوسری قدرت دیکھیں: کہ آپ کا گدھا جو سو سال تک رہ سکتا تھا۔ وہ مٹی سے مل کر اور چورا چورا ہو کر کہیں سے کہیں تک بکھر گیا۔ اور آپ سو سال زمین پر لیٹے رہے۔ آپ کے جسم کو کسی چیز نے نہیں چھیڑا۔ یہ آپ کی ذات کا سلامت رہنا بھی ہماری قدرت کی نشانی ہے۔ اور اب ہماری قدرت کی مزید نشانی دیکھیں۔ آپ کے گدھے کو ہم زندہ کرتے ہیں۔ جو آپ کے لئے اور اس وقت کے لوگوں کیلئے نشانی ہو گی۔

واقعہ: روایت میں آتا ہے۔ کہ عزیر علیہ السلام نے آواز سنی۔ کہ اے پرانی ہڈیو۔ جو بکھری پڑی جہاں بھی ہو حکم الٰہی سے آپس میں مل جاؤ۔ اور گوشت پوست کا لباس پہن لو۔ چنانچہ یہ آواز سنتے ہی چاروں طرف سے ہوا اٹھی اور ہر

طرف سے ہڈیاں گوشت پوست وغیرہ اکٹھا ہو کر فوراً گدھا تیار ہو گیا۔ اور وہ اٹھ کر ہینگنے لگا۔ تو جب حضرت عزیر علیہ السلام نے یہ مشاہدہ کر لیا۔ تو عرض کیا۔ کہ یا اللہ میں پہلے ہی مانتا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس واقعہ میں حضرت عزیر علیہ السلام نے قدرت کے کئی عجائبات کو مشاہدہ کیا۔

چنانچہ ان مشاہدات کے بعد آپ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں پہنچے اور کوئی آپ کو پہچانتا نہ تھا اندازہ لگاتے آپ اپنے مکان والی جگہ پر پہنچے۔ وہاں ایک بوڑھی عورت تھی جو اندھی اور اٹھنے چلنے سے عاجز تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ عزیر کا مکان ہے۔ بڑھیا نے کہا مکان تو ان کا ہی ہے۔ لیکن انہیں فوت ہوئے سو سال ہو گیا ہے۔ فرمایا عزیر میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد دوبارہ زندہ فرمایا۔ پہلے تو بڑھیا نہ مانی پھر کہا عزیر تو وہ تھا جس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ اگر آپ واقعی عزیر ہیں تو دعا کریں میری بینائی آ جائے۔ تاکہ دیکھ کر یقین کر لوں کہ واقعی آپ عزیر ہیں۔ آپ نے دعا فرمائی وہ بوڑھی فوراً بینا ہو گئی۔ پھر آپ نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر کہا کہ تو کھڑی ہو۔ تو وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ غور سے دیکھ کر حضرت عزیر کو پہچان لیا۔ اس وقت حضرت عزیر کے بیٹے بھی بوڑھے ہو چکے تھے اور پوتے بھی موجود تھے۔ ہر طرف سے لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کا دیدار کرنے کیلئے ان کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے نے کہا۔ کہ میرے والد کے دونوں بازوؤں پر چاند کی طرح تل تھا۔ جب بازو کھول کر دیکھا۔ تو تل موجود تھا۔

قدرت کی نشانی: بخت نصر نے توراۃ کے چالیس ہزار نسخے جلا دیئے تھے۔ اور تمام حافظوں کو قتل کرا دیا تھا۔ کسی کو تورات کا صحیح علم نہ تھا۔ لوگ ادھر یہی بات کر رہے تھے۔ کہ کاش عزیر علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو تورات صحیح زبانی یاد تھی، ان سے سن کر ہم توراۃ کی تصحیح کر لیتے۔ کہ اتنے میں حضرت عزیر علیہ السلام مجمع میں پہنچ گئے لوگ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ حضرت عزیر کو تو توراۃ زبانی یاد تھی اگر یہ زبانی سنا دیں تو پھر ہم مان لیں گے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت توراۃ پڑھنا شروع کی اور پوری توراۃ انہیں سنادی۔ تو اس پر وہ اس بڑھیا کے ساتھ مسجد میں تشریف لے آئے اور بڑھیا نے اعلان کیا۔ کہ میرے ساتھ عزیر ہیں۔ انہیں ملنے تو سب بہت خوش ہوئے۔ اور پھر آپ نے دوبارہ تورات ان کو لکھوادی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب دکھا مجھے کیسے تو زندہ کرتا ہے مردوں کو فرمایا کیا نہیں آپ کو یقین

قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ

عرض کی کیوں نہیں مگر چاہتا ہوں اطمینان قلبی ہو فرمایا پکڑو چار پرندے پھر ملاؤ انہیں اپنے ساتھ

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ

پھر رکھ اوپر ہر پہاڑ کے ان سے ایک ایک ٹکڑا پھر بلا ان کو آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ع ﴿۲۶۰﴾

اور جان لے بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۲۶۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال صرف علم الیقین سے حق الیقین کا اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے کیلئے تھا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر نعم سے جواب دیتے۔ لفظ بلیٰ ہی بتا رہا ہے۔ کہ آپ کو علم الیقین تھا۔ کہ مردے اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے۔ لیکن آپ صرف اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے حق الیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے فرمایا اس سے میرا مطلب اطمینان قلبی ہے جو معائنہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

فائدہ: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اگر آخرت کے سارے پردے ہٹ جائیں۔ جنت و دوزخ سب سامنے آ جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجھے پہلے سے ہی حق الیقین کا درجہ حاصل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ چار پرندے پکڑ لیں۔ ۱۔ مور۔ ۲۔ کوا۔ ۳۔ کبوتر۔ ۴۔ مرغا۔ بعض نے اس کے علاوہ بھی کسی پرندے کا نام لیا ہے۔ بہر حال جب آپ نے انہیں پکڑ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ کہ ٹکڑے کر کے ان کے گوشت کے اجزاء علیحدہ علیحدہ پہاڑوں پر رکھ دو۔ لیکن ان کے سر اپنے پاس رکھو وہ پہاڑ سات تھے یا چار۔ ابراہیم علیہ السلام نے چاروں پرندوں کے حصے کئے اور سامنے جتنے پہاڑ تھے ہر پہاڑ پر پرندے کے جز جز کر کے رکھ دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اب انہیں اپنی طرف بلاؤ۔ یعنی کہو۔ کہ اللہ کے حکم سے آؤ تو وہ تیزی سے آپ کے پاس آ جائیں گے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں جیسے ایک دانہ اگائے سات بالیاں (سٹے)

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ زیادہ بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶۰) **واقعہ**: سر چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے۔ تو جس سر کو پکڑ کر آواز دیتے۔ تو اس پرندے کے سارے اجزاء مختلف پہاڑوں سے اڑ کر اپنے سر کے ساتھ آ کر مل جاتے۔ اور وہ پرندہ اپنی اصلی شکل میں زندہ ہو جاتا اور اڑ جاتا۔ یہ دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام بڑے حیران ہوئے۔ تو اللہ نے فرمایا۔ جان لے کہ اللہ غالب ہے اپنے تمام کاموں کے کرنے میں۔ اور حکمت والا ہے کہ ہر کام وہ حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۶۱) یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ جو خیرات کے مختلف مقامات میں خرچ کرتے ہیں۔ خواہ واجبات سے ہوں۔ جیسے زکوٰۃ دینا۔ اور خواہ نفلی عام صدقہ خیرات ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ایک دانہ آباد زمین میں ڈالا جائے۔ دانہ گندم ہو یا کوئی اور تو اس دانہ سے پودا نکلے اور اس ایک پودے کے ساتھ سات بالیاں (خوشے) نکلیں۔ اور ہر خوشے میں سو دانہ ہو۔ (جیسے کئی دفعہ مشاہدہ میں آیا ہے تو گویا ایک دانہ سے سو دانے حاصل ہو گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک درھم دینے سے سات سو درھم ملیں گے) تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کے لئے چاہتا ہے کئی گنا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا اور علم والا ہے۔ یعنی سب کی نیت کو جانتا ہے۔ یہ مثال دی ہے۔ کہ جس نے اچھا عمل کیا ہو۔ اور بیج اچھا ڈالا ہو۔ اور زمین بھی اعلیٰ ہو۔ تو پھر ایک دانے سے سات سو دانے مل سکتے ہیں۔ یہی حال صدقہ دینے والے کا ہے۔ کہ وہ خود نیک ہو کمائی اس کی حلال ہو۔ اور نیت خالص ہو اور مصرف صحیح پر خرچ کرے۔ تو پھر عطائے الٰہی کا بھی بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو شخص نیک حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرے۔ (اور اللہ تعالیٰ قبول ہی حلال مال کو کرتا ہے)۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو دائیں ہاتھ سے لیتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کا ہر ہاتھ دایاں ہے) اور دینے والے کے ثواب کو بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے (شرح ریاض الصالحین باب جود والکرم)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ صدقہ مومن کو آفات دنیا اور فتنہ قبر اور عذاب آخرت سے بچاتا ہے۔ (اور اس کے اعمال کو وزنی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر دے گا۔) (جامع السعادات)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

وہ جو خرچ کریں اپنے مال راہ خدا میں پھر اس کے بعد نہ کریں اس پر جو خرچہ کیا کوئی احسان اور نہ

اَذًی ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

تکلیف دیں ان کیلئے اجر ان کا نزدیک ان کے رب کے اور نہ کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

(آیت نمبر۲۶۲) پھر فرمایا۔ کہ جو لوگ اپنے مال جائز جگہ خرچ کرتے ہیں۔ جس کو مال دیں۔ اس کو احسان بھی نہ جتائیں کہ اسے کہے۔ کہ میرا تیرے اوپر یہ احسان ہے۔ کہ میں نے فلاں وقت تجھے صدقہ دیا یا کھانا کھلایا۔ احسان جتا کر اسے دکھ پہچائے۔ یا لوگوں کے سامنے ذلیل کرے۔ یا اسے شرمندہ کرتا رہے۔ (یا اس سے گھر کا کام کاج کرواتا رہے) ان میں سے کوئی بھی کیا تو اجر ضائع ہو گیا اور اگر یہ نہ کرے۔ تو ان کو اپنے رب کے ہاں سے بہت بڑا اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اور انہیں قیامت کے عذاب کا ڈر بھی نہیں ہوگا۔ اور نہ دنیوی امور کے متعلق کوئی غم ہوگا۔

شان نزول :

نمبر۱: مروی ہے۔ کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس کھانا تھا۔ آپ نے ایک مانگنے والے کو دے دیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ کوئی اونٹنی بیچ رہا ہے۔ آپ نے ادھاری خرید کر پھر منافع پر بیچ دی۔ بائع کو ملنے گئے کہ اسے رقم ادا کر دوں۔ تو وہ بھی نہ ملا۔ آپ نے یہ واقعہ نانا جان سے بیان کیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ مانگنے والا تو جنت کا داروغہ رضوان تھا۔ اونٹنی والا میکائیل فرشتہ تھا۔ اور خریدار جبریل امین تھے۔ جو واپس چلے گئے۔

نمبر۲: بعض مفسرین کا خیال ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک کے موقع پر چھ سو اونٹ بمع ساز و سامان دیئے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے تو حضور ﷺ اس پر بہت خوش ہوئے۔ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے چار ہزار دینار نقد دینے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ : اس آیت میں دونوں کے حال کی ترجمانی کی گئی۔ کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کیا۔ اور دل میں ذرا بھر بھی خیال نہ کیا۔ کہ وہ کسی پر احسان وغیرہ جتائیں۔ یا کسی سے کام لیکر ایذاء دیں۔

مسئلہ: بعض کا قول ہے۔ کہ خرچہ کر کے احسان جتانا منافقت ہے۔ اور خرچ کے بعد ایذا دینا سود ہے۔
مسئلہ: بعض کا ارشاد ہے۔ کہ احسان جتانے یا ایذاء کیلئے جو مال خرچ کیا جائے۔ اس کا اسے کوئی ثواب نہیں۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝۲۶۳

بات اچھی کہنا اور بخش دینا بہتر ہے اس صدقہ سے کہ جس کے بعد ستایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ بردبار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶۲) **مسئلہ**: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی راہ میں مال دے کر احسان جتلانا اللہ کی نعمتوں کی قدر گھٹانا ہے اور اس کی نورانیت کو ظلمات سے بدلنا ہے۔ اس لئے کہ فقیر محتاج تو ویسے ہی منکسر القلب ہوتا ہے۔ وہ تو خود ہی معترف ہے۔ کہ دینے والے کا مقام اونچا ہے۔ تو دینے والے نے احسان جتایا تو اس نے محتاج کے دل کو مجروح کر دیا۔ اور اپنا ثواب ضائع کر دیا۔

حکایت: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پانچ ہزار بکریوں کا ریوڑ تھا۔ ایک فرشتے نے آ کر کہا "سبوح قدوس ربنا ورب الملائکة" ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس مقدس کلمے کو پھر دوہرا۔ تو میں تجھے آدھا (بکریوں کا) ریوڑ دے دونگا۔ اس نے دوبارہ یہی مقدس کلمات دوہرائے آپ نے فرمایا۔ ان کلمات کو پھر دوہراؤ۔ تو تمام ریوڑ تمہیں دے دیا جائیگا۔ فرشتہ حیران ہو کر کہنے لگا۔ کہ واقعی یہ اللہ کے خلیل ہیں۔ یہ اس شان کے لائق ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اور ان کا ذکر تا قیامت ہر زمانے اور ہر ملت میں کیا جائے۔ معلوم ہوا۔ کہ اللہ کی راہ میں مال بھی ضرور خرچ کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خلوص نیت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۲۶۳) اچھی بات سے مراد سائل کو اچھے طریقے سے جواب دینا۔ کہ جس سے اس کا دل خوش ہو جائے۔ اور بخش دینا یہ ہے کہ جو سوالی سے غلطی ہوا سے درگذر کرنا۔ مثلاً سوالی کی زیادہ الحاح وزاری کرنا (جیسے آج کل مختلف درباروں وغیرہ میں مانگنے والے کرتے ہیں۔ یا اس نے کوئی ایسی بات کی جس سے دل ناخوش ہوا۔ تو اس کو معاف کر دینا بہتر ہے۔ اس صدقہ سے جس کے بعد کسی کو دکھ پہنچایا جائے)۔

فائدہ: بہترین صدقہ وہی ہے۔ جس کے دینے کے بعد اطمینان ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہوگا اور یاد رہے اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ اور بڑا بردبار ہے۔ کسی کے ایذاء دینے پر فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

فائدہ: ہمارے بزرگ صدقہ دیکر ریاکاری سے بہت بچتے تھے۔ اس لئے کہ نفس ریاکاری کرنے پر بہت خوش رہتا ہے۔ یہ بڑی مہلک چیز ہے۔ **فائدہ**: قبر میں اتارتے وقت ریاکار کو اتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے سانپ ڈسنے سے اور بخیل کو مال بچھو بن کر قبر میں تکلیف پہنچائے گا۔ **فائدہ**: صدقہ صرف مال میں ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ کہنا اور امر بالمعروف کرنا اور برائی سے روکنا یہ سب صدقہ میں آتے ہیں۔ یعنی صدقہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى ۙ كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ

اے ایمان والو نہ خراب کرو اپنے صدقے احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اس کی طرح جو خرچ کرے اپنا مال

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ

دکھاوا کر کے لوگوں کو اور نہ ایمان رکھے اللہ پر اور روز آخرت پر اس کی مثال جیسے ایک چٹان پر مٹی ہے

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا‌ ؕ لَا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ

پھر آئی اس پر تیز بارش کہ چھوڑ دیا اس کو چٹیل میدان نہ قابو پا سکیں اوپر کسی چیز کے جو انہوں نے کمایا اور اللہ

لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۶۴﴾

نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو کافر ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶۴) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مذکورہ برائیوں پر نقصان بتانا چاہتے ہیں۔ کہ تم اپنے صدقات کو جتا کر یا ایذاء دیکر ضائع مت کرو۔ اس لئے کہ ایسا کرنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ البتہ محتاج کو شرمندہ کرنے اور ایذاء دینے کا گناہ لکھا جائیگا۔ باطل ہونے کا مطلب ثواب کا ضائع ہونا ہے۔

اس کی مثال اس شخص (منافق) کی ہے۔ جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں دکھلاوے کیلئے تا کہ لوگوں میں وہ سخی مشہور ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت پر۔ یعنی اسے نہ اللہ کی رضا مطلوب نہ آخرت کا ثواب درکار ہے۔ بلکہ وہ صرف اپنے آپ کو سخی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ ایسا شخص ہر عمل میں یہی چاہتا ہے۔ کہ لوگ دیکھ کر میری تعریف کریں۔ تو اس کی مثال اس چٹان سی ہے۔ جس پر کچھ مٹی لگ گئی (مالک یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں اس پر غلہ اگاؤں گا) تو اچانک موسلا دھار یعنی تیز بارش آئی۔ تو مٹی وغیرہ سب بہہ گئی اور چٹان کو صاف ستھرا کر دیا۔ تو اب وہ شیخ چلی کی طرح حیران ہوگا اور تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہی حال ریا کاروں کا ہے۔ کہ وہ قیامت کے دن اپنے عمل کا کوئی اجر نہیں پائیں گے۔ **مسئلہ**: معتزلہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ من وایذاء سے ثواب بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ لیکن اس کے متعلق اہل سنت کے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ مومن کو ثواب ملنا محض فضل الٰہی سے ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ "لاتبطلوا" فرما کر بندوں کو من وایذا سے روکا گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو خیر وارشاد کی طرف راہ نہیں دکھاتا۔ لہذا مومن کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ ان امور سے اجتناب کرے۔ جن سے عمل ضائع ہوتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال چاہتے ہوئے رضائے خدا اور ثابت رکھتے ہوئے اپنے دلوں کو

كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا

جیسے باغ اونچی جگہ ہو پہنچی اس پر تیز بارش تو دیا اس نے اپنا پھل دگنا اگر نہ پہنچے اس پر

وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

تیز بارش تو شبنم ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام کو دیکھتا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶۴) اس لئے ہمارے اسلاف نے صدقہ کو لوگوں سے چھپا کر دینے میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فقیر تلاش کرتے جو نابینا ہو۔ تاکہ لینے والے کو معلوم ہی نہ ہو کہ یہ دینے والا کون ہے۔ اور بعض بزرگ سوئے ہوئے فقیر کے کپڑوں کے ساتھ ہی درھم وغیرہ باندھ دیتے۔ اور بعض فقیر کے راستہ پر پیسے ڈال جاتے۔ تاکہ وہ گذرتے وقت وہاں سے لے لے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھے تم سے چھوٹے شرک کا ڈر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے تو فرمایا ریاء کاری (احمد والترمذی)۔ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال صالحہ کی جزا دے گا۔ تو ریا کاروں سے فرمائے گا۔ کہ تم ان لوگوں سے جا کر بدلہ لو۔ جن کو دکھا دکھا کر اعمال کرتے تھے۔ میرے ہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۲۶۵) اس آیت کریمہ میں مقبول صدقہ کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ یعنی ان لوگوں کی مثال جو مال خرچ کرتے ہیں رضاء الٰہی کیلئے۔ اور مضبوط دلوں کے ساتھ یعنی جن کے دلوں سے بخل کی رذالت ختم ہو چکی ہے اور مال کی محبت انہیں راہ مولا میں خرچ کرنے سے نہیں روکتی۔

نسخہ روحانی: نفس اگرچہ مالی محبت کی وجہ سے بدنی عبادت سے کترانے کا خوگر ہے۔ اگر اسے کسی نیک بات کا خوگر بنا دیا جائے تو وہ اس کا بھی عادی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا مال خرچ کرنے والے کی مثال ایسے ہے۔ جیسے ایک باغ جو اونچی جگہ واقع ہو۔ (ایسا باغ بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ اور اس کا پھل بھی بہترین ہوتا ہے)۔ اور ہو سکتا ہے۔ ربوہ سے مراد نرم زمین جس پر بارش ہو۔ تو وہ زمین اس کا اثر قبول کرے۔ پھلے پھولے اور سرسبز و شاداب ہو۔ تو ایسی زمین پر جب بارش اترے تو وہ باغ دگنا پھل دے گا۔

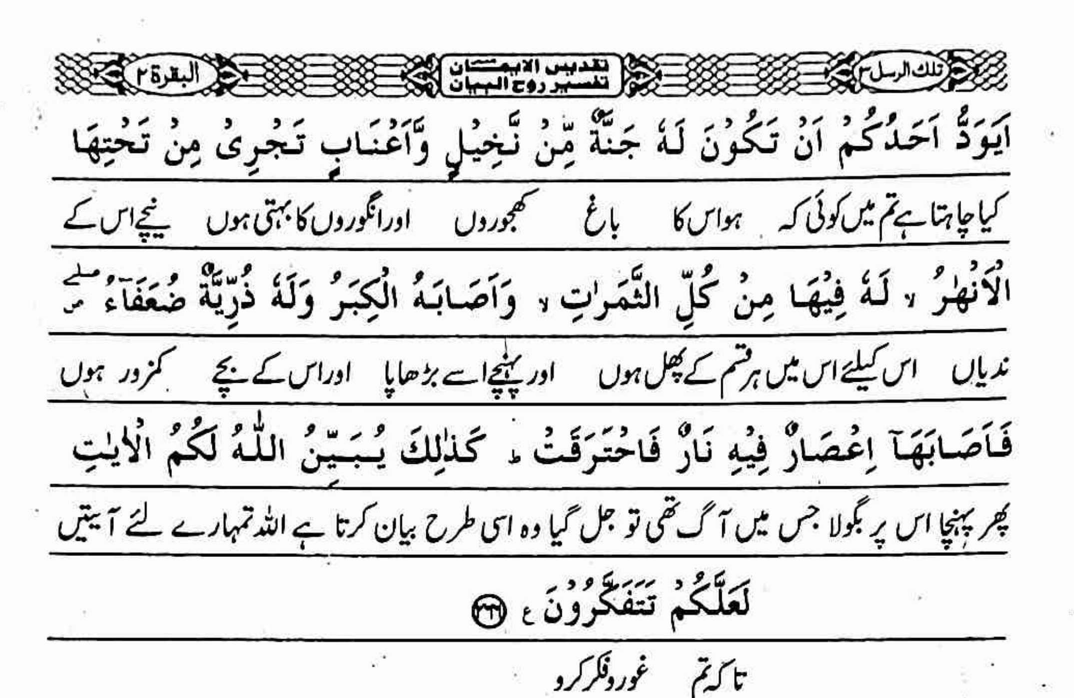
فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ جو پھل دوسرے باغوں میں دو سالوں میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ ایسے باغ سے ایک سال میں حاصل ہو گیا۔ اب آیت میں چار مثلیں مراد ہونگی۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر اس میں زوردار بارش نہ بھی ہو۔ تو بوندا باندی کافی ہے۔ طل کا معنی شبنم (اوس) بھی کیا گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی اسے معلوم ہے۔ کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں۔ اخلاص والے ہیں یا ریاکاری والے۔ **فائدہ:** مومن کو چاہئے۔ کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرے۔ تاکہ وہ شرک خفی جو بڑا طاغوت ہے۔ اس سے بھی نجات پائے۔ نجات کا دارومدار ہی اخلاص پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کے ضائع ہونے اور اس کے خسارے اور عقیدے کے خلل اور خرابی سے بچائے۔ خالص عمل کی نشانی یہ ہے۔ کہ عمل کے بعد یہ خیال نہ آئے۔ کہ اس پر میری تعریف ہو۔ تو ایسے عمل خالص کا اجر بھی ڈبل ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب صدقہ ہاتھ سے نکلتا ہے۔ تو وہ محتاج کے ہاتھ پر پہنچنے سے پہلے پانچ کلمات کہتا ہے:

۱۔ میں تھوڑا تھا۔ تو نے بڑھا دیا۔
۲۔ میں چھوٹا تھا۔ تو نے بڑا کر دیا۔
۳۔ میں تیرا دشمن تھا۔ تو نے مجھے محبوب بنالیا۔
۴۔ میں فانی تھا۔ تو نے بقا کی دولت بخش دی۔
۵۔ پہلے تو میرا محافظ تھا۔ اب میں تیرا محافظ ہوں۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو کسی کی حاجت پوری نہیں کرتا۔ اللہ اس کی بھی حاجت پوری نہیں کرتا۔ معلوم ہوا۔ کہ جو کسی کی حاجت پوری کرے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرما دیتا ہے (مناقب امام احمد وحیوۃ الحیوان)۔ **حدیث شریف:** اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں ہوتا ہے جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کر رہا ہو۔ (مشکوۃ شریف)

حکایت: ایک عالم دین یہ حدیث پڑھ کر بہت رویا۔ اور اس کا مفہوم سمجھنے کیلئے ایک بزرگ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کتے کو کھلا رہے تھے۔ انہوں نے سلام دیا۔ تو ان بزرگ نے سلام کا جواب تو دیا۔ مگر پہلے کی طرح ان کی آمد پر کوئی تکریم وغیرہ نہ کی۔ فارغ ہو کر معذرت کی۔ اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی کی حاجت پوری کرے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔ یہ کتا روٹی کی طلب میں میرے پاس آیا تو میں نے سوچا۔ کہ اگر میں آپ کے اعزاز میں کھڑا ہوا تو یہ چلا جائے گا۔ تو اس عالم نے کہا میں یہی مسئلہ تو آپ سے پوچھنے آیا تھا۔



اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا چاہتا ہے تم میں کوئی کہ ہو اس کا باغ کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں نیچے اس کے

الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ

ندیاں اس کیلئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور پہنچے اسے بڑھاپا اور اس کے بچے کمزور ہوں

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ

پھر پہنچا اس پر بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا وہ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۧ ﴿۲۶۶﴾

تا کہ تم غور وفکر کرو

(آیت نمبر ۲۶۶) اب اللہ تعالیٰ ایک مثال دیکر سمجھانا چاہتے ہیں۔ کہ ایک آدمی بہترین نیک عمل کر کے ساتھ گناہ بھی کر کے اپنے عمل کو برباد کر لیتا ہے۔ وہ ایسے ہے جیسے ریا کار یا صدقہ دے کر احسان جتانے یا ایذا دینے والے شخص کو بروز قیامت سوائے ندامت کے کیا حاصل ہوگا۔ اس لئے فرمایا کہ کیا تم سے کوئی چاہتا ہے۔ کہ اس کے کھجوروں اور انگوروں کے باغ ہوں۔ جن میں نہریں بھی جاری ہوں۔ اور اس میں ہر قسم کے پھل لگے ہوں۔ یاد رہے کھجور اور انگور کا نام اس لئے ذکر کیا۔ کہ ان پھلوں کے باغات دیگر درختوں سے زیادہ مکرم سمجھے جاتے ہیں۔ اور نفع بھی ان میں زیادہ ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ باغ کا مالک بوڑھا ہو جائے۔ اور اس کی اولاد کمزور ہو کہ وہ باغ کی دیکھ بھال صحیح طریقے سے نہیں کر سکتے۔ اور اس باغ میں ایک بگولہ آیا اور اس میں آگ تھی۔ جس نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ جس کی وجہ سے نہ صرف پھل جلا۔ بلکہ درخت بھی جل گئے۔ اب وہ مرد حیران پریشان ہے کہ اب کیا کرے۔ مذکورہ تمام مسائل اور واقعات اسی لئے بیان کئے گئے۔ کہ تم ان میں غور وفکر کر کے ان سے نصیحت حاصل کرو۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مومن اور منافق کے درمیان فرق بیان کرنے کیلئے یہ مثال دی ہے: مومن: اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا۔ تو اسے (۱) بہتر بدلہ۔ (۲) اور بزرگی نصیب ہوگی۔ (۳) مومن کی محنت رنگ لائیگی۔ (۴) اس کے اعمال کو جلا اور روشنی ملے گی۔ لیکن منافق کو تباہی اور بربادی ملے گی۔

(۲) محنت ضائع ہوجائیگی۔ (۳) وہ خسارے میں رہے گا۔ (۴) خاتمہ برباد۔ (۵) اور آخرت کا وبال ملے گا۔ مومن کا حال: یہ کہ اس کی کھیتی بھی ہری بھری پھل بے شمار اور شاخیں خوشنما ہوئیں۔ اور منافع بھی بے شمار۔ منافق کا حال: یہ کہ تجارت میں گھاٹا۔ چوری ہوکر ضائع۔ بڑھاپے کی وجہ سے حال تباہ۔ اور ہر طرح سے رنج وغم ہی حاصل ہوا۔

حدیث شریف: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا۔ تو انہوں نے عرض کی۔ کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اپنے دین میں خلوص پیدا کر۔ پھر تیرا تھوڑا عمل بھی تجھے کافی ہوگا۔ (شعب الایمان حدیث نمبر ۶۴۵۸ للبیہقی)

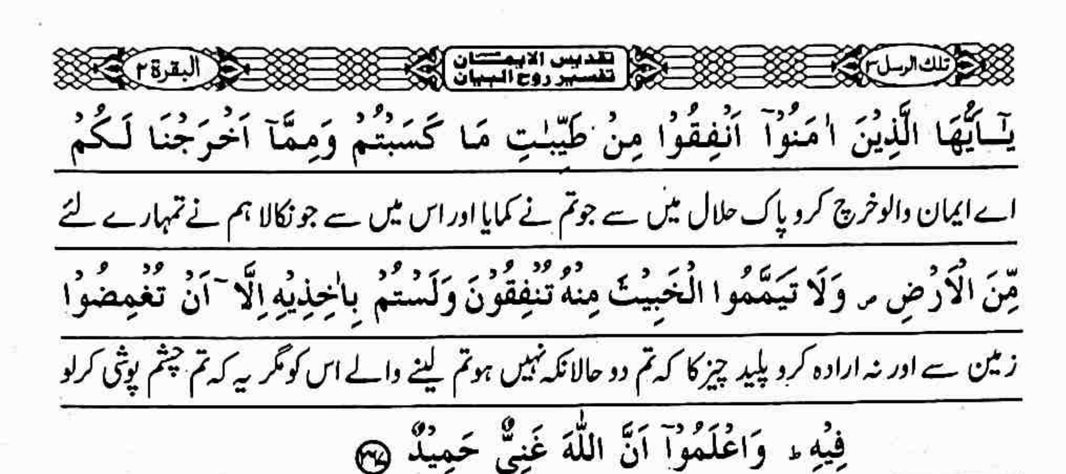
حکایت: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان سے پوچھا۔ بتا۔ میری امت میں تیرے دشمن کتنے ہیں۔ اس نے کہا۔ پندرہ ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ کون کون ہیں۔ کہنے لگا:

۱۔ پہلے آپ ۲۔ عادل بادشاہ ۳۔ امیر منکسر المزاج
۴۔ سچا تاجر ۵۔ اللہ سے ڈرنے والا عالم ۶۔ مسلمانوں کا خیر خواہ
۷۔ نرم دل مومن ۸۔ توبہ پر قائم رہنے والا ۹۔ حرام سے بچنے والا
۱۰۔ ہر وقت باوضو رہنے والا مسلمان ۱۱۔ نماز اپنے وقت پر پڑھنے والا
۱۲۔ بہت زیادہ صدقہ دینے والا ۱۳۔ مسلمانوں سے اچھا اخلاق رکھنے والا
۱۴۔ قرآن پاک یاد کرکے نہ بھلانے والا ۱۵۔ رات کو عبادت کرنے والا

شیطان کے دوست: پھر فرمایا کہ تیرے دوست کتنے ہیں۔ کہنے لگا۔ آپ کی امت میں دس آدمی میرے دوست ہیں:

۱۔ ظالم بادشاہ ۲۔ دولتمند متکبر ۳۔ خیانتی تاجر ۴۔ شرابی
۵۔ چغل خور ۶۔ ریاکار ۷۔ سود خور ۸۔ یتیم کا حق کھانے والا
۹۔ زکوٰۃ سے روکنے والا ۱۰۔ لمبی آرزو والا

حدیث شریف: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوذر اپنی کشتی کو اچھا کر اس لئے کہ دریا گہرا ہے اور اپنے توشہ کو بڑھا۔ اس لئے کہ سفر دور کا ہے۔ راستہ خوفناک ہے اور اپنے عمل کو خالص کر کیونکہ دیکھنے والا بہت پرکھنے والا ہے۔ (رواہ امام مقدسی)۔ یہاں سفر سے مراد سفر آخرت ہے کہ اس کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہے اور توشہ سے مراد طاعات وعبادات ہیں۔



يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَنفِقُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم

اے ایمان والوخرچ کرو پاک حلال میں سے جوتم نے کمایا اور اس میں سے جو نکالا ہم نے تمہارے لئے

مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِاٰخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا

زمین سے اور نہ ارادہ کرو پلید چیز کا کہ تم دو حالانکہ نہیں ہو تم لینے والے اس کو مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرلو

فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

اس میں اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ تعریفوں والا

(آیت نمبر ۲۶۷) اللہ تعالیٰ کی راہ میں پاک حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے دو۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ اہل عرب صدقہ کرتے وقت خراب کھجوریں بھی دے دیا کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں انہیں اس بات سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے ایمان والو۔ میری راہ میں پاکیزہ حلال مال اور کھرا مال خرچ کرو۔ بعض علماء نے طیب کا معنی جید کیا ہے۔ یعنی وہ کھرا مال جو تم نے خود کمایا۔ ہے اور وہ پاکیزہ اناج جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔ یعنی اناج یا پھل وغیرہ یا دفینے جو زمین سے خزانہ برآمد ہو وہ مراد ہے۔ اور آگے فرمایا کہ خبیث یعنی ردی اور خسیس مال اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ طیب سے مراد ہر وہ چیز جو دل کو پسند ہو۔ اور خبیث ہر وہ شیء جس سے دل کو نفرت ہو۔ اس لئے فرمایا کہ حال یہ ہے کہ تم خود خبیث چیز لینے کیلئے تیار نہیں۔ تو اللہ کی راہ میں کیوں دیتے ہو۔ یعنی جو چیز تم خود پسند نہیں کرتے۔ ہاں یہ ہے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو۔ کہ تمہارا حق نہ مارا جائے۔ یا تمہیں اس کی محتاجی ہو۔ یا تم اس طرف توجہ نہ دو۔ یا تم دینے والے کو ناراض نہیں کرنا چاہتے، یہ الگ بات ہے۔ آگے فرمایا۔ جان لو اللہ بے پرواہ ہے۔ تمہارے خرچ سے کہ تمہارا یہ خیال ہو کہ شاید تمہارے ردی مال کی رب کو ضرورت ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اور وہ تعریفوں والا ہے۔ حمید یعنی جو مستحق ہے اس بات کا کہ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کی جائے۔۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا۔ کسب حلال اچھی چیز ہے۔ انسان کی بہترین کھانے کی وہ چیزیں ہیں۔ جو اپنے ہاتھ سے کمائی ہوں اور کسب حلال ہوں۔ اسی طرح بہترین صدقات بھی وہ ہیں۔ جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ تم پر اچھے سے اچھے انعامات کر رہا ہے۔ تو اس کے نام پر دینے کا وقت آئے۔ تو تم بے کار چیز اس کی راہ میں دو۔ تو وہ کیسے راضی ہوسکتا ہے۔

اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ

شیطان اندیشہ دیتا ہے تمہیں محتاج ہونے کا اور حکم دیتا ہے تمہیں بے حیائی کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے بخشش کا

وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۖ ﴿۲۶۸﴾ یُّؤۡتِی الۡحِكۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ

اور اپنی طرف سے فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے وہ دیتا ہے حکمت جس کو چاہے

وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا كَثِیۡرًا ؕ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾

اور جسے ملی حکمت تو تحقیق وہ دیا گیا بھلائی بہت اور نہیں نصیحت مانتا مگر عقل والا

(بقیہ آیت نمبر ۲۶۷) **صدقات کے طریقے:** جو مال بھی اللہ کی رضا کیلئے اس کی راہ میں دیا جائے۔ وہ صدقہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو کوئی باغ لگاتا ہے۔ یا زمین میں بیج ڈالتا ہے۔ تو اس میں جتنے بھی انسان یا جانور یا پرندے کھائیں۔ وہ سب صدقہ بن جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے صدقہ کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔ (ریاض الصالحین و مشکوۃ شریف)

آیت نمبر ۲۶۸) شیطان تو تمہیں ڈراتا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں مال دیا۔ تو فقیر محتاج ہو جائیگا۔ اور بے حیائی والی جگہ پر مال خرچ کرنے کا اور بخل کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تمہیں خرچ کرنے پر گناہوں کی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ دیتا ہے۔ یعنی آخرت میں وہ کچھ عطا کرے گا۔ جو دنیا سے بہتر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے۔ یعنی بڑی قدرت والا ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کر کے چھوڑے گا۔ اور بڑے علم والا ہے۔ یعنی خرچ اور خرچہ کرنے والوں کی نیتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۶۹) حکمت یعنی قرآنی مواعظ اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ یعنی جن آیات میں عجیب و غریب حکمتیں ہیں اور ان پر تمہارے منافع کا دار و مدار ہے۔ انہیں غنیمت سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ اور جس شخص کو حکمت یعنی علم و عمل کی دولت سے نوازا گیا۔ اسے گویا بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی۔ ایسے شخص کیلئے دارین کی بھلائی ہے۔ ان آیات سے نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں۔ جو وہم اور خواہشات کی طرف نہیں جھکتے۔ اس سے مراد وہ حکماء و علماء ہیں۔ جو باعمل ہیں۔

سبق: جسے قرآن کا علم حاصل ہو جائے۔ وہ دنیا داروں کی چاپلوسی سے اجتناب کرے۔ اس لئے کہ جسے قرآن کا علم نصیب ہوا۔ اسے بہت بڑی خیر کثیر حاصل ہوگئی۔ گویا اسے بہت بڑا خزانہ مل گیا ہے۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ

اور جو بھی تم خرچ کرو کوئی خرچہ یا مانو تم کوئی منت پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کا

18

اَنۡصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ

کوئی مددگار اگر تم اعلانیہ دو خیرات تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر چھپا کر دو فقیروں کو

فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿٢٧١﴾

تو وہ بھی بہتر ہے تمہارے لئے اور دور کرے گا تم سے تمہارے گناہ اور اللہ جو تم عمل کرو خبردار ہے

(آیت نمبر ٢٧٠) جو مال بھی خرچ کیا جائے حق یا باطل میں ظاہر یا چھپ کر تھوڑا یا زیادہ یا جو بھی منت مانی جائے۔ خواہ طاعت کی یا معصیت کی۔ شرط کے ساتھ یا بلاشرط۔ مال سے متعلق ہو۔ یا اعمال سے جیسے نماز روزہ وغیرہ تو اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے۔ اور اس جملہ سے مراد یہ ہے۔ کہ اگر مذکورہ اعمال خیر کے ہوئے تو قیامت کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے گا۔ اور برے ہوئے تو سزا دے گا۔ اس آیت میں اعمال خیر کی رغبت دلائی گئی اور اعمال شر سے ڈرایا گیا۔ ہے آگے فرمایا۔ کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ظالم سے مراد گناہ والی جگہ مال یا جان خرچ کرنے والے یا گناہ والی منت ماننے والے یا مراد ہے صدقہ سے روکنے والے یا منت مان کر نہ ادا کرنے والے یا جوردی مال اللہ کی راہ میں دینے والے ظالم ہیں۔ ان کا قیامت کے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ جو عذاب وعقاب میں مدد کر کے بچا سکے اور نہ کوئی ان کا سفارشی ہوگا۔

(آیت نمبر ٢٧١) صدقہ ظاہر کر کے دینا بھی اچھی بات ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ اس میں ریاء کاری نہ ہو یہ مسئلہ فرضی صدقات کے متعلق ہے۔ نفلی صدقات کو چھپا کر دینا ہی افضل ہے۔ اور آگے فرمایا۔ کہ اگر چھپا کر فقراء کو دو۔ فقراء کا خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا۔ کہ بہت سارے مانگنے والے اپنے آپ کو فقیر ظاہر کر کے صدقہ کا مال لے لیتے ہیں۔ اگر وہ مالدار ہیں تو انہیں نہ دیا جائے۔ کچھ لوگ لوگوں کے سامنے صدقہ خیرات لینے سے جھجک محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں فرمایا چھپا کر دو تا کہ ان کی لوگوں میں ذلت نہ ہو مگر جانچ پڑتال بھی کر لو کہ جس کو دے رہے ہو وہ فقراء میں سے ہو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ یعنی چھپا کر دینا ظاہر دینے سے اچھا ہے۔ کہ وہ سارا ہی قبول سمجھو۔

مسئلہ: فرض صدقہ ظاہر کر کے دینا افضل ہے تا کہ اور لوگ بھی اس کی اقتداء کریں۔ **مسئلہ**: جیسے نوافل گھر میں پڑھنا افضل اور فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ **مسئلہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ پوشیدہ نوافل کی ادائیگی۔ ظاہر کر کے ادا کرنے سے ستر گناہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کی ہدایت لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور جو تم دو اچھی چیز

خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

تو تمہارا اپنا ہی بھلا ہے تم نہیں خرچ کرتے مگر چاہنے کیلئے مرضی اللہ کی اور جو خرچ کرو مال تو پورا دیا جائیگا

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

تمہیں اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر ۲۷۱) فرضی صدقات ظاہر کر کے دینا پوشیدہ خرچ کرنے سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ صدقات دینے سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرماتا ہے۔ اور صدقہ ظاہر دیا یا پوشیدہ بہر حال اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے خبردار ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے۔ کس نے دیا۔ کب دیا۔ کتنا دیا۔ کس نیت سے دیا وغیرہ۔

پوشیدہ صدقہ دینے کی فضیلت کی وجہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ شہرت والے اور ریاکار اور صدقہ دے کر احسان جتانے والے اور ایذاء دینے والے کی خیرات کو قبول ہی نہیں کرتا۔ اور مجمع عام میں صدقہ کرنے والے کا خیال بھی زیادہ تر ریاکاری ہوتا ہے۔ (جو صدقہ دے کر سپیکر پر اعلان کروائے اس کا مقصد بھی ریاکاری ہوتا ہے۔) اسی لئے اللہ والوں نے صدقہ چھپا کر دینے کی بہت کوشش فرمائی۔ (۲) صدقہ چھپا کر دینے میں نفس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ نفس کہتا ہے۔ کہ صدقہ بھی دیا۔ اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔ اس لئے اس پر بہت شاق گذرتا ہے۔ بلکہ جن لوگوں کا سپیکر پر اعلان نہ ہو۔ وہ سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ سات شخص ایسے ہیں۔ جنہیں قیامت کے دن عرش کے نیچے سایہ نصیب ہوگا۔ ان میں ساتواں وہ ہے۔ کہ جو صدقہ اتنا چھپا کر دیتا ہے۔ کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (بخاری و مسلم)

مسئلہ: ظاہری صدقہ صرف اسی صورت میں دیا جائے۔ جب دوسروں کو صدقہ دینے کی رغبت دینی ہو۔

(آیت نمبر ۲۷۲) **شان نزول:** حضور ﷺ نے کفار و مشرکین کو صدقہ وغیرہ دینے سے منع کر دیا۔ تا کہ یہ لوگ مجبور ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ کہ اے میرے محبوب ان کفار و مشرکین کو ہدایت دینا یہ آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ بس آپ کے ذمہ ان کو اسلام کی ترغیب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز

اور ان فقیروں کیلئے جو روکے گئے راہ خدا میں نہیں ہمت رکھتے چلنے کی زمین میں سمجھتا ہے

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ

نادان کہ وہ غنی ہیں بچنے کی وجہ سے۔ تو پہچان لے گا انہیں شکل وصورت سے نہیں مانگتے

النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ع ﴿۲۷۳﴾

لوگوں سے لپک کر اور جو تم دو خیرات پس بے شک اللہ کو اس کا علم ہے

(بقیہ آیت نمبر۲۷۲) **مسئلہ**: معلوم ہوا۔ کہ نفلی صدقہ غیر مسلم کو بھی دے سکتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ جو بھی تم اپنے مال میں سے صدقہ دیتے ہو۔ اس سے خود تمہی کو فائدہ ہوگا۔ اس سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہیں۔ اور تم اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کرتے ہو۔ اس سے تمہارا مقصد صرف رضاالٰہی ہو اور بس۔ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے۔ تو پھر خرچ کر کے احسان کیوں جتاتے ہو۔ یا ایذاء کیوں دیتے ہو۔ اور پھر اللہ کی راہ میں ردی مال کیوں دیتے ہو۔ اب یہی دستور بنالو۔ خرچ کرنا ہے تو اچھا مال اور صرف رضاء الٰہی کیلئے خرچ کرنا ہے۔ آگے فرمایا جو بھی تم خرچ کرتے ہو کوئی مال وغیرہ تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائیگا۔ بلکہ اس سے کئی گناہ زیادہ دیں گے۔ اور تم سے زیادتی نہیں کی جائیگی یعنی ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔

(آیت نمبر۲۷۳) بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کریمہ سے اصحاب صفہ مراد ہیں۔ جن کی تعداد بعض دفعہ چار سو تک چلی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تر مہاجرین حضرات ہی تھے۔ جن کا مدینہ طیبہ میں کوئی مکان وغیرہ نہیں تھا۔ نہ وہاں کوئی رشتہ داری وغیرہ تھی۔ یہ مسجد کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ اس پر بیٹھے رہتے تھے۔ پوری پوری رات تعلیم قرآن میں صرف کرتے۔ کھجوروں کی گھٹلیاں ہی چوس کر گذارا کر لیتے تھے۔ کبھی حضور ﷺ کے پاس کوئی ہدیہ آتا۔ تو آپ ان کو ہی دے دیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ خرچ کرنا ہے۔ تو ان فقیروں پر کرو۔ جو اللہ کی راہ میں روکے گئے۔ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو اطاعت کیلئے روک رکھا ہے۔ یا جہاد کیلئے مصروف رہتے ہیں۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں۔ کہ وہ کوئی کاروبار کریں۔ یا شہر میں تجارت کریں۔ جاہل ان کی اچھی حالت دیکھ کر یا ان کا کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا دیکھ کر گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ دولتمند ہیں۔ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس لئے۔ کہ وہ اپنی سفید پوشی کی وجہ سے کسی سے نہیں مانگتے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

وہ جوخرچ کرتے ہیں اپنے مال رات اور دن میں چھپ کر اور ظاہر پس ان کیلئے انعام ہے انکا نزدیک

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کے رب کے اور نہ کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

(بقیہ آیت نمبر۲۷۳) کسی سے مطالبہ نہ کرنا یہ تو ان کے حیاء کی وجہ سے ہے۔ آپ انہیں پہچان لیں گے ان کے چہروں کی رنگت سے اور وہ لوگوں سے لپک لپک کرنہیں مانگتے۔ الحاف کا معنی ہے۔ جو جس سے مانگ رہا ہے۔ اس کا پیچھا نہ چھوڑے۔ آگے فرمایا کہ تم جو بھی بھلائی سے خرچ کرو گے۔ اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ پس تمہیں اس کی احسن جزاء دے گا۔ اس آیت میں صدقہ دینے کی ترغیب دی گئی۔ خاص کر ان فقیروں پر جو دین سیکھنے کیلئے پابند ہیں۔ یا جہاد کے کاموں میں مصروف ہیں اور کاروبار وغیرہ نہیں کر سکتے۔ ان کو تم صدقہ دو۔

(آیت نمبر۲۷۴) وہ لوگ جو اپنے مال دن اور رات میں خرچ کرتے ہیں۔ **شان نزول**: مروی ہے۔ کہ یہ آیت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اللہ کی راہ میں چالیس ہزار دیناریوں خرچ کئے۔ کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات کو دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار ظاہر کر کے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا۔ کہ میری راہ میں وہ خرچ کرنے والے ہیں صبح وشام پوشیدہ اور ظاہر یعنی ہر وقت اور ہر حال میں صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ جب بھی کسی محتاج کو دیکھتے ہیں۔ اس کی ضرورت پوری کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کو اجر وثواب بھی رب تبارک وتعالیٰ کے پاس سے یوں ملے گا کہ نہ انہیں آنے والی تکلیف کا خوف ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا غم ہوگا۔

مسئلہ: ان لوگوں پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جو فقیر کو مال ودولت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا مقصد رضاء الٰہی ہے۔ اور حضور ﷺ کی اقتداء کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری پسندیدہ دو ہی چیزیں ہیں۔ فقر اور جہاد۔ اس لئے خرچ کرنے کی بھی موزوں ترین یہی دو جگہیں ہیں۔ **فائدہ**: مروی ہے۔ کہ چھ چیزیں چھ چیزوں کے ساتھ اچھی لگتی ہیں۔ (۱) عمل علم کے ساتھ۔ (۲) بادشاہی عدل کے ساتھ۔ (۳) دولتمندی سخاوت کے ساتھ۔ (۴) توبہ جوانی میں۔ (۵) صبر فقر میں۔ (۶) حیاء عورت میں۔ **فائدہ**: دولتمند کو چاہئے۔ کہ وہ دولتمندی کے بادل سے برکات کی ایسی بارش برسائے کہ جس سے دین ودنیا دونوں سیراب ہوں۔ دین ودنیا کی محتاجی دور ہو۔ کسی عقلمند نے کیا خوب کہا کہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس نے خود بھی کھایا۔ اور دوسروں کو بھی کھلایا۔ ایسے شخص نے بہت سرمایہ جمع کیا۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

اور وہ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے رہ سکیں گے (قیامت میں) مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ جسے مخبوط الحواس بنا دیا شیطان نے

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ

چھونے سے یہ بہ سبب اس کے کہ انہوں نے کہا سوائے اس کے نہیں تجارت برابر ہے سود کے اور حلال کی اللہ نے

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ

تجارت اور حرام کیا سود کو تو جسے پہنچی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا تو اس کیلئے (حلال ہے) جو پہلے لے چکا

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

اور اس کا کام سپرد خدا اور جو لوٹ کر پھر وہی کرے گا پس وہ دوزخی ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۲۷۵) اس آیت میں سود کی برائی بیان کی گئی۔ کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ چونکہ مال کا زیادہ تر تعلق کھانے کی اشیاء سے ہوتا ہے۔ (یعنی روپیہ۔ یا سونا۔ یا چاندی سے گھریلو ضروریات ہی خرید کر لائی جاتی ہیں) اس لئے اسے کھانے سے تعبیر کیا۔ کفار کی سوچ یہ تھی کہ سود اور بیع دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مقصد دونوں سے مال کمانا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ بیع (خرید و فروخت) حلال ہے اور سودی منافع اور کاروبار حرام ہے۔

سود کیا ھے ؟ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سود مکیلی یعنی ناپی جانے والی چیز اور وزن والی چیز کے عوض میں زائد چیز لینے دینے کو کہتے ہیں۔ مثلاً (۱) سونا۔ (۲) چاندی۔ (۳) گندم۔ (۴) جو۔ (۵) کھجور۔ (۶) نمک میں۔ تو جو لوگ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ وہ جب قبروں سے اٹھیں گے۔ تو ایسے لگیں گے۔ جیسے کسی کی عقل خراب ہو اور اوپر سے جن چمٹ جائیں۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ اس وقت ہوگا۔ جب یہ لوگ قبروں سے نکلیں گے۔ تو میدان محشر میں ایسے دوڑیں گے۔ جیسے کوئی بے ہوش یا مرگی والا ہو۔ اور ان کے پیٹ پھول جائیں گے۔ اور دوڑنا مشکل ہو جائیگا۔ یہ ان پر عذاب اس لئے نازل ہوگا۔ کہ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ بے شک سود بیع کی طرح ہے۔ کہ دونوں میں نفع ہے۔ صرف فرق یہ ہے۔ کہ سود کے اول میں اور بیع کے آخر میں نفع ہے۔

شـــان نـزول: یہ ہے۔ کہ عہد جاہلیت میں جب قرض دار سے قرض مانگا جاتا۔ تو وہ کہتا کہ مجھے کچھ دن کی مہلت دو۔ تو میں اس کے بدلے کچھ مال زیادہ دے دونگا۔ اس پر دونوں راضی ہو جاتے۔ اور اس کو جائز سمجھتے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾

ہلاک کرتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر ایک ناشکرے گناہ گار کو

(بقیہ آیت نمبر ٢٧٥) کہ یہ منافع ہی ہے۔ خواہ اول میں یا آخر میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ یہ ہماری طرف سے نصیحت ہے۔ جس کے پاس یہ پیغام سود کی رکاوٹ کا پہنچ گیا۔ اور وہ اس برائی سے باز آ گیا۔ یعنی اس نہی کے مطابق برائی سے رک گیا۔ تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔ کہ ان پر پکڑ نہیں ہوگی۔ جو اس حکم آنے سے پہلے لے چکا۔ وہ حلال ہے۔ اس لئے کہ وہ اس حکم کے آنے سے پہلے ہے۔ اب اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن آئندہ کیلئے اس کاروبار سے باز رہے۔ اب اگلا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر برائی سے رکا ہے۔ تو بدلہ ان شاء اللہ بہتر ہی ملے گا۔ آگے فرمایا۔ کہ جو اس حکم کے بعد بھی سود کو حلال سمجھ کر سودی کاروبار کو جاری رکھے گا۔ تو یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اور اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ سود کو ہمیشہ حلال سمجھتا رہا۔ لہذا سزا بھی ہمیشہ رہے گی۔

(آیت نمبر ٢٧٦) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ یعنی سود کے مال اور اس کے کاروبار سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ بالآخر اس کی اصل پونجی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان کی اولاد تک اس مال سے کچھ نہیں پہنچتا۔ اور آگے فرمایا۔ کہ صدقات کے مال کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ یعنی اس میں برکت پیدا فرما دیتا ہے۔ اور ان صدقات کا ثواب بھی ڈبل ہوتا ہے۔ **حدیث شریف:** نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ کو قبول فرماتا ہے۔ اور اسے ایسے پالتا ہے۔ جیسے تم گھوڑے کے چھوٹے بچے کو پالتے ہو۔ (ترمذی) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ اس میں برکت آ جاتی ہے (ریاض الصالحین)۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر ناشکرے اور گناہ گار کو پسند نہیں فرماتا۔

سودخور کی مثال: سودخور دنیا کی لالچ میں ایسے ہو جاتا ہی۔ جیسے وہ بیمار جسے جوع الکلب کی بیماری لاحق ہو۔ وہ جتنا بھی کھائے سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ سوج کر بوجھل ہو جاتا ہے۔ جب وہ اٹھنے لگتا ہے۔ تو پیٹ کا بوجھ اسے پورا اٹھنے نہیں دیتا۔ جس کی وجہ سے وہ منہ کے بل گر جاتا ہے۔ سودخور کے ساتھ قیامت کے دن یہی حال ہوگا۔

درس عبرت: عقلمند کو چاہئے۔ کہ وہ ایسی چیز نہ کھائے۔ جس کا بوجھ آخرت میں نہ اٹھا سکے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے خون کی خرید وفروخت اور حرام کمائی سے منع فرمایا۔ اور سود کھانے والے کھلانے والے۔ اور گواہ اور بدن پر داغ لگانے یا لگوانے والے اور فوٹو بنانے یا بنوانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ سود کے ستر درجے ہیں۔ اس کا ادنیٰ درجہ ماں کے ساتھ زنا کے برابر ہے۔ (اخرجہ ابن جریر)

فائدہ: ضروری ہے کہ بندہ یہ حکم سن کر توبہ کے لئے جلد از جلد اپنے رب کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ لیکن یہ وہی کرے گا۔ جسے قلب سلیم ملا ہوگا۔

مسئلہ: جو کسی کو قرض اس لئے دیتا ہے۔ کہ وہ اس سے افضل چیز کے ملنے کی شرط لگائے تو یہ نفع گیری ہے۔ اور یہ بھی سود میں داخل ہے۔ جو قرض میں نفع حاصل کیا۔

حکایت: ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا۔ کہ وہ ایک شخص کا دروازہ کھٹکا کر فوراً دھوپ میں آجاتے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے اس مالک مکان سے قرض لینا ہے۔ تو مقروض کی دیوار کا سایہ حاصل کرنا نفع ہے۔ اور شریعت نے نفع گیری سے منع کیا ہے۔ اب میں نہیں چاہتا۔ کہ یہ نفع اٹھا کر سود کی لعنت میں داخل ہو جاؤں۔ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری آج ہمارے دور میں عنقا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

بے شک وہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور قائم کی نماز اور دی زکوٰۃ ان کیلئے اجر ہے ان کا

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

نزدیک ان کے رب کے اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

ڈرو اللہ سے اور چھوڑو جو باقی رہ گیا سود اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر ۲۷۷) بے شک جو ایمان لائے۔ یعنی اللہ رسول کے احکام کو مانتے ہیں۔ اور نیکیاں کیں یعنی طاعات بجالائے۔ نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔

نوٹ: باقی تمام عبادات کو چھوڑ کر صرف نماز اور زکوٰۃ کا نام اس لئے لیا۔ کہ ان کو تمام اعمال صالحہ پر برتری حاصل ہے۔ اس لئے جو یہ عمل کرے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ کہ آنے والے وقت میں انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ کسی محبوب چیز کا غم ہوگا۔

سبق: قابل صد مبارک ہے وہ شخص جو دنیوی کاروبار میں میانہ روی اختیار کرتا ہے۔ اسے ناجائز چیز کے حصول کیلئے حرص نہیں ابھارتا۔ وہ دنیا کے ہر وبال سے ان شاء اللہ نجات پائے گا۔

(آیت نمبر ۲۷۸) **شان نزول:** مروی ہے۔ کہ قبیلہ ثقیف کا بعض قریشیوں پر مال تھا۔ تو انہوں نے ان سے اصل مال کے علاوہ سود کا بھی مطالبہ کیا۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ کہ اے ایمان والو۔ اللہ سے یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ جو مال سود سے بچ گیا۔ اب اس کا مطالبہ چھوڑ دو۔ اگر تم واقعی مومن ہو۔ کیونکہ حقیقی ایمان حکم الٰہی کو مستلزم ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گے۔ جس کا تمہیں حکم دیا گیا۔ یعنی حرام سے بچنے کا اور آئندہ سود وصول کرو۔ یا اس کی حرمت کا انکار کرو گے۔ یا اقرار کر کے پھر ارتکاب کرو گے۔ تو پھر اچھی طرح جان لو۔ کہ یہ تمہاری اللہ رسول سے اتنی بڑی جنگ ہے جس کا تم اندازا نہیں لگا سکتے۔ یعنی سخت ترین عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔ جیسا کہ اگلی آیت میں تفصیل کے ساتھ اس کا بیان آرہا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

پھر اگر نہ کیا تم نے تو اعلان جنگ ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر توبہ کرلو تو تمہارے لئے اصل

اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى

مال تمہارا نہ تم کسی کو نقصان دو اور نہ تمہیں نقصان ہو۔ اور اگر ہے (قرضدار) تنگدست تو مہلت دیں

مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

تا آسانی اور اگر تم بالکل چھوڑ دو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر ہو تم جانتے

(آیت نمبر ۲۷۹) جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے کہا۔ کہ ہمیں تو اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں۔ ہماری توبہ ہے، آگے فرمایا۔ کہ اگر اب تم سود لینے سے باز آ جاؤ۔ اور حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر کے اس کی حرمت سمجھ جاؤ۔ تو پھر تم اپنی مال کی اصل پونجی مکمل طور پر مقروضوں سے لے سکتے ہو۔ فالتو مال لے کر مقروضوں پر تم ظلم نہ کرو تو تمہارے ساتھ بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ کہ اصل مال میں سے بھی کم دے کر تمہیں خسارہ میں ڈالا جائے۔

مسئلہ: وہ لوگ جنہوں نے غلطی بھی کی اور اس کے بعد توبہ بھی نہیں کی۔ یعنی اس موذی کاروبار سے باز نہیں آئے۔ بلکہ اس کے ارتکاب میں اصرار کیا۔ اگر وہ عام آدمی ہے۔ تو قید کر کے اسے تعزیر لگائی جائے۔ اور جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے اسے قید میں ہی رکھا جائے۔ اور اگر وہ شان و شوکت اور لاؤ شکر والا ہے۔ تو امام وقت اس سے اعلان جنگ کرے جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی۔

مسئلہ: یہی حکم ان لوگوں کیلئے بھی ہے۔ جو اذان بند کر دیں یا جو مردوں کو دفنانا چھوڑ دیں۔

(آیت نمبر ۲۸۰) اگر تمہارے مقروض مفلس و تنگدست ہوں۔ غربت کی وجہ سے یا کاروبار میں خسارہ کی (وجہ سے وہ تمہیں ابھی تمہارا اصل مال نہیں دے سکتے) تو پھر ان کو مہلت دو۔ آسانی آنے تک۔ اگر تم مقروض کو سالم معاف کر دو یا مزید ایک عرصہ تک مہلت دے کر صدقہ کرو۔ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ یہاں جواب محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے اگر تمہیں معلوم ہوتا۔ کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ تو تم اس پر عمل کرتے۔ **حدیث شریف** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس کا کسی پر قرض ہو۔ اور قرضہ کی میعاد آ گئی ہو۔ پھر وہ اپنے مقروض کو مہلت دے دے تو اس کیلئے ہر روز صدقہ (کا ثواب) ہے۔ (ترمذی)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

اور ڈرو اس دن سے کہ تم لوٹ کر جاؤ گے اس میں طرف اللہ کے پھر پورا دیا جائے گا ہر آدمی کو جو اس نے کمائی کی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۲۸۰) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس نے اپنے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اسے قرضہ بخش دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی تمام تکالیف سے نجات دے گا (ترمذی و بخاری)۔
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن تین اعمال جو بھی کر کے لائے گا۔ وہ بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوگا۔ جنتی حوریں چاہے گا اسے ملیں گی (تفسیر ابن کثیر)

۱۔ قاتل کو معاف کرنے والا۔
۲۔ فرض نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے والا۔
۳۔ حاجت مند کو قرض دینے والا۔

(آیت نمبر ۲۸۱) ڈرو اس دن سے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ کہ جس دن تمہیں واپس لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ پھر ہر شخص کو اس کی جزا پوری پوری دی جائیگی۔ جو جو انہوں نے عمل کئے۔ خواہ اچھے یا برے۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ یعنی ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔ اور نہ ہی ان کے عذاب میں کوئی اضافہ ہوگا۔ جو بھی انہیں سزا ملے گی۔ وہ ان کے اپنے شامت اعمال سے ملے گی۔

نزول قرآن کی آخری آیت: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ یہ آخری آیت ہے۔ اس کے کچھ ساعات بعد حضور ﷺ کا وصال مبارک ہو گیا۔ یاد رہے۔ حضور ﷺ سوموار کو پیدا بھی ہوئے۔ اور سوموار کو ہی وصال فرمایا۔ اور ہجرت کر کے جب مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ اس دن بھی سوموار ہی تھا۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر مہربانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس امت کے نبی کو اپنے پاس اٹھا لیتا ہے۔ پھر امت کی بخشش کا سبب اس کو بنا دیتا ہے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ "الیوم اکملت" والی آیت آخری نہیں ہے۔ زیادہ مفسرین کا خیال ہے کہ یہی آیت جو اوپر مذکور ہوئی سب سے آخر میں اتری۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ

اے ایمان والوجب لین دین کرو قرضے کا تا وقت مقرر تو اسے لکھ لو اور چاہئیے کہ لکھے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ

تم میں لکھنے والا ٹھیک ٹھیک اور نہ انکار کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھے جیسے سکھایا اسے اللہ نے

فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ

تو چاہیئے کہ وہ لکھے اور لکھائے وہ جس پر حق آتا ہے اور ڈرتا بھی رہے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور نہ چھوڑے اس سے کچھ بھی

(آیت نمبر۲۸۲) اے ایمان والو۔ جب تم ایک دوسرے کو قرض دو۔ یعنی ادھار کا معاملہ کرو۔ مقرر شدہ ایام تک یا دنوں یا سالوں کی میعاد سے یعنی وہ تاریخ مقرر کی جائے۔ جس سے علم کا فائدہ ہو۔ اور لاعلمی نہ رہے۔

مسئلہ: قرض کی میعاد کھیتی کاٹنے یا اناج صاف کرنے یا حجاج کی واپسی کی مقرر کرنا منع ہے۔ اس لئے کہ ایسی تاریخیں لاعلمی پر مبنی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی چاہیئے کہ تمہارے مابین کوئی تحریر لکھنے والا ہو۔ جو اس تمام بات کو لکھے اور لکھنے والا ایسا ہو۔ جو بلا کسی کے لحاظ کے لکھے۔ کسی ایک کی طرف داری نہ کرے۔۔ اور وہ پورے پورے انصاف کے ساتھ لکھے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص درمیان میں تحریر کرنے والا ہو۔ اس کی ڈیوٹی یہ ہو۔ کہ وہ برابر کی حیثیت کو برقرار رکھ کر لکھے۔ اور اس کا میلان قلبی کسی ایک طرف کا نہ ہو۔ نہ وہ کسی کے معاملے میں زیادتی کرے نہ نقصان کرے۔

مسئلہ: یہ حکم لین دین والوں کو ہے۔ کہ وہ تحریر کیلئے ایسے عادل آدمی کو منتخب کریں۔ جو اس مسئلے میں دینی مسائل پر بھی عبور رکھتا ہو۔ اور تحریر شرع شریف کے مطابق کرے۔ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔

اور کاتب کو چاہیئے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ بلکہ وہ قرضے کے بارے میں ایسے لکھے جیسے اسے لکھنے کی تعلیم دی گئی۔ لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ پوری تحریر لکھے۔ اس جملہ میں اسے انکار سے روکا گیا ہے۔ گویا یہ تاکید کی گئی کہ لکھنے والا کام کرنا ضروری ہے اور لکھائے وہ جس پر حق بنتا ہے۔ کیونکہ وہی مشہود علیہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تحریر میں اقرار اس کا تحریر کرے۔ اور وہ اپنے رب سے بھی ڈرے۔ یعنی جو کچھ لکھوا رہا ہے۔ وہ صحیح لکھائے اور خوف خدا کو مدنظر رکھے۔ اور لکھنے والا بھی خدا سے ڈرے۔ کہ تحریر میں کسی قسم کی بھی گڑبڑ نہ کرے۔ چونکہ کاتب سے کمی بیشی ہونے کا احتمال بھی ہے۔ اس لئے لفظ شیئا کہا۔ کہ کچھ بھی کمی زیادتی نہ کی جائے۔ یہاں بہت زیادہ تاکیدیں لانے کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان فطرتی طور پر چاہتا ہے کہ وہ ضرر سے بچے لیکن دوسروں کا حق جو اس کے ذمہ ہے وہ یا تو سرے سے ہی نہ ہو یا ہو تو بہت کم ہو۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْضَعِيْفًا اَوْلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ

کچھ بھی پس اگر ہے وہ شخص جس پر حق ہے بے عقل یا کمزور ہو یا نہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ بول سکے

هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا

وہ تو لکھائے اس کا ولی انصاف سے۔ اور گواہ بنالو اپنے مردوں سے پھر اگر نہ ہوں

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

دومرد تو ایک مرد اور دو عورتیں جو تمہیں گواہ پسند ہوں یہ اس لئے کہ بھولے ایک ان میں

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْئَمُوْٓا

تو یاد کرادے ایک ان میں دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب کہ وہ بلائے جائیں اور نہ بوجھ سمجھو

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

کہ تم لکھواسے خواہ بات چھوٹی ہو یا بڑی اس کے وقت مقرر تک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

اور ٹھیک ہے گواہی دینے کیلئے اور اس سے بھی قریب ہے کہ نہ تم شک شبہ میں پڑو مگر یہ کہ ہو سودا موجود

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا

دست بدست پھراؤ اسے تم آپس میں تو نہیں تم پر گناہ کہ نہ تم لکھو اس کو اور گواہ بنا لو

اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ

جب خرید وفروخت کرو اور نہ ضرر دو کاتب کو اور نہ گواہ کو اگر تم یہ کرو تو بے شک یہ گناہ

بِکُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾

تمہارا ہوگا اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۲۸۲) آگے فرمایا۔ کہ اگر حق والا ناقص العقل یا کمزور ہو۔ مثلاً بچہ ہے یا بہت زیادہ بوڑھا ہو۔ یا وہ عبارت لکھوا ہی نہیں سکتا مثلاً گونگا ہے یا لکھوانے سے ہی ناواقف ہے یا جاہل ہے یا ایسا کوئی اور اسے عارضہ ہے۔ تو اس کا کوئی متولی اس کی طرف سے لکھوا دے۔ متولی سے مراد وہ شخص جو اس کے دیگر جملہ امور کا منتظم ہے۔ یا اس کے قائم مقام ہو۔ مثلاً وکیل یا مترجم وغیرہ اور لکھنے والا عدل سے لکھے۔ یعنی کوئی کمی زیادتی اس میں نہ کرے۔ اس پر دو گواہ بھی بنائے جائیں جو صحیح طور پر گواہی دیں۔ اور گواہ مرد ہوں۔ دیندار ہوں۔ عاقل بالغ ہوں۔ آزاد اور مسلمان ہوں۔

مسئلہ: جب قرض کا لین دین کفار سے ہو۔ یا جس پر حق بنتا ہے وہ کافر ہے۔ تو ایسی صورتوں میں کافر کو گواہ بنانا جائز ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر دو مرد اس وقت موجود نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو جائیں تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : مالی معاملات میں تو مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن حدود و قصاص میں جائز نہیں۔ ان میں صرف مردوں کی گواہی لی جائے گی۔ (اس لئے کہ بعض دفعہ مسئلہ شرم و حیا کا ہوتا ہے۔ جو عورت نہ سن سکتی ہے۔ نہ بیان کر سکتی ہے۔ مثلاً عدالت میں زنا کا کیس ہے۔ وہ کیسے بیان کرے گی۔ کہ کیا ہوا۔ اور کیسے ہوا)

آگے فرمایا۔ کہ گواہ وہ ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ یعنی جو گواہی دینے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ اور جن پر تمہارا اعتماد بھی ہو۔ یاد رہے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر اس لئے رکھی گئی۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اس کے بعد گواہوں کو گواہی دینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ کہ جب انہیں گواہی دینے کیلئے یا گواہ بننے کیلئے بلایا جائے۔ تو وہ انکار نہ کریں۔ اور جب قرض وغیرہ کے معاملات بہت زیادہ ہوں۔ تو بھی وہ گواہ بننے یا گواہی دینے کیلئے ملال نہ کریں۔ یا لکھنے والے لکھنے سے اکتاہٹ محسوس کر کے عذر نہ کریں۔ بلکہ فرمایا کہ تم لکھوا اس کو خواہ قرض تھوڑا ہے۔ یا زیادہ جو کچھ بھی مقروض کے ذمہ ہے۔ اس کے اقرار کے مطابق مقرر کردہ میعاد بھی لکھ لو۔ یہ تمہارا لکھنا مقرر کردہ میعاد وغیرہ کو زیادہ انصاف والا اور موزوں ترین ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی بالکل اس کے حکم کے مطابق ہے۔ اور گواہی دینے اور اسے قائم رکھنے کیلئے بھی بہت ہی ثابت اور مددگار ہوگا۔ اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم شک میں پڑو۔ یعنی یہ سارا عمل صرف اس لئے ہے۔ کہ تمہارا شک دور ہو جائے یہی طریقہ قریب تر ہے۔ اور اس صورت میں یقینی علم ہوگا۔ کہ قرضہ کیا ہے۔ اس کی مقدار کتنی ہے۔ اور اس کی میعاد کیا مقرر کی گئی ہے۔ اور کون کون اس کے گواہ ہیں۔

اور اگر وہ تجارت تمہارے درمیان پھرنے والی ہو۔یعنی تمہارا لین دین یا تجارت ایسی ہو۔کہ تمہاری لینے اور دینے والی چیزیں حاضر موجود ہوں۔اور دست بدست لے دے رہے ہو۔تو پھر نہ لکھنے میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ چونکہ یہ نقدی سودا ہے۔جس میں نہ تو جھگڑے کا خطرہ ہے۔نہ بھولنے کا ڈر۔البتہ جب ایک دوسرے کے ساتھ بیع وغیرہ کے ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو۔تو ضرور گواہ بنالو۔یہ گواہ بنانا احتیاطاً ہے۔(آگے ولا یضار) کا صیغہ جو ہے اس میں مضارع معروف اور مجہول دونوں کا احتمال ہے۔اگر معلوم کا صیغہ ہو۔تو نہی کاتب اور شہید کیلئے ہے۔کہ کاتب لکھ کر دینے میں کوئی نقصان نہ دے۔اور گواہ بھی یوں نقصان نہ دے کہ شہادت معلومہ ادا نہ کرے اور اگر (یضار) مجہول کا صیغہ ہو۔تو پھر معنی یہ کہ یہاں کاتب اور گواہ کو نقصان دینے سے روکا گیا ہے۔کہ وہ کسی اپنے ذاتی کام میں مشغول ہوں۔تو تم انہیں خواہ مخواہ کتابت کیلئے زبردستی اٹھا کر لے جاؤ۔اور ان کے کام میں حرج ڈالو جس سے انہیں دکھ پہنچے۔آگے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا ارتکاب کیا۔جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔تو یہ تمہارا عمل فسق یعنی اطاعت الٰہی سے خروج سمجھا جائیگا۔اور تمہیں فاسقوں میں شمار کیا جائیگا۔**فائدہ** :اس سے معلوم ہوا۔کہ حقوق العباد کی رعایت واجبات سے ہے۔شریعت محمدیہ میں حقوق العباد کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

مسئلہ:خواہ دینی امور ہوں یا دنیوی مالوں میں احتیاط لازمی ہے۔

اللہ کی بندوں پر مہربانی: یہ ہے کہ انہیں ان کے دنیوی امور بھی سکھا دیئے۔تاکہ وہ دنیوی معاملات میں بھی کسی قسم کے خسارہ میں نہ پڑیں۔اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض وعداوت رکھ کر اپنی دنیوی زندگی خراب کریں۔اور آخرت کے عذاب کے مستحق بنیں۔

سبق: اس سے سمجھ لینا چاہئے۔کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جتنے بھی احکام شرعیہ لازم کئے۔وہ بھی بندوں پر ہی کمال رحمت وشفقت کرتے ہوئے لازم کئے۔تاکہ ان کی صحیح ادائیگی کرنے سے ان کے دنیوی معاملات بھی بہتر ہوں اور ان پر فیضان خداوندی کی بارش اترے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶ میں فرماتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ تم پر کسی تنگی کا ارادہ نہیں رکھتے۔بلکہ وہ تو چاہتے ہیں۔کہ تم اچھی طرح پاک ہو جاؤ۔اور تم پر اپنی نعمت مکمل فرمانا چاہتے ہیں۔

فائدہ : صد مبارک باد کا مستحق ہے وہ بندہ جس نے اپنا دل برے اخلاق سے صاف کر کے عالم سرو اخلاق کی طرف عازم ہوا۔اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ کر کے بلند درجات تک پہنچا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ

اور اگر ہو تم اوپر سفر کے اور نہ پاؤ لکھنے والا تو رہن رکھ لو قبضہ کی ہوئی چیز پھر جب مطمئن ہو

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا

ایک دوسرے پر تو ادا کرے وہ جسے امین بنایا گیا اپنی امانت کو اور ڈرتا بھی رہے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور نہ چھپاؤ

الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ع ﴿۲۸۳﴾

گواہی کو اور جو چھپائے گا اسے تو بے شک گناہ گار ہے دل اس کا اور اللہ جو بھی تم کرو جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۸۲) آگے فرمایا: اللہ سے ڈرو۔ یعنی جن کاموں کا حکم دیا یا جن کاموں سے منع کیا۔ ان کی مخالفت کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں وہ احکام سکھاتا ہے۔ جن کے سیکھنے میں تمہارے لئے بے شمار حکمتیں ہیں۔ اور اللہ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں ہے۔ وہ ہر شیء کو جاننے والا ہے۔ ان ہی اعمال پر تمہیں جزا بھی دیگا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبردار کیا ہے۔ کہ ان باریکیوں کی رعایت ضرور کریں۔ جو ان کے لئے دنیوی معاملات میں ان کی بہبودی کیلئے ہیں۔ اور اخروی معاملات میں بھی بندوں اور رب تعالیٰ کے درمیان بے شمار دقیق امور ہیں۔ ان سب کا بندوں سے حساب ہوگا۔ ان میں سے اچھی باتوں پر بندوں کو ثواب ملے گا۔ اور اگر ذرہ سی برائی کی ہوگی تو اس پر عذاب ہوگا۔ اس لئے دنیوی امور کی رعایت سے اخروی امور کی رعایت زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم فرمایا۔ کہ تم اپنے معاملات کو لکھ لیا کرو۔ اور ان پر اچھے قسم کے لوگوں کو گواہ بنالیا کرو۔

(آیت نمبر ۲۸۳) کہ اگر تم سفر پر ہو۔ اور دوران سفر تمہیں لین دین کا معاملہ پیش آ گیا۔ تو عین اس وقت تمہیں کوئی کاتب نہیں ملتا یا کاتب تو ہے مگر کاغذ یا قلم دوات نہیں ملتے۔ تو پھر اعتبار کیلئے کوئی چیز رہن کے طور پر مرتہن یعنی جس سے قرضہ لیا ہے اس کے قبضہ میں رکھ دی جائے۔

مسئلہ: رہن رکھی ہوئی چیز پر قبضہ ضروری ہے۔ یعنی مرتہن کے حوالے چیز قرضہ لینے سے پہلے کر دی جائے۔ جس پر مرتہن راضی ہو۔ **فائدہ**: چونکہ سفر میں کاتب یا شاہد کا ملنا یا کتابت کیلئے دیگر اشیاء کا مہیا ہونا دشوار ہے۔ اس لئے کاتب اور دیگر شواہد موقع پر اگر میسر نہیں آئیں۔ تو کوئی بات نہیں ہے۔ ان کے قائم مقام کسی چیز کو رہن رکھ دیا ہے۔ تاکہ مال کی حفاظت اور واپس ملنے کا مکمل اعتماد ہو۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رکھ کر اپنے اہل وعیال کیلئے بیس سیر جو لئے تھے۔

مسئلہ : اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت رکھے۔ اور وہ اس پر نیک گمان رکھتا ہے۔ کہ وہ اپنی امانت رکھنے میں رہن کی چیز لینے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ پھر ادا کر دینی چاہئے امانت جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔ اس کی امانت کو اور چاہئے کہ وہ اپنے رب سے بھی ڈرے یعنی امانت کے حقوق کی رعایت کا بہت خیال رکھے اور بلا تاخیر امانت مالک کے حوالے کر دے اور وہ بھی اپنی چیز واپس دے دے۔ اور گواہوں کو بھی حکم دیا گیا کہ تمہیں حاکم کے پاس گواہی کیلئے جب بلایا جائے۔ تو گواہی کیلئے بھی ضرور جاؤ اور گواہی صحیح طریقے سے ادا کرو۔ اس لئے کہ جو گواہی چھپائے گا۔ تو یہ اس کے دل کا گناہ شمار ہوگا۔ گویا یہ دل سے بے ایمانی کرنا ہے۔ لہذا ہر ایک دل میں اللہ کا خوف رکھے۔

دل کا گناہگار ہونے کا ذکر اس لئے کیا۔ چونکہ گواہی چھپانا یہ دل کا کام ہے۔ جو فعل جس عضو سے سرزد ہو۔ اسی کی طرف فعل کی نسبت کرنا زیادہ صحیح ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے۔ کہ دل سارے اعضاء کا سردار ہے۔ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور وہ دل ہے۔ (مشکوۃ شریف) اس کے درست رہنے سے سارے اعضاء درست اور اس کے خراب ہونے سے سارے اعضاء خراب ہوتے ہیں۔

مسئلہ : گواہی چھپانا یا جھوٹی گواہی دینا ان دونوں افعال کا کرنے والا جہنم کی آگ کا مستحق ہے۔ یہ دونوں عمل دل کا کھوٹ کے سبب سے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ دل میں خوف خدا رکھو۔ تا کہ اعمال صحیح ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸۶) **حدیث معراج:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قرب خاص میں مسند عرش پر بلا کر فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے ایمان مفصل میں بعض کو مانا اور بعض کا انکار کیا تو آپ کی امت نے اس کے متعلق کیا کہا تو عرض کی میری امت نے "سمعنا واطعنا" کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اب مانگو جو مانگنا ہے تو میں نے عرض کی۔ میری امت سے خطا اور نسیان معاف کی جائے اور سابقہ امتوں والا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے۔ تو فرمایا میں نے تیری امت سے خطا و نسیان اور جبر اٹھالیا۔ اور جو بھی ان کی اطاعت سے باہر تھا وہ بھی اٹھالیا۔ پھر عرض کی انہیں معاف کر دیا جائے۔ پھر فرمایا اور ان پر رحم فرما اور انہیں بخش دے اور کافروں پر ان کی مدد فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے سب کچھ عطا کر دیا۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ

اللہ کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے جی میں ہے

اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

یا چھپاؤ اس کو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ تعالیٰ پھر بخشے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(آیت نمبر ۲۸۴) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ سب کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ خواہ وہ عقل والے ہوں یا بے عقل ہوں۔ کسی لحاظ سے کوئی بھی اس میں شریک نہیں۔ لہذا اس کے سوا کسی کی عبادت بھی نہ کی جائے۔ آگے فرمایا کہ جو تمہارے دلوں میں ہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ یعنی لوگوں سے ایسے پوشیدہ کرو۔ کہ کسی کو بھی پتہ نہ چلے۔ جیسے گواہی چھپانا۔ یا مشرکین سے دوستی رکھنا و دیگر منع کئے ہوئے کام۔ ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

مسئلہ :اس میں وسوسے جو دل پر آتے رہتے ہیں۔ یا عام خیالی باتیں شامل نہیں ہیں۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ اس لئے کہ اعمال میں تکلیف وسعت کے مطابق رکھی گئی ہے۔ چونکہ ان وسوسوں اور خیالات کا دفعیہ قوت بشریہ ہی سے باہر ہے۔ لہذا جو اس کی وسعت میں ہے اس کے متعلق فرمایا۔ اس کا تم سے اللہ تعالیٰ حساب لے گا۔ یعنی جو کچھ بھی بندوں نے کیا، بروز قیامت اس کا بدلہ دیا جائیگا۔ آگے پھر اپنے فضل سے جسے چاہے گا۔ بخش دے گا اور جس گناہ گار کو چاہے گا عذاب دے گا۔

مسئلہ: کفار کو تو ہر حال میں عذاب ہوگا البتہ مسلمان گناہ گار کو اللہ تعالیٰ چاہئے تو عدل کے مطابق سزا دے یا فضل کے حساب سے بخش دے۔ **نکتہ**: عذاب سے پہلے مغفرت کا ذکر اس لئے فرمایا۔ کہ رحمت کو غضب پر سبقت حاصل ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مسئلہ : تحقیق یہ ہے۔ کہ انسانی خیالات پر اس وقت مواخذہ ہوگا۔ کہ جب اس گناہ کے کرنے کا پکا ارادہ کرے۔ اگر پکا ارادہ نہیں کیا یعنی دل میں خیال آیا اور نکل گیا تو اس پر پکڑ نہیں ہوگی۔ (امام ابو منصور)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

ایمان لائے رسول اس پر جو اتارا گیا طرف اس کے اس کے رب کی طرف سے اور ایمان والے سب نے مانا

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا

اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کو کہ نہیں جدائی سمجھتے درمیان کسی ایک کے اس کے رسولوں میں سے اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

ہم نے سنا اور مانا تیری معافی چاہیے اے ہمارے رب اور تیری طرف ہے پھرنا

(آیت نمبر ۲۸۵) رسول پاک ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ اس کی جو ان پر رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ اس سے ایمان مفصل مراد ہے۔ کہ قرآن میں جتنے بھی شرائع و احکام۔ قصص و مواعظ اور رسولوں کے حالات موجود ہیں۔ سب پر ایمان لانا مراد ہے۔ ان سب پر ایمان لا کر بندہ مسلمان بنتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

مسئلہ: نبی پاک ﷺ کے ایمان لانے کا یہ معنی نہیں کہ پہلے انکا اس پر ایمان نہیں تھا۔ اب انہوں نے ایمان لایا۔ (معاذ اللہ) آپ اعلان رسالت سے پہلے بھی اللہ کو مانتے تھے۔ اللہ کو ماننا اصل میں اس کے تمام احکام کو ماننا ہے۔ یا یہ معنی ہوگا۔ کہ پہلے آپ اجمالی طور پر اللہ اور کتابوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اب تفصیلی طور ایمان لایا۔ یہی مطلب ہے۔ "ما کنت تدری ما الکتب والایمان" کا۔ اور مومن سارے بھی اس پر ایمان لائے درمیان میں واوَ عاطفہ لانے کا مطلب یہ ہے۔ نبی کے ایمان اور باقی لوگوں کے ایمان میں فرق ہے۔ سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہم ایمان لانے میں کسی رسول میں فرق نہیں کرتے۔ کہ ہم کسی کو مانیں اور کسی نہ مانیں۔

اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ سب نبی و رسول مرتبے میں بھی برابر ہیں۔ اس پارے کی ابتداء میں ہی بتا دیا گیا کہ ہر نبی اور رسول کا مرتبہ الگ ہے۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سب نبیوں اور رسولوں کو مانتے ہیں۔ اہل ایمان نے کہا ہم نے سنا وہ حکم الٰہی جو ہماری طرف آیا۔ اور اس کے صحیح ہونے کا یقین کیا اور اس کے اندر جتنے بھی احکام و مناہی ہیں۔ ہم نے ان کی اطاعت کی۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی جان کو مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ اسے جس نے کمایا اور اسی پر وبال جس نے کمایا

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اے رب نہ پکڑ ہمیں اگر ہم بھول گئے یا خطا ہوئی ہم سے ہمارے رب نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ

رکھا تو نے اسے اوپر ان کے جو ہم سے پہلے ہوئے اے ہمارے رب نہ اٹھوا ہم سے جس کی نہیں ہمت ہم میں اور معاف فرما

عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ع ﴿۲۸۶﴾

ہمیں اور بخش ہمیں اور رحم فرما ہم پر تو ہے مولیٰ ہمارا تو مدد فرما ہماری اوپر قوم کافروں کے

(بقیہ آیت نمبر ۲۸۵) **شان نزول:** جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کی تعریف و تحسین فرمائی۔ اب جو مانگیں گے انہیں ملے گا۔ اس پر حضور ﷺ نے کہا۔ "غفرانك ربنا" اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ یعنی جو جو ہم سے پہلے خطائیں اور کوتائیاں ہوئیں۔ ان سے ہم بخشش چاہتے ہیں۔ اور صرف تیری ہی طرف لوٹ کے آنا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸۶) نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

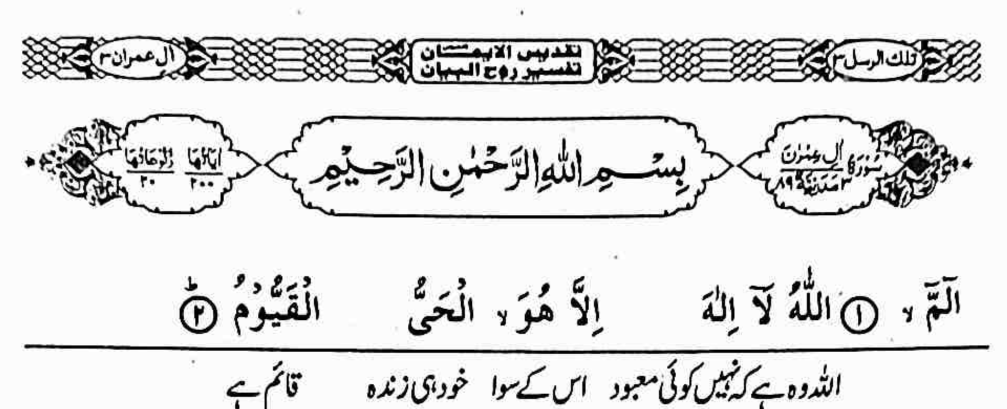
شان نزول: مروی ہے۔ کہ جب "وان تبدو ما فی انفسکم الخ" نازل ہوئی۔ تو صحابہ پریشان ہو کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا حکم دیا۔ ان کی ادائیگی میں تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اب جو حکم نازل ہوا۔ کہ تمہارے دلوں میں جو ہو گا۔ اس کا بھی محاسبہ ہو گا۔ ہمیں اس کی طاقت کہاں ہے۔ تو فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ کرو۔ کہ مانو بھی اور نافرمانی بھی کرو۔ صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ ہم کہتے ہیں۔ "سمعنا واطعنا" کہ سن کر ہم نے اطاعت کی۔ تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سر تسلیم خم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور یہ حکم فرمایا کہ ہم نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی بات کا حکم نہیں دیتا جو ان سے نہیں ہو سکتا۔ صرف وہ حکم دیتا ہے۔ جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔ یہ بھی امت پر خاص فضل ہے۔ ہر شخص کے نیک عمل کا ثواب کئی گنا ہے۔ اور عذاب اتنا ہی ہوگا۔ جتنا اس نے برائی کا عمل کیا۔ اور ایک کی نیکی کسی دوسرے کو نہ دی جائے گی۔ نہ ایک کا عذاب دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مانگنے کا طریقہ بتایا کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے یا غلطی سے کوئی برائی ہوگئی۔ تو اس پر ہماری پکڑ نہ فرمانا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری امت سے خطا و نسیان اور ہر وہ عمل جو انہیں دل میں گراں محسوس ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ (رواہ ابن حزم و مشکوۃ)

خطا و نسیان پر پکڑ نہ ہونا یہ صرف اس امت کا خاصہ ہے۔ یہ بات پہلی امتوں کیلئے نہیں تھی۔ آگے فرمایا کہ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ تمام سزائیں اٹھالیں۔ جو سابقہ امتوں کو سزا کے طور پر (جیسے مسخ اور خسف اور زمین میں دھنسنا وغیرہ) میں مبتلا کیا گیا (تفسیر کبیر ج ۷ و مستدرک ج ۴ ص ۴۲۹)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ میری امت سے خسف (زمین میں دھنسنا) اور مسخ شکلیں بگڑنا غرق کر کے عذاب دینا وغیرہ جیسے عذاب اللہ تعالیٰ نے اٹھالئے۔ آگے فرمایا کہ اے ہمارے رب ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت ہی نہیں یعنی جب ہم سے کوئی خطائیں ہو جائیں تو ہمیں معاف فرما دے اور بخشش فرما کر ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے۔ اور ہمارے حال پر رحم و کرم فرما۔ کہ تو ہی ہمارا آقا و مولیٰ ہے۔ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔ **حدیث شریف:** معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر حضور کو یہ تین چیزیں عطا ہوئیں: (۱) پانچ نمازیں۔ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ (۳) امت اجابت کی بخشش۔ (امت اجابت وہ ہے جنہوں نے ہر حکم مانا)۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ یہ مذکورہ دو آیتیں جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (کنز العمال ۲۰۸۱۔ اتحاف)

سورۂ آل عمران کی خصوصیات: سورۂ بقرہ میں یہود کی اصلاح پر زور دیا گیا۔ کیونکہ وہ مدینہ شریف کے باشندے تھے۔ صبح و شام مسلمانوں کو ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ اور سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کے عقائد درست کرنے پر توجہ دی گئی۔ اور ان کے عقائد کا احسن انداز سے رد کیا گیا۔ اور نجران کے پادریوں سے جو بحث مباحثہ اور مباہلہ ہوا اس کا بیان ہے۔



الٓمّٓ ۚ ① اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ؕ ②

اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی معبود اس کے سوا خود ہی زندہ قائم ہے

(سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۱ اور ۲) الٓمّٓ ۔حروف مقطعات سے ہے (جس کی حقیقی مراد اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے)۔بعض علماء نے کہا۔کہ الف اشارہ طرف اللہ کے اور ل طرف لطیف اور میم طرف مجید کے ہے۔ایک روایت میں ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا۔اللہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔نمبر ۱:سورۂ بقرہ میں "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ"۔نمبر ۲:آل عمران میں "اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ" اور نمبر ۳ طٰہٰ میں "وعنت الوجوہ للحی القیوم"۔اور اس سورۃ میں عیسائیت کے اس قول کا رد ہے جو کہتے ہیں۔کہ عیسیٰ رب ہے یا رب کا بیٹا ہے۔

شان نزول : نجران کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔یہ تقریباً ساٹھ افراد تھے۔ان میں چار تو ان کے سردار تھے۔اور تین ان میں ان کے کرتے دھرتے تھے۔یعنی ایک ان کا امیر جس کا نام عبدالمسیح دوسرا ان کا وزیر اس کا نام ایہم تیسرا ان کا بڑا عالم اس کا نام ابوحارثہ تھا۔روم کے بادشاہوں کے ہاں ان کی بڑی عزت وتکریم تھی۔جب انہوں نے ان کے علم میں دلچسپی دیکھی۔تو ان کے لئے کنیسے بنائے۔تاکہ ان میں وہ عبادت کریں۔یہ لوگ مدینہ شریف میں آئے اور نماز عصر کے بعد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ان کے اوپر اعلیٰ لباس اور فاخرہ چادریں تھیں۔صحابہ ان کو دیکھ کر حیران ہوئے۔کہ ایسا وفد دیکھنے میں نہیں آیا ان کی نماز کا وقت ہوا۔تو مسجد نبوی میں انہوں نے نماز شروع کر دی۔حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔کہ انہیں چھوڑ دو۔انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔اس کے بعد ان کے بڑے تینوں پادریوں نے حضور ﷺ کے ساتھ گفتگو شروع کی۔کبھی کہتے عیسیٰ ہی خدا ہے۔کیونکہ انہوں نے مردے زندہ کئے۔مادرزاد بیماروں کو ٹھیک کیا۔اور غیبی خبریں بتائیں۔اور مٹی کا پرندہ بنا کر ہوا

میں اڑاتے۔ اور کبھی کہتے۔ کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ ورنہ اس کا باپ بتاؤ۔ اور کبھی کہتے تین خداؤں میں وہ عیسیٰ تیسرا خدا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں قلنا یا فعلنا وغیرہ جمع کے صیغے استعمال کئے۔ اللہ ایک ہے تو واحد کے صیغے استعمال ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم پہلے ہی مسلمان ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تمہیں مسلمان ہونے سے روکنے والی چیز یہی ہے۔ کہ تم نے اللہ کی اولاد تسلیم کی ہے۔ کہنے لگے۔ کہ اگر اللہ کی اولاد کوئی نہیں۔ تو بتاؤ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے۔

کہ اولاد باپ کی ہم شکل ہوتی ہے۔ کہنے لگے ہاں تو فرمایا۔ کہ تمہیں پتہ ہے۔ کہ اللہ حی القیوم اور عیسیٰ حی قیوم نہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی۔ کہنے لگے ہاں یہ بات تو ہے۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے۔ کہ اللہ ساری مخلوق کو روزی بھی دیتا ہے اور حفاظت بھی کرتا ہے۔ تو کیا جناب عیسیٰ بھی ایسا کرتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ تو کیا عیسیٰ کی بھی یہی شان ہے۔ کہنے لگے۔ کہ نہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ ہمارے رب نے عیسیٰ کی صورت ان کی ماں کے پیٹ میں بنائی۔ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ ماجدہ حاملہ ہوئیں پھر بچہ جنا پھر اس بچے نے کھانا کھایا۔ پانی پیا۔ اور اللہ نہ کھاتا نہ کچھ پیتا ہے۔ کہنے لگے ہاں یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تو فرمایا۔ کہ اگر یہ باتیں ٹھیک ہیں تو عیسیٰ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہوا۔ جیسے کہ تمہارا خیال ہے۔ اس پر وہ سب خاموش ہو گئے۔ لیکن پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ اور کفر پر ڈٹے رہے۔ تو اس موقع پر تقریباً اسی (۸۰) آیات اتریں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

اتاری ہے آپ پر کتاب سچی جو تصدیق کرنے والی اس کی جو سامنے اس کے (آسمانی کتاب) اتاری توراۃ

وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور انجیل اس (قرآن) سے پہلے جو ہدایت ہے لوگوں کیلئے اور اتارا فیصلہ بے شک وہ جو

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کیلئے عذاب ہے سخت اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

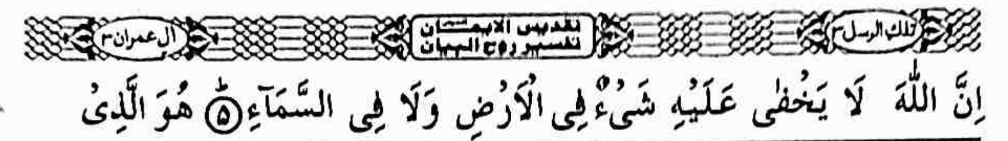
(آیت نمبر۳) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس لئے کہ باقی کتابوں پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔

سوال: کتاب کے ساتھ "نَزَّلَ" اور توراۃ اور انجیل کیلئے "اَنْزَلَ" کیوں کہا؟

جواب: تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے اترنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اترا ہے۔ اس لئے قرآن کیلئے "نَزَّلَ" فرمایا اور "اَنْزَلَ" یکبارگی اترنے کو کہتے ہیں۔ توراۃ اور انجیل اکٹھی ایک ہی دفعہ اتری ہیں۔

نوٹ: قرآن کیلئے بھی دونوں صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" تو اس سے مراد یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان اول پر یکبارگی اترا۔ اور وہاں سے زمین پر تھوڑا تھوڑا کر کے اترا۔ اس لئے لوح محفوظ سے آسمان تک اترنے کو انزل اور پہلے آسمان سے زمین تک آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی وجہ سے "نَزَّلَ" کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حق سے مراد یا تو احکام میں عدل ہے۔ یا حق بمعنی سچائی یعنی اس کی ساری خبریں سچی ہیں۔ یا اس کے تمام وعدے اور وعید سچے ہیں۔۔۔۔ یہ کتاب اور پہلی تمام کتابوں جو توحید کے متعلق ہیں۔ یا تمام نبوتوں کی یا پہلی شریعتوں کی تصدیق کرتی ہے۔۔۔ توراۃ اور انجیل دونوں ذریعہ ہدایت تھیں۔ اپنے اپنے زمانے میں۔ (لیکن قرآن تا قیامت لوگوں کیلئے ہدایت ہے) یاد رہے۔ توراۃ عبرانی اور انجیل سریانی اور قرآن عربی زبان میں اترا۔

(آیت نمبر۴) قرآن ہدایت ہے لوگوں کیلئے۔ قرآن کا دوسرا نام فرقان ہے۔ فرقان کا معنی فرق کرنے والی۔ یعنی حق و باطل کو جدا جدا کرنے والی کتاب بلکہ آسمانی ساری کتابیں فرقان کہلاتی ہیں۔ جو حق و باطل اور حرام و حلال میں فرق کرنے والی ہیں۔ آیات سے مراد یا قرآن ہے۔ یا نبی کے معجزات۔ (چونکہ کفر بہت بڑا جرم ہے۔) اس لئے اس پر عذاب بھی اتنا بڑا ہے۔ جس کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسا غالب ہے۔ کہ جو چاہے کرتا ہے۔ اور جس کام کا ارادہ کرلے وہ کر کے چھوڑتا ہے۔ اسے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور وہ کفار سے بدلہ لینے والا ہے۔



اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَىْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِىْ

بے شک اللہ وہ ہے کہ نہیں چھپا اس پر کچھ بھی زمین اور نہ آسمان میں وہ وہی ہے جو

يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

صورتیں بناتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں جیسی چاہتا ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے جو غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر۵) بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ یعنی اسے تمام چیزوں کا ادراک ہے۔ اور وہ کافروں کے کفر پر اور مسلمانوں کے ایمان پر مطلع ہے۔ بلکہ ان کے تمام اعمال پر بھی وہ مطلع ہے۔ جس کی وجہ سے ان سب کے اعمال کے مطابق ان کو بروز قیامت بدلہ دے گا۔

(آیت نمبر۶) یعنی ماؤں کے پیٹوں میں مخصوص شکل بنا دیتا ہے۔ مرد یا عورت۔ کالا یا سفید۔ پورا ہے یا ناقص۔ لمبا یا چھوٹا۔ خوبصورت یا بدصورت۔ اصل میں اس آیت کے اندر ان عیسائیوں کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ عیسیٰ خدا یا ہے اس کا بیٹا ہے۔ جواباً کہا کہ جس کی صورت رحم میں بنائی گئی۔ وہ نہ خدا ہو سکتا ہے۔ نہ خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مرکب ہے۔ اور فناء و زوال کے درمیان ہے۔ جو فنا و زوال میں ہو وہ خدا ہر گز نہیں ہو سکتا۔

وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ وہ غالب ہے اپنی قدرت اور حکمت میں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری پیدائش یوں ہوتی ہے کہ منی جمع رہتی ہے ماں کے پیٹ میں چالیس دن پھر وہ اس کے بعد خون کا لوتھڑا سا بن جاتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو چار باتیں دے کر اس کی طرف بھیجتا ہے۔ جو لکھتا ہی اس کا رزق اور کام اور دنیا کا وقت اور یہ کہ نیک بخت یا بد بخت ہوگا۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ تم میں ایک آدمی جنتیوں کے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت بھر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ اس کی لکھت سبقت کرتی ہے۔ کہ آخر کار اس سے دوزخیوں والا عمل ہو جاتا ہے (رواہ البخاری)۔ یعنی اس سے مرتے وقت ایسا برا عمل ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد اسے توبہ کا موقع نہیں ملتا اور وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی زندگی بھر دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں اس سے کوئی جنتیوں والا عمل ہو جاتا ہے اور لکھت سبقت کرتی ہے۔ اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ (بخاری)

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ

وہی ہے جس نے اتاری آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں واضح ہیں وہ اصل کتاب ہیں

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

اور دوسری متشابہ ہیں البتہ جن کے دلوں میں کجی ہے پس وہ پیچھے پڑتے ہیں اس کے جو متشابہ ہیں

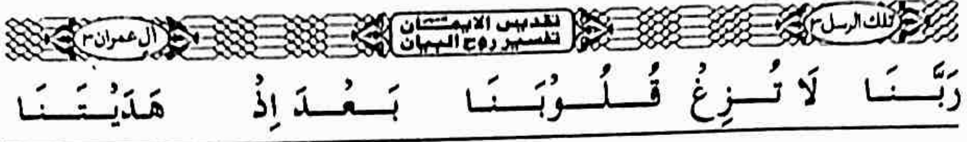
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ

چاہتے ہیں فتنہ اور تلاش کرتے ہیں کوئی پہلو اور نہیں جانتا تاویل اس کی مگر اللہ اور جو پختہ ہیں

فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۷

علم میں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت مانتے مگر عقل والے

(آیت نمبر ۷) محکم آیات قطعیۃ الدلالۃ ہیں۔ کہ ان کی عبارت محکم ہے۔ ہر قسم کے احتمال سے محفوظ ہے۔ اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ متشابہ وہ آیات جن میں کئی معنوں کا احتمال ہے۔ اور شبہات ایسے ہیں کہ ایک کو دوسرے معنی سے جدا کرنا بھی مشکل ہے۔ اور ایک ہی مراد لینا بھی مشکل ہے۔ اچھی طرح غور کئے بغیر حکم واضح نہیں ہوسکتا۔ زیغ یعنی جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں۔ باطل خواہشات کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اور وہ اس تلاش میں ہوتے ہیں۔ کہ کس طرح لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کریں۔ شکوک وشبہات ان میں ڈالیں۔ (محکم متشابہ کی ضد ہے)۔ اور ہر کوئی ایسا نہیں۔ کہ وہ اس کی حقیقی تاویل تک پہنچے۔ سوائے اللہ کے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو علم میں راسخ ہیں۔ یعنی پختہ ہیں وہ اسے نص قطعی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کا الا اللہ پر وقف کرتے ہیں۔ اور راسخون فی العلم سے ابتداء کرتے ہیں۔ اور متشابہ کی تفسیر کرتے ہیں کہ جسے اللہ نے ترجیح دی اپنے علم کے ساتھ اور اسے اپنی حکمت کی معرفت دی۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ قرآن تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے نفع کیلئے اتارا۔ تو جس کا علم ہی کسی کو نہیں۔ اس سے نفع کیا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفع یہ ہے۔ کہ ان آیات پر ایمان لانے اور ان کی تلاوت کرنے کا ثواب ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ اگر متشابہ آیات کا علم اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ نہ نبی کریم ﷺ اور نہ صحابہ کرام اور نہ علماء راسخین تو پھر جاہلوں پر ان کو فضیلت کیا ہوئی۔ اس کا جواب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو پھر سب نے اس علم کو اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد کردیا۔ اس لئے سارے یہی کہتے ہیں۔



رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

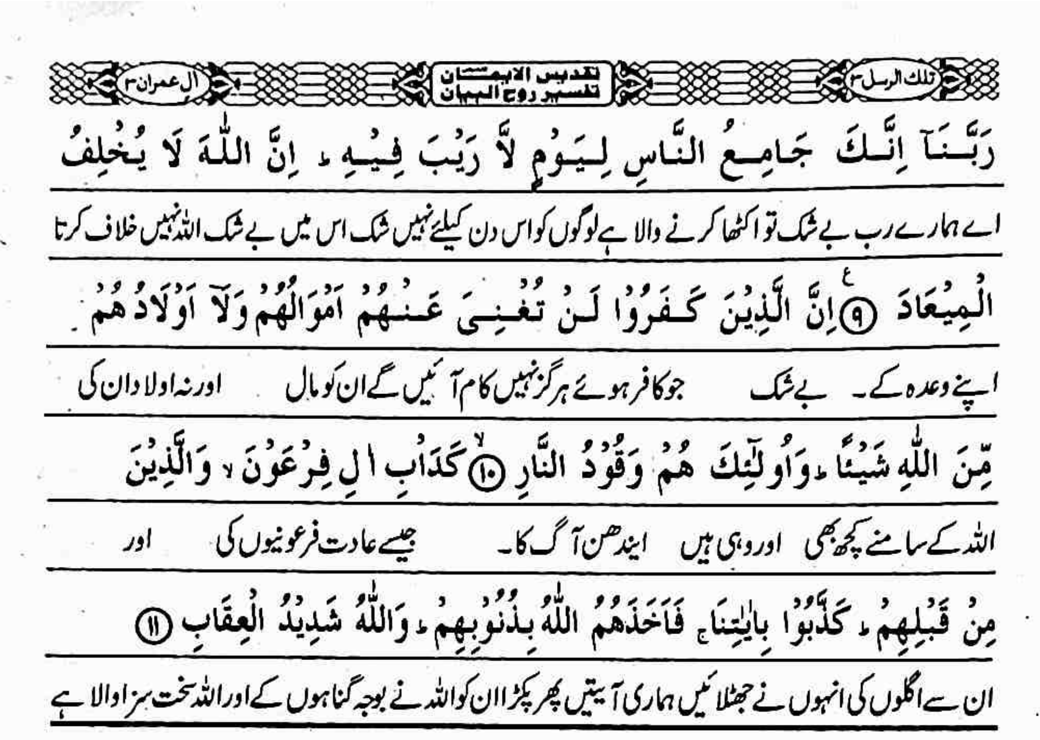
اے ہمارے رب نہ ٹیڑھے کر دل ہمارے بعد اس کے جب ہدایت دے دی تو نے ہمیں

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

اور بخشی ہمیں اپنی طرف رحمت بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۷) غلط قسم کے لوگ سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ان آیات کی غلط تاویلیں کر کے انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ بعض مفسرین جوالا اللہ پر وقف نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین کو ان آیات کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ یعنی عقل خالص والے جو خواہشات کی طرف نہیں جھکتے۔ یہ راسخ فی العلم لوگوں کی تعریف ہے۔ جن کو ذہن تازہ اور نظر کا حسن ملا ہے۔ جو متشابہ کی تاویل کی طرف صحیح راہ پاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے دلوں کو حق سے پھیر کر متشابہ کے پیچھے نہ لگا۔ کہ جس پر تو راضی نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۸) اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما یعنی متشابہ آیات کے پیچھے نہ لگا کہ ہمارے دل حق سے پھر جائیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ ہر دل رحمان کی دو انگلیوں میں ہے جو چاہے تو اسے سیدھی راہ پر قائم رکھے اور چاہے۔ تو اسے ٹیڑھا کر کے گمراہ کر دے۔ اصابع الرحمٰن کہا (مستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء)۔ اس لئے کہ اس نے اپنے رحمت کے ہاتھوں میں دل رکھے ہیں۔ فرشتوں کے حوالے نہیں کئے۔ یہ اس کی خاص رحمت ہے۔ حضور ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین کی طرف پھیر دے (اخرجہ احمد والترمذی)۔ اور ایک **حدیث** میں فرمایا۔ دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جو کھلی فضاء میں ہے۔ ہوائیں اس کو اوپر نیچے پلٹتی ہیں (شعب الایمان)۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ جو چاہتا ہے۔ کہ اس کا دین سلامت رہے۔ اس کے بدن اور دل کو آرام ملے۔ تو وہ لوگوں سے دور ہی رہے عقل مند یکسوئی پسند کرتا ہے۔ وہاب کا اطلاق ہر بخشش پر ہے۔ اس میں دلیل ہے۔ کہ ہدایت من جانب اللہ ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس پر نعمت کر دے وہی ہدایت والا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اصحاب سے پوچھا کہ بیج کہاں بوتے ہو۔ انہوں نے عرض کی زمین میں۔ تو فرمایا اسی طرح حکمت بھی دل کی زمین میں بوئی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا محل دل ہے صورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک **حدیث شریف** میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ (رواہ مسلم) کتنے ہی چہرے خوبصورت ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ اور کتنے ہی چہرے ظاہراً بدصورت ہوتے ہیں۔ مگر دل ان کے سیدھے ہوتے ہیں۔ اس لئے دلوں کی سدھائی کیلئے بہترین نسخہ تزکیہ نفس اور اصلاح بدن ہے۔ تاکہ نور شہود حاصل ہو۔



رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اے ہمارے رب بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو اس دن کیلئے نہیں شک اس میں بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا

الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ

اپنے وعدہ کے۔ بے شک جو کافر ہوئے ہر گز نہیں کام آئیں گے ان کو مال اور نہ اولاد ان کی

مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

اللہ کے سامنے کچھ بھی اور وہی ہیں ایندھن آگ کا۔ جیسے عادت فرعونیوں کی اور

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

ان سے اگلوں کی انہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں پھر پکڑا ان کو اللہ نے بوجہ گناہوں کے اور اللہ سخت سزا والا ہے

(آیت نمبر ۹) رب تعالیٰ مرنے کے بعد بروز قیامت جزاء وسزا کیلئے سب کو جمع فرمائے گا۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی الوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے۔ قیامت کو اٹھنے اور دعا کی قبولیت میں وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ راسخین لوگوں کی دعا کا یہ حال ہے۔ کہ وہ بے خوف نہیں ہیں برے خاتمے سے۔ یہ خوف بمعنی وہ ڈر ہے جو ان کو امید تک لے جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات وشہوات کے پیچھے پڑ کر سیدھی راہ سے بھٹک جانے سے وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ کہ کہیں وہ گمراہ نہ ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۱۰) یعنی کافروں کو مال کی کثرت یا اولاد کی امداد عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ چونکہ کفار آخرت کو دنیا پر قیاس کرتے تھے کہ دنیا میں مال واولاد کام آتے ہیں تو وہ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ ہمارے مال اور اولاد اتنے زیادہ ہیں۔ کہ ہمیں عذاب سے بچالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مال اور اولاد قیامت کے دن کسی کو فائدہ نہیں دیں گے۔ اگر کام دیں گے تو اس کو جو صاحب ایمان ہوگا اور مال واولاد کو نیکی کے کام پر لگائے گا۔

(آیت نمبر ۱۱) یہی عادت سابقہ قوموں کی مثل فرعونیوں اور قوم نوح، قوم ثمود، قوم لوط کی ہے کہ انہوں نے بھی ہماری آیتوں کو جھٹلایا جیسے ان کفار مکہ نے جھٹلایا۔ اسی طرح ان کے اگلوں نے رسولوں اور کتابوں کو جھٹلایا۔ اس لئے عذاب بھی جیسے پہلوں پر آیا۔ اسی طرح پچھلوں پر آیا۔ پھر نہ پایا انہوں نے کوئی بچانے والا اللہ کے عذاب سے جو انہیں بچا سکے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

ان کافروں کو فرمادو عنقریب تم مغلوب ہوگے اور اکٹھے کئے جاؤ گے طرف دوزخ کے اور وہ برا ہے بچھونا

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تحقیق ہے واسطے تمہارے نشانی دو گروہوں کے ملنے میں۔ ایک گروہ لڑتا ہے راہ خدا میں

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

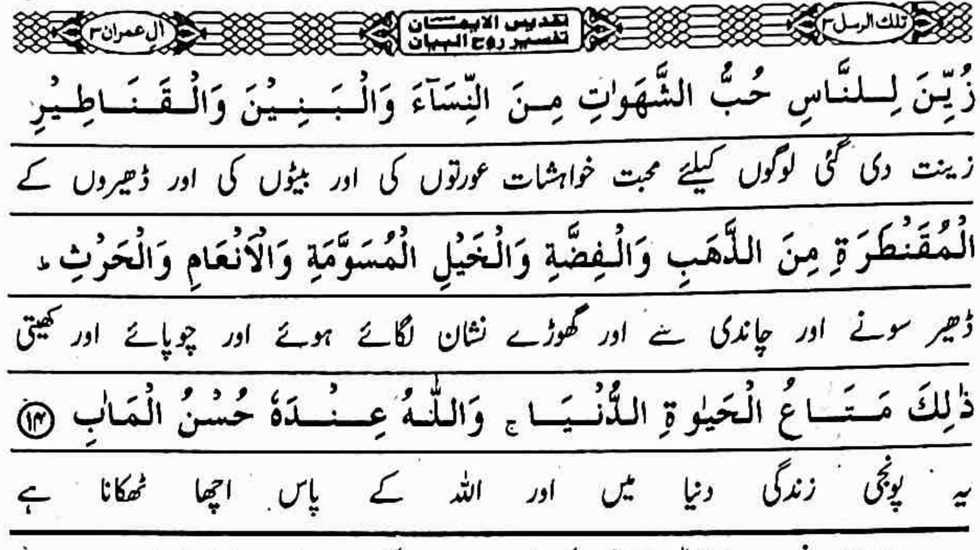
اور دوسرا گروہ کافر ہیں دیکھتے ہیں ان کو دوگنا اپنے سے دیکھنا آنکھ سے۔ اور اللہ طاقت دیتا ہے اپنی مدد کے ساتھ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

جس کو چاہے بے شک اس میں البتہ عبرۃ ہے بصیرت الوں کیلئے

(آیت نمبر۱۲) یہاں کفار سے مراد یہود ہیں۔ **شان نزول:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہودان مدینہ نے جب رسول اللہ ﷺ کا غلبہ مشرکوں پر (بدر والا) دیکھا تو کہنے لگے۔ خدا کی قسم یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی شان توراۃ میں پائی جاتی ہے۔ اور ایمان لانے کا ارادہ بھی کر لیا۔ مگر ان میں کچھ بے ایمان کہنے لگے کہ ابھی جلدی نہ کرو۔ ابھی ایک ادھ اور بھی موقع دیکھ لو۔ پھر جب احد کا معرکہ ہوا۔ تو مسلمانوں کی معمولی تکلیف کو دیکھ کر شک میں پڑ گئے اور جو معاہدہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کیا تھا۔ اسے توڑ دیا اور کعب بن اشرف اپنے ساتھ ساٹھ سواروں کو لیکر مکہ میں پہنچا اور اہل مکہ کو حضور ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنے پر اکسایا۔ تو پھر یہ آیات نازل ہوئیں کہ عنقریب تم دنیا میں ہی مغلوب ہوگے۔ پھر اللہ نے یہ وعدہ سچ کر دکھایا کہ بنی قریظہ قتل ہوئے اور بنی نضیر جلاوطن ہوئے اور خیبر فتح ہوا اور ان پر ٹیکس لگے۔ یہ وہ شواہد نبوۃ ہیں کہ جن سے معلوم ہوا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ یہ دنیا میں ان کو سزا ملی آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو بہت ہی برا ہے۔

(آیت نمبر۱۳) یعنی ان مغرور یہودیوں میں جو اپنی تعداد پر فخر کرتے تھے۔ بہت بڑی نشانی ہے کہ جو ہم نے کہا وہ سچ ثابت ہوا۔ اس سے پہلے بدر میں دو جماعتوں کے ٹکراؤ میں مغرور مغلوب ہوئے۔ ان میں ایک جماعت مجاہدین کی تھی جو اللہ کی راہ میں نکلے ظاہراً نہ ان میں شان وشوکت تھی اور نہ مال واسلحہ کی فراوانی نہ افرادی کثرت تھی۔ لیکن مسلمان کافروں کو ان سے ڈبل نظر آ رہے تھے۔ سعد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکوں نے ایک مسلمان کو قید کیا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری تعداد کتنی تھی۔ تو انہوں نے بتایا کہ تین سو تیرہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے۔



زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ

زینت دی گئی لوگوں کیلئے محبت خواہشات عورتوں کی اور بیٹوں کی اور ڈھیروں کے

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ

ڈھیر سونے اور چاندی سے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

یہ پونجی زندگی دنیا میں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۳) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمان بہت زیادہ دکھائے۔ تا کہ ان پر مسلمانوں کا رعب پڑے۔ حالانکہ مسلمانوں میں ستتر حضرات مہاجرین کے اور دو سو چھتیس حضرات انصار میں سے تھے۔ مہاجرین کے جھنڈا بردار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار کے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے اور مسلمانوں کے پاس اسی اونٹ دو گھوڑے چھ زر ہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔

سوال: سورۂ انفال میں تو ہے "ویقللکم فی اعینھم" کہ تم کافروں کی نظروں میں تھوڑے نظر آئے اور یہاں ہے کہ تم زیادہ نظر آ رہے تھے یہ تو تناقض ہے؟ **جواب:** ابتداء میں تھوڑے دکھائے گئے تا کہ زیادہ دیکھ کر بھاگ نہ جائیں۔ بعد میں زیادہ دکھائے گئے تا کہ مسلمانوں کا ان پر رعب ہو اور وہ بزدل ہو جائیں اور یہ تھوڑے یا زیادہ دو مختلف اوقات میں ہوا۔

عقل منداس قسم کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مال و اولاد کی کثرت پر غرور نہیں کرتے۔

(آیت نمبر۱۴) یعنی شیطان لوگوں کو وسوسے ڈال کر ان کی خواہشات اور شہوات کو بڑھاتا ہے۔ ان خواہشات میں پہلے عورتوں کا نام لیا۔ اس لئے کہ وہ شیطان کے پھندے ہیں۔ پھر بیٹوں کا نام لیا کہ ان کی وجہ سے مال جمع کیا جاتا ہے۔ خواہ حلال ہو یا حرام اور ان کی ہی وجہ سے بندہ حدود الٰہی کا خیال بھی نہیں رکھتا۔ بیٹیوں کا نام اس لئے نہیں لیا کہ عربوں کو بیٹیوں سے نفرت تھی۔ یعنی مال کثیر جمع کرنا۔ اور لاکھوں دینار اکٹھے کر لینا اور سونے اور چاندی کے ڈھیر گھر میں جمع کر لینا کیونکہ یہ دونوں جنسیں ہر زمانہ میں مرغوب رہی ہیں۔ اور گھوڑے نشان دار اور چوپائے۔ مثل اونٹ گائے بیل یا بھیڑ بکری کے اور ہری بھری کھیتیاں یہ تمام چیزیں لوگوں کیلئے فتنہ ہیں۔ عورتیں اور لڑکے تو سب کے لئے فتنہ ہیں۔ سونا اور چاندی تاجروں کیلئے فتنہ ہیں اور گھوڑے بادشاہوں اور حاکموں کیلئے فتنہ اور چوپائے وغیرہ۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ

فرمادو کیا میں بتاؤں تمہیں بہتر اس سے ان کیلئے جو پرہیزگار ہیں ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جاری ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ

نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور بیویاں ہیں پاک اور رضا ہے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ

اللہ کی طرف سے اور اللہ دیکھتا ہے بندوں کو۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

بے شک ہم ایمان لائے پس بخش ہمارے گناہ اور بچا عذاب دوزخ سے

(بقیہ آیت نمبر۱۴) دیہاتیوں کیلئے فتنہ اور کھیت وغیرہ یہ زمینداروں کیلئے فتنہ ہیں۔

یہ مذکورہ چیزیں تو اس چندروزہ زندگی میں کام آنے والی ہیں۔ پھر جلد فنا ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس جب جائیں گے۔ تو سب سے اعلیٰ چیز وہاں جنت ہوگی۔ یعنی دنیا کی اچھی سے اچھی چیز بھی فانی ہے اور آخرت کی ہر نعمت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ لہذا عقل مند آدمی کو چاہئے کہ دنیا کا مال بقدر ضرورت لے اور زیادہ جمع نہ کرے کہ مال کی زیادتی دنیا و آخرت کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے۔ اور آخرت کا فکر کرے کہ وہ باقی ہے۔

(آیت نمبر۱۵) یعنی کیا میں تمہیں بتاؤں وہ چیز جو اس دنیا کی زیب و زینت اور ان تمام لذتوں سے بہتر ہو۔ تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ سب سے منہ پھیر کر صرف اللہ کا ہو جائے۔ ان کیلئے مندرجہ ذیل نعمتیں ہونگی۔ نہروں والی خوبصورت جنت اور اس میں خوبصورت بی بیاں جو ظاہری تمام عیبوں سے پاک جیسے حیض و نفاس یا ناک کی ریٹھ یا قضاء حاجت اور باطنی عیوب سے بھی پاک ہونگی۔ جیسے حسد، بغض، غضب اور دیگر مردوں کو دیکھنا وغیرہ۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی ایک بالشت زمین دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (بحار الانوار و جامع الصغیر)۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ اچھے اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر سزا دیگا۔

(آیت نمبر۱۶) متقی جو کامیاب ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم تیری اور تیرے نبی کے برحق ہونے کی تصدیق کرتے ہیں ہمارے ایمان کو مدنظر رکھ کر ہماری خطاؤں کو معاف فرما کر ہماری بخشش فرما اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

صبر والے سچ والے اور ادب والے اور خرچ کرنے والے اور بخشش چاہنے والے سحری کے وقت

(آیت نمبر ۱۷) ان متقی لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ ایسے صابر ہیں کہ مشکل ترین حالات میں بھی طاعات میں صبر کرتے ہیں اور تنگیوں اور تکلیفوں میں بھی صبر کرتے ہیں اور جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی نیت ارادے اور قول میں بھی سچے ہیں اور فرمانبرداری اور عبادات میں ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان ومال خرچ کرنے والے ہیں۔ یہ صفات مومن میں پائی جاتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض ان میں صابر ہیں۔ بعض صادق ہیں وغیرہ پھر صبر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اطاعت پر صبر

۲۔ معصیت پر صبر

۳۔ مصیبت پر صبر

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مصیبت پر صبر کرے گا۔ اس کو تین سو درجے ملیں گے۔ ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے۔ جتنا زمین وآسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اور استغفار کی تخصیص سحری کے ساتھ اس لئے کی کہ اس وقت کی دعا جلد قبول ہوتی ہے چونکہ اس وقت اٹھ کر عبادت کرنا بھی مشکل ہے۔ نفس کی صفائی اور روح کی پوری توجہ ہوتی ہے۔ خاص کر وہ لوگ جو ہمیشہ کوشش کر کے اٹھنے والے ہیں۔ سحری کے وقت کی عبادت اور دعا چونکہ ریاکاری سے خالی ہوتی ہے اس لئے قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان اول پر نزول فرماتا ہے۔ اپنی شان کے مطابق۔ پھر فرماتا ہے کہ میں ہی اصل بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ اور مجھ سے مانگے اور میں اسے دوں اور مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے بخش دوں (بخاری فی باب فی الدعاء آخر اللیل)۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ تو اترنے چڑھنے سے پاک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا لطف وکرم اور قبولیت کو اس طرف متوجہ فرما دیتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ دو وقتوں میں دعا کبھی رد نہیں ہوتی: (بخاری)

۱۔ سحری کے وقت۔

۲۔ فرض نماز کے بعد

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

گواہ ہے اللہ کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی اور تمام فرشتے اور علم والے گواہ ہیں جو قائم ہیں

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ساتھ انصاف کے نہیں کوئی معبود مگر وہ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۱۸) اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

شانِ نزول: شام کے علماء میں سے دو عالم آئے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ کیا آپ ہی محمد ﷺ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں ہوں پھر کہا کہ آپ ہی احمد بھی ہیں۔ فرمایا۔ ہاں میں محمد بھی اور احمد بھی ہوں۔ تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کی کتاب میں جو سب سے بڑی شہادت ہے وہ ہمیں بتائیں تو آپ نے ان کو بتایا۔ یعنی اللہ کی ذات سب سے بڑی گواہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام بنائی ہوئی چیزیں بتا رہی ہیں کہ وہ اکیلی ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اس جیسی کوئی چیز بنا سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے چار ہزار سال پہلے بنایا۔ اور رزق روزی کو روحوں سے چار ہزار سال پہلے بنایا۔ پھر اپنی ذات پر گواہی دی جبکہ اس وقت آسمان تھا نہ زمین نہ خشکی تھی نہ تری۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت توحید پر سب سے بڑی اور اہم شہادت ہے۔ اس کے بعد اس کے فرشتے بھی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہے۔ وہ بھی گواہی دیتے ہیں۔ اور تمام علماء راسخین بھی اللہ کی وحدانیت پر گواہ ہیں۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کتاب کے ہر صفحے پر اپنی توحید کے ایسے روشن اور اٹل دلائل دیئے ہیں۔ کہ کوئی عقل سلیم والا انکار نہیں کر سکتا۔

حکایت: حضرت غالب قطان فرماتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے کوفہ گیا۔ تو حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں قیام رکھا اور گاہ بگاہ ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا۔ ایک رات کو گیا تو وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور یہ آیت پڑھی "شهد الله انه لا اله الا هو" سے "العزيز الحكيم" تک اور فرمایا۔ "انا اشهد بما شهد الله" یعنی جو اللہ نے گواہی دی وہ میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ اسے انہوں نے بار بار پڑھا۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آج رات میں نے دیکھا کہ آپ اس آیت کو بار بار پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے ابووائل رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اس آیت کا ورد رکھے۔ وہ جب بارگاہ الٰہی میں جائے گا۔ تو فرمان الٰہی ہوگا کہ اس بندے کا میرے ہاں عہد نامہ ہے۔ میرا زیادہ حق ہے کہ میں اسے پورا کروں۔ لہٰذا میرے اس بندے کو بہشت میں لے جاؤ۔ (طبرانی، باب التاء)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا

بے شک دین نزدیک اللہ کے اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا جو دیئے گئے کتاب مگر

مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

بعد اس کے جو آیا ان کے پاس علم بوجہ جلن کے آپس میں۔ اور جو کفر کرے گا آیات الٰہی سے

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

پس بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

(آیت نمبر ۱۹) یعنی اللہ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے جو توحید اور شریعت پر مشتمل ہے۔ اس کے سوا سب دین باطل ہیں اور آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے پیارے آقا ﷺ تک دین یہی اسلام ہی ہے۔ جس کی حقیقت توحید ہے اور شریعت ہر زمانے میں مختلف شرائط وارکان کے ساتھ ایک ہی جیسی رہی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی سچے دل سے گواہی دینے کا نام ہے۔

یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے لائے ہوئے احکام کو ترک کیا اور حضور کی نبوۃ کا انکار کیا اور اختلاف کیا باوجودیکہ انہیں علم تھا (کہ یہ نبی برحق ہے) اور انہیں حقیقت کا پورا علم تھا اور دلائل و براہین سے یقیناً جانتے تھے کہ یہی دین حق ہے اور محمد ﷺ بھی برحق نبی ہیں۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اختلاف کیا جو بالکل عقلمندی کے خلاف ہے۔ اس میں اس سوال کا بھی جواب ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ دین اگر ایک ہی ہے۔ تو اس میں اتنے فرقے کیوں ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا۔ کہ یہ اختلاف کسی نیک نیتی یا غلط فہمی کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ ان یہودیوں عیسائیوں کا حسد اور عناد ہے کہ نبوۃ بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں کیوں چلی گئی۔

(اور دوسری وجہ) ان کا یہ اختلاف کرنا طلب ریاست کی وجہ سے ہے کہ اگر اس نبی کی نبوت کو تسلیم کر لیا تو ہماری ریاست ختم ہو جائے گی۔ اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی کہ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے منکر ہیں اور دین اسلام میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی کو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سخت سزا دے گا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور بروز قیامت وہ اپنے بندوں کا بہت تھوڑے وقت میں حساب لے لے گا۔ یہاں تک کہ ہر آدمی یہ سمجھے گا کہ شاید صرف میرا ہی حساب ہوا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ

پھر اگر جھگڑا کریں آپ سے پس کہہ دو سونپا اپنی ذات کو اللہ کیلئے میں نے اور میرے پیروکاروں نے اور کہہ دو ان سے جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

دیئے گئے کتاب اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم فرمانبردار ہو گئے پس اگر مان گئے تو تحقیق راہ پا گئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پھر گئے تو سوائے اس نہیں آپ پر ہے پہنچانا اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو

(آیت نمبر۲۰) یعنی اگر یہود جھگڑا کریں اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے بارے میں۔ تو آپ ان سے کہہ دیں کہ ہم نے تو اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ میں تو اس کا شریک کسی کو بھی نہیں بناتا نہ میں کسی اور کی عبادت کروں گا میرا دین تو وہی ہے جو تمہاری کتابوں سے ثابت ہے اور میں تو وہی دین لے کر آیا ہوں کوئی نئی بات لے کر نہیں آیا کہ جس کی وجہ سے تم میرے ساتھ جھگڑا کرو اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں تابعداری میں۔ انہوں نے بھی اسی دین کو تسلیم کیا ہے۔ اے محبوب آپ ان سے بھی کہیں جو کتاب دیئے گئے۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور ان سے بھی کہو۔ جن کے پاس آسمانی کتاب کا کوئی علم نہیں نرے ان پڑھ ہیں۔ مشرکین عرب ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ کیا تم میری تابعداری میں سر تسلیم خم کرتے ہو۔ جیسے مسلمانوں نے میری تابعداری کی ہے۔ اب تم پر لازم یہی ہے کہ تم ایمان لے آؤ۔ (ء اسلمتم) بمعنی امر ہے۔ یعنی مسلمان ہو جاؤ۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ تم کسی کو کوئی مسئلہ سمجھاؤ اور دلائل اور براہین ایسے طریقے سے بیان کرو کہ مزید دلیل و بیان کی ضرورت نہ رہے تو پھر کہو کیا تم سمجھے۔ پھر اگر وہ مان جائیں۔ جیسے تم نے مانا اور مخلص بن جائیں۔ تو پھر سمجھ لو کہ وہ ہدایت بھی پا جائیں گے اور گمراہی کی ہلاکتوں سے بھی نجات پا جائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں۔ یعنی اتباع نہ کریں اور اسلام قبول کرنے سے منکر ہو جائیں (تو آپ کا کیا نقصان) آپ کا کام تو احکام الٰہی ان تک پہنچانا ہے۔ وہ کام آپ نے کر دیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اہل کتاب کے سامنے پڑھی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم نے مان لیا۔ تو آپ نے یہودیوں سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور اللہ کے مقدس بندے اور رسول مانتے ہو۔ تو انہوں نے کہا۔ معاذ اللہ اللہ کی پناہ پھر آپ نے نصاریٰ سے پوچھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو عبد مقدس اور رسول مانتے ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

بے شک جو منکر ہیں آیتوں اللہ سے اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں کو پس خوشخبری ہے ان کو عذاب دردناک کی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہی ہیں جن کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں نہیں ہے ان کا کوئی مددگار

(بقیہ آیت نمبر۲۰) انہوں نے بھی کہا معاذ اللہ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے ہوں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"ان تــولــوا" کہ اگر وہ پھر جائیں۔ تو انہیں یہ بھی بتا دو کہ اللہ اپنے بندوں کے تمام احوال کو جانتا ہے۔ اس آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔

(آیت نمبر۲۱) جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو شہید کرتے ہیں ناحق جیسے یہودیوں نے کئی نبیوں کو قتل کیا اور حضور ﷺ کے زمانے والے یہودی بھی چونکہ سابقہ یہودیوں کے اس فعل سے خوش تھے بلکہ یہ بے ایمان حضور ﷺ کو قتل کے درپے تھے اور صرف انبیاء کو ہی نہیں بلکہ ہر انصاف کا حکم دینے والے مسلمانوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ سب سے سخت عذاب کس کو ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا اس شخص کو قتل کیا جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اس پر حضور ﷺ نے یہی مذکورہ آیت پڑھی پھر فرمایا۔ اے ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک ساعت میں تینتالیس انبیاء کو قتل کیا اور ان کے ماننے والوں کو بھی (جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی) قتل کیا۔ جو انہیں نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے تھے۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ ایسوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

(آیت نمبر۲۲) انہوں نے جو بھی نیک عمل کئے وہ سب ضائع ہوگئے۔ ان میں کچھ بھی نہ بچا۔ بلکہ دنیا میں انہیں لعنت اور رسوائی ملی اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔

اس آیت میں ان لوگوں کی سخت مذمت ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کو شہید کرتے ہیں۔ اس لئے اے سالک راہ حقیقت عدل و انصاف کا دامن مضبوط تھام، ظلم تشدد سے دور بھاگ اور امر بالمعروف

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف ان کے جو دیئے گئے حصہ کتاب کا بلائے جاتے ہیں طرف کتاب اللہ کے

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

کہ وہ فیصلہ کرے ان کا پھر مڑ جاتا ہے ایک گروہ ان کا اور وہ ہیں منہ پھیرنے والے

(بقیہ آیت نمبر۲۲) اور نہی عن المنکر میں پوری کوشش کر اور اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔

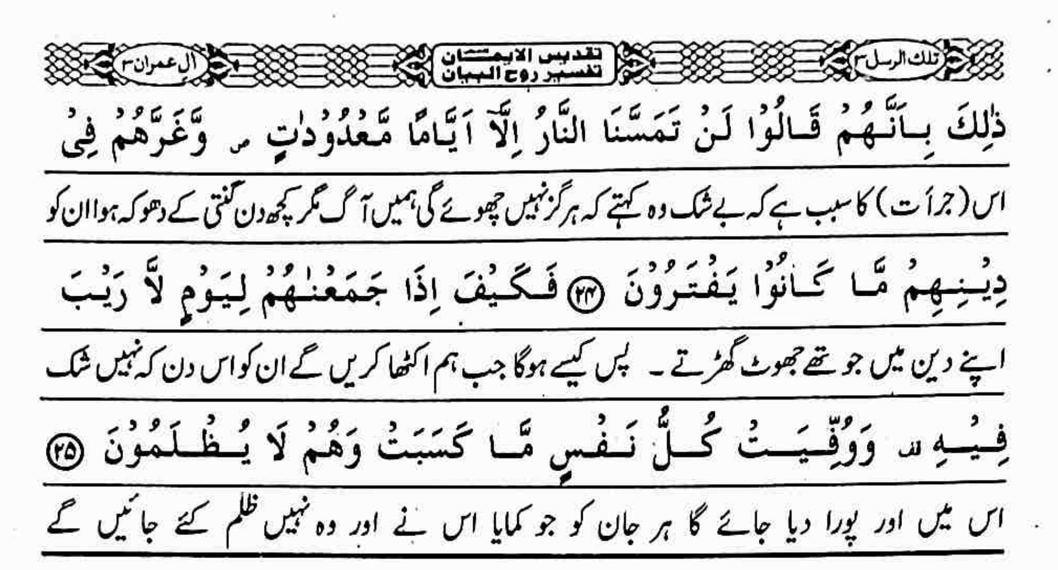
فائدہ: اگر کوئی نصیحت کرے۔ تو آگے سے کہنے والا یہ کہے کہ تو کون ہے مجھے کہنے والا تو اس نے گناہ کبیرہ کیا۔ بعض نے اسے کہا۔ کہ ایسا کہنا کفر ہے۔

(آیت نمبر۲۳) اس آیت میں حضور ﷺ کو یہود و نصاریٰ کے خیالات اور ان کے اعمال بد بتائے گئے یا جو بھی اس خطاب کا اہل ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے۔ جو کتاب دیئے گئے۔ یعنی تورات مراد ہے کہ جب اس کے علوم و احکام یا حضور ﷺ کی شان کے واقعات اور دین اسلام کی حقیقت ان کو بتانے کیلئے بلایا جاتا۔ تاکہ یہ نبی ان کی کتاب کے مطابق ان میں فیصلہ کریں۔ چونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے انہیں بلایا گیا۔ تاکہ ان کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

فائدہ: کتاب کی نسبت فیصلہ کی طرف اسی طرح ہے جیسے بشیر و نذیر کی نسبت بعض جگہ کتاب کی طرف کی گئی۔

شان نزول: حضور ﷺ یہودیوں کے عبادت خانہ میں تشریف لے گئے اور انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ تو ان کا سردار نعیم کہنے لگا کہ آپ کس دین پر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔ نعیم بن عمرو نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کا فیصلہ ہم توراۃ سے کر لیتے ہیں۔ تم توراۃ لے آؤ ابھی اس کا فیصلہ ہو جائیگا کہ ابراہیم علیہ السلام ہماری ملت پر تھے یا تمہارے دین پر۔ تو یہودیوں نے کتاب لانے سے انکار کر دیا۔

شان نزول: امام کلبی فرماتے ہیں کہ اہل خیبر کے ایک مرد نے زنا کیا۔ جس کا شمار اونچے طبقے میں تھا اور توراۃ میں رجم کا حکم تھا۔ اس لئے وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے۔ اس امید پر کہ ان کے ہاں رجم نہ ہو تو وہ سزا سے بچ جائیں۔ حضور ﷺ نے بھی سنگ ساری کا حکم دیا تو یہودیوں نے کہا کہ یہ تو بڑا ظلم ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ چلو تم اپنی کتاب توراۃ لے آؤ۔ اس میں بھی یہی ہے انہوں نے کہا توراۃ میں کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا بڑا عالم کون ہے۔ انہوں نے بتایا ابن صوریا۔ فرمایا اس کو بلاؤ وہ بلا کر لے آئے۔ تو آپ نے ان کی کتاب کا وہی صفحہ پڑھا جس میں رجم کا حکم تھا چونکہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پہلے ہی بتلا دیا تھا۔ کہ توراۃ میں اسی طرح ہے۔



ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِیْ

اس (جرأت) کا سبب ہے کہ بے شک وہ کہتے کہ ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر کچھ دن گنتی کے دھوکہ ہوا ان کو

دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ

اپنے دین میں جو تھے جھوٹ گھڑتے۔ پس کیسے ہوگا جب ہم اکٹھا کریں گے ان کو اس دن کہ نہیں شک

فِيْهِ ۙ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اس میں اور پورا دیا جائے گا ہر جان کو جو کمایا اس نے اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر۲۳) ابن صوریا نے رجم والے حصہ پر ہاتھ رکھ کر آگے پڑھنا شروع کر دیا تو حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے ابن صوریا کا ہاتھ ہٹا کر خود پڑھنا شروع کر دیا۔ جسے سب یہودیوں نے سن لیا۔ جس میں یہ تھا کہ شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کریں۔ تو دونوں کو سنگسار کرنا ضروری ہے۔ تو حضور ﷺ نے دونوں کو سنگسار کروا دیا۔ تو یہودی ناراض ہوگئے۔ اور وہاں سے روگردانی کرتے ہوئے چلے گئے (فریق منھم) سے معلوم ہوا کہ روگردانی کرنے والی ایک مختصر جماعت تھی۔ زیادہ ان میں ان پڑھ تھے۔ حق سے منہ پھیرنا یہ تو یہودیوں کی پرانی عادت تھی۔

(آیت نمبر۲۴) اور ان کے اعراض کا سبب یہ بھی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں تو جہنم کی آگ مس بھی نہیں کرے گی۔ اگر کرے گی بھی تو وہ چند دن کیلئے۔ وہ دن کہ جن چالیس دنوں میں ہمارے آباء نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اور دین میں جو انہیں دھوکا پڑا۔ وہ یہ کہ وہ یوں کہتے تھے کہ ہمیں جہنم میں جانا نہیں پڑے گا۔ اصل یہ ہے۔ کہ وہ خود ایسی باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرتے تھے کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی۔ کیونکہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں (یہی آج کل شیعہ کا اور کچھ شیعہ نما سنیوں کا بھی خیال ہے) کہ ہماری رگوں میں حضور کا خون ہے۔ ہمارے بزرگ ہمیں بخشوالیں گے چاہے ہم جو بھی گناہ کرلیں ہمیں سب معاف ہے۔ اسی طرح یہودیوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ میری اولاد کو کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ اگر ہوا بھی تو صرف قسم پوری کرنے کی حد تک۔ اس ناز و نخرے وجہ سے انہوں نے بڑے بڑے جرائم کئے۔

(آیت نمبر۲۵) بتایا گیا کہ یہ یہودی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ان کا یہ گمان فاسد ہے۔ یہ اس وقت کو یاد کریں کہ جب یہ عذاب میں پڑے ہوں گے۔ جس سے نکلنے کا کوئی چارہ ہوگا۔ نہ کوئی حیلہ، نہ جان چھوٹنے کا امکان۔ یہ ان کا محض وہم و گمان ہے جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کریں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ تو حدیث میں آتا ہے کہ پہلا جھنڈا ان یہودیوں کا ہی کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ سب دنیا کے سامنے ان کو رسوا فرمائے گا اور کہا جائیگا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

فرمادو اے اللہ تو بادشاہ پورے ملک کا دیتا ہے ملک جسے تو چاہے اور چھین لیتا ملک جس سے

تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ

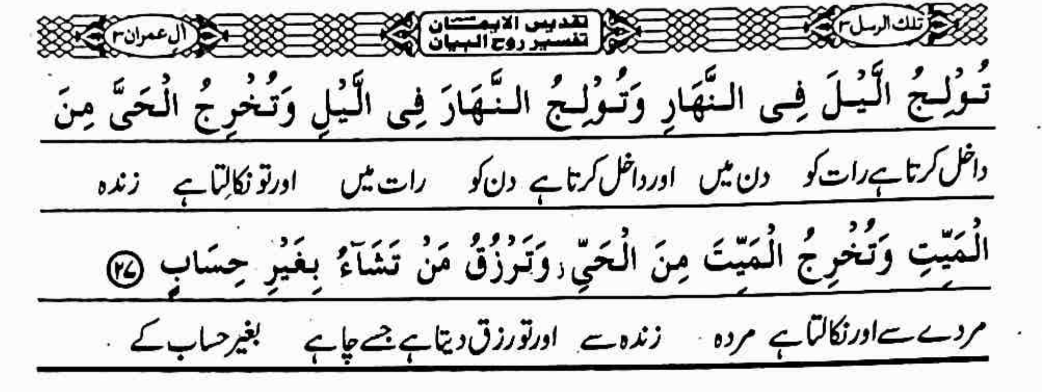
تو چاہے اور تو عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو تو چاہے ہاتھ میں تیرے ہے بھلائی بے شک تو

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾

اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) انہیں جہنم میں لے جاؤ اور ان کے اعمال کا انہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ ظلم زیادتی نہ ہوگی یعنی کسی کا عذاب اس کے گناہوں سے بڑھا دیا جائے یا ثواب میں کمی کر دی جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ **فائدہ**: اگر نوح کا ڈائرکٹ بیٹا عمل غیر صالح کی وجہ سے عذاب میں جا سکتا ہے۔ اور آل سے نکل سکتا ہے۔ تو یہ سینکڑوں سال بعد آنے والے کبیرہ گناہوں میں ملوث کیسے بچ سکتے ہیں۔) **فائدہ**: یہود کی بدعنوانیوں، سرکشیوں اور اہل حق پر ظلم و ستم توڑنے پر انہیں قیامت کے دن کی سختیوں کی یاد دلا کر تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ یہ تمہاری من گھڑت باتیں (کہ ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا) اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ تمہاری ہر بدکاری پر سخت باز پرس ہوگی۔ اور تمہاری کارستانیوں کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

شان نزول: (آیت نمبر ۲۶) جب حضور ﷺ نے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ تو ہر دس آدمیوں میں جگہ اور ایریا مختص فرما دیا۔ دس ہزار گز کی مقدار خندق کھودنا ہر قبیلہ کیلئے مقرر فرما دیا۔ اس کے بعد ہر قبیلہ اپنے حصہ کی جگہ کو کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ درمیان میں ایک چٹان ہاتھی کے قد جتنی ظاہر ہوئی جو اتنی سخت چٹان تھی کہ ہزار کوشش کے باوجود نہ ٹوٹ سکی اور کئی کھدالیں بھی اسے نہ توڑ سکیں۔ حضور ﷺ خود تشریف لائے اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کھدال لیکر اس چٹان پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ وہ پتھر ٹوٹ پڑا اور اس سے ایسا نور نکلا کہ پوری خندق روشن ہو گئی تو آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں مجھے خیرہ کے محل نظر آ گئے (تفسیر کبیر و معالم التنزیل)۔ پھر آپ نے کدال چٹان پر ماری پھر فرمایا کہ اب مجھے روم کے محلات نظر آئے اور مجھے جبریل نے ابھی بتایا کہ میری امت پوری زمین پر قابض ہوگی۔ لہذا تمہیں مبارک ہو تو منافقین نے کہا کہ یہ جھوٹے وعدے ہیں۔ جن کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مزید بھی طرح طرح کے بکواسات کئے۔



تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ

داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

مردے سے اور نکالتا ہے مردہ زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) یہ بات تو عقل سے بھی بعید ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ ملکوں کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ جسے چاہے مجازی مالک بنا دیتا ہے اور جس سے چھیننا چاہے۔ اس سے چھین بھی لیتا ہے۔ جسے چاہے اسے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے دونوں جہانوں میں ذلیل کر دیتا ہے۔ ایسا مالک ومختار ہے کہ جس کا نہ کوئی مانع نہ مدافع ہے۔ ہر بھلائی اس کے دست قدرت میں ہے۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں۔ کہ وہ حکومت یا عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھے۔ اور اس فریب میں مبتلا رہے۔ کہ اس کے اعمال خواہ کتنے سیاہ ہوں۔ اور اس کا کردار کتنا پست ہو۔ اسے عزت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ (اسی غلط فہمی میں فرعون اور نمرود بھی تھے۔ مگر ذلیل ہو کر مرے)۔

(آیت نمبر ۲۷) اس کی عظیم قدرت کا کرشمہ دیکھ لیں۔ رات دن میں داخل کر کے دن کو بڑا اور دن کو رات میں داخل کر کے رات بڑی بنا دیتا ہے۔ مردہ انڈے سے زندہ چوزہ نکال دے اور زندہ مرغی سے مردہ انڈا نکال دے یہ اس کی قدرت ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرما دیتا ہے۔ ابو العباس مقری فرماتے ہیں (بغیر حساب) کے تین معنے ہیں: (۱) بغیر مشقت۔ (۲) بغیر گنتی (۳) بغیر مطالبہ

اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ وہ عجمیوں سے ملک چھین کر عربوں کو عطا کر دے قیصر و کسریٰ کو ذلیل کر کے عربوں کو معزز بنا دے۔ یہ اس کیلئے بہت آسان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ وقت بھی آیا کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں اور ملک اور ان کے محلات باغات اور تمام سونے چاندی کے خزانے اور ہیرے جواہرات سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور ان کے بادشاہ اور وزراء خاک میں جا ملے۔ (**فائدہ:** اصل بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمان ایک زندہ قوم تھے اور اب مردہ قوم ہو گئے)۔ ایک ارب سے بھی زیادہ ہو کر کفار کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے۔ اور کفار مسلمانوں کے مال و دولت سے مزے کر رہے ہیں۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ

اور جو مسلمانوں کے سوائے دلی دوست کافروں کو مسلمان نہ بنائیں

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِىْ شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

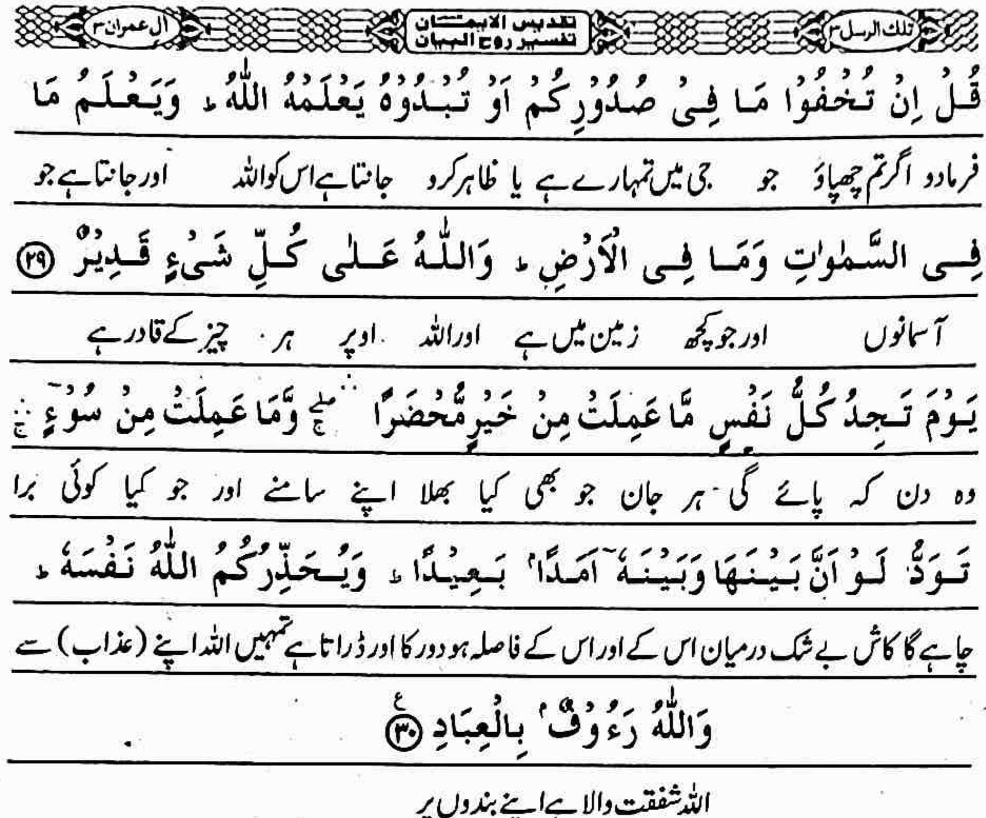
کرے گا یہ پس نہیں کوئی تعلق اللہ کا ان کے ساتھ کسی چیز میں مگر یہ کہ تم بچو ان سے اچھی طرح

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے (غضب) سے اور طرف اللہ کے لوٹنا ہے

(آیت نمبر ۲۸) اس آیت میں کافروں کی دوستی سے روکا گیا ہے۔ تاکہ ان کی دوستی اور معاشرہ کے اسباب کے پیش نظر حق سے کہیں دوری نہ ہو جائے۔ یا ان کی دوستی میں کہیں جنگ میں بھی ان ہی کے ساتھ نہ ہو جاؤ جیسے آج کل سعودی۔ یہودیوں کے طرفدار بلکہ تابعدار اور مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دوستی صرف اہل ایمان سے ہو اور جو کفار سے دوستی رکھے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یعنی کفار سے دوستی کا تعلق جوڑنے والا بہر حال اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ (مگر ڈرتے ہوئے) یعنی اگر تم کافروں میں رہتے ہو تو ظاہری ساتھ ہو۔ مگر دل میں کفار سے بغض اور نفرت ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "کن وسطا وامش جانبا" یعنی دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے کنارہ کش رہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے یعنی عذاب سے ڈراتا ہے کہ کافروں سے دوستی رکھ کر اللہ کی ناراضگی نہ مول لو۔ اس لئے کہ واپس اسی کی طرف جانا ہے۔ **فائدہ**: مسلمان کا حق ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے اور کبھی گناہ کرنے پر بھی جرأت نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرائض وواجبات میں کوئی کمی نہ کرے اس لئے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور فوری عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ اگر غلام کو معلوم ہو جائے کہ میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے تو کس طرح غلط کام کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے وہ تو مخفی سے مخفی باتیں بھی جانتا ہے۔

سبق: لہذا عقل مند کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ اس کی محبت اور بغض اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ اہل ایمان سے دوستی اور کفار سے دل میں بغض رکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں: چار گناہ کبیرہ ہیں: (۱) دنیا کی طلب کیلئے صوفیاء کا لباس پہننا۔ (۲) دعویٰ صالحین کی محبت کا کرے اور ان کے طریقے کے خلاف چلے۔ (۳) امیروں کی مذمت بھی کرے اور میل جول بھی ان سے رکھے۔ (۴) اور وہ آدمی جو خود کمائی نہ کرے اور لوگوں کی کمائی پر نظر رکھے۔



قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا

فرمادو اگر تم چھپاؤ جو جی میں تمہارے ہے یا ظاہر کرو جانتا ہے اس کو اللہ اور جانتا ہے جو

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ

وہ دن کہ پائے گی ہر جان جو بھی کیا بھلا اپنے سامنے اور جو کیا کوئی برا

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ

چاہے گا کاش بے شک درمیان اس کے اور اس کے فاصلہ ہو دور کا اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اللہ شفقت والا ہے اپنے بندوں پر

(آیت نمبر ۲۹) یعنی تمہارے دلوں میں کفار سے دوستی ہے یا مسلمانوں سے ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر کفار سے دوستی ہوئی تو مواخذہ ہوگا۔ وہ زمین و آسمان کی ہر بات کو جانتا ہے۔ اس کا علم بھی ذاتی ہے اور اس کی قدرت بھی ذاتی ہے۔ **سبق**: مومن پر لازم ہے کہ وہ کفار سے قطع تعلق کرے۔ ایسے ہی فاسق و فاجر اقرباء سے بھی دور رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلاتطعهما) یعنی ماں باپ بھی شرک کرنے پر اکسانا چاہیں تو ان کی بات نہ مان۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ جو شخص تمہارے لئے بدبختی کا سبب بنے۔ اس سے قطع تعلق نہایت ضروری ہے۔ اگر چہ وہ قریبی رشتے دار ہو۔ لیکن اگر ایک آدمی سفر کے دوران ساتھ ہوگیا۔ جو برے عمل والا ہے۔ تو پھر بھی اپنی عبادت میں کمی نہ کرے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت تمہاری وجہ سے دے دے۔ جیسے ایک مراثی حضرت شقیق اور حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ ہوگیا۔ سارے سفر میں وہ ڈھول وغیرہ بجاتا رہا۔ یہ حضرات خاموش رہے۔ بالآخر اس نے ان کی صحبت کی وجہ سے توبہ کرلی اور بقیہ زندگی ان کی خدمت میں گذار دی۔

(آیت نمبر ۳۰) قیامت کے دن نیک اور بداعمال سب بندے کے سامنے آجائیں گے تو بندہ اپنے برے اعمال کو دیکھنا بالکل گوارہ نہیں کرے گا اور آرزو کرے گا کہ یہ برائیاں بالکل میرے سامنے نہ آئیں۔ اور دور ہو جائیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ

فرما دو اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو میری پیروی کرو وہ دوست رکھے گا تم کو اور بخشے گا تمہارے

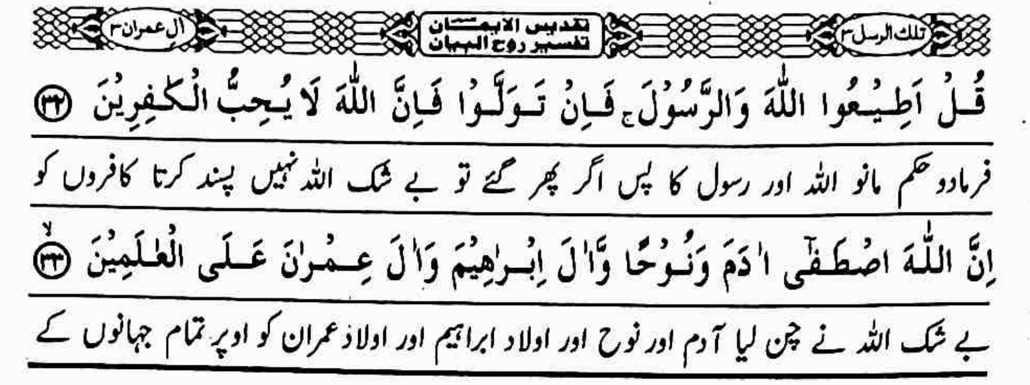
ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

گناہ اور اللہ بخشنے والا مہربان

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) بلکہ میرے اور ان برائیوں کے درمیان مسافت کی دوری حائل ہو جائے۔ یعنی مشرق ومغرب کا بُعد ہو جائے۔ کاش یہ مجھے نظر ہی نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ پھر دوبارہ اپنے غضب سے ڈراتے ہیں تا کہ بندے غفلت کو دور کریں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں پر شفقت کا ذکر بھی فرما دیا۔ دونوں باتیں مسلمان کے مدنظر رہیں۔ خوف بھی اور خشیت بھی ان کے دلوں میں ہو اور رضا الٰہی کی طلب بھی ان کو رہے۔ **سبق:** عقل مند پر لازم ہے۔ کہ اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچائے۔ اور اعمال صالحہ سے خدا کو راضی کرے۔

(آیت نمبر ۳۱) اے محبوب فرما دو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے محب ہو تو پھر میری پیروی کرو۔

شان نزول: جب حضور ﷺ نے کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی کو دعوت اسلام دی۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی اولاد اور پیارے ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے۔ کہ ہم کسی نئے نبی کے امتی بنیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا۔ کہ تمہارا دعویٰ محبت بغیر دلیل کے ہے۔ لہٰذا میرے محبوب آپ انہیں بتائیں۔ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری تابعداری کرو۔ پھر اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اصل محبت تو یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور ان باتوں سے رغبت ہو جو اس کے قرب کا سبب بنیں۔



قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

فرمادو حکم مانو اللہ اور رسول کا پس اگر پھر گئے تو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو

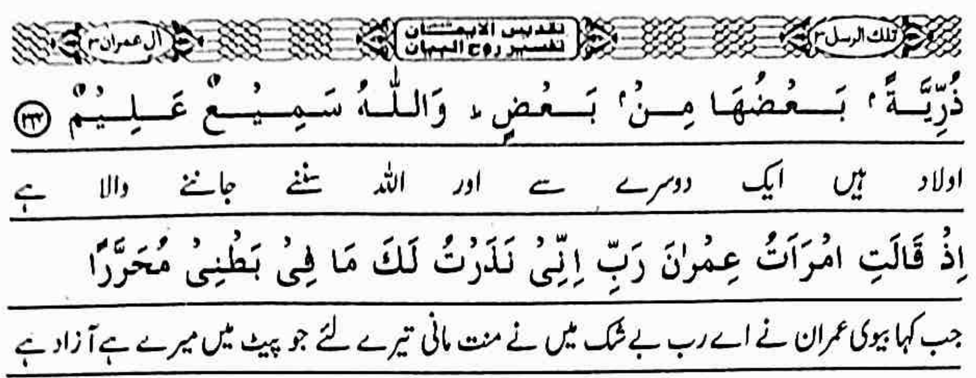
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ لا

بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور اولاد ابراہیم اور اولاد عمران کو اوپر تمام جہانوں کے

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کی متابعت کو اپنی متابعت اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اب جو اللہ کی محبت کا مدعی اور حضور ﷺ کی سنتوں سے روگرداں ہو وہ اس دعوی محبت میں جھوٹا ہے اس لئے کہ محبّ تو اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا ان کی مثال اس مرد کی ہے۔ جس نے ایک خوبصورت بلڈنگ بنوائی اور اس میں بہترین کھانے لگائے اور کھانے کیلئے ایک داعی کو بھیجا کہ لوگوں کو کھانے پر بلائے تو جو بلانے والے کی بات سن کر آئے وہ دعوت کھائے گا اور جس نے انکار کیا۔ اسے نہ محل میں آنا نصیب ہوا نہ کھانا نصیب ہوا۔ فرشتوں نے کہا اس کی وضاحت کرو تا کہ لوگ سمجھیں تو انہوں نے کہا۔ محل سے مراد جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جنہوں نے دعوت قبول کی وہ مسلمان ہیں۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر ۳۲) یہ آیت بھی نصاریٰ نجران سے متعلق ہے۔ جو کہتے تھے کہ ہم جناب عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہیں حالانکہ وہ اس کا جھوٹا دعویٰ کر رہے تھے۔ انہیں فرمایا گیا کہ اب تمہاری کامیابی اللہ اور اس کے آخری رسول کی اطاعت میں ہے۔ جتنے بھی حکم ہیں یا منہیات ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازم ہے۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کافی نہیں۔ اس کے رسول پاک کی اطاعت بھی لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ قرآن مجید میں سو سے زیادہ مقامات پر جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر آیا۔ ساتھ ہی اس کے رسول کی اطاعت کا بھی حکم آیا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا جو اس سے منہ موڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرے گا۔

(آیت نمبر ۳۳) آدم علیہ السلام کو چننے سے مراد یہ ہے کہ انہیں احسن تقویم یعنی خوبصورت بنایا۔ اسماء کی تعلیم عطا فرمائی اور فرشتوں سے سجدہ کروایا اور جنت میں ٹھہرایا اور نوح علیہ السلام کو یوں چنا کہ ان کو نئی شریعت عطا فرمائی محرموں سے نکاح ناجائز کیا جو پہلے جائز تھا۔ بہت لمبی عمر عطا فرمائی اور ان کی اولاد کا سلسلہ تا قیامت رہے گا۔ طوفان سے بچا لیا اور آل ابراہیم کو یوں چنا کہ جناب اسماعیل علیہ السلام سے ہمارے حضور ﷺ پیدا ہوئے۔ اور جناب اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور آل عمران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مراد ہیں۔



(بقیہ آیت نمبر۳۲) بعض مفسرین نے فرمایا۔ کہ آل عمران سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور العالمین سے ہر ایک کے اپنے اپنے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔ یعنی ان کو ان کے اپنے ہم زمانہ لوگوں سے زیادہ برگزیدہ بنایا۔

(آیت نمبر۳۴) یعنی وہ سب جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا۔ ایک دوسرے کی آل سے ہیں۔ آگے سلسلہ بڑھ کر ان کی شاخیں پھیل گئیں۔ یعنی اسماعیل و اسحاق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اور وہ حضرت نوح سے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بنی اسماعیل سے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہوئے اور اصطفاء کا لفظ سب انبیاء کیلئے استعمال ہوا کیونکہ سب نبی رب کے چنے ہوئے ہیں البتہ مراتب میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور ہمارے حضور کو سب انبیاء پر علی الاطلاق فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ حبیب ہیں لیکن یہ سب انبیاء ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹا باپ کا عکس ہوتا ہے جیسے بی بی مریم کا صدق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت مریم کے والدین کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں۔ کہ اصطفاء کا معنی ہے۔ کہ ہر نبی اپنی قوم میں چنا ہوا ہے۔ اور ہمارے حضور ﷺ ان چنے ہوؤں میں چنے ہوئے ہیں۔ سب نبی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آئے۔ اور ہمارے حضور ﷺ کل کائنات کیلئے سراپا رحمت بن کر تشریف لائے۔

(آیت نمبر۳۵) عمران کی بیوی بی بی مریم بتول کی اماں جان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی صاحبہ ہیں۔ جن کا اسم مبارکہ حنہ بنت فاقوذا ہے۔ **واقعہ:** روایت یوں ہے کہ حضرت مریم کی والدہ سے کافی مدت تک اولاد نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بوڑھی ہوگئیں۔ ایک درخت کے سائے میں بیٹھی تھیں۔ درخت پر ایک پرندہ نظر آیا کہ جو اپنے بچے کو دانے کھلا رہا تھا۔ وہ منظر دیکھ کر مائی صاحبہ کو بھی بچے کی آرزو پیدا ہوئی تو عرض کیا اے الہ العالمین میں منت مانتی ہوں

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

پس جب جنا اسے تو کہا میرے رب بے شک میں نے جنی لڑکی اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ

جو کچھ وہ جنی اور نہیں لڑکا مثل لڑکی کے اور بے شک میں نے نام اس کا مریم رکھا اور بے شک میں

اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

پناہ میں دیتی ہوں اس کو تیری اور اس کی اولاد کو شیطان سے جو مردود ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) کہ اگر تو نے مجھے بچہ عطا کیا تو میں اسے تیرے مقدس گھر کی خدمت کیلئے آزاد چھوڑ دوں گی (محررا) یعنی میری طرف سے آزاد ہوگا۔ اور اس پر میرا کوئی کنٹرول نہ ہوگا کہ نہ اس سے کسی قسم کی خدمت لوں گی۔ وہ خالص تیری عبادت اور تیری کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے میں وقت گذارے گا چونکہ ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا۔ آج بھی جس کی اولاد نہ ہو۔ وہ یہ نیت کرے تو قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرمائے گا۔ اور اس وقت لوگ اپنی اولاد کو اپنی خدمت سے آزاد کر کے مسجد اقصیٰ کی خدمت کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔ اکثر انبیاء کی اولاد اسی مسجد میں چھوڑی جاتی تھی لیکن مسجد کیلئے لڑکے ہی چھوڑے جاتے۔ لڑکیاں اس کی اہل نہ تھیں۔ چنانچہ حضرت مریم کی والدہ جانتی تھیں کہ وہاں صرف لڑکوں کو چھوڑتے ہیں ان کے خیال میں یہ تھا کہ میرا لڑکا ہی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال بھی یہی کیا تھا کہ اے اللہ مجھے بچہ عطا فرما۔

(آیت نمبر ۳۶) اب اتفاق یہ ہوگیا۔ کہ مائی صاحبہ کے ہاں بچے کے بجائے بچی پیدا ہوگئی۔ چونکہ امید بچے کی تھی اس لئے حسرت کے طور پر عرض کیا کہ میں نے تو لڑکی جن لی۔ حالانکہ اللہ پاک کو تو پہلے ہی سے اس کا علم تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس بچی کا مرتبہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے کئی قدرتی عجائبات دکھانے تھے اور اس بچی کو عجوبہ روزگار بنانا تھا۔ مائی صاحبہ اس وجہ سے غمزدہ تھیں کہ بچوں میں اکیلی بچی کیسے رہے گی لیکن وہ ان امور سے ناواقف تھیں کہ جو اس بچی کا دائرہ علم ہے یا جو اس کے اقدار و منازل ہیں وہ مردوں سے زیادہ ہیں۔ پھر عرض کی کہ میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ مریم کا معنی عابدہ اور رب کی خادمہ ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا

تو قبول کیا اسے اس کے رب نے قبول کرنا اچھی طرح اور بڑا کیا پروان اچھی سے اور کفالت کی اس کی

زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ

زکریا نے جب داخل ہوئے اس پر زکریا حجرے میں پایا اس کے پاس رزق تازہ

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ

پوچھا اے مریم کہاں سے آیا تیرے لئے یہ بتایا وہ اللہ کی طرف سے بے شک اللہ دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

جسے چاہے بغیر حساب کے

(بقیہ آیت نمبر ٣٦) اب مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے مجھے قرب الٰہی نصیب ہو اور یہ بچی بھی نیک عابدہ صالحہ ہو۔ پھر اس بچی اور اس سے چلنے والی نسل کیلئے بھی دعا کی کہ اے اللہ ان کو شیطن کے شر سے محفوظ فرمانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا ہے تو بچہ چیختا ہے۔ سوائے حضرت مریم کے صاحب زادے حضرت عیسٰی کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حنہ کی دعا کو بھی اور اس بچی کو بھی قبول فرمالیا بلکہ اس کی تربیت کر کے اس کو بڑا بھی کر دیا اور مائی صاحبہ ان کو لیکر مسجد میں گئیں۔ اس وقت مسجد اقصٰی میں چار ہزار بچے زیر تعلیم تھے۔

(آیت نمبر ٣٧) بی بی مریم کو اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے حضرت زکریا کی کفالت میں دیدیا۔ یعنی ان کے تمام مصالح کا ضامن بنادیا۔ کہ وہ ان کے کھانے وغیرہ کی تمام ضروریات کو پورا کریں گے۔

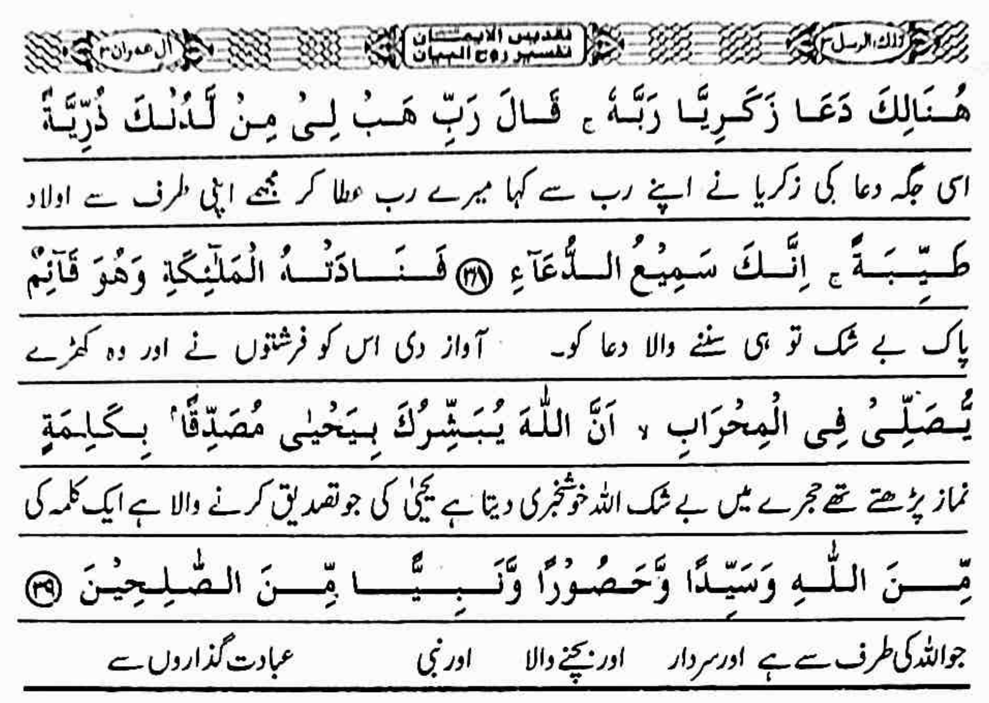
واقعہ: مروی ہے کہ حضرت مریم کو والدہ کپڑے میں لپیٹ کر مسجد میں لے گئیں اور وہاں علماء جو مسجد اقصٰی کے نگران تھے اور جو حضرت ہارون کی اولاد سے تھے۔ بی بی حنہ نے ان سے کہا کہ یہ منت ہے اسے لے لو اور اس کی تربیت کرو۔ حضرت زکریا بھی مسجد میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی تربیت کرنے کا میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔ اس لئے کہ مریم کی خالہ میری بیوی ہے۔ ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی کفالت کا حق ظاہر کیا۔ اور اس مسئلے پر بہت بڑا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے وہ یوں کہ جن قلموں سے توراۃ لکھ رہے ہو وہ نہر اردون

میں ڈالو۔ جس کا قلم اوپر کو جائے وہ کفیل ہوگا جب قلمیں ڈالی گئیں تو سب قلمیں نیچے کو اور حضرت زکریا کی قلم اوپر کو گئی لہذا بی بی مریم کے وہی کفیل ہوئے۔ اور بی بی مریم کو محراب یعنی اوپر ایک کمرہ نما چبوترہ تھا اس میں رکھا گیا۔ جہاں تک سیڑھی کے ذریعے پہنچا جاتا تھا اور وہاں صرف حضرت زکریا علیہ السلام ہی جاتے تھے اور ہر دفعہ نکلتے وقت دروازہ بند کر کے آتے۔ لیکن جب بھی واپس جناب مریم کے حجرے کا دروازہ کھولتے حضرت مریم کے پاس عجیب وغریب قسم کے پھل دیکھ کر پوچھتے کہ اے مریم یہ کہاں سے لائی ہو۔ کیونکہ ایک تو پھل بے موسمے ہوتے۔ دوسرا کمرہ تالے بند تھا۔ میرے بغیر کون آ کر دے گیا تو بی بی باوجودیکہ بہت تھوڑی عمر کی تھی کہ اس عمر میں بچے عموماً نہیں بول سکتے۔ مگر آپ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اس عمر میں بھی فصیح کلام کرتیں اور فرماتی تھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔

اس آیت میں اولیاء کرام کی کرامت کا ثبوت ہے: صحابہ کرام سے پہلے بھی اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور ہوا اور بعد سے لیکر آج تک بزرگوں سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ کرامت اور معجزے کا انکار کوئی بدنصیب ہی کرے گا۔ اگرچہ کرامت سے بڑی چیز دین پر استقامت ہے۔ حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کرامت کوئی بڑی چیز نہیں کہ کسی کیلئے زمین لپیٹی گئی کہ وہ چند منٹوں میں مکہ شریف پہنچ گئے یا وہ کسی دور کے بلاد میں تھوڑے وقت میں پہنچ گئے بلکہ بڑی کرامت بری خصلتوں کو دور کرنا ہے اور نیک خصلتوں کا مالک ہونا ہے۔ (یعنی دین پر قائم رہنا ہے۔)

حکایت: بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی بڑا صاحب کرامت ہے کہ وہ پانی پر تیرتا ہے تو فرمایا کہ پانی پر تیرنا کرامت ہے تو پھر مچھلی بڑی کرامت والی ہے۔ پھر کسی نے کہا۔ فلاں آدمی ہوا پہ اڑتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہوا میں اڑنا یہ بھی کرامت ہے تو پھر پرندے بھی صاحب کرامات ہیں پھر کسی نے کہا کہ فلاں صاحب ایک دن میں مکہ سے ہو کر آ گئے۔ فرمایا پھر ابلیس کے متعلق کیا کہو گے جو ایک لحظہ میں پورروئے زمین کا چکر کاٹ لیتا ہے حالانکہ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقی طی ارض یہ ہے کہ دنیا کی لذتیں اس کی نظر میں ہیچ ہوں اور آخرت کی فکر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے ہو۔

فائدہ: یاد رہے۔ صرف معتزلہ فرقہ نے اولیاء کرام کی کرامات کا انکار کیا ہے۔ اور آج بھی ان کے پیروکار اور ان کے ہم نواء کرامات اولیاء کا انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمان کوئی ہیں تو وہ صرف ہم ہی ہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔ کرامات ومعجزات کا منکر اہل سنت سے نہیں ہوسکتا۔



هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً

اسی جگہ دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا میرے رب عطا کر مجھے اپنی طرف سے اولاد

طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ

پاک بے شک تو ہی سننے والا دعا کو۔ آواز دی اس کو فرشتوں نے اور وہ کھڑے

يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ

نماز پڑھتے تھے حجرے میں بے شک اللہ خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہے ایک کلمہ کی

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

جواللہ کی طرف سے ہے اور سردار اور بچنے والا اور نبی عبادت گذاروں سے

(آیت نمبر ۳۸) جس جگہ حضرت مریم تھیں۔ اسی جگہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کیونکہ آپ نے دیکھا کہ یہ بی بی تو بڑی مقبول بارگاہ الٰہی ہے اور ایسی با کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ بے موسم پھل بغیر کسی ذریعے کے انہیں دیتا ہے تو اسی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ میرے رب اگر موسم کے بغیر پھل دے سکتا ہے۔ تو اس بڑھاپے میں مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ، صالح اور پرہیز گار اولاد عطا فرما۔ (مسئلہ اولیاء کرام کی بارگاہ میں جا کر رب سے مانگنا جائز ہے۔ اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ قاضی) طیب اولاد وہ ہے جس کے افعال و اخلاق پاکیزہ ہوں آگے فرمایا بے شک تو دعا سننے والا ہے اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) فرشتوں سے مراد حضرت جبریل ہیں چونکہ وہ تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ اس لئے انہیں فرشتوں کی جماعت سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت حضرت زکریا نماز پڑھ رہے تھے کہ فرشتے نے آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی کہ آپ کو یحییٰ صاحبزادے کی خوشخبری ہو جو کہ ایک کلمہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اس لئے ان کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت یحییٰ ہیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ **معجزہ**: امام سدی فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت عیسیٰ کی والدہ سے ملیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ماں کے پیٹ میں ہی حضرت عیسیٰ کی طرف منہ کر کے ان کو سجدہ کیا۔ مصدقا بکلمة الله کا ایک معنی یہ بھی ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ

کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرا لڑکا حالانکہ تحقیق پہنچا مجھے بڑھاپا اور بیوی میری بانجھ ہے

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

فرمایا ایسے ہی اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) **ف**: حضرت یحیٰی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ عمر میں بڑے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر جانے سے پہلے ہی شہید ہو گئے اور ان کو سید اس لئے کہا گیا کہ وہ اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھتے تھے اور بزرگی میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا تھے اور یقیناً عام لوگوں سے افضل تھے اور حصور کا معنی ہے شہوات نفسانیہ سے محفوظ و معصوم تھے اور ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہوا بلکہ کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا۔

حکایت: ایک دفعہ لڑکوں نے کھیلنے کی طرف رغبت دلائی تو فرمایا کھیل کیا چیز ہے۔ ہم کھیل کیلئے تو پیدا نہیں ہوئے اور حصور اس کو بھی کہتے ہیں جو عورتوں سے دور رہے یعنی کسی عورت کی طرف کبھی نگاہ نہ اٹھائی اور ان کو صالح اس لئے کہا گیا کہ نیک ہو کر نیک لوگوں میں رہیں گے یا صلاح کے بلند مرتبے پر فائز ہونگے۔

(آیت نمبر ۴۰) چونکہ بشارت کے وقت بتایا گیا تھا کہ لڑکا ہوگا تو اس لئے کہا لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ چونکہ اس وقت عمر مبارک ۹۹ ننانوے سال تھی اور بیوی صاحبہ کی عمر بھی اٹھانویں سال تھی۔ جس عمر میں بچہ جننے کی صلاحیت نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایسے امور عجیبہ ہی تو دکھانا چاہتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے نشانی مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس بہت بڑی ملنے والی نعمت کا علم ہو جائے تاکہ نوافل وغیرہ پڑھے جائیں۔ تسبیحات اور تحمیدات زیادہ سے زیادہ کریں۔ **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی یوں دکھائی کہ جس طرح جناب مریم علیہا السلام کو بغیر موسم کے پھل عطا کئے اسی طرح جناب زکریا علیہ السلام کو بغیر موسم کے اولاد عطا فرمادی۔

اولاد نرینہ کیلئے وظیفہ: "رب لاتذرنی فردا وانت خیر الوارثین" یہ وظیفہ جناب زکریا علیہ السلام نے کیا تو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔ اب بھی اگر کوئی اس آیت کریمہ کا ورد کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم کرے گا۔ اور نیک اولاد عطا فرمائے گا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا

عرض کی اے رب بنا میرے لئے کوئی نشانی فرمایا تیری نشانی یہ کہ نہیں تو کلام کرے گا لوگوں سے تین دن تک مگر

رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

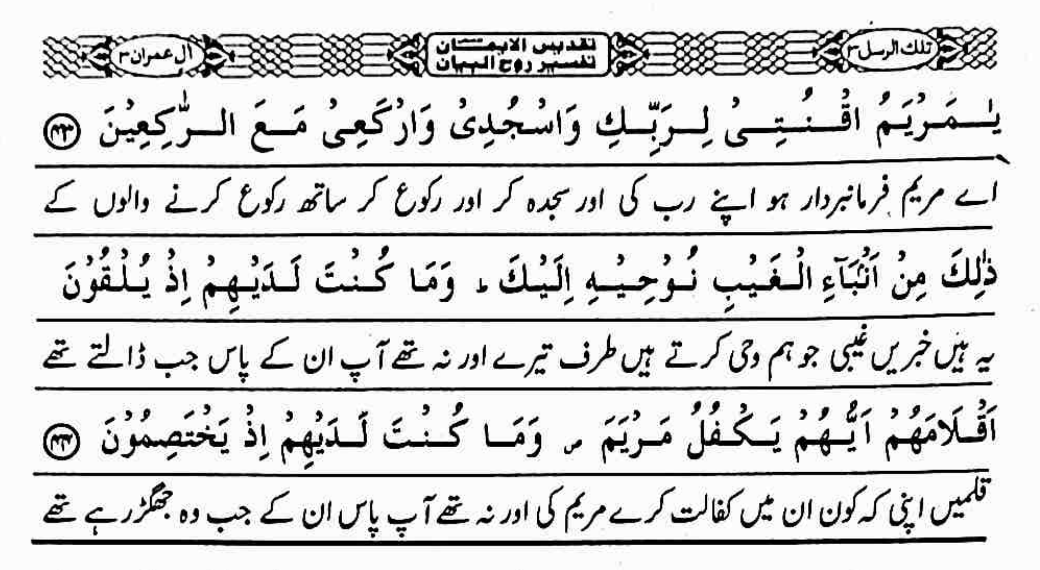
اشارہ سے یاد کر اپنے رب کو بہت زیادہ اور پاکی بیان کر شام اور صبح کو۔ اور جب کہا فرشتوں نے

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اے مریم بے شک اللہ نے چن لیا تجھے اور پاک کیا اور پسند کیا تجھے اوپر عورتوں تمام جہانوں کے

(آیت نمبر ۴۱) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے زکریا نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک کسی سے کلام نہیں کریں گے۔ **نکتہ**: ان دنوں میں دنیوی کلام سے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ذکر و شکر میں مشغول رہیں اور عطاء الٰہی پر ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلام پر قادر نہ رہے تھے۔ یہ بات ہوتی تو آپ ذکر الٰہی کیسے کرتے۔ صرف ذکر و شکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے لوگوں سے کلام وغیرہ نہ کی اور صبح و شام تسبیح کہنے کا بھی مطلب یہ ہے کہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہیں ایک اور نکتہ یہ بھی ہے کہ عارفین لوگ ابتداء میں خوب ذکر لسانی کرتے ہیں۔ جب ان کے قلوب نور الٰہی سے پر ہو جاتے ہیں۔ پھر زبانی ذکر کی کثرت سے دل جاری ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زیادہ خاموش رہتے ہیں۔ اس لئے عارفین کہتے ہیں کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے وہ بولنے سے گنگا بن جاتا ہے۔ اس لئے عقلمند کو چاہئے کہ وہ رات دن ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

(آیت نمبر ۴۲) یہاں بھی ملائکہ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ سورۂ مریم میں ہے کہ جبریل کو حضرت مریم کے پاس بشری لباس میں بھیجا گیا۔ بی بی مریم کا جبریل سے بالمشافہ گفتگو کرنا بھی ان کی کرامت ہے اور کرامات اولیاء کا حق ہونا علم عقائد کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ تو جبریل نے کہا کہ اللہ نے آپ کو قبول حسن کے ساتھ چن لیا کہ آپ کے سوا اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے نہیں چنا۔ اور بہشت سے کھانے آپ کو دیئے اور بھی بہت ساری کرامات عطا کیں اور طاہر بنایا یعنی کفر و معصیت اور افعال ذمیمہ سے اور عادات قبیحہ سے اور حیض و نفاس سے پاک کیا اور تمام عورتوں پر جہاں میں برگزیدہ بنایا اور بغیر خاوند کے ایک خوبصورت بیٹا عطا کیا۔ جو تجھ سے پہلے کسی عورت کو نہیں دیا گیا اور دونوں ماں بیٹے کو عالمین میں اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپنے میں ہی بولنے پر قدرت دی۔



يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم فرمانبردار ہو اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

یہ ہیں خبریں غیبی جو ہم وحی کرتے ہیں طرف تیرے اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب ڈالتے تھے

اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

قلمیں اپنی کہ کون ان میں کفالت کرے مریم کی اور نہ تھے آپ پاس ان کے جب وہ جھگڑ رہے تھے

(آیت نمبر ۴۳) اور فرمایا کہ اے مریم تو اپنے رب کی ہی فرمانبردار رہ اور اپنے اللہ کو راضی کرنے کیلئے نماز قائم کرو اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باقی لوگ نماز پڑھیں تم بھی اس وقت نماز پڑھو اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بی بی مریم کو نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اور ساتھ ہی نماز کے ارکان کی ادائیگی کو بھی صحیح طور سے ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہاں سجدے کا ذکر رکوع سے پہلے کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ ان کی شریعت میں نماز کی ترتیب اسی طرح ہوگی کہ سجدہ پہلے اور رکوع بعد میں ہوگا خشوع وخضوع میں بھی انتہائی مقام سجدہ ہے۔ اس بناء پر اسے مقدم بیان کیا گیا اور تیسری بات یہ ہے۔ راکعین کے ساتھ ارکعی کو مناسبت تھی اس لئے سجدے کا ذکر پہلے کر دیا۔ **فائدہ:** بی بی مریم کو جب نماز میں قیام اور رکوع اور سجدہ کا حکم ہوا تو پھر وہ اس قدر عبادت کرتیں کہ پاؤں ان کے سوج جاتے تھے

(آیت نمبر ۴۴) مذکورہ سب واقعات حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئے۔ اس لئے کہ مذکورہ واقعات آپ نے نہ کسی کتاب میں پڑھے نہ کسی سے سنے اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ واقعات حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے بہت پہلے رونما ہو چکے تھے تو اس سے مخالفین کے دعوے کی تردید کرنا مقصود تھی کہ جو کہتے تھے کہ حضور نبی نہیں۔ ان کو بتایا گیا کہ اگر وہ نبی نہیں تو انہیں یہ غیبی خبریں کہاں سے حاصل ہوئیں۔ حضور ﷺ کا غیبی خبریں دینا ہی تو آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ یہاں گویا اللہ تعالیٰ وحی کے منکروں سے فرمارہا ہے کہ میرے محبوب کے بتائے ہوئے یہ واقعات بالکل صحیح اور سچ ہیں اس لئے کہ انہیں ہم وحی کے ذریعے سب کچھ بتارہے ہیں تو پھر نبوت کا انکار کیوں کر رہے ہو یہ تمہاری گمراہی کا واضح ثبوت ہے کہ اتنے واضح اور روشن دلائل دیئے جانے کے باوجود نہیں مان رہے۔ اور یہی تمہاری حماقت پر بھی واضح دلیل ہے کہ ہمارا نبی

اس کے باوجود کہ جسمانی طور پر وہاں موجود نہ تھے کہ جب وہ متبرک قلمیں جن سے وہ تورات لکھتے تھے۔ دریا میں ڈال رہے تھے تا کہ حضرت مریم کا کفیل معلوم ہو تو یہ اس نبی کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ کہ وہ تمام غیبی واقعات کو صحیح طور پر بیان فرما رہے ہیں۔

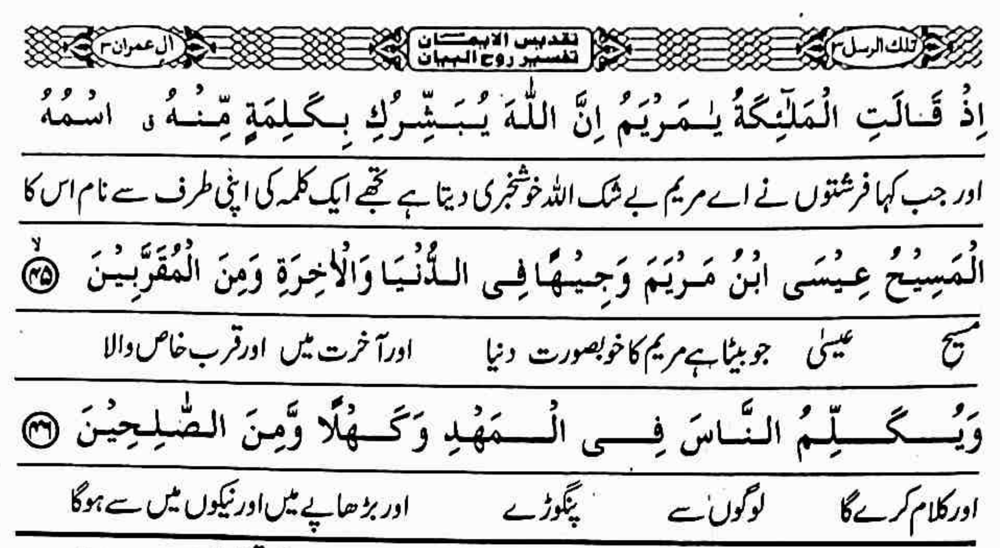
فضیلت مریم علیہا السلام:

قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا کی تمام عورتوں سے افضل مریم۔ پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ رضی اللہ عنہن۔ لیکن بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ تمام عورتوں میں فضیلت جناب فاطمہ کو حاصل ہے۔ جناب مریم کو ان کے زمانے کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ کیونکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں عام مردوں سے قدر و منزلت میں افضل ہیں اور یہ فضیلت اس وجہ سے ملی کہ انہیں جناب قدس تک رسائی حاصل ہے۔ اور یہ استعداد بھی من جانب اللہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

حکایت: ام محمد جو کہ شیخ ابو عبداللہ بن الخفیف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ رحمہما اللہ بہت بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ ان کے بیٹے ابو عبداللہ بھی بڑے نیک عابد و زاہد تھے۔ انہوں نے رمضان شریف کا آخری عشرہ مکمل عبادت کی کہ میں فضیلت لیلۃ القدر پالوں۔ اور وہ ہمیشہ گھر کی چھت پر عبادت کرتے تھے اور ان کی والدہ گھر کے اندر ہی اللہ تعالیٰ سے لو لگائے عبادت کرتی رہتیں۔ ایک رات ان کی والدہ کو لیلۃ القدر کے انوار نظر آئے اور بیٹے کو آواز دے کر کہا کہ بیٹا جس چیز کو تلاش کر رہا ہے۔ وہ یہاں ہے۔ ہمارے پاس آ کر دیکھ تو شیخ جب نیچے اماں جان کے پاس تشریف لائے اور انوار کا مشاہدہ کیا تو ماں کے قدموں میں گر گئے اور فرمایا کہ میں والدہ کی قدر و منزلت کو اس وقت جان گیا۔ جب میں نے ان انوار کا مشاہدہ کیا یہ فضل و شرف انہیں کثرت عبادت و ریاضت اور مجاہدے سے حاصل ہوا۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے افضل ہیں۔

اور ایک آج کی عورتیں ہیں۔ جن میں تقویٰ طہارت نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نشان دہی فرمائی ہے۔ کاسیات عاریات۔ کپڑے پہنے ہونگی پھر بھی ننگی ہونگی اور ممیلات یعنی بناؤ سنگار کر کے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں اور مائلات یعنی خود غیر مردوں کی طرف مائل ہونے والیاں اور جنہوں نے سر پر چوٹی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح بنائی ہوں گی "لایدخلن الجنة ولاتجدن ریحها" وہ نہ جنت میں جائیں گی اور نہ جنت کی ہوا بھی پائیں گی۔



(آیت نمبر ۴۵) یہاں بھی ملائکہ سے مراد جبریل امین ہیں۔ جمع کا صیغہ ان کی تعظیم کیلئے ہے۔ جبریل امین نے مائی صاحبہ کو خوشخبری سنائی ایک کلمہ کی جس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کو کلمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش اسی کلمہ (کن) سے ہوئی۔ ماں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں پہلے ہی بتادیا جائے کہ یہ بچہ بغیر باپ کے دنیا میں آرہا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ رب تعالیٰ کو معلوم تھا۔ کہ مرزا قادیانی عیسیٰ بننے کی کوشش کرے گا۔ تو اس سے ماں کے مریم نام نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹا ثابت کیا جائیگا۔ اور مسیح سے مراد شرافت اور بزرگی والا یا یہ مراد ہے۔ کہ جس بیمار یا اندھے پر مس کرتے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔ (مسح کے معنی چھونا اور مسیح کا معنی چھونے والا)

وجیہہ بمعنی خوبصورت چہرے والا۔ پرسنالٹی والا۔ مرتبے والا۔ قوت والا اور بزرگی والا ہے یہ تمام صفات آپ میں موجود تھیں دنیا میں بھی ان شانوں کے ساتھ امام بن کر رہے اور آخرت میں بھی انتہائی بلند مراتب پر فائز ہونگے اور شفاعت کریں گے اور مقربین سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر بلایا اور وہاں قیامت کے قریب تک فرشتوں کی صحبت سے نوازا۔ پھر قیامت کے قریب وہ آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔

(آیت نمبر ۴۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے دو اہم معجزے ارشاد فرمائے۔ پیدا ہوتے ہی کلام کرنا یہ ایک انکا بڑا معجزہ ہے نہ صرف یہ بلکہ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت بی بی مریم فرماتی ہیں کہ تنہائی میں جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا اس وقت بھی میرے ساتھ کلام کرتے بلکہ جب میرے پیٹ میں تھے۔ اس وقت بھی جب اللہ کی تسبیح پڑھتے تو وہ بھی میں اپنے کانوں سے سنتی تھی۔ پیدا ہونے کے بعد تو سب نے ان کی کلام سنی۔ اور بڑھاپے میں کلام کرنا اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ آسمانوں سے اتر کر بڑھاپے کی عمر پا کر پوری فصاحت سے گفتگو کریں گے اس میں مرزا قادیانی کا بھی رد ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ابھی آسمان سے اتریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ اس کے بعد شادی بھی کریں گے۔ پھر وہ بوڑھے ہوں گے پھر فوت ہوں گے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی قبر ہوگی۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

بولیں میرے رب کیسے ہوگا میرا لڑکا جبکہ نہ چھوا مجھے کسی انسان نے فرمایا اسی طرح اللہ

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾

پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ کرے کسی کام کا تو سوائے اس نہیں کہتا ہے اس کو ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾

اور سکھائے گا اس کو کتاب وحکمت اور توراۃ اور انجیل

(آیت نمبر ۴۷) بی بی مریم علیہا السلام کا پوچھنا کہ لڑکا کیسے ہوگا یہ انکار نہیں بلکہ استفسار ہے یعنی بطور تعجب کہا۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی بات عادت کے خلاف دیکھے یا سنے تو سوال خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ میرا کسی کے ساتھ نکاح ہونا تو درکنار کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ تو بچہ کیسے ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یا جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ جب چاہتا ہے تو وہ بغیر اسباب کے پیدا کر دیتا ہے۔ ہر کام اس کے ارادے پر موقوف ہے جب ارادہ کرے تو پھر صرف کلمہ کن کہتا ہے اس کلمہ کے کہتے ہی کام ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی تمثیلاً کہی کہ ہم سمجھ جائیں ورنہ اللہ کے بنانے میں کوئی دیر نہیں لگتی اور اسے کوئی چیز بنانے میں مواد وغیرہ اکٹھا کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ بغیر اسباب اور مواد کے بھی اشیاء بنانے پر قادر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب مریم علیہا السلام اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ آگے پردہ تھا کہ اچانک ایک آدمی خوبصورت سفید لباس میں ملبوس سامنے آ کھڑا ہوا اور وہ جبریل امین تھے جو حکم الٰہی سے بشری لباس میں تشریف لائے۔ جناب مریم دیکھ کر حیران و پریشان ہوگئیں اور فرمایا میں رحمٰن کے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خوف خدا رکھتا ہے تو مجھ سے دور ہو جا۔ جناب جبریل نے ان کی قمیص پر پھونک ماری۔ وہ پھونک رحم میں پہنچ گئی۔ جس سے جناب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی لئے انہیں روح اللہ کہا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب بذریعہ الہام و وحی کے سکھائی۔ اگرچہ جناب عیسیٰ علیہ السلام فن کتابت میں انتہائی ماہر تھے۔ اور حکمت سے مراد علوم عقلیہ شرعیہ اور تہذیب الاخلاق مراد ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان حق تعالیٰ کو خود بخود پہچانے اور ان کو تورات اور انجیل دونوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور وہ اس شان کے مالک تھے کہ وہ علوم ظاہر و باطنی پر بھی دسترس رکھتے تھے کہ لوگوں کو غیبی باتیں بتا دیتے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ

اور رسول طرف بنی اسرائیل (کہے گا) بے شک میں لایا تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

بے شک میں بناؤں گا تمہارے سامنے مٹی سے مثل شکل پرندے کی پھر پھونک ماروں گا اس میں تو ہو جائیگا

طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

اڑنے والا ساتھ حکم اللہ کے اور میں ٹھیک کرونگا اندھے اور برص والے کو اور میں زندہ کرونگا مردے ساتھ حکم اللہ کے

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور میں بتاؤں گا تمہیں جو تم کھاتے ہو اور جو جمع کر آتے ہو اپنے گھروں میں بے شک اس میں

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۴۹﴾

نشانی ہے تمہارے لئے اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر۴۹) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ **ف:** بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ آگے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے کہنے پر ایک پرندہ مٹی کا بناؤں گا۔ جس کی شکل بھی پرندوں کی اور اڑے گا بھی پرندوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ چونکہ لوگوں کا مطالبہ بھی ایسے پرندے کے متعلق تھا۔ جسے ہم چمگادڑ کہتے ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے بنا کر پھونک مارتے تو وہ اڑنے لگ جاتا۔ **فرق:** حضرت وہب فرماتے ہیں کہ وہ چمگادڑ جب تک لوگ دیکھتے اس وقت تک اڑتا جب نظروں سے غائب ہوتا تو گر کر مر جاتا یہ فرق ہے خالق کے بنانے اور مخلوق کے بنانے میں۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام میں اور بھی کئی کمالات تھے ان میں دوسرا یہ کہ فرمایا میں پیدائشی اندھے کو بھی بینا کرتا ہوں اور برص والے جس کے جسم میں سفید داغ ہوں ان دونوں کی لاعلاج بیماریوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ختم کر سکتا ہوں۔ ویسے تو ہر قسم کی بیماریوں کو ختم کرتے تھے۔ مگر ان دو بیماریوں کا نام اس لئے لیا کہ یہ اس وقت ایسی بیماریاں تھیں کہ ان سے بڑے بڑے حاذق اطباء بھی عاجز ہو گئے تھے۔ جالینوس جیسے ماہر حکیم کے پاس بھی اگر ان بیماریوں والا آتا تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجتا تھا۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اور تصدیق کرنے والا اس کی جو میرے سامنے ہے توراۃ اور تاکہ حلال کروں تمہاری لئے کچھ وہ جو حرام کی گئیں

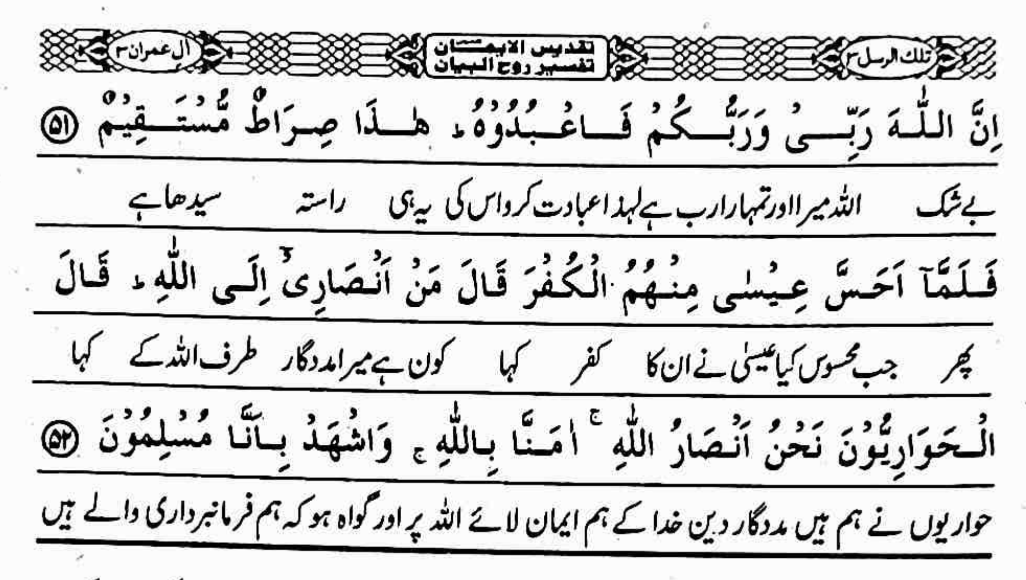
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اوپر تمہارے اور لایا تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے پس ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) مروی ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک دن میں اللہ کے حکم سے انچاس ہزار ایسے لاعلاج بیماروں کو شفایابی فرمائی۔ **کمال**: عیسوی کا چوتھا نمونہ یہ ہے کہ فرمایا میں اللہ کے حکم سے مردے بھی زندہ کرتا ہوں۔ جالینوس نے کہا کہ علاج بیمار کا ہوسکتا ہے۔ مردے کا نہیں اگر مردے زندہ کر سکتے ہیں تو پھر آپ یقیناً نبی ہیں۔ اور آپ کی دعا سے سینکڑوں مردے زندہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے چار ہزار برس سے بھی پہلے کے مرے ہوئے نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کو بھی زندہ کیا۔ پانچواں کمال یہ بتایا کہ جو چیز تم لوگ گھر سے کھا کر آؤ وہ بھی بتاؤں گا اور جو ذخیرہ کر کے چھوڑ آتے ہو وہ بھی تمہیں بتاؤں گا کہ تم کھانے کی چیز گھر میں کس جگہ رکھ کے آئے ہو۔ یہاں تک کہ بچوں کے مزے ہوگئے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کو بتلا دیتے۔ کہ تمہارے گھر میں فلاں مقام پر تمہاری کھانے کی اچھی چیز پڑی ہے تو وہ گھروں میں جا کر خود ہی اٹھاتے اور کھا لیتے تھے۔ ان کے والدین بڑے حیران ہوتے۔ کہ انہیں کیسے معلوم ہوا

حکایت: جب والدین کو پتہ چلا تو والدین نے تنگ ہو کر ایک دن تمام بچوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا تا کہ نہ بچے آپ کے پاس جائیں۔ نہ گھر سے چیزیں اٹھائیں۔ آپ نے دیکھا بچے نہیں آئے۔ آپ تلاش کرنے نکلے تو آپ نے ان کے والدین سے پوچھا آج بچے کدھر ہیں نظر نہیں آرہے۔ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں بچے قریبی ایک مکان میں بند تھے۔ اور ان کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپ نے پوچھا اس مکان میں کون ہے کہنے لگے یہاں خنزیر ہیں آپ نے فرمایا۔ اچھا وہی ہونگے جب مکان کا دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ خنزیر بن چکے تھے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمام خوارق عادات اور معجزات جناب عیسیٰ کی نبوت پر بہت بڑی نشانی ہے

(آیت نمبر ۵۰) یعنی اے بنی اسرائیلو میرے مبعوث ہونے میں تمہارے بہت سارے فائدے ہیں۔ میں تمہارے سابقہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اور تمہاری کتاب توراۃ کی بھی تصدیق کرتا ہوں اور تمہاری شریعت میں جو بعض چیزیں تم پر حرام تھیں ان کو بھی تمہارے لئے حلال کرونگا جیسے مچھلی یا اونٹ کا گوشت اور چربی جو آنتوں سے لگی ہے۔ اسی طرح کچھ اور جانور جو ان کے لئے حرام تھے۔ ان کو حلال کروں گا اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو جو باتیں تمہیں کہہ رہا ہوں ان باتوں میں میری اطاعت کرو۔



اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے لہذا عبادت کرو اس کی یہ ہی راستہ سیدھا ہے

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ

پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے ان کا کفر کہا کون ہے میرا مددگار طرف اللہ کے کہا

الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

حواریوں نے ہم ہیں مددگار دین خدا کے ہم ایمان لائے اللہ پر اور گواہ ہو کہ ہم فرمانبرداری والے ہیں

(آیت نمبر ۵۱) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرا اور تمہارا رب ایک ہے آؤ صرف اسی کی عبادت کریں اور شرک کر کے اس کی نافرمانی نہ کرو۔ سیدھا راستہ یہی ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔ لیکن اس راہ پر قائم رہنا کسی کامل کی نظر کے بغیر بہت مشکل ہے۔ مرشد کامل کی تربیت بندے کو انوار صفات الہیہ کے قابل بنا دیتی ہے لہذا سالک کیلئے واجب ہے کہ وہ کاملین کی خدمت میں سر کی بازی لگا دے اور طریق یقین پر ثابت قدم رہے۔ (کامل سے مراد قرآن و حدیث پر کامل اور تصوف میں درجہ کمال پر پہنچا ہو۔ دین میں پختہ ہو۔ جو خود بھی دین پر چلے اور لوگوں کو بھی دین پر چلائے۔ مال دنیا بٹورنے والا نہ ہو۔)

(آیت نمبر ۵۲) تو جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے کفر کا یقین ہو گیا کہ بنی اسرائیل بجائے ماننے کے وہ تو مجھے شہید کر کے کفر کر رہے ہیں یہاں کفر بمعنی ارادہ قتل ہے کیونکہ نبی کے قتل کا ارادہ کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مخلصین اور احباء کو مدد کی نیت سے پکارا کہ اب کون ہے میرا مددگار کہ جس کی مدد سے میں اللہ کی طرف متوجہ ہو سکوں۔ یا دین کے قائم کرنے میں میری کون مدد کرے گا تو حواری جن کی تعداد بارہ تھی۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معین و مددگار اور مخلص فی المحبت تھے۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ دھوبی تھے یا مچھلیاں پکڑنے والے یا کپڑے رنگنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی اسی کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے اور انہوں نے کہا کہ تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں یعنی اب ہم آپ کی مدد کریں گے اور قیامت کے دن آپ ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دے کر (ہماری مدد کر دینا) اس سے ان کا مقصد آخرت کی سعادت کرنا تھا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۵۳﴾

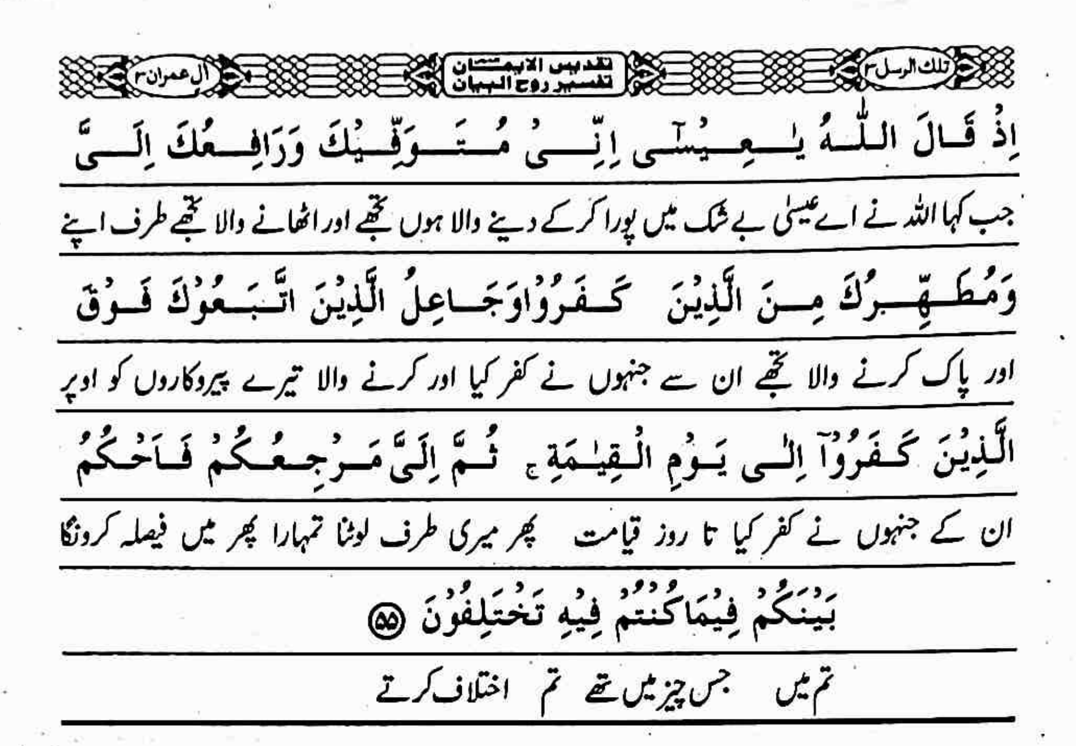
ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے اتارا اور ہم نے تابع داری کی رسول کی پس لکھ ہمیں ساتھ گواہوں کے

وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ﴿۵۴﴾

اور (کافروں نے) مکر کیا اور خفیہ تدبیر کی اللہ نے اور اللہ بہتر ہے خفیہ تدبیر کرنے والا

(آیت نمبر۵۳) یا اللہ ہمارا ایمان ہے اس پر جو آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتارا یعنی انجیل نازل فرمائی۔ گویا پہلے انہوں نے اپنے آپ کو رسول کے سامنے پیش کیا اور اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے کو پیش کیا۔ اس میں مبالغہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر مضبوط ہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم اپنے رسول کے سچے تابعدار ہیں اور وہ جو کتاب یا صحیفے ہماری طرف لائے ان پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ لہذا ہمیں ان کے ساتھ شامل کریں جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔ یا انبیاء کے ساتھ لکھ لیں جو تیرے تابعداروں کی گواہی دیتے ہیں یا محمد رسول ﷺ کی امت میں لکھ دیں کہ وہ سب لوگوں پر گواہ ہونگے۔

(آیت نمبر۵۴) ان یہودیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا مکر کیا کہ ایک شخص کو لالچ دیکر بھیجا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ سے ایسی جگہ لے آ کہ ہم آسانی سے ان کو قتل کر سکیں۔ ادھر انہوں نے قتل کرنے کا مکر سوچا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مکار کو سزا یہ دی کہ جو جناب عیسیٰ کو بلانے گیا اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بنا دی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہودیوں نے بلانے والے کو عیسیٰ سمجھ کر قتل کیا اور صولی چڑھا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر تھی جو غالب اور قوی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ جس کمرے کا دریچہ کھلا ہو۔ اس میں بیٹھیں تو جب وہ بدمعاش عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے ان کے گھر میں گھسا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو نورانی لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ آسمانوں پر چلے گئے اور یہ داخل ہونے والا بدمعاش مکان کے چاروں طرف گھوما لیکن جناب عیسیٰ اسے نہ ملے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنا دیا۔ جب باہر نکلا تو لوگوں نے پکڑ لیا بہتیرا اس نے شور کیا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ مگر اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے تو جب اسے سولی دے چکے۔ پھر خیال آیا کہ اگر یہ صولی والی وہ ہے جسے اندر بھیجا تھا تو عیسیٰ کدھر ہیں۔ اور اگر یہ واقعی عیسیٰ ہے تو وہ آدمی جسے اندر بھیجا تھا وہ کدھر ہے۔ یہ شبہ آج تک ان کے اندر سے نہیں نکلا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل کیا۔ نہ صولی دیا۔ لیکن انہیں شبہ ہوا۔ اور اب تک یہی شبہ ہے کہ جناب عیسیٰ قتل ہوئے یا نہیں۔ مرزے دجال کو معلوم نہیں کیسے معلوم ہوا۔ کہ وہ وفات پا گئے۔ اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔



اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ

جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بے شک میں پورا کر کے دینے والا ہوں تجھے اور اٹھانے والا تجھے طرف اپنے

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ

اور پاک کرنے والا تجھے ان سے جنہوں نے کفر کیا اور کرنے والا تیرے پیروکاروں کو اوپر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

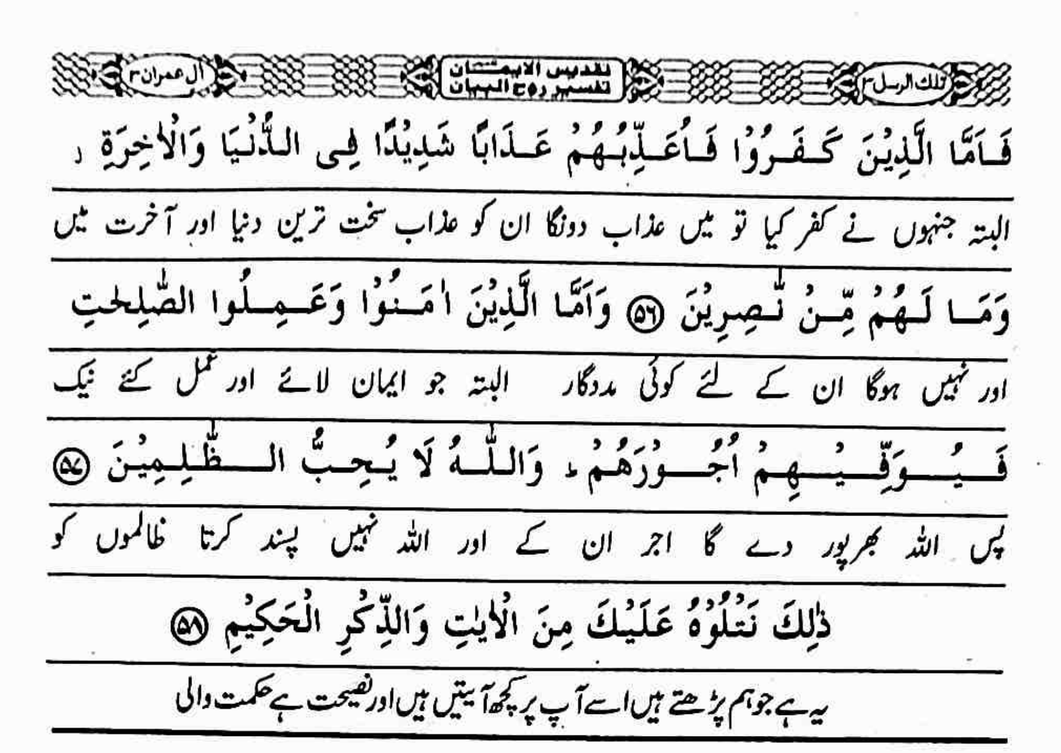
ان کے جنہوں نے کفر کیا تا روز قیامت پھر میری طرف لوٹنا تمہارا پھر میں فیصلہ کرونگا

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

تم میں جس چیز میں تھے تم اختلاف کرتے

(آیت نمبر ۵۵) اور یاد کریں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہاری عمر کو پورا کرنے والا ہوں جو میں نے تمہارے لئے لکھی ہے۔ (اگر چہ درمیانی وقت آسمانوں پر رہو گے لیکن پھر دوبارہ زمین پر آ کر باقی عمر پوری کرو گے) اور پھر تمہیں اپنی طرف برگزیدہ مقام کیطرف اعزاز کے ساتھ اٹھانے والا ہوں۔ اور تجھے پاک کرنے (بچانے والا) کافروں سے دور کرنے والا ہوں (ان کی گندی صحبت اور بری معاشرت سے)۔

اور آپ کے سچے تابعداروں کو تمام کافروں پر عزت اور مرتبہ میں بلندی دونگا اور یہ بلندی قیامت کے دن ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے اور کفار کو ختم فرمائیں گے اور ہر طرف مسلمانوں کا غلبہ ہوگا جب تمہارا لوٹ کر آنا میری طرف ہوگا تو پھر میں تمہارے اختلافات میں فیصلہ فرماؤں گا۔ یاد رہے جب جناب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اپنی نبوت کی حیثیت سے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ اس وقت اسلام کے سوا سب ادیان مٹ جائیں گے وہ تشریف لا کر دجال کو قتل کریں گے۔ عرب میں شادی بھی کریں گے اور ان کے بچے بھی پیدا ہونگے۔ اور مدینے شریف میں وفات پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونگے۔



فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ز

البتہ جنہوں نے کفر کیا تو میں عذاب دونگا ان کو عذاب سخت ترین دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور نہیں ہوگا ان کے لئے کوئی مددگار البتہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک

فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾

پس اللہ بھرپور دے گا اجر ان کے اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾

یہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں اسے آپ پر کچھ آیتیں ہیں اور نصیحت ہے حکمت والی

(آیت نمبر ۵۶) جو کافر ہیں ان کو تو دنیا میں سخت ترین عذاب دونگا حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کی تلوار سے اور طرح طرح کی بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا کر کے کہ جہاں انکا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو انہیں میرے کے عذاب سے چھڑا سکے۔

(آیت نمبر ۵۷) البتہ جو لوگ ایمان لائے یعنی آپ کے لائے ہوئے احکام کو مانا اور نیک اعمال کئے جو کہ اہل ایمان کا شیوہ ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یعنی ان کے اعمال کا اجر انہیں کامل طور پر دیا جائیگا۔ عذاب اور ثواب کی دو مختلف حیثیتیں ہیں جیسے جمال اور جلال ہیں۔ اسی طرح کفر و گناہ اختیار کرنے پر عذاب ہوگا۔ اور نیک اعمال اور تقویٰ حاصل کرنے پر ثواب اور جنت ملے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان سے بغض رکھتا ہے۔ (ظالم میں مشرک، کافر، منافق، فاسق اور فاجر سب آتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۵۸) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے جو حالات بیان کئے گئے۔ یہ ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس کو اسناد مجازی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ڈائرکٹ نہیں سنا رہے ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ جو وحی لانے پر مامور تھا۔ یعنی جبریل علیہ السلام ہی حضور ﷺ کے سامنے پڑھتے تھے چونکہ وہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آتے تھے تو جبریل علیہ السلام کا پڑھنا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی پڑھنا ہے۔ اس میں گویا جبریل علیہ السلام کی تعظیم بلیغ وتشریف عظیم مطلوب ہے۔ اور آیات سے مراد وہ علامات ہیں جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

تحقیق مثال عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے مثل مثال آدم کی پیدا کیا اسے مٹی سے پھر

قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

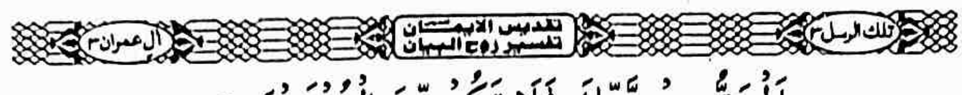
فرمایا اس کو ہوجا تو ہوگیا

اور یہ وہ معلومات ہیں کہ جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا اس کتاب کو جاننے والے کے اور کوئی نہیں جان سکتا یا وہ جان سکتا ہے جس پر یہ آیات اتریں اور یہ بات تو مسلّمہ ہے کہ حضور ﷺ نے سوا اللہ تعالیٰ کے نہ کسی سے لکھنا سیکھا اور نہ کسی کے پاس جا کر پڑھے اور پھر ایسی عظیم الشان غیبی خبریں دیتے ہیں اور عجیب وغریب کلام پڑھتے ہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ آیات وحی ربانی ہیں اور یہ ذکر ہے حکمت والے کا یعنی قرآن علوم الٰہی پر مشتمل ہے یا حکیم بمعنی محکم ہے۔ یعنی یہ قرآن کلام محفوظ ہے کہ اس میں کسی قسم کا خلل ونقصان کا کوئی شائبہ نہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مثال جو عجائب قدرت میں سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یا حکم میں حضرت آدم علیہ السلام کی حالت عجیبہ کی طرح ہے۔ یعنی نہ اس میں شا کی شک کر سکتا ہے اور نہ کوئی جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان (آدم) کو مٹی سے بنایا۔ اور اس مٹی کے خمیر سے آدم علیہ السلام کا جسم تیار ہوا اس لئے اس جسم کا نام آدم رکھا گیا جب اسے فرمایا کہ ہوجا۔ یعنی مٹی کے پتلے کو کہا تو انسان بن جا تو پھر وہ ہوگیا۔

شان نزول: اس آیت کا یہ ہے کہ نجران کا وفد جب مدینہ شریف میں آیا۔ یہ چودہ آدمی تھے۔ اعلیٰ لباس میں بڑی شان وشوکت اور کروفر کے ساتھ آئے اس وقت نماز عصر کا ٹائم تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں آتے ہی اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے فوراً اپنے نماز شروع کردی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں روکنا چاہا۔

لیکن حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا اس وفد کے آنے سے پہلے ہی سورۂ آل عمران کی آیات نازل ہو چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے آنے والے واقعہ سے پہلے ہی اپنے پیارے نبی کو مطلع فرما دیا تھا کہ اس قسم کے لوگ آکر آپ سے یہ سوال وجواب کریں گے تو جب یہ وفد اپنی نماز پڑھ کر حاضر ہوا۔ تو نبی پاک ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تم مسلمان ہوجاؤ تو انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔



اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

حق ہے تیرے رب کی طرف سے پس نہ ہو شک والوں میں سے

(بقیہ آیت نمبر۵۹) تمہیں اسلام سے تین چیزیں روکتی ہیں:

۱۔ صلیب کی عبادت

۲۔ خنزیر کا کھانا

۳۔ تمہارا خیال کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔

انہیں اس بات سے سخت غصہ آ گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور کلمہ ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں مریم کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ اس سے وہ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ بتائیں کہ بھلا کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا ہے جب ایسی بات نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی باپ ہے (معاذ اللہ) تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ کو باپ نہ ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہو تو آدم علیہ السلام کی تو ماں بھی نہیں تو پھر تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس آیت میں غریب کو اغرب سے تشبیہ دی۔ تا کہ مد مقابل کا ظن فاسد پوری طرح ختم ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لازم تو نہیں کہ جس کے باپ کا علم نہ ہو تو اس کا باپ اللہ ہی ہے۔

(آیت نمبر۶۰) یہ تمام واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ بالکل حق ہے اور تیرے رب کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس میں شک نہ کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا۔ کہ شک نہ کرو یا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ جن کو شک تھا۔ ورنہ حضور ﷺ کو تو قرآن میں کسی قسم کا شک نہیں تھا۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے میرے محبوب ﷺ آپ جس یقین پر ہیں۔ اسی پر مداومت فرمایئے یہ حق ہے یعنی عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو کچھ ہم نے بتایا وہی حق ہے۔ اور جو کچھ یہ پادری کہہ رہے ہیں وہ بالکل باطل ہے کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ یا ان کا کہنا کہ مریم نے خدا کو جنا۔ یہ ان کا عقیدہ باطل ہے لہٰذا آپ حق پر ہیں۔ اسی پر مطمئن رہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

پس جس نے جھگڑا کیا آپ سے اس بارے میں بعد اس کے جو آ گیا آپ کے پاس علم تو فرمادو آ ؤ

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کواور تم اپنے بیٹوں کواور ہم اپنی عورتوں اور تم اپنی عورتوں کواور ہم اپنی اور تم اپنی جانوں کو

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

پھر مباہلہ کریں پس ہم کریں لعنت اللہ کی اوپر جھوٹوں کے

(آیت نمبر ۶۱) یعنی نصاریٰ اگر اتنے دلائل کے بعد بھی آپ سے جھگڑا کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو دلائل قطعیہ آپ نے دیئے اور ان نصاریٰ نے سنے ہیں۔ پھر بھی وہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں تو اس میں اصل بات یہ ہے کہ انہیں ضلالت وگمراہی نے اندھا کردیا ہے۔ اگر وہ اپنی حجت بازی سے باز نہیں آتے تو اب آخری حربہ یہی ہے کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دیجئے اور ان کو کہو کہ آ جاؤ تم اپنے بیٹے لاؤ ہم اپنے بیٹے لاتے ہیں اور تم اپنی عورتیں لاؤ ہم اپنی عورتیں لاتے ہیں۔ ہم بھی آتے ہیں تم بھی آ جاؤ۔ پھر ہم مباہلہ کریں گے۔ یعنی کھلے میدان میں کھڑے ہو کر جھوٹے پر لعنت بھیجیں گے۔ کہ اے اللہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت ہو۔ چونکہ ان کے تمام شبہات کا مدلل جواب دیدیا گیا تھا۔ اور وہ کوئی بات نہیں مان رہے تھے۔ اب آخری فیصلہ یہی ہوا۔

مباہلہ سے فرار: روایت میں آتا ہے کہ کئی ماہ تک بحث مباحثہ جاری رہا۔ اور وہ کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ تو پھر وہ لوگ مباہلہ کیلئے بلائے گئے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں مہلت دیجئے تا کہ ہم آپس میں مشورہ کرلیں۔ تنہائی میں جب بیٹھے۔ تو ان کے بڑے پادری عبدالمسیح نے کہا۔ تمہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور یہ وہی احکام بتا رہے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے بتائے تھے اور یہ بات بھی تم جانتے ہو کہ مباہلہ میں جو گروہ جھوٹا ہو ان کے چھوٹے بڑے سب تباہ ہو جاتے ہیں۔ مباہلہ کرو گے تو صفحہ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔ بہتر یہ ہے کہ جھگڑا چھوڑ دو اور اپنے گھروں کو جاؤ۔ یہ مشورہ کر کے حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اور مباھلہ کرنے سے پھر گئے۔

نفوس قدسیہ کی مباہلہ میں شرکت: مباہلہ میں شرکت کیلئے حضور ﷺ نے کوئی بڑا لشکر تیار نہیں کیا۔ بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم تھے جب یہ حضرات مباہلہ کی طرف جارہے تھے تو حضور ﷺ فرمارہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا ادھر نصاریٰ وفد کے امیر ابو حارثہ نے ان نفوس کو دیکھ کر کہا کہ یہ سامنے جو نورانی چہروں والے تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو بھی جگہ سے ہٹنے کا حکم دیا تو وہ بھی ہٹ جائیگا۔ خبردار ان سے مباہلہ نہ کرنا۔ ورنہ مارے جاؤ گے تباہ و برباد ہو جاؤ گے پھر قیامت تک کوئی عیسائی زمین پر نہ ہوگا۔ پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آکر کہنے لگے کہ ہم مباہلہ نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں تمہارا دین مبارک ہمیں ہمارا دین۔ تو آپ نے فرمایا اگر مباہلہ نہیں کرتے تو دو ہی صورتیں ہیں۔ یا مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں مسلمانوں کے حقوق ملیں گے یا جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ کہنے لگے مسلمان تو اس لئے نہیں ہوتے کہ ہمارے نصیب ہی سڑے ہوئے ہیں اور جنگ کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ البتہ ہم جزیہ کے طور پر سالانہ دو ہزار حلے پیش کریں گے اور تیس ذرہیں جو خالص لوہے کی ہونگی۔ آپ نے قبول فرمالیا اور اس پر تحریر ثبت ہوئی۔

حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی۔ تباہی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ اگر مباہلہ کرتے تو ایک سال کے اندر تمام عیسائیت کا ستیاناس ہو جاتا اور ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔

نوٹ: یاد رہے۔ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ جیسا کہ نص قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ مباہلہ کے وقت سوائے فاطمۃ الزہراء کے اور کوئی بھی زندہ نہ تھی۔ اس لئے صرف بی بی فاطمۃ الزہراء کو ہی ساتھ لے کر گئے۔ اور انفس سے مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اور اگر حضرت علی المرتضیٰ بھی لئے جائیں جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے۔ تو اس سے آپ کی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوتی۔ قرآن میں متعدد مقامات پر انفس اپنے قومی بھائی پر استعمال ہوا۔ جیسے تقتلون انفسکم پہلے پارے میں آیا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ

بے شک یہ وہ بیان ہے جو سچا ہے اور نہیں کوئی خدا مگر اللہ ہی اور بے شک اللہ ہی ہے جو

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

غالب حکمت والا ہے۔ پھر بھی اگر وہ پھر گئے تو بے شک اللہ جانتا ہے فسادیوں کو

(آیت نمبر ۶۲) جب نصاریٰ مباحثہ میں ہارے اور مباہلہ سے بھاگ گئے۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ بے شک جناب عیسیٰ اور ان کی والدہ کا قصہ برحق ہے اس میں کوئی بات جھوٹی یا منگھڑت نہیں ہے اور ثابت ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اس کی کوئی اولاد نہیں اللہ ہی غالب ہے یعنی جمیع مقدورات پر قادر اور اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ اس کی قدرت میں کوئی شریک نہیں اور تمام کام اس کی حکمت کے تحت ہیں۔

(آیت نمبر ۶۳) اب بھی اگر وہ توحید کو قبول کرنے اور حق ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ دلائل قاہرہ اور واضح براہین دیکھ چکے تو پھر ان سے فیصلہ کن بات کیجئے اور پھر معاملہ اللہ کے سپرد کریں وہ خود ہی ان فسادیوں سے نمٹ لے گا۔ کیونکہ وہ ان کو اچھی طرح جانتا ہے اور ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فائدہ: انبیاء کرام کے نفوس قدسیہ کا روح القدس سے ایسا تعلق ہوتا ہے اور ایسی تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی تاثیرات دنیا میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جیسے نصاریٰ نجران دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ سامنے سے آنے والے نفوس قدسیہ کے لب ہلنے کی دیر ہے۔ ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہی حال اولیاء کرام کا بھی ہے۔ ان کی بددعا کا اثر بھی دنیا میں ضرور پڑتا ہے۔ اس لئے عقلمند پر لازم ہے کہ اولیاء کی بے ادبی و گستاخی سے بچیں۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ ہمیشہ انبیاء اور اولیاء کے بے ادبوں کا بیڑا غرق ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد فرمائی۔

اب مناظرہ اور مجادلہ سے ہٹ کر ان سے دوسرے طریقے پر گفتگو کی جا رہی ہے۔ جس کو سننے کے بعد عقل سلیم والے کو انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہ ہے کلمہ توحید پر اکٹھے ہونا۔ کیونکہ یہ کلمہ یہودی بھی پڑھتے۔ یہی کلمہ عیسائی بھی پڑھتے تھے۔ اور مسلمان بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ مسلمان اس کلمہ پر قائم ہیں اور یہود و نصاریٰ اس پر قائم نہیں رہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اگر وہ اس کلمہ پر قائم نہیں رہتے اور وہ اپنا منہ اس سے موڑ لیتے ہیں۔ تو جان لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو جانتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا

فرمادو اے اہل کتاب آ ؤ طرف اس کلمہ کے جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہ نہ

نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا

ہم پوجیں مگر اللہ کو اور نہ ہم شریک کریں اس کا کسی کو اور نہ بنائے ہم میں کوئی کسی کو اپنا رب

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

سوائے اللہ تعالیٰ کے پس اگر پھر گئے تو تم کہو کہ تم گواہ رہو کہ بے شک ہم مسلمان ہیں

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ

اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اور نہیں اتاری گئی توراۃ

وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

اورانجیل مگر بعدان کے کیاپس نہیں تم سمجھتے

(آیت نمبر ۶۴) آؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ اس کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ کلمہ تم بھی پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کے مسلک کی ترجیح کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کو پوجیں اور کسی کی بھی عبادت نہ کریں اور استحقاق عبادت میں اس کا کسی کو بھی شریک نہ بنائیں اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور کو رب مانیں اور نہ اس کی اولاد مان کر اس کی پوجا کریں۔ جیسے عزیر یا حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہا گیا۔ لیکن وہ اس کو بھی نہ مانے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم گواہ رہو اور ان سے صاف کہہ دو۔ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے حجۃ قائم کرنی تھی وہ کر دی۔ روایت میں آتا ہے کہ اسی مضمون کے ساتھ نبی پاک ﷺ نے ہرقل شاہ روم کو بھی ایک خط بھیجا کہ میں اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جا۔ سلامتی پائے گا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہرقل نے فرستادہ سے حضور ﷺ کے متعلق حالات پوچھے۔ جب اس نے تعارف کرایا تو کہنے لگا۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے قدم چومتا۔ اس لئے کہ یہ اوصاف ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ لیکن وہ بدنصیب ایمان نہ لایا۔ صرف اس وجہ سے کہ اسے بادشاہی چھن جانے کا خطرہ تھا۔

(آیت نمبر ۶۵) پھر یہود و نصاریٰ کو جھنجھوڑا کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا

تم وہی ہو جھگڑا کیا تم نے اس میں جس کا تمہیں علم تھا تو کیوں جھگڑتے ہو اس میں

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ

کہ نہیں تمہیں اس کا علم اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے نہیں تھے

اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ

ابراہیم یہودی اور نہ عیسائی لیکن تھے ان سے جدا فرمانبردار اور نہیں تھے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

شرک کرنے والوں میں سے

(بقیہ آیت نمبر ۶۵) چونکہ ان میں ہر ایک کا دعوی تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے یہاں تک کہ یہی جھگڑا لے کر ہمارے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا کہ توراۃ اور انجیل تو نازل ہی ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئیں۔ یہودیت اور نصرانیت نام ہی حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد رکھے گئے۔ تو وہ کیسے یہودی یا عیسائی ہوئے۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تمہارا مذہب ہی باطل ہے۔ یاد رہے حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فرق ہے۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے تھے۔ اور کسی کو نہ خدا مانتے نہ خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ اور تم حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو۔ تمہارا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا واسطہ۔ یعنی کسی لحاظ سے بھی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تمہارا تعلق نہیں بنتا کہ وہ تمہارے انبیاء سے بھی ہزاروں سال پہلے گذر گئے۔ انہوں نے کوئی شرک نہیں کیا اور تم مشرک ہو۔

(آیت نمبر ۶۶) تم انتہائی درجے کے بے وقوف ہو تم اتنی بات کرو جتنا تمہیں علم ہے۔ یعنی تورات وانجیل میں ابراہیم علیہ السلام یا حضور ﷺ کے بارے میں جو لکھا ہے اتنی ہی بات کرو اور جو بات تمہارے علم میں ہی نہیں ہے اس میں کیوں جھگڑا کرتے ہو یہ جن باتوں میں تم جھگڑ رہے ہو انہیں اللہ ہی جانتا ہے اور تمہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں۔

(آیت نمبر ۶۷) جان لو ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے۔ نہ نصرانی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے ہو چکے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

بے شک قریب تر لوگوں میں ابراہیم کے وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی پاک اور جو ایمان لائے

وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اور اللہ دوست ہے مومنوں کا۔ دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب کا

لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾

کاش وہ گمراہ کریں تم کو۔ اور نہیں وہ گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ سمجھتے

(بقیہ آیت نمبر ۶۷) اور یہود و نصاریٰ تو بہت بعد آئے۔ (یہ ان کی تردید پر برہان قوی ہے)۔ ابراہیم علیہ السلام ان غلط عقائد سے بالکل الگ تھے اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے اور وہ شرک بھی نہیں کرتے تھے۔ اور یہودی و نصاریٰ تو مشرک تھے۔ لہٰذا یہ دعویٰ غلط ہے۔ کہ وہ دین ابراہیم پر ہیں۔ اس بات کی بھی اس آیت میں تردید کر دی گئی۔

(آیت نمبر ۶۸) بے شک ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب تو صرف وہ لوگ ہیں جو ان کے دین پر ہیں اور جنہوں نے ظاہر زندگی میں ان کی پیروی کی۔ خاص کر یہ نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کی صحیح اور سچی تابعداری کرتے ہیں اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ان کے طریقے پر چلتے ہیں۔ یہ لوگ اصل میں ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے مومنوں کا مددگار ہے۔ اور وہ ان کے نیک اعمال کا انہیں اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

(آیت نمبر ۶۹) اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ کسی طرح دین اسلام سے مسلمانوں کو پھرا کر کفر کیطرف لے جائیں تاکہ انہیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیں۔ لیکن انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ اس قسم کے حربے سے وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دین اسلام پر مضبوط رہیں اور ان کے چکر میں نہ آئیں۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے والوں پر اس کا وبال لوٹے گا اور اس بات کو وہ نہیں سمجھ رہے کہ کتنا بڑا وبال اور عذاب ان پر پڑنے والا ہے۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے اور دین حقہ سے وابستہ رہے۔ اس لئے کہ دین سے دوری گمراہی ہے۔ اور دین پر استقامت میں مسلمان کو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

حضور ﷺ کی آخری وصیت:

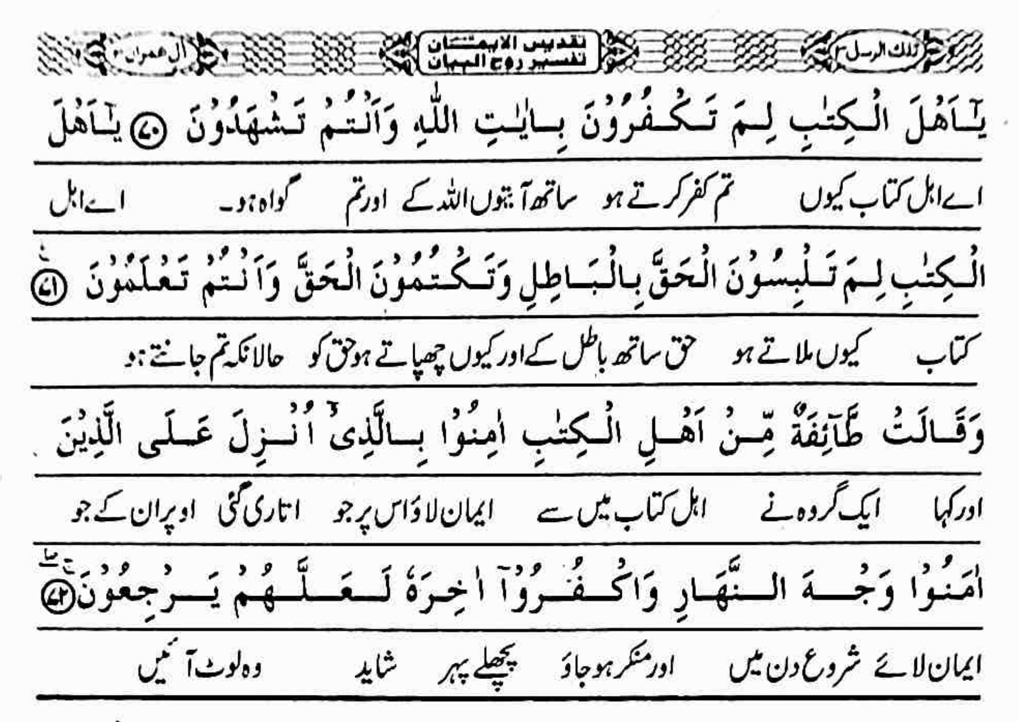
جب حضور ﷺ کے وصال کا وقت آیا تو صحابہ آپ کے پاس اکٹھے ہوکر رونے لگے اور عرض کی یارسول اللہ جب آپ دنیا سے پردہ فرمائیں گے تو ہم کدھر جائیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں واضح دلیل پر چھوڑ رہا ہوں یعنی واضح، کھلا اور روشن راستہ ہے اس پر چلنے والا کامیاب اور اسے چھوڑنے والا ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ میں تم میں دو نصیحت کرنے والے چھوڑ رہا ہوں: (۱) ناطق۔ (۲) صامت۔ ناطق قرآن ہے اور صامت موت ہے (احیاء العلوم امام غزالی) اور جب کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرو اور دلوں پر سیاہی آنے لگے تو موت کو یاد کرو جو دلوں کو نرم کرے اور ایک حدیث میں فرمایا کہ دل کو تلاوت قرآن اور لذتیں ختم کرنے والی، موت کو کثرت سے یاد کرکے منور کرو۔ اور مردوں کے حالات پڑھ کر اور سن کر اپنے آپ کو درست کرو (درۃ الناصحین)۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد اس قدر پختہ تھے اور یقین اتنے محکم تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کے یقین کو متزلزل نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں تاکیداً فرمایا۔ کہ قرآن کو نہ چھوڑنا۔

مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے کہ میرے سامنے سے سب پردے ہٹ جائیں۔ تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یعنی میرا ایمان اس قدر مضبوط ہے۔ خواہ وہ غیبی طور پر ہو یا بالمشافہ۔ میری نظر میں دونوں برابر ہیں۔ ایسے لوگ حق الیقین کے درجے پر فائز ہیں۔

لوگوں کے عقائد میں ضعف پایا جاتا ہے۔ ان میں اتنی زیادہ پختگی نہیں ہوتی۔ خواہشات کی ہوائیں، جدھر چاہیں انہیں لے جاتی ہیں اور پھر عنایات ازلیہ بھی ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتیں۔ جو دین کے معاملے میں ڈانواڈول ہوں۔ لہٰذا شکوک وشبہات سے نکل کر دین حقہ پر قائم ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح مختلف ہیں۔ (ریاض الصالحین) یعنی لوگ اعمال واخلاق میں اور اقوال میں گنجینہ ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں مختلف ہیں اسی طرح لوگ بھی مختلف درجات کے ہوتے ہیں۔

دانا کا قول: ترجمہ: ایک دانا نے کیا خوب بات کی وہ کہتا ہے۔ کہ محنت کے حساب سے بلند مراتب ملتے ہیں جو شخص بلند مراتب چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگے۔ لیکن تو ایک طرف تو عزت ومرتبہ بھی چاہتا ہے اور دوسری طرف تو میٹھی نیند سویا ہوا بھی ہے جو موتی چاہتا ہے وہ دریاؤں میں غوطے لگاتا ہے۔



يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ

اے اہل کتاب کیوں تم کفر کرتے ہو ساتھ آیتوں اللہ کے اور تم گواہ ہو۔ اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

کتاب کیوں ملاتے ہو حق ساتھ باطل کے اور کیوں چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ

اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے ایمان لاؤ اس پر جو اتاری گئی اوپر ان کے جو

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ایمان لائے شروع دن میں اور منکر ہو جاؤ پچھلے پہر شاید وہ لوٹ آئیں

(آیت نمبر ۷۰) تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے کیوں منکر ہو۔ حالانکہ ان آیات کی گواہی تو توراۃ اور انجیل میں موجود ہے۔ جو حضور ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس بات کے تو تم خود بھی گواہ ہو کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اس نبی اور اس قرآن کی تمام صفات تمہاری کتابوں میں موجود ہیں۔

(آیت نمبر ۷۱) اے اہل کتاب تم حق اور باطل کو کیوں مکس کر رہے ہو۔ یہاں حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ اور جناب عیسیٰ علیہما السلام پر اتریں اور باطل سے مراد ان یہود و نصاریٰ کی ملاوٹ اور تحریف کردہ باتیں ہیں جو انہوں نے خود غرضی سے اور (مال کی لالچ میں) کتابوں میں ملا دیں۔ اور ملاوٹ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حق کو باطل کے رنگ میں پیش کیا اور باطل کو حق ظاہر کر کے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور حق چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفات اور نعتوں کو چھپایا تا کہ لوگ مسلمان نہ ہو جائیں اور یہ باتیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل کر لوگوں کو بتانا۔ اور جھوٹ سچ کو ملا کر لوگوں کو بتانا۔ یہ کفر ہے لیکن ان کا یہ مشغلہ تھا۔

(آیت نمبر ۷۲) اہل کتاب کے سرغنوں اور لیڈروں نے چھوٹے درجے کے لوگوں سے کہا کہ مسلمانوں کی کتاب پر شروع دن میں اوپر اوپر سے ایمان کا اظہار کرو اور اس کے آخری حصہ یعنی پچھلے پہر اس عقیدے کا انکار کر دو۔ اور لوگوں کو یہ احساس دلاؤ کہ ہم نے اس عقیدے میں غور و خوض کیا لیکن اس کے اندر تو ہمیں بہت خامیاں نظر آئیں۔ معاذ اللہ تا کہ مسلمان متزلزل ہوں جائیں۔ اور دین اسلام کو چھوڑ دیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ

اور نہ مانو مگر اس کی جو تابع ہو تمہارے دین کا فرمادو بے شک ہدایت ہدایت اللہ کی یہ کہ

يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

دیا جائے کوئی مثل اس کی جو دیئے گئے تم یا جھگڑا کریں تم سے نزدیک تمہارے رب کے فرمادو بے شک

الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

فضل تو دست قدرت میں ہے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۷۲) اس لئے ہم اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آئے یہ خباثت اس لئے کی تا کہ مسلمان بھی اپنا دین چھوڑ کر یہودیت کی طرف لوٹ آئیں۔ یہ حکم دینے والا یہود کا سرغنہ کعب بن اشرف اور مالک بن صیف تھا۔ ان ہی دنوں میں قبلہ تبدیل ہوا۔ تو یہودیوں نے اپنے چیلوں سے کہا کہ تم مسلمانوں کے پاس جا کر صبح کے وقت مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور شام کے وقت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگ جاؤ تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ جب یہ اہل کتاب جو اہل علم بھی ہیں یہ کعبہ سے پھر کر منحرف ہو گئے۔ تو ضرور اس مذہب میں کوئی کمزوری ہے چلو ہم بھی پھر جاتے ہیں۔ اس تدبیر سے شاید اہل اسلام بھی دھوکہ میں آ جائیں۔ (لیکن یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے) ان کے اس چکر میں بھی کوئی مسلمان نہیں آیا۔

(آیت نمبر ۷۳) یعنی دل سے کسی کو بھی نہ ماننا سوائے اس کے جو تمہارے دین پر ہے۔ یعنی ان کے لیڈروں نے انہیں پوری طرح سمجھا کر بھیجا کہ مسلمانوں کے طریق پر چلنے والا معاملہ صرف ظاہر تک محدود رہے۔ قلبی طور پر انہیں ہرگز نہ ماننا اور یہ بات بھی ہمارے تمہارے درمیان راز میں رہے۔ مسلمانوں کو نہ بتانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب آپ ان لیڈروں سے کہہ دیں کہ بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے جب ہدایت اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اے لیڈرو تمہارا یہ مکر و فریب مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور تمہارا یہ کہنا بھی غلط ہے اور دھوکہ ہے کہ جو تم دیئے گئے وہی کوئی دیا جائے تو تم اسے مانو۔ یہ سب تمہارا مکر و فریب حسد کی بناء پر ہے یا وہ تم پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے رب کے ہاں تا کہ قیامت کے دن وہ حجت قائم کر کے تم پر غالب آ جائیں۔ یعنی اس مکر و چکر کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ کہ ہم نے یہ فراڈ سوچا ہے۔ تا کہ قیامت کے دن ہمیں پکڑوا نہ دیں۔ کہ دنیا میں تم نے مسلمانوں کے خلاف اور اسلام کے خلاف کیا کیا مکر کئے۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

مخصوص کرتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے جسے چاہے اور اللہ فضل بڑے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) اس لئے محبوب آپ ان کو بتا دیں کہ فضل الٰہی یعنی ہدایت کی توفیق اور علم و کتاب کی عطا اللہ کی قدرت اور مشیت میں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے ہدایت اور علم عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کامل قدرت والا ہے۔ اپنی کمال قدرت سے جس پر چاہے فضل کر دے اور اپنے کمال علم سے نواز دے اس کے تمام کام مبنی بر حکمت ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۴) اور جس کیلئے چاہے وہ اسے اپنی رحمت کیلئے مخصوص فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

حسد کی برائی: مذکورہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے حسد اور بغض کو واضح فرمایا۔ اگرچہ حسد ہر انسان میں کچھ نہ کچھ ہے۔ مگر یہودیوں میں بہت زیادہ تھا۔ آج کل کے علماء اور پیروں میں بھی یہ مرض بہت زیادہ ہے جو علم پڑھ کر دوسروں کے خلاف شیخیاں بگھارتے ہیں تاکہ لوگ انہیں ہی سلام کریں اور دوسروں کے متعلق جو بات خلاف توقع سنتے ہیں۔ اسے خوب اچھالتے ہیں تاکہ عوام میں وہ گر جائے اور اس کا مرتبہ ظاہر ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ (اور ہر دربار پر پیروں میں لڑائی آئے روز مریدوں میں ہاتھا پائی کے پیچھے حسد ہی ہے۔)

چھ قسم کے لوگ جھنم میں: حضور ﷺ نے فرمایا کہ چھ قسم کے افراد چھ باتوں کی وجہ جہنم میں جائیں گے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو فرمایا:

۱۔ امراء ظلم و ستم کی وجہ سے ۲۔ عرب لوگ تعصب کی وجہ سے۔
۳۔ دیہاتی تکبر کی وجہ سے۔ ۴۔ تاجر خیانت کرنے کی وجہ سے۔
۵۔ جاہل جہالت کی وجہ سے۔ ۶۔ اہل علم حسد کی وجہ سے۔ (مصابیح)

اور ایک حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تین چیزیں ہر گناہ کی جڑیں ہیں: لہٰذا

۱۔ اپنے آپ کو تکبر سے بچاؤ کہ اس تکبر نے ابلیس کو آدم کے آگے جھکنے سے محروم کیا۔
۲۔ اور اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ کہ آدم علیہ السلام کو دانے کی حرص نے جنت سے نکالا اور زمین پر پہنچا۔
۳۔ اور اپنے کو حسد سے بھی دور رکھنا کہ اس حسد کی وجہ سے ہی آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کیا۔ (قرآن مجید)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ

اور اہل کتاب میں سے وہ بھی ہے جس کے پاس اگر تو امانت رکھے ڈھیر تو بھی ادا کرے گا تجھے

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا

اور ان میں وہ بھی ہے جس کے پاس تو امانت رکھے ایک دینار بھی تو نہ دے موڑ کر تجھے مگر

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

جب تو ہمیشہ رہے اس پر کھڑا یہ اس لئے کہ بے شک وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم پر

فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ان پڑھوں کے معاملے میں کوئی پکڑ اور کہتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۷۴) اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی دیکھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ میں نے پوچھا کہ تو نے اتنی لمبی عمر کیسے پائی تو اس نے کہا میں نے کبھی کسی پر حسد نہیں کیا۔ یہ اس کی برکت ہے۔ بہر حال حسد بہت ہی بری چیز ہے۔ ذکر الٰہی کی کثرت سے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے سے یہ بیماری دور ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے اخلاق سے مزین فرمائے اور اخلاق رذیلہ سے بچائے۔ آمین

(آیت نمبر ۷۵) ان اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں کہ ان کے پاس اگر کوئی امانت کے طور پر زر کثیر بھی رکھے تو بغیر انکار کے اور بغیر کمی کئے کے وہ واپس ادا کر دیتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قریشی نے ایک ہزار (درھم یا دینار) اور دو سو اوقیہ سونا امانت رکھا۔ تو اس کے مطالبہ پر انہوں نے فوراً ادا کر دیا اور ان میں سے وہ بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار بھی بطور امانت رکھا جائے۔ (مراد کم سے کم چیز) تو وہ بھی تمہیں واپس نہیں دیگا اس سے یہودیوں کا بڑا مولوی مراد ہے کہ اس کے پاس ایک آدمی نے ایک دینار رکھا تو اس نے وہ امانت عند الطلب واپس نہ کی بلکہ سرے سے منکر ہی ہو گیا۔ (یہ بیماری آج مسلمانوں میں بھی آ گئی ہے۔ الا ما شاء اللہ)

یاد رہے امانت کی ادائیگی صرف ان اہل کتاب نے کی جو مسلمان ہوئے۔ باقی اہل کتاب امانتوں کو ہڑپ کرنے والے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کی کہ وہ امانت واپس کبھی نہیں کریں گے ہاں یہ ہے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو اور مطالبہ کرتے رہو۔ (وہ کہتے ہیں۔ رام رام جپنا پرایا مال اپنا)۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ہاں جس نے پورا کیا وعدہ اپنا اور پرہیزگار ہوا پس بے شک اللہ پیار کرتا ہے پرہیزگاروں سے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ

بے شک وہ جو خریدتے ہیں بدلے وعدہ خداوندی اور اپنی قسموں کے قیمت تھوڑی وہی ہیں کہ نہیں کوئی حصہ

لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا

ان کا آخرت میں اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ نہ نظر رحمت کرے گا ان کی طرف بروز قیامت اور نہ

يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

پاک کریگا ان کو اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کر لینے پر ہمیں کوئی پکڑ وغیرہ نہیں ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ان کا جھوٹا بہتان ہے جو وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا حکم ہے کہ تم امانت میں خیانت کرو یا کسی کا بھی مال کھاؤ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اور وہ جانتے بھی ہیں۔ کہ وہ جھوٹے ہیں اور وہ جھوٹا بہتان اللہ پر لگا رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۶) ہاں جو اللہ کے وعدے کو پورا کرے امانت ادا کرے اور شرک اور خیانت سے ڈرتا رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی متقی صرف وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے یہ وعدہ پورا کیا کہ جناب محمد رسول اللہ پر ایمان لے آئے اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا۔ اس لئے عقل مند پر ضروری ہے کہ دکھ ہو یا سکھ خوشی ہو یا غمی ہر حال میں وعدہ پورا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اور جب وہ وعدہ کر لیں تو اس کی پوری محافظت کرتے۔

(آیت نمبر ۷۷) بے شک جو لوگ خریدتے ہیں۔ اللہ کے عہد کے بدلے دنیا کا مال۔ یعنی جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کریں گے اور جو انہوں نے قسمیں کھائیں۔ ان کو پورا کریں گے لیکن انہوں نے مال دنیا کے بدلے میں ان کو بیچ دیا۔ ان کے عوض دنیا کے ٹکے لے لئے۔ ان لوگوں کا آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب مراد ہے۔ (اللہ بچائے) اور نہ ہی ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اس سے مراد ان کی ذلت اور رسوائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا یا دیکھے گا۔ تو غضب کے ساتھ نہ کہ رحمت کے ساتھ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا جو وہ دنیا میں کفر و شرک وغیرہ کرتے رہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اور بے شک ان سے ایک گروہ موڑتا ہے اپنی زبانوں کو ساتھ کتاب کے تا کہ تم سمجھو اس کو کتاب سے

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

حالانکہ نہیں وہ کتاب میں سے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ من جانب اللہ ہے حالانکہ نہیں وہ اللہ کی جانب سے

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾

اور کہتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس میں چار چیزیں پائی جائیں۔ وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک پائی جائے۔ اس میں نفاق کا اتنا حصہ پایا گیا: (۱) اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ (۲) بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (۳) وعدہ کرے تو وعدہ ایفا نہیں کرتا۔ (۴) جب کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۷۸) یہ آیت بھی ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے توراۃ میں تحریف کی اور حضور ﷺ کی شان توراۃ میں بدل دی اور ان باتوں پر رشوت حاصل کی اور اس سے مراد کعب بن اشرف اور مالک بن صیف وغیرہ ہیں۔ کہ وہ کتاب پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کر کے پڑھتے۔ تا کہ تم یہ سمجھو کہ وہ منزل کتاب سے ہے۔ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں یعنی وہ خود بھی جانتے ہیں کہ کتاب کا وہ حصہ نہیں ہے لیکن لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

شان نزول : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی کعب بن اشرف کے پاس توراۃ لے کر آئے اور اس میں سے جتنے مضامین نبی کریم ﷺ کی شان کے متعلق تھے وہ تبدیل کر دیئے پھر جب وہ کتاب بنی قریظہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے محرف اور غیر محرف کو ایک چیز سمجھ لیا (یہ دین فروشی کی پہلی مثال ہے جو یہودیوں نے شروع کی اور آج بھی ہے)۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "دین فروشی ما بہ کردن ہست خسراں مبین۔ سودمند آں کس کہ دنیا صرف کرد ودیں خرید) ایسے بہت سارے گندم نما جوفروش شیخیاں بگھارنے والے پائے جاتے ہیں جو معرفت کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ عقلمند وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے دنیا دے کر دین خرید لیا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

نہیں ہے کسی شخص کے لئے کہ دی ہو اس کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور پیغمبری پھر کہے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

لوگوں کو ہو جاؤ بندے میرے سوائے اللہ کے لیکن (کہے گا) ہو جاؤ رب والے

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

بہ سبب اس کے جو تھے تم سکھاتے کتاب اور بہ سبب اس کے جو تھے تم درس دیتے

(بقیہ آیت نمبر ۷۸) لیکن ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اپنی جھوٹی باتوں سے سادہ لوح لوگوں کو پھنساتے ہیں بلکہ لوگوں کے سامنے ایسے ایسے روپ دھار لیتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہی قطب زمانہ ہیں۔ لیکن انہیں حقیقت ومعرفت کی ہوا تک بھی لگی نہیں ہوتی۔۔ ایسے لوگ دنیا وآخرت میں خسارہ پاتے ہیں۔

سبق: عقل مند آدمی پر لازم ہے۔ ان لوگوں کی ظاہری ٹھاٹھ دیکھ کر ان کے دام تزویر میں نہ پھنسے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں کے چکر سے بچائے اور اپنے پاکیزہ اور متقی لوگوں کی صحبت نصیب فرمائے۔

(آیت نمبر ۷۹) کسی بشر کے لائق نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب اور نبوت دی۔

شان نزول: حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم چاہتے ہیں کہ جب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو نہ صرف سلام دیں۔ بلکہ آپ کو سجدہ بھی کیا کریں۔ تو کیا ہی اچھا ہو تو حضور ﷺ نے سن کر فرمایا۔ معاذ اللہ یہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم غیر اللہ کے آگے سجدہ کریں یا غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں (کشاف)۔ خواہ وہ غیر اللہ بشر ہو یا کوئی اور مخلوق۔ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء پر جھوٹ باندھا کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہم پیغمبروں کو رب سمجھیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر کو کتاب دے جو حق بولتی ہے۔ توحید کا حکم دیتی اور شرک سے روکتی ہے اور علم وفہم بھی عطا کرے اور نبوۃ بھی عطا فرمائے۔ اتنی بزرگیاں ملنے کے بعد بھی وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری عبادت کرو (یہ کبھی نہیں ہو سکتا) بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام تو کہتے ہیں۔

ہو جاؤ تم اللہ والے۔ ربانی اس کو کہا جاتا ہے جو علم وعمل میں کامل اور اطاعت الٰہی اور دین حق پر حد درجہ مضبوط ہو (تو اللہ والے ہونے کی دلیل یہ ہے) کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور کتاب کا درس لیتے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے سے زیادہ پڑھانے کو افضلیت حاصل ہے۔ اس لئے تعلیم پڑھانے کو درس پر مقدم کیا۔

وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُكُمْ

اور نہ ہی حکم دیگا تمہیں کہ تم بناؤ فرشتوں اور نبیوں کو رب۔ کیا حکم دیگا تمہیں

بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کفر کا بعد اس کے جب تم مسلمان ہو

(آیت نمبر ۸۰) اور نہ ہی تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں یا نبیوں کو خدا مان لو جیسے عرب کے جاہلوں اور صائبیوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں یہود نے عزیر کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا۔ معاذ اللہ۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم دے گا۔ یعنی جسے علم وحکمت اور نبوۃ دی گئی۔ وہ ہرگز اپنی الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ بھی ایسوں کو وحی وکتاب دیکر نہیں بھیجتا جو یہ دعویٰ کرے۔ یاد رہے علم اور عمل آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ عمل کے لئے علم ضروری اور علم کے بعد عمل ضروری ہوتا ہے۔ ان دونوں میں کمی ہوتو وہ ربانی نہیں ہوسکتا۔ جو عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس کی بھی اللہ تعالیٰ سے نسبت منقطع ہے۔ اس کی نسبت کا اتصال عمل سے ہی ہوگا۔ اسی طرح جاہل عبادت گذار کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دو شخصوں نے دین کی کمر توڑ دی۔ (۱) عالم بدعمل۔ (۲) جاہل عبادت گذار نے۔ اس لئے کہ عالم بدعمل اپنی بدعملی سے لوگوں کو دین سے متنفر کررہا ہے اور جاہل عبادت گذار اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو جہالت کی دعوت دے رہا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع مند نہ ہو اور اس دل سے بھی جس میں خوف خدا نہ ہو۔ (مشکوۃ شریف)

سبق: (یہی حال آج کے جاہل پیروں کا ہے جو خود بھی جاہل ہیں اور اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو بھی کہتے ہیں ان مولویوں کے قریب نہ جانا)۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بعض جاہل پیر کہہ دیتے ہیں کہ شیطان بھی بڑا عالم تھا کیا فائدہ علم کا کچھ جاہل پیر کہتے ہیں (ایتھے علم دا سکہ نہیں چلدا جتھے عشق داڈیرا اے)۔ ایک جاہل پیر جو اندر باہر سے کالا اور نام بھی کالا تھا۔ میری موجودگی میں لوگوں کو کہہ رہا تھا۔ کہ گدھا بھی صبح وشام کئی دفعہ مسجد میں پانی لیکر جاتا ہے۔ پھر بھی گدھا ہی رہتا ہے۔ یعنی کوئی فائدہ نہیں صبح وشام مسجد جانے کا۔ (استغفر اللہ) بہرحال لوگوں کو علم سے دور کرنے کے ان کے پاس بہت ہتھکنڈے ہیں اللہ بچائے ایسے جاہلوں سے۔ اور ان جاہل پیروں سے جو لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور جب لیا اللہ نے وعدہ نبیوں سے جب میں دوں تمہیں کوئی کتاب اور حکمت

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ

پھر آئے تمہارے پاس رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو ضرور تم ایمان لانا اس پر

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا

اور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا اقرار کیا تم نے اور لی تم نے اس پر بھاری ذمہ داری عرض کی

اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اقرار کیا ہم نے ۔ فرمایا پھر گواہ بن جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں

(آیت نمبر ۸۱) انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ وعدہ ازل میں لیا گیا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انبیاء کرام سے وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق یوں کریں کہ ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کرے اور بعد میں آنے والے کی مدد کرے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا گیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں ۔ اور ان کی مدد کریں اور عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائیں اور مدد بھی کریں ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ۔ کہ ہر نبی کو حکم دیا ۔ کہ وہ خود آخری نبی پر بھی ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی یہی حکم دیں ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے نبی آپ وہ وقت یاد کریں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا فرماؤں ۔ جس میں حلال وحرام اور حدود کا بیان ہو پھر تمہارے پاس میرے رسول تشریف لائیں ۔ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کریں گے ۔ تو تم ضرور بہ ضرور اس رسول پر ایمان بھی لانا اور اس کے دین حق کو غالب کرنے کیلئے اس کے دشمنوں کے مقابلے میں اس کی مدد بھی کرنا ۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر میثاق النبیین کے مضمون کو امتوں پر محمول کیا جائے تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعے امتوں سے وعدہ لیا کہ جس کے زمانہ میں وہ رسول آئے اس امت پر لازم ہے کہ اس رسول پر ایمان لائے اور اس کی مدد بھی کرے اور اگر اپنے معنی پر ہی برقرار رکھا جائے تو پھر معنی ہوگا کہ اے انبیاء کرام علیہم السلام اگر تمہارے زمانے میں میرا وہ رسول تشریف لائے تو تم نے ایمان بھی لانا ہے اور مدد بھی کرنی ہے ۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں ۔ کہ شب معراج تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بیت المقدس میں جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعت کے مطابق نماز ادا کر کے اسی بلند مرتبت وعدے کی عملی توثیق کی ۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

تو جو پھر گیا بعد اس کے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ کیا سوائے دین الٰہی کے وہ تلاش کرتے ہیں

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

حالانکہ واسطے اس کے جھکی ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین پر ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور طرف اس کے لوٹائے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۸۱) پہلے اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا پھر فرمایا کہ اے نبیو کیا تم ایمان لانے اور میرے رسول کی مدد کرنے کا اقرار کرتے ہو یہ بات بطور تاکید کے کہی گئی۔ پھر ذرا اور بھی زور دیکر فرمایا کہ تم نے میرے اس بوجھل وعدے کو لے لیا۔ کیونکہ اس قسم کا وعدہ صاحب وعدہ پر بہت سخت ہوتا ہے کہ وہ اس وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا اس کے بعد پھر اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ اے انبیاء اور امتیو سب ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس سے بھی مراد تاکید ہی ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اب ہم رجوع نہیں کر سکتے کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ بھی گواہ ہے اور ہم بھی ایک دوسرے پر شاہد ہیں۔

(آیت نمبر ۸۲) پھر اس بات کو مزید مضبوط کرنے کیلئے فرمایا کہ اب جو اس وعدے سے منحرف ہوگا بعد پختہ ہونے کے وہ فاسق ہیں یہاں فاسق بمعہ کافر ہے جو اس وعدے سے نکلیں گے۔ انبیاء کرام کا تو وعدے سے پھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں ظاہراً تو یہ وعدہ انبیاء سے ہے لیکن بالتبع یہ وعدہ ان کی امتوں سے ہے۔ وعدے سے پھرنے کی امید صرف امتوں سے تھی۔ سابقہ کتابوں میں بھی اس میثاق کا ذکر موجود تھا جس کو وہ اچھی طرح جانتے تھے اور اس بات کو بھی جانتے تھے کہ وہ میثاق حضور ﷺ کے متعلق لیا گیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی نبوۃ برحق ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ منکر ہوئے صرف حسد کی وجہ سے اور ان کے کفر کا سبب صرف یہی بات تھی۔

(آیت نمبر ۸۳) اب ایمان تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرنے لگے۔ حالانکہ ان کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے زمین و آسمان کی ہر چیز نے گردن جھکائی ہوئی ہے اور فرمانبردار ہیں خواہ خوشی سے یا مجبور ہو کر۔ خوش ہو کر اہل توحید نے اور مجبور ہونے سے مراد منکرین ہیں۔ اور وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے آثار اس جہاں میں بکثرت موجود ہیں۔ جو واضح علامات ہیں کہ یہ جہان حادث ہے۔ بندوں کی غمی اور خوشی تندرستی اور بیماری۔ دولتمندی اور غربت جیسے احوال جو بندوں کو لاحق ہوتے رہتے ہیں یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور زمین و آسمان کی ہر چیز واپس اسی کے پاس جائیگی۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

سبق: لہذا عقل مند کو چاہئے کہ وہ رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے۔ نافرمانی سے اور ازل والے میثاق توڑنے سے بچے۔

فائدہ: عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہئے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ بندگی کرتے وقت خلوص اور صدق سے کام لے اور حقوق ربوبیت کی خاص رعایت رکھے۔

حکایت: ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ تو ہمیں وعظ کیا کریں تا کہ ہمیں فائدہ پہنچے۔ تو فرمایا کہ مجھے چار باتوں نے پریشان کر رکھا ہے جب ان سے فارغ ہونگا پھر تمہارے ساتھ بیٹھوں گا:

۱۔ جب مجھے یاد آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ تیری اولاد کا یہ گروہ جنتی ہے اور یہ دوزخی تو مجھے یہ فکر دامنگیر ہے مجھے اب یہ معلوم نہیں کہ میں کون سے گروہ میں ہوں؟

۲۔ جب نطفہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو موکل فرشتہ پوچھتا ہے کہ نیک بخت لکھوں یا بد بخت تو مجھے یہ فکر ہے کہ میرے متعلق معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم فرمایا؟

۳۔ جب عزرائیل روح نکالتا ہے تو پوچھتا ہے کہ یا اللہ اس کا روح اسلام پر نکالوں یا کفر پر قبض کروں تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میرے متعلق پتہ نہیں کیا جواب ملتا ہے؟

۴۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے مجرمو الگ ہو جاؤ تو مجھے ڈر ہے کہ مجھے کس گروہ میں شامل کیا جائے گا؟۔۔۔۔ یہ چار باتیں ہیں جن سے میں خوف کر رہا ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس بندے کی جیسی تقدیر ہو اسے اس قسم کے اعمال کی توفیق ملتی ہے (بخاری ومسلم) لہذا بندے کو چاہئے کہ تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر ان کی ہر ہر بات پر عمل کرے۔ (اللہ والا وہ ہے۔ جو دنیا سے دور اور اللہ تعالیٰ کے قریب میں ہو۔ ہر وقت اس کی یاد میں محو ہو۔)

سبق: دین اسلام جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے لیکر ہمارے پاس تشریف لائے۔ یہی سب انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے۔ اسے بھی اگر کوئی چھوڑتا ہے۔ اور اسے قبول کرنے کے بجائے وہ کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے۔ تو اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہے۔ اور ایسے بد بخت لوگوں نے دین اسلام سے دشمنی کر کے اپنی فطرت سلیمہ کو بھی بگاڑ دیا ہے۔ لہذا کس قدر وہ بدنصیب لوگ ہیں۔ جو اس قدر عالی شان دین کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے ضابطہ حیات کی تلاش میں ہیں۔ وہ تو نفس کے دھوکے میں ہیں۔ بلکہ وہ مہلک مرض میں مبتلاء ہیں۔ العیاذ باللہ

23

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کہو ایمان لائے ہم اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو اترا اوپر ابراہیم اور اسماعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ

اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کرام

مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

اپنے رب کی طرف سے نہیں ہم فرق کرتے درمیان کسی ایک کے ان سے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

(آیت نمبر۸۴) اے محبوب آپ لوگوں کو بتائیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر جس طرح ایمان لائے تم بھی اس طرح ایمان لاؤ یہ اس لئے فرمایا تا کہ اس کا اثر عوام کے دلوں پر اچھی طرح ہو اور فرمایا کہ ہم اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل ہوا۔ یعنی قرآن مجید اور جو ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام اور ان کی اولاد کی طرف نازل ہوا۔ یعنی صحیفے وغیرہ۔

"لسباط" سے مراد حضرت یعقوب کی اولاد یعنی پوتے وغیرہ اور جو موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام دیئے گئے یعنی توراۃ اور انجیل یا وہ معجزات جو ان سے صادر ہوئے ان دو نبیوں کا خصوصیت سے علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کی امتوں سے بات ہو رہی ہے اور دیگر بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اپنے رب کی طرف سے۔ ہم ان سب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر بھی ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ ہم یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں ہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ ہم سب سچے انبیاء کرام علیہم السلام کو مانتے ہیں۔ اور جھوٹوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

یاد رہے سابقہ انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہوئی ہیں۔ ان کی نبوتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ مسلمان بمعنی مخلصین ہے۔ یعنی ہم اللہ کی خالص عبادت کرنے والے ہیں کہ عبادت میں ہم کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ اور ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے مراتب سمیت (جو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مرتبے عطا کئے) مانتے ہیں۔ اور خصوصاً جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول بھی مانتے ہیں اور ان کی اطاعت اور اتباع بھی کرتے ہیں۔ جن کی اطاعت اور اتباع کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ ہمیں اس پر قائم رکھے۔ آمین

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

اور جو تلاش کرے سوائے اسلام کے کوئی اور دین تو ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا اس سے اور وہ آخرت میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

گھاٹا پانے والوں سے ہے کیسے ہدایت دیگا اللہ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر کیا بعد ایمان لانے کے اور گواہی دی کہ بے شک

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

یہ رسول برحق ہے اور آئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے

(آیت نمبر۸۵) اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش کرتا ہے جو مشرکین کا طریقہ ہے تو یاد رہے اسلام کے علاوہ کوئی دین کوئی مذہب کوئی بھی ضابطہ حیات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ اس کے منہ پر مار دیا جائیگا اور وہ قیامت کے دن خسارہ والوں میں سے ہوگا یعنی بجائے ثواب ملنے کے عذاب کا مستحق ہوگا۔

سبق: اس وعید میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ذوق عبادت سے محروم رہے۔ قیامت کو حسرت وافسوس کریں گے کہ کاش سچے دین میں داخل ہوتے۔ باطل دین میں نہ جاتے اور نہ آج یہ دکھ اٹھاتے۔

(آیت نمبر۸۶) اللہ تعالیٰ حق کی طرف ہدایت اس قوم کو کیسے دے جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے یعنی جو حق کے مخالف اور دشمن ہوئے حالانکہ انہوں نے اس بات کی گواہی بھی دی کہ یہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس واضح دلائل بھی آ گئے۔ جو نبوۃ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا جنہوں نے ایمان کو پہچان لینے کے باوجود کفر اختیار کیا۔ البتہ اگر دین کی حقانیت کو منصفانہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے گا یعنی اگر سابقہ ظلم سے سچے دل کے ساتھ توبہ کر لی تو پھر ہدایت کے حقدار ہیں۔

شان نزول: یہ بارہ اشخاص تھے جو دین اسلام سے منہ پھیر کر کافروں سے مل گئے تھے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ ایسے لوگ جو حق کے بالکل واضح ہونے اور پھر اس کو قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بطور سزا کے ہدایت پر آنے کی توفیق نہیں دیتا۔ ہاں پھر اگر وہ سچے دل سے نادم اور تائب ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے در رحمت پر دستک دیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾

وہی ہیں کہ سزا ان کی بے شک ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں سب کی

خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا

ہمیشہ رہیں گے اس میں نہیں ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ مگر

الَّذِينَ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾

جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور اپنی اصلاح کر لی پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۸۷) یہ مذکورہ بالا وہی لوگ ہیں۔ جن کی بری عادات بیان ہوئیں۔ ان کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ لعنت کا مطلب جنت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور عذاب ضروری ہے۔ صرف اللہ ہی کی نہیں بلکہ ان پر تمام فرشتوں کی بھی لعنت ہے اور تمام لوگوں کی بھی ان پر لعنت ہے۔ الناس سے مراد یا اہل ایمان ہیں اور غیر مسلم مراد ہوں تو یہ مراد ہوگی کہ تمام کفار جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

(آیت نمبر ۸۸) اور حال یہ ہے کہ وہ اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی جس طرح ان پر عذاب ہمیشہ کا ہے۔ اسی طرح ملائکہ اور مومنین کی لعنت بھی ان پر ہمیشہ کیلئے ہوگی۔ تو جس طرح لعنت سے وہ کبھی خالی نہیں ہونگے۔ اسی طرح ان کے عذاب میں بھی تخفیف نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت دی جائیگی۔

مسئلہ: کفار کا عذاب دائمی ہے۔ جو سخت تکلیف دہ ہوگا۔ جس میں ذرہ برابر تخفیف کر کے ان کو فائدہ پہنچنے کا کوئی چانس نہیں ہوگا اور نہ کسی تھوڑے سے وقت کیلئے ان سے عذاب منقطع ہوگا۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے ان اسباب سے پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۹) البتہ وہ لوگ جنہوں نے مرتد ہونے کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنے گندے کرتوتوں سے پاک صاف ہو کر اصلاح کر لی یعنی نیک اعمال کر لئے تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے یعنی ان کی توبہ قبول فرما کر ان پر لطف و کرم فرمائے گا۔

مسئلہ: "اصلحوا" سے معلوم ہوا کہ صرف توبہ سے کام نہیں بنے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی ہو۔ اور جو گناہ کئے ان پر ندامت بھی ہو اور آئندہ ان کے قریب بھی نہ جانے کا پکا ارادہ ہو۔

مسئلہ: ارتداد وغیرہ سے بھی توبہ یہ ہے کہ جو پہلے ہوا اس پر پشیمان بھی ہو اور آئندہ اس سے باز رہنے کا پختہ ارادہ بھی ہو۔

حکایت: سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے کہ مجھے تعجب ہے۔ اس ضعیف پر جو اپنے سے زیادہ طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک نوجوان آیا۔ جس کے پیچھے بہت سارے سوار حسین وجمیل خدام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اس نوجوان نے سواری سے اتر کر پوچھا کہ سری سقطی کون ہے۔ میرے دوستوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہی ہیں تو وہ مجھے سلام کر کے میرے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ آپ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ ضعیف اپنے سے قوی کی نافرمانی کرتا ہے فرمایا ضعیف سے مراد اولاد آدم اور قوی سے مراد ذات الٰہی ہے۔ آدمی بہت ہی کمزور ہو کر نافرمانی اس کی کر رہا ہے جو بہت ہی قوی ہے تو نوجوان رونے لگا اور کہا کہ یا حضرت کیا رب تعالیٰ میرے جیسے گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسان کی بھی توبہ قبول فرمائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تو پورے طور پر یعنی سچے دل سے حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائیگا۔ تو تیرے مخالف تیری سزا کا مطالبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی راضی فرمائے گا۔ چنانچہ **حدیث شریف** میں آتا ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے دوست سے مطالبہ کرنے والے آئیں گے تو فرشتے کہیں گے کہ اللہ کے دوست کو کچھ نہ کہو۔ اب اس پر جتنے حقوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ خود ادا فرمائے گا۔ بلکہ مطالبہ کرنے والوں کو بھی مطالبات سے زیادہ دے گا۔ اور نہیں بلند مراتب عطا فرمائے گا۔ اور مطالبہ کرنے والے اتنے خوش ہونگے کہ وہ اپنے مطالبات کو چھوڑ دیں گے۔ سری سقطی کی تقریر سن کر وہ اور زیادہ رویا پھر عرض کی۔ حضرت مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتائیے تو فرمایا کہ درمیانے درجہ والوں میں رہنا چاہتے ہو تو بہت زیادہ روزے رکھو اور نفل نماز کی کثرت کرو اور گناہوں کو بالکل چھوڑ دو اور اگر اولیاء کا راستہ اختیار کرنا ہو تو پھر اللہ کے سوا ہر چیز کے تعلق سے بالکل آزاد ہو کر خالص عبادت میں لگ جاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

بے شک جو کافر ہوئے بعد ایمان لانے کے پھر زیادہ بڑھ گئے کفر میں ہرگز نہیں قبول ہوگی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

توبہ ان کی اور وہ ہی گمراہ ہیں

(آیت نمبر ۹۰) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جیسے یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کفر کیا ایمان لانے کے بعد یعنی موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں اور آگے بڑھ گئے کہ حضور ﷺ کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے اور قرآن کا بھی انکار کیا اور اس پر اصرار کر کے کفر میں آگے بڑھے۔ پھر حضور ﷺ پر طرح طرح کے طعن کئے پھر دوسرے لوگوں کو بھی ان پر ایمان لانے سے روکا یوں وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ یعنی اب وہ اس حال میں پہنچ گئے کہ ان کی بری طرح سرزنش کی جائے اور اب انہیں اللہ کی رحمت کی امید بھی نہیں رکھنی چاہئے اس لئے کہ اب وہ کفر کی آخری حد تک پہنچ چکے ہیں اور یہ لوگ پوری طرح گمراہی کے گڑھے میں گر چکے ہیں ان کی ہدایت کی امیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

حدیث شریف: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے عبداللہ تم دنیا میں یوں رہو۔ (بخاری) جیسے کوئی مسافر ہو۔ جو راستے میں کسی طرف نہیں دیکھتا۔ نہ راستے میں کسی جگہ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے اور نہ دنیا میں زیادہ ٹھہرنے کا خیال کر۔ اس سے اتنا ہی تعلق رکھ۔ جتنا کوئی گھر سے باہر تعلق رکھتا ہے۔ اور نہ اس میں مشغول ہو۔ جیسے کوئی مسافر گھر والوں کے پاس جانے والا راستے میں کسی چیز سے مشغول نہیں ہوتا ہے اور اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کر یعنی جیسے مردہ قبر میں مالک کے حکم کو پوری طرح مانتا ہے اور کسی چیز پر اعتراض نہیں کرتا۔

ایک اور **حدیث** میں فرمایا ان لوگوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ جو حد سے بڑھنے والوں کو اچھا سمجھتے ہیں اور نیک لوگوں کو ہلکا سمجھتے ہیں اور قرآن میں جو باتیں خواہش کے مطابق ہیں ان پر عمل کرتے ہیں اور جو خواہش کے خلاف ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہیں تو اس وقت وہ کچھ قرآن کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے۔ ایسے لوگوں کی توبہ کیسے قبول ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے پس ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا کسی ایک کا ان سے خواہ بھر کر دیں زمین

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۟ؑ (۹۱)

سونے سے اگرچہ فدیہ دیں اس کا ان ہی کے لئے عذاب دردناک ہے اور نہیں انکا کوئی مددگار

(آیت نمبر ۹۱) آگے پھر فرمایا کہ بے شک جو کافر ہوئے اور کفر پر ہی مرے۔ اب اگر وہ اپنی جان عذاب سے بچانے کیلئے فدیہ دیں اور وہ فدیہ مشرق سے مغرب تک زمین سونے سے بھر کر بھی دیں تو وہ فدیہ ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا یہ بات بھی بالفرض محل والتقدیر یہ ہے ورنہ قیامت کے دن تو کسی کے پاس کھجور کا چھلکا تک نہ ہوگا سونا کہاں اور کس کے پاس ہوگا اور ان کے فدیہ کی عدم قبولیت کا سبب ان کی کفر پر موت ہے۔

فائدہ: چونکہ مال میں اعلیٰ درجہ کا مال سونا ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا زمین بھر کر دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر بہت زیادہ بھی دے گا تو قبول نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ کافر عذاب سے نجات پانے کی ہرگز امید نہ رکھیں آگے فرمایا کہ ان لوگوں کیلئے ہی دردناک عذاب ہوگا اور ان کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچا سکے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب جسے ہوگا اس سے کہا جائیگا کہ اگر تجھے پوری زمین ملکیت میں دی جائے تو کیا تو اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں وہ دے دیگا تو وہ عرض کرے گا کہ ہاں دے دونگا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں میں نے تجھے اس سے بھی آسان کام کا کہا تھا اور تو نے انکار کر دیا۔ وہ یہ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تو نے انکار کیا اور میرے شریک ٹھہرائے۔ اور پھر توبہ کے بغیر ہی دنیا سے چلا آیا۔

(بخاری شریف)

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے کفر و شرک کا ڈر نہیں۔ مجھے ڈر ہے تو یہ کہ وہ خواہشات کی اتباع اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (اخرجہ ابن ابی الدنیا)

نوٹ: یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے۔ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے امت سے کفر و شرک کا ڈر نہیں اور آج کل مولویوں نے خصوصاً سعودی لوگوں نے شور مچا رکھا ہے۔ کہ شرک بہت ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا۔ شرک نہیں ہو رہا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو خواہ مخواہ مشرک بنایا ہوا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان سچا ہے۔ اور یہ شور مچانے والے جھوٹے ہیں۔

(جلد اوّل اختتام)